خطباء و دعاۃ اور مبلغین حضرات کے لیے ایک علمی تحفہ

زاد الخطیب

جلد اول

تالیف

(ڈاکٹر) حافظ محمد اسحاق زاہد

مرکز الفلاح الخیری - لاہور

خُطبا، وُدعاۃ اور مُبلّغین حضرات کے لیے ایک علمی تحفہ
زادُ الخطیب
جلد اول
(سال بھر کی مخصوص مناسبات)
تالیف
(ڈاکٹر) حافظ محمد اسحاق زاہد
مرکز الفلاح الخیری۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : .... **زاد الخطیب**

نام مؤلف : .... (ڈاکٹر) حافظ محمد اسحاق زاہد

کمپوزنگ : .... از مؤلف

ایڈیشن : .... پنجم ۔ جنوری ۲۰۱۴

ملنے کے پتے

① رانا طاہر محمود ۔ مکان نمبر ۷ گلی نمبر ۳ سلیمان پارک بنک سٹاپ فیروز پور روڈ لاہور

فون نمبر: 0333-4237720

② مکتبہ اسلامیہ ۔ بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون نمبر: 042-37244973

③ مکتبہ اسلامیہ ۔ کوتوالی روڈ فیصل آباد ۔ فون نمبر: 041-2631204

④ ارشد علی ۔ جامعہ محمدیہ للبنین والبنات ۔ کورنگی ۲ کراچی فون: 0300-2682701

⑤ حافظ رفیق صاحب ۔ ملتان ۔ فون نمبر: 0321-6335038

فہرست مجلد اول

جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی (کویت) کا پیغام
دعاۃ ومبلغین حضرات کے نام

الحمد لله حمد الشاكرين، والصلاة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين، نبينا محمد إمام الدعاة والمجاهدين ، وعلى آله الطيبين وأصحابه الذين بذلوا أنفسهم ونفيسهم في نصرة الدين ، ومن سلك مسلكهم ودعا إلى سبيل المؤمنين وتبعهم بإحسان إلى يوم الدين ۔ و بعد ۔

دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین ایک مبارک اور عظیم مشن ہے ۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد اور بندگان رب العالمین کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا سب سے اہم اور افضل ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ①

"(اے اہل ایمان!) تم سب سے بہتر امت ہو جو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

ور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِه» ②

"جس شخص نے نیکی کی طرف کسی کی راہنمائی کی' اسے بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر وثواب ملے گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«فَوَ اللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ » ③

اللہ کی قسم! اگر آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا کردی تو آپ کے لئے (یہ عمل) سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔"

اس لئے میرے قابل قدر بھائی وہ خطباء ودعاۃ لائق صد تحسین ہیں جو اس پرفتن دور میں دعوت الی اللہ کا عظیم فریضہ سرانجام دے رہے اور بزم عالم میں کتاب وسنت کی شمع کو فروزاں کئے ہوئے ہیں ۔اور شب وروز لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کیلئے مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی جھود میں برکت پیدا کرے اور ان کی مساعی ء جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

① آل عمران :110 ② صحیح مسلم :1893 ③ متفق علیه

لجنۃ القارۃ الھندیۃ (کویت) نے کچھ عرصہ قبل دعوت وارشاد کے اس مبارک عمل میں شریک کار بنیا ور اپنے خطباء ودعاۃ کی تزوید معلومات اور تسہیل برنامج کی غرض سے منہج سلف کے مطابق خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کرنے کا منصوبہ تشکیل دیا تھا جو کہ علم وتحقیق کے معیار پر پورا اترنے کے ساتھ ساتھ عام فہم اور سہل الاسلوب بھی ہو۔اور اس علمی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری ہم نے اپنے فاضل بھائی ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد کو تفویض کی تھی۔

الحمد للہ موصوف نے انتہائی جانفشانی اور عرق ریزی کے ساتھ شبانہ روز محنت کرکے بڑی حسن وخوبی اور مہارت ولیاقت کے ساتھ اس خاکے میں رنگ بھرا اور اس ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے خطباء ومبلغین کیلئے ایک گرانقدر علمی مرقع اور جامع دستاویز مرتب کرکے بہت بڑی دعوتی خدمت سرانجام دی ہے۔میں اس مشروع کی تکمیل پر اس کے مرتب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمارے فاضل بھائی کی اس خدمت کو قبول ومنظور فرمائے اور اسے ہم سب کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین!

میں اپنے برادرانِ گرامی قدر حضرات خطباء ومبلغین کی خدمت میں (**زاد الخطیب**) جیسا بیش قیمت تحفہ پیش کرتے ہوئے روحانی مسرت اور قلبی راحت محسوس کررہا ہوں۔اور توقع کرتا ہوں کہ ہمارے دعاۃ ومبلغین اس سے بھر پور طریقے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں تک پیغامِ حق پہنچائیں گے اور دنیوی واخروی سعادتوں کے حصول کے لئے مشفقانہ اور ہمدردانہ جذبات کے ساتھ ان کی رہنمائی کریں گے۔اِس مجموعہ سے استفادہ کرنے والوں سے میری اپیل ہے کہ وہ لجنۃ القارۃ الہندیۃ کے جملہ احباب اور اس کی اعداد وتقدیم میں کسی طرح سے بھی حصہ ڈالنے والے بہی خواہانِ امت کو اپنی پرخلوص دعاؤں میں یاد رکھیں۔اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

أخوكم في الله / فلاح خالد المطيري
رئيس لجنة القارة الهندية (كويت)

تقریظ

از شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب حفظہ اللہ

الحمد لله والصلوة والسلام علی من لا نبی بعده، ، ،

زیرِ نظر کاوش مسمّٰی ''**زاد الخطیب**'' تلمیذ رشید محترم ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ کی تصنیف لطیف جامع مجموعہ ہے۔ جس میں ایک داعیہ، واعظ اور مبلغ کے لئے سال بھر کی ضرورت کے مختلف عناوین و مضامین اور خطبات کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جس کا دار و مدار اور انحصار موضوع، من گھڑت روایات اور قصہ گوئی کے بجائے کتاب وسنت کی صحیح نصوص پر ہے۔ مستمع اور قاری یقیناً اس سے لذت محسوس کرتا ہے کہ واقعی ملفوظات ہذا مشکوٰۃِ نبوت سے صادر شدہ ہیں، جو اُخروی زندگی سنوارنے کی بہترین اساس ہیں۔

اس موضوع پر بہت ساری کتابیں بنامِ 'خطبات' بازار میں دستیاب ہیں لیکن اکثر وبیشتر رطب ویابس سے چنداں خالی نہیں جو کہ عام آدمی کی تربیت واصلاح کے بجائے تعلیماتِ نبوی سے دوری کا باعث بنتی ہیں جس سے بگاڑ در بگاڑ جنم لیکر ''من كذب علي متعمدا '' کا نقشہ نظر آنے لگتا ہے، اس سے بچاؤ کا واحد ذریعہ شریعت الٰہیہ کا تقید ہے۔ اوائل سلف تا حیات اس کو نصب العین بنانے پر جنتِ خلد کے وارث قرار پائے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین عظام اور ائمہ مشاہیر کے زریں اقوال وآثار خلف کے لیے بہترین قسم کے راہنما ہیں۔ جنہوں نے مردہ روحوں کو جلا بخشی، بدعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس موضوع پر تحریر شدہ کتابیں بالعموم اور کتاب 'الابداع فی مضار الابتداع' کا مطالعہ ازبس ضروری ہے تاکہ داعیہ علی وجہ البصیرت صراط مستقیم کا انتخاب بآسانی کر سکے۔

واضح ہو کہ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت میں سلفی فکر ونظر اور منہج کا حامل ادارہ ہے جسکی دینی خدمات دنیا کے اکناف واطراف میں پھیلی ہوئی نصف النہار کی طرح عیاں ہیں۔ ایک ہزار سے زیادہ دعاۃ ومبلغین اسکے تحت دینی خدمات پر مامور ہیں۔ بزرگ علماء اور ایتام وغیرہ کی کفالت اس کے مشن کا اہم جزء ہے اور دنیا بھر میں مسجدوں کے تعمیر اور اقامتِ مشاریع اور وقفِ مزارع اس کا امتیازی نشان ہے۔ اسکے سرپرست اعلیٰ جناب شیخ طارق العیسیٰ حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے عرصہ دراز سے نیک کاموں کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا ہے۔ پھر ان کو مخلص احباب کی ٹیم میسر ہے جو ہمہ تن ادارہ کی ترقی کیلئے کوشاں ہے، بالخصوص ہمارے مخلص دوست شیخ فلاح المطیری حفظہ اللہ رئیس لجنۃ القارۃ الہندیہ جن کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔

ضخیم مجموعہ ہذا ڈاکٹر صاحب کی محنت کا ثمر ہے جو قابلِ تعریف اور لائقِ ستائش ہے۔

اللہ رب العزت آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ (آمین یارب العالمین)

الراقم: ثناء اللہ بن عیسیٰ خان (رئیس مرکز انصار السنۃ، لاہور، پاکستان)

تحریرانی: ۲۰۰۸/۰۵/۰۶م

تقریظ

از شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالستار حماد صاحب حفظہ اللہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين، محمد و آله وصحبه اجمعين ـ

اہل اسلام ہفتہ میں ایک دن اللہ کی عبادت اور وعظ و تذکیر کے ذریعے اپنے ایمان کو تازہ کرنے کے لئے مساجد میں جمع ہوتے ہیں، اس بنا پر اس دن کو جمعہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہم مسلمانوں کے ہاں وہ دن بہت مقدس اور قدر و منزلت کا حامل ہے۔

پہلی امتوں کو عبادت کے لیے یہ دن اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر وہ گمراہ ہوئیں اور اس دن کا اپنے لیے انتخاب نہ کر سکیں۔ یہود نے اپنے لئے ہفتہ کا دن اور عیسائیوں نے اتوار کا دن منتخب کیا، مگر اللہ رب العزت نے امتِ مسلمہ کے لیے جمعۃ المبارک کا دن منتخب فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے سبقت لے جانے والے ہوں گے گو اہل کتاب کو کتابِ ہدایت ہم سے پہلے دی گئی۔ پھر اس دن (جمعہ) کی تعظیم بجا لانا ان پر فرض کیا گیا مگر انہوں نے اس دن کے متعلق اختلاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن ہدایت عطا فرمائی۔ اب دوسرے لوگ ہمارے پیچھے ہیں۔ یعنی یہودیوں کا دن ہمارے ایک دن بعد اور عیسائیوں کا دن ہمارے دن کے دو دن بعد آتا ہے۔[1]

جمعہ کے دن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن عام مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرنے کا اہتمام ہوتا ہے، اس بناء پر خطبۂ جمعہ اسلامی شعار اور اہم ترین اسلامی فریضہ ہے۔ اس کے بغیر نمازِ جمعہ کی ادائیگی درست نہیں ہے۔ خطبۂ جمعہ ہفتہ وار ایسی یاد دہانی ہے جس میں مسلمان ایک شرعی فریضہ کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتے ہیں، وہ اس واجبِ شرعی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور خطبۂ جمعہ کو مکمل خاموشی کے ساتھ سن کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ پھر چونکہ خطبۂ جمعہ ارشادات ربانی اور فرمودات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں متوازن اور مضبوط موقف پر مبنی ہوا کرتا ہے لہٰذا اس سے حاضرین صحیح افکار اخذ کرتے ہیں، اسلامی عقیدہ اور شرعی احکام و مسائل سے آگاہی حاصل کرتے ہیں، نیز وہ شریعت اسلامیہ کی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں پھر مختلف قسم کے واقعات و حوادث اور نئے نئے مسائلِ زندگی کے متعلق بھی باخبر ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خطبہ کے لئے بھرپور تیاری کرے اور سامعین کے علمی اور ثقافتی مقام کے مطابق موضوع کا انتخاب کرے۔ کامیاب خطیب کی علامت یہ ہے کہ وہ سامعین کی توقعات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے موقع محل کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري:876

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’مجھے یہ بات پسند ہے کہ خطیب کی گفتگو انتہائی واضح اور دلنشیں ہو، وہ کسی بھی صورت میں چرب زبانی سے کام نہ لے، گفتگو کا تسلسل برقرار رکھے، جلد بازی سے اجتناب کرے، اسکی گفتگو میانہ روی پر مبنی ہو، اس کا اسلوب پر تأثیر ہو اور تقریر جامعیت کی آئینہ دار ہو۔‘‘①

☆ خطبہ میں جو علمی اور فکری مواد پیش کیا جائے وہ عقل ونقل کے اعتبار سے معیارِ صحت کے عین مطابق ہو اور توازن کی کسوٹی پر پورا اُترتا ہو، وہ کسی بھی صورت میں رطب ویابس اور فضول قصہ کہانیوں پر مشتمل نہ ہو۔

☆ وہ موقع محل اور سامعین کی ضروریات کا آئینہ دار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی عزت وآبرو کو پامال کیا جارہا ہو اور خطیب کھیتی باڑی کے مسائل بیان کرنے میں زورِ خطابت صرف کررہا ہو، فنِ بلاغت کی اصطلاح میں خطبہ مقتضی حال کے عین مطابق ہو۔

☆ خطبہ کو خود اعتمادی کے ساتھ ایسے جاذب اور پر تاثیر انداز سے پیش کیا جائے کہ سامعین متاثر ہوں، کیونکہ دلنشین اسلوب کی بدولت تجارتی مسائل پر مشتمل خطبہ بھی آنکھوں میں ساون کی جھڑی کا باعث بن سکتا ہے جبکہ بے تکے انداز سے فکرِ آخرت جیسی تقریر سے بھی آنکھیں پرنم نہیں ہوتیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی تاثیر کو باین الفاظ بیان کرتے ہیں کہ ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے آنکھیں بہہ پڑتیں اور دل ڈھل جاتے۔‘‘②

لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں پاک وہند میں ایسے بازاری خطبات کی بہتات ہے کہ جن میں بے سروپا حکایات اور ضعیف بلکہ موضوع روایات کی بھرمار ہوتی ہے۔ اکثر خطباء حضرات ان تیار شدہ خطبات کو سامنے رکھ کر لچھے دار اور دھواں دار خطبہ تیار کرتے ہیں۔ جو کچھ ان خطبات میں ہوتا ہے اسے بیان کرکے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتے ہیں اور اصل مراجع ومصادر کی طرف رجوع کرکے تیاری کرنے کی وہ زحمت ہی گوارا نہیں کرتے۔ اسی طرح ہمارے ہاں ایسے خطباء بھی دستیاب ہیں جنہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اپنے خطبہ میں کیا موضوع بیان کرنا ہے اور ان کا خطبہ کن کن نکات پر مشتمل ہوگا، اس لیے وہ غیر مرتب گفتگو کرتے ہیں، ایک موضوع شروع کرکے اس سے یوں نکلتے ہیں کہ خطبہ کے اختتام پر انہیں یاد تک نہیں رہتا کہ انہوں نے کس موضوع پر بات شروع کی تھی اور ان کی گفتگو کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے خطبات غیر مؤثر ثابت ہوتے ہیں اور ان سے جو فائدہ ہونا چاہئے تھا وہ اس سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔ ان حالات کے پیشِ نظر ایسے خطبات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی جو عام خطبات سے ہٹ کر صحیح علمی مواد پر مشتمل ہوں اور وہ ماہ وایام کی مناسبات کے عین مطابق ہوں تاکہ خطباء اور واعظین بلکہ عام قارئین بھی ان سے استفادہ کرسکیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر کام

① کتاب الأم: 343/1 ② مسند إمام أحمد: 126/1

کے لیے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ پہنچتا ہے تو اس کے لیے اسباب، ذرائع اور وسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں ، چنانچہ جمعية احياء التراث الاسلامی کی ذیلی کمیٹی لجنة القارة الهندية کے ذمہ داران نے یہ بات محسوس کی کہ ہمیں اپنے زیر کفالت مبلغین کے لیے یہ کام ضرور کرنا چاہئے کہ سال بھر کے خطباتِ جمعہ بشمول خطباتِ عیدین علمی انداز میں مرتب کر دیے جائیں تاکہ وہ اپنی دعوت کو زیادہ مؤثر انداز میں پھیلا سکیں۔ پھر اس کوہِ گراں کو اٹھانے کے لیے ہمارے دیرینہ دوست جناب ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد ﷾ کا انتخاب کیا گیا۔

حافظ محمد اسحاق زاہد بڑے خوش مزاج، خوش اخلاق اور خوش کردار شخصیت ہیں۔ انہوں نے اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری امتیازی پوزیشن میں حاصل کی۔ موصوف حافظ صاحب جسمانی لحاظ سے اگرچہ ہلکے پھلکے مگر علمی اور فکری اعتبار سے بھاری بھرکم اور بڑے مضبوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لکھنے پڑھنے کا ذوق ودیعت فرمایا ہے، چنانچہ آپ متعدد کتب کے مؤلف و مترجم ہیں۔ انہوں نے خطباتِ جمعہ کی جمع و ترتیب میں بڑی محنت، جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ انہوں نے سال بھر کے لیے موقع محل کی مناسبت سے پچیس خطبات پر مشتمل ایک جلد مرتب کی ہے جو اَب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس طرح دیگر پچیس موضوعات سے متعلق دوسری جلد بھی پہلی جلد کے ساتھ ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوگی۔

ہمیں دورانِ مطالعہ ان خطبات میں درجِ ذیل خصوصیات دیکھنے کو ملی ہیں :

① ہر خطبہ کے آغاز میں متعین موضوع کے اہم عناصر کا ذکر ہے تاکہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطیب کے ذہن میں ہو کہ اس نے اس موضوع کے کن کن نکات پر بات کرنا ہے، پھر ہر عنصر کے لیے کتاب و سنت سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔

② متعین موضوع اور مواد کے لیے صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ضعیف، خودساختہ اور بناوٹی احادیث سے قطعی طور پر اجتناب کیا گیا ہے تاکہ سامعین پیش کردہ مواد پر بلا جھجک اپنے عمل و کردار کی بنیاد رکھ سکیں۔

③ خطبات کی ترتیب میں ترتیبی پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ خطباء حضرات کسی ایک متعین موضوع پر ہی گفتگو کریں، اس سے متعلق اہم نکات کو پیش نظر رکھیں اور انہیں خاص ترتیب سے بیان کریں، دورانِ خطبہ ضعیف اور موضوع روایات کو بیان کرنے سے اجتناب کریں۔

④ خطبہ کے شروع میں تمہید کو بیان کیا گیا ہے، اس تمہید کا متعین موضوع سے گہرا تعلق ہے، اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر خطبہ سنیں اور اپنی توجہ کسی دوسرے غیر اہم امر پر مرکوز نہ کریں۔

⑤ ہمارے ہاں دوسرا خطبہ صرف دعاؤں وغیرہ پر ہی مشتمل ہوتا ہے، حالانکہ اس میں بھی وعظ و تذکیر ہونا چاہئے۔ ان خطبات میں یہ امر بھی بطورِ خاص ملحوظ رکھا گیا ہے کہ دوسرے خطبہ میں بھی وعظ و نصیحت کا اہتمام کیا گیا

ہے، لیکن اس میں اختصار اور جامعیت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

⑥ ان خطبات میں علمی ثقاہت اور جلالتِ بیان کی جھلک نمایاں ہے، کیونکہ ہر بات حوالہ سے مزین اور ہر دعویٰ دلیل سے مبرہن ہے، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کا عام طور پر تالیفات میں خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ رطب ویابس سب کچھ جمع کر کے کتاب کا پیٹ بھر دیا جاتا ہے۔

⑦ شعر گوئی اور قافیہ بندی سے گریز کرتے ہوئے اندازِ بیان سادہ مگر انتہائی پرمغز، اسلوبِ تحریر میں پانی کی سی روانی، آسان محاورات اور سہل عبارات سے اپنا مدّعا بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے تاکہ دل سے نکلنے والی بات دل میں جاگزیں ہو جائے۔

الغرض یہ ''خطباتِ جمعہ'' نہ صرف خطباء اور واعظین کے لیے مفید ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر لائبریری اور ہر گھر کی بھی ضرورت ہیں، ان سے ہر ممکن استفادہ کرنا چاہئے، ان خطبات کی عظمتِ قدر کا صحیح فیصلہ تو وہ قارئین ہی کریں گے جو انہیں بار بار پڑھیں گے کہ ان میں کس قدر حلاوت و چاشنی اور علمی مواد ہے کیونکہ:

؎ عطر آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

تاہم ان خطبات میں ہم جیسے تن پرور اور سہل کوش لوگوں کو اپنی علمی سفید پوشی برقرار رکھنے کے لیے بھی بہت کچھ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے علم وعمل اور زبان وبیان میں مزید برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

خطباتِ جمعہ سے استفادہ کے حوالہ سے ہم ایک پیغام اپنے خطباء اور واعظین کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے ہمارا مقصدِ زندگی (دعوت وتبلیغ) اور ذریعۂ زندگی (گزر اوقات) ایک کر دیا ہے، اس بناء پر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس پیغمبرانہ مشن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے دین اسلام کا علم علی وجہ البصیرت حاصل کریں، پھر خلوصِ نیت سے اس پر عمل پیرا ہو کر حکمت بھرے اسلوب کے ساتھ اسکی دوسروں کو دعوت دیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑے انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں، ہمارا افرادِ امت سے وہی تعلق ہونا چاہئے جو ایک حکیم کا اپنے زیر علاج مریضوں سے ہوتا ہے کہ وہ ان کا علاج شفایابی کے جذبہ سے کرتا ہے۔ آج امتِ مسلمہ مسائل کے گرداب سے دوچار ہے، ہچکولے کھاتی ہوئی اس ناؤ کو ساحل سے ہمکنار کرنے کے لیے آپ کے جذبۂ خیر خواہی اور مسلسل محنت کی ضرورت ہے، کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟

؎ بر کریماں کارہا دشوار نیست

ابو محمد عبد الستار الحماد

مرکز الدراسات الاسلامیہ

میاں چنوں، پاکستان

تقریظ

از جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ

دین اسلام کی امتیازی خصوصیات میں اسے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے بجائے خطبہ اور دوگانہ مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی چار رکعات فرض کے بجائے دو فرض رکھے گئے ہیں اور دو رکعت کی جگہ خطبہ رکھا گیا ہے۔

خطبہ، خطاب سے ہے یعنی لوگوں سے خطاب کر کے ان کو اللہ و رسول ﷺ کے احکام بتانا۔ گویا خطبۂ جمعہ کا مقصد وعظ و تذکیر، نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ نبی ﷺ کے خطبۂ جمعہ کی بابت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی وضاحت فرمائی ہے: یُذَكِّرُ النَّاسَ۔ ''آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔''

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

① ایک یہ کہ خطبہ مختصر ہو کیونکہ یہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے خطبے میں اختصار سے کام لینے والے خطیب کو ''فقیہ'' قرار دیا ہے یعنی وہ دین کا صحیح سمجھ رکھنے والا اور صاحبِ حکمت وفراست ہے۔ اور ایک عالم وخطیب کے لیے یہ وصف بنیادی اور نہایت ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو خطیب اپنے خطبۂ جمعہ میں اختصار کے بجائے طوالت کو اختیار کرتا ہے وہ فہمِ دین سے بھی عاری ہے اور دعوت و تبلیغ کے حکیمانہ اسلوب سے بھی نا آشنا ہے۔

② دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ خطبۂ جمعہ میں اللہ اور رسول ﷺ کی باتوں کے علاوہ کوئی دوسری بات بیان نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ خطبے کا مقصد وعظ و نصیحت، آخرت کی یاد دہانی، اخلاق و کردار کی اصلاح، تصفیۂ عقائد، تجدیدِ ایمان اور تطہیر و تزکیۂ نفس ہے۔ اور یہ سب باتیں صرف اور صرف قرآن و حدیث میں بیان کردہ احکام و مسائل اور ان کی صحیح صحیح توضیح و تفسیر ہی سے حاصل ہوتی ہیں نہ کہ من گھڑت قصص و واقعات اور بے سروپا روایات بیان کرنے یا من مانی تفسیر و وضاحت سے۔

بنابریں یہ ضروری ہے کہ ایک خطیب کو قرآن و حدیث پر عبور اور ان کے احکام و مسائل کا اسے استحضار ہو، اسی طرح اسے صحیح اور ضعیف احادیث کی پرکھ اور پہچان بھی ہو تاکہ وہ جو کچھ بیان کرے، صحیح احادیث کی روشنی میں بیان کرے اور ضعیف و موضوع روایات سے اجتناب کرے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا علمی رسوخ رکھنے والے علماء اور خطباء بہت کم ہیں۔ زیادہ تر خطباء ایسے ہیں جو براہِ راست قرآن و حدیث سے اخذ و استفادہ کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے، چنانچہ وہ مجبور ہوتے ہیں کہ خطبات کے نام

سے جو کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں یا مشہور خطباء کے جو مجموعہ ہائے خطبات چھپے ہوئے ہیں، ان سے فائدہ اٹھائیں۔ اور چونکہ ان کی اکثریت غلط وصحیح کی تمیز کرنے سے بھی عاری ہوتی ہے جب کہ مذکورہ کتابوں اور مجموعہ ہائے خطبات میں رطب ویابس، صحیح وغلط حتیٰ کہ من گھڑت قصص وروایات بھی ہیں۔

ایک بے علم یا کم علم خطیب جب صرف انہی کتابوں پر اعتماد کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ اس کی بیان کردہ باتیں قابل اعتماد نہیں ہوں گی اور وہ غلط وصحیح کے درمیان تمیز کیے بغیر سب کچھ بیان کردے گا۔

یہی وجہ ہے کہ برصغیر پاک وہند ہی میں نہیں بلکہ تقریباً پورے عالم اسلام میں ضعیف وموضوع روایات عوام وخواص میں معروف ہیں اور ان کی بنیاد پر ہر جگہ غلط عقائد واعمال رائج اور معمول بہ ہیں۔

اسلام کے نام لیوا بعض مکاتب فکر ایسے بھی ہیں جن کے بیشتر عقائد واعمال کی بنیاد ضعیف اور بے سروپا (من گھڑت) روایات ہی ہیں۔ اصل دین کا علم نہ ان کے خواص (علماء) کو ہے اور نہ عوام کو۔ صرف چند رسومات وخرافات ہیں جو مذہب کے نام پر ان کے ہاں رائج ہیں، نماز وغیرہ فرائض اور دیگر احکامِ اسلام کا نہ ان کو شعور ہے اور نہ ان کی پابندی کا کوئی جذبہ واحساس ہی۔ ان کا سارا زور صرف مروجہ رسومات کے ادا کرنے پر ہوتا ہے، انہی کو وہ سارا دین سمجھتے ہیں بلکہ بعض جاہل تو یہاں تک کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ رسومات ہی ہماری نماز ہے، ہمارا روزہ ہے، وغیرہ۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

ظاہر بات ہے کہ رسومات جاہلیہ اور بدعات وخرافات کے ساتھ اتنی گہری وابستگی یوں ہی تو نہیں ہے، یہ ان کے علماء کی خوف الٰہی سے بے نیازی اور ان کے ضعیف وموضوع روایات بیان کرنے ہی کا نتیجہ ہے جو وہ عام طور پر اپنے خطباتِ جمعہ میں اپنے عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اس لیے عرصۂ دراز سے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ:

① ایک تو خطباء حضرات کے لیے خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب ہو جس میں خالص اسلام کی صحیح تعبیر وتشریح ہو۔

② دوسرے نمبر پر ایسے بدعی اعمال پر تنبیہ ہو جنہوں نے دین اسلام کو مسخ کر دیا ہے۔

③ تیسرے، ہر موضوع کی تفصیلات صرف صحیح روایات پر مشتمل ہوں، ضعیف اور بے سروپا روایات کا سہارا نہ لیا گیا ہو۔

مقامِ مسرت ہے کہ اس نہایت اہم کام کی توفیق سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ کو نوازا ہے جو کہ کویت میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کے شعبہ پاک وہند میں ایک ریسرچ اسکالر کے طور پر سالہا سال سے کام کر رہے ہیں۔ یہ کام بھی انہوں نے مذکورہ جمعیت ہی کے ایما وہدایت پر

سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے **"زاد الخطیب"** کے نام سے خطباتِ جمعہ مرتب کیے ہیں جو مذکورہ خصوصیات ہی کے حامل ہیں۔ تقبل الله سعيه وبارك في عمره وجهوده (آمین)

یہ خطبات جامع بھی ہیں اور مفصل بھی۔ ہر موضوع کا مناسب حق ادا کیا گیا ہے، کوئی اہم پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ ایک ایک موضوع پر اتنا علمی مواد مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے کہ اس موضوع کو دو دو تین تین خطبوں تک بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔

اس اعتبار سے یہ مجموعۂ خطبات، علماء و خطباء کے لیے بلا شبہ ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک ارمغان علمی، علوم و معارف کا ایک گنجینہ اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا ایک خزینہ ہے۔

میں وقت کی اس نہایت اہم ضرورت کی تکمیل اور فاضلانہ تالیف پر اپنے عزیز دوست ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کے لیے بھی کلماتِ تحسین وتشکر، کہ اس کی ہدایت اور تعاون سے یہ مہتم بالشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

جزاهم الله عنا وعن جميع المسلمين خير الجزاء ونفع الله به جميع أهل الاسلام نفعا تاما

(حافظ صلاح الدین یوسف)

ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

تقریظ

از جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب رحمہ اللہ سابق صدر جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند

زیر نظر تحریر کے ذریعہ ایام وشہور کی رعایت کے ساتھ دینی خطابت کے موضوع پر تیار کی گئی ایک اہم اور مفید کتاب ''زاد الخطیب'' کا مختصر تعارف مقصود ہے جو ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ کی تالیف ہے اور اسے لجنۃ القارۃ الہندیۃ (جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت) کی سر پرستی وحوصلہ افزائی حاصل ہے۔

کسی بھی تصنیفی عمل کا ایک فنی پہلو ہوتا ہے جس میں اصولِ تنقید کی روشنی میں بات کی جاتی ہے۔ آج کے دور میں صاف ستھرا دینی وعلمی کام کرنے والے حضرات کی کمی ہے اس لئے ایسے کام کی حوصلہ افزائی ملت کا فرض ہے۔ نشترِ تحقیق وتصویب کو آزمانے کا مقام اور ہوتا ہے، زاد الخطیب پر میری گذارشات کو مذکورہ امر کی رعایت کے بعد پڑھنا چاہئے۔

خطباتِ جمعہ کیلئے موضوع کا مسئلہ اہم ہوتا ہے، محترم حافظ صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے اور انھوں نے موضوع کے انتخاب اور وقت کے ساتھ ان کی مناسبت میں دیدہ وری سے کام لیا ہے۔ ان کے منتخبہ عناوین کا مومن کی زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ہر عنوان کے ذیل میں جن باتوں کو پیش کیا گیا ہے ان کا جاننا مسلمانوں کیلئے ضروری ہے۔ ان عناوین میں عبادات، معاملات، اخلاق وتزکیہ اور سیرت طیبہ کو اہمیت حاصل ہے۔

☆ ارکانِ اسلام پر گفتگو تشفی بخش ہے۔ سامعین ایسے خطبات کو سن کر ارکان کی ادائیگی کے طریقے، ضروری جزئیات اور ارکان کے فضائل وفوائد سے واقف ہوسکیں گے۔

☆ زکاۃ کے رکن اور انفاق فی سبیل اللہ پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ نصاب، مصارف اور دیگر جزئیات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اسلام کا مالیاتی نظام اور اصل نقطۂ نظر واضح ہوگیا ہے۔

☆ مخالفینِ اسلام نے وہشت گردی کے مسئلہ کو اسلام سے جوڑ کر اذہان کو مسموم کر دیا ہے۔ زاد الخطیب کے موضوعات میں مؤلف نے اس بات کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ قرآن وحدیث کی ان تعلیمات کو سامنے لایا جائے جن سے دنیا امن کا گہوارہ بنے اور انسانی معاشرہ میں الفت وبھائی چارہ کو فروغ ملے۔

☆ مؤلف کا طویل موضوعات کے سلسلہ میں یہ التزام ہے کہ ضروری تفصیلات کے ساتھ ساتھ موضوع کا خلاصہ پیش کر دیا جائے تا کہ سامعین کو تشنگی کا احساس نہ ہو۔ سیرت طیبہ اور اخلاق نبوی وغیرہ موضوعات میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

☆ مؤلف کے التزام میں یہ بات بھی ہے کہ موضوع پر بحث سے پہلے اس کے ضروری عناصر کی نشاندہی کر

دی ہے۔ کسی کسی عنوان کے عناصر کی تعداد نو تک پہنچ گئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ موضوع کا کوئی اہم پہلو تشنہ نہیں رہا ہے۔

☆ حجۃ الوداع سیرت کا ایک اہم باب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر زاد الخطیب کے مؤلف نے حج نبوی کے متعدد خطبوں کا ذکر کر کے ان کا ترجمہ پیش کیا ہے اور امت کو ان سے استفادہ کی نصیحت کی ہے۔

☆ دینی مسائل وموضوعات پر بحث کے دوران مختلف فیہ مسائل کا ذکر ضرور آتا ہے، چونکہ مسلمانوں میں تفرق کی روح قوی ہے اس لئے کتاب وسنت کے مقرر کردہ معیار سے فیصلہ پر لوگ راضی نہیں ہوتے۔ زاد الخطیب میں جہاں اس طرح کی بحث آئی ہے مصنف نے حکمت سے کام لیا ہے اور صحیح حدیث سے ترجیح دے کر شبہات کا ازالہ کیا ہے۔

☆ زاد الخطیب کے مؤلف نے ایام وشہور سے متعلق بدعتوں پر عمدہ بحث کی ہے اور صحیح احادیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ بدعتوں سے کس طرح انسان گمراہی کا شکار ہوتا ہے اور دین اسلام کی تصویر بگڑتی ہے!

☆ زاد الخطیب ایک سلفی عالم کی تالیف ہے۔ لہذا اس میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو کسی سلفی عالم کی تحریر میں ہوتی ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے ہر خطبہ کو قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے مزین کر کے موضوع کی تشریح کی ہے۔ حدیث کی صحت کے سلسلہ میں صراحت کے بعد اس کے ماخذ کا حوالہ دیا ہے تاکہ اطمینان یا مزید مطالعہ کیلئے رجوع کرنے میں آسانی ہو۔ اگر کسی موضوع میں ضعیف یا منکر روایت کی وجہ سے اشتباہ ہو رہا ہے تو مؤلف نے صحیح روایت پیش کر کے دیگر حدیثوں کے ضعف کو واضح کر دیا ہے تاکہ اشتباہ دور ہو جائے اور سامعین کے سامنے عمل کیلئے واضح حکم آ جائے۔

☆ کتاب وسنت سے موضوع کو منقح کرنے کے بعد مؤلف نے سامعین کو عقلی طور پر بھی مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے اور تلقین کی ہے کہ جو کام قرون اولی میں نہیں ہوا آج اس کو دین سمجھ کر کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے!

☆ قرآن وحدیث کی روشنی میں موضوع کی تشریح کے ساتھ ساتھ مؤلف نے سیرت طیبہ کے واقعات پیش کئے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سے موضوع کو مزین کیا ہے۔ اس طرح سامعین کے سامنے نظری وعملی دونوں پہلوؤں کا ایسا مرقع آ گیا ہے جس سے شرعی احکام پر عمل میں آسانی یقینی ہے۔

☆ زاد الخطیب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جن مسائل میں محدثین اور علماء کے مذاہب مختلف ہیں اور ہر فریق کے پاس دلائل ہیں ان میں مؤلف نے مذاہب کی تفصیل کے بعد اپنی تحقیق پیش کی ہے اور دلیل کی روشنی میں اپنا موقف واضح کیا ہے۔

☆ انکار حدیث کا مرض امت میں پرانا ہے۔ برصغیر میں جہل وعناد میں مبتلا کچھ لوگوں نے ایک وقت میں

اس شجرۂ خبیثہ کی آبیاری کی لیکن علمائے اہل حدیث نے صبر وحوصلہ کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور ناکامی ورسوائی مخالفین کا مقدر بنی۔ پھر بھی علماء کا یہ التزام ہے کہ کسی بھی بحث میں مناسب مقام پر وہ سنتِ شریفہ کی اہمیت کو اور اس کے خلاف اٹھنے والی آواز کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ زاد الخطیب میں اسراء ومعراج کی بحث میں مؤلف نے حدیث کا انکار کرنے والوں کی جہالت کو واضح کیا ہے۔

☆ دینی موضوعات پر تقریر وتحریر دونوں کیلئے ضروری ہے کہ بات دل سے نکلے اور اس کے پیچھے متکلم کے اخلاص کی جھلک نظر آئے۔ انسان اپنے لئے یا دوسروں کیلئے اس کا دعوی نہیں کرسکتا لیکن حسنِ ظن کی بنیاد پر بات کہی جاسکتی ہے۔ زاد الخطیب کے مؤلف نے بعض مقامات پر دعاۃ کی توجہ بے ثبوت روایتوں سے اجتناب کی جانب مبذول کرائی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر کسی اور پہلو کا تذکرہ کرکے ان سے اصلاح کی گذارش کی ہے۔ بعض مقامات پر مسلمانوں کی حالتِ زار پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ان چیزوں سے امت کیلئے مؤلف کے اخلاص اور درد وسوز کا پتہ چلتا ہے۔ اور دعاۃ کے اندر اس وصف کا وجود ضروری ہے ورنہ داعی کے مخاطب اس کی بات پر حقیقی توجہ نہ دے سکیں گے۔

ڈاکٹر مقتدی حسن محمد یاسین ازہری

۲۵ شعبان ۱۴۲۹ھ

تقریظ

از جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب رحمہ اللہ

اسلامی تعلیمات دعوت وتبلیغ، درس و تدریس، تعلیم و تحقیق اور نشر و اشاعت کے ذریعے سے پھیلتی ہیں۔ دعوت وتبلیغ کا منہج اور اسلوب کیا ہو؟ رسول اکرم ﷺ نے اپنی سنت مطہرہ سے اپنی امت کے سامنے اسے پیش کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کے سینکڑوں خطابات محدثین نے محفوظ کیے ہیں جو تذکیر و تربیت کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ خطباتِ نبوی ﷺ پر عربی زبان میں بہت سی کتب موجود ہیں جن کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ مختصر، سادہ، سلیس اور مخاطب کی ذہنی استعداد کے مطابق بات فرماتے تھے۔

عمومی خطابات تو بہت مختصر ہیں مگر بعض مواقع پر آپ ﷺ نے بہت طویل خطبے بھی ارشاد فرمائے ہیں۔ ایسے خطابات میں حجۃ الوداع کا خطبہ تو تاریخ عالم میں فقید المثال حیثیت رکھتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا جو فصاحت و بلاغتِ نبوی ﷺ کا شاہکار ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات جوامع الکلم کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنے خطابات میں سیدھی اور دوٹوک بات فرماتے، خشیت الٰہی پر توجہ دلاتے، حلال اور حرام کی تمیز بتاتے اور مسنون زندگی کا نمونۂ کامل پیش کرتے۔

آج امتِ مسلمہ ڈیڑھ ارب کی تعداد میں دنیا کے ۱۹۳ ممالک میں آباد ہے۔ لاکھوں مساجد میں دعوت و ارشاد کا فریضہ ادا ہو رہا ہے مگر بہت کم مراکز ایسے ہیں جہاں مسنون اسلوب میں خطابات ارشاد فرمائے جاتے ہوں۔ خطبوں کے لیے بہت سی مقفیٰ اور مسجع عربی عبارتیں ایجاد کی گئی ہیں مگر خطبۂ مسنونہ سے احتراز برتا جاتا ہے۔ دنیا کے تمام خطبات مل کر رسول اللہ ﷺ کے خطبہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ خطبۂ مسنونہ کے کلمات پر توجہ فرمایئے، سراپا حکمت وموعظت میں پروئے ہوئے ہیں۔

خطیبانِ اسلام کو خطبۂ مسنونہ پر ہی انحصار کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ یہ خطبہ جمعۃ المبارک کے وعظ کے علاوہ عیدین، نکاح اور کئی دوسرے مواقع پر بھی ارشاد فرماتے تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ہر نوع کے خطبات میں خطبۂ مسنونہ سے اس کا آغاز کریں۔

عربی اور اردو زبان میں خطبات کی درجنوں کتابیں مرتب کی گئیں ہیں مگر افسوس کہ بہ استثنائے چند سب میں رطب ویابس کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے خطیب حضرات صحیح روایات پیش کرنے کی بجائے خود ساختہ واقعات اور روایات کو پیش کرتے ہیں۔ شاید انہیں اس حقیقت کی خبر نہیں کہ اس غلط بیانیدی پر مواخدہ بھی ہوگا۔ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی تو سب حضرات کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی جھوٹی اور غلط بات منسوب کرنے والا اپنا ٹھکانہ جہنم میں پائے گا۔ اس لیے خطیب حضرات کو ایسے مآخذ اور مصادر پر انحصار کرنا چاہئے جو کتاب وسنت کی منصوص روایات سے

متعلق ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے سلفی بھائی محترم ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ نے 'زاد الخطیب' کے عنوان سے ایک ایسا مجموعہ تیار کردیا ہے جو صد فی صد صحیح روایات پر مبنی ہے۔ نیز انہوں نے قمری سال کے مختلف مہینوں کے اعتبار سے ایسے متعین موضوعات پر خطبات لکھے جن سے ان کی علمی بصیرت اور سنت سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض خطبات کی طوالت کے پیشِ نظر انہوں نے اسے دو حصص میں تقسیم کر دیا ہے اور یہ بہت موزوں بات ہے تاکہ متعلقہ موضوع کی کامل تفہیم ہو سکے۔ خطبات کا یہ سلسلہ ابھی متعدد موضوعات کا احاطہ کرے گا او راس سے مخلوقِ خدا کو دین قیم کی صحیح تصویر ملے گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے ہر جگہ ہر بات کو دلیل کے ساتھ درج کیا ہے اور اسکا مناسب حوالہ درج کر دیا ہے۔ جس سے ان خطبات کو ایک علمی وقار اور ثقاہت نصیب ہوئی ہے۔

مجھے امید ہے کہ خطیب حضرات اس مجموعۂ خطبات سے کما حقہ استفادہ کریں گے اور اس سے عامۃ المسلمین کی اصلاح کا دروازہ کھلے گا۔ انہیں دین وشریعت کی صحیح اور درست معلومات سننے کو ملیں گی۔ شاید بعض لوگوں کو یہ شکایت ہو کہ ''اس میں کوئی لچھے دار اشعار یا تمثیلی حکایات تو ہیں ہی نہیں'' تو کتاب وسنت کی خالص تعلیمات اور الدین الخالص کی موجودگی میں وضع کردہ روایات اور مبالغہ آمیز حکایات کا کوئی مقام نہیں ہے۔

مجھے ان خطبات کو جستہ جستہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ائمہ کرام اور خطیبانِ عظام کو کتاب وسنت کی روشنی میں موضوعاتی خطبے ملیں۔ ان خطبات کی زبان سادہ وسلیس ہے، اندازِ نگارش شگفتہ اور متین ہے، حوالے مستند اور کامل ہیں۔ اپنے موضوع پر جو موازنہ اور معلومات فراہم کی گی ہیں وہ لائقِ داد ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنفِ مذکور کی اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور اس سے خطباء حضرات کو استفادے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین (۳ / مئی ۲۰۰۸ء)

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر: دعوہ اکیڈمی وخطیب فیصل مسجد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

تبصرہ

از مولانا عبدالمنان عبدالحنان سلفی (جامعہ سراج العلوم ۔ نیپال)

وعظ وتذکیر انسان کی روحانی صحت کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے غذا اور خوراک اس کی ظاہری تندرستی کے لئے، انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ ظلوم وجہول ہونے کے ساتھ وہ بڑا بھولنے والا بھی ہے، اس لئے یہ بات بیحد ضروری تھی کہ اس کے صلاح وفلاح کے لئے وہ امور اسے بار بار یاد دلائے جاتے رہیں جن کے ذریعہ دنیا وآخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونا اس کے لئے ممکن ہو۔

چنانچہ وعظ وتذکیر اور دعوت وارشاد کے اس ضروری عمل کو مسلمانوں کی زندگی میں تسلسل کے ساتھ جاری وساری رکھنے کے لئے سال میں عیدین اور حج کے خطبوں کو مشروع کیا گیا اور ہفتہ واری تذکیر کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے مقدس اور بابرکت دن کا انتخاب کیا کہ اس دن اہل اسلام اپنی آبادی کی جامع مسجد میں اکٹھا ہوکر خطیب سے دین کی باتیں توجہ سے سنیں اور عقیدہ وعمل کی اصلاح کے لئے جو پیغام منبر رسول ﷺ سے نشر کیا جائے اس پر وہ عمل پیرا ہوں، اس عمل کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن ظہر کی چار رکعتوں کی جگہ صرف دو رکعتیں فرض کیں اور دو ساقط رکعتوں کے عوض خطیب کا خطبہ مکمل توجہ اور انہماک کے ساتھ سننا ضروری قرار دیا اور دوران خطبہ معمولی سی بے توجہی بلکہ بے احتیاطی کو عبث اور فضول کام سے تعبیر کیا گیا۔

علمی زوال و انحطاط کے سبب پورے عالم اسلام خصوصا برصغیر میں ایسے خطباء اور واعظین کی تعداد بہت کم ہے جو براہ راست کتاب وسنت سے اخذ واستفادہ کر کے کسی ایک موضوع پر مربوط اور موثر گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ورنہ اکثر یا تو اپنی لفاظی اور چرب زبانی کا سہارا لے کر عوام میں اپنے زور خطابت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں یا کچھ خطباء بے سروپا اور موضوع ومن گھڑت روایات اور قصے کہانیاں سنا کر عوام کا دل جیتتے ہیں۔ ظاہری بات ہے ان خطبوں سے امت کی اصلاح کا کام تو ہونے سے رہا الٹے یہ خطبات مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں فساد اور بگاڑ کا سبب بنتے گئے، فإنا لله و إنا إليه راجعون۔

چونکہ اکثر خطباء میں براہ راست کتاب وسنت سے اخذ واستفادہ کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے ایسے ائمہ اور خطباء کی سہولت اور رہنمائی کے پیش نظر خطبات کے مجموعے تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور ہر طبقہ کے علماء نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کی، مگر بدقسمتی سے اس سلسلہ میں مرتب اکثر مجموعوں کو عوام کالانعام کی دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صرف ضعیف وموضوع روایات اور بے سروپا قصص وواقعات سے بھر دیا گیا اور کتاب وسنت کی تعلیمات سے وہ یکسر خالی اور منہج ومعیار دونوں اعتبار سے ناقص اور بے کار رہے، تاہم منہج سلف کے پاسبان علماء اہل حدیث نے اس سلسلہ میں قابل قدر کاوشیں کیں اور خطبات جمعہ کے لئے انھوں نے ایسے مجموعے مرتب کئے جن میں مختلف موضوعات کے تحت کتاب وسنت کی تعلیمات پیش کیں، ان میں مولانا محمد جوناگڈھی رحمہ اللہ کی ''خطبات محمدی'' مولانا حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ کی ''خطبات التوحید'' مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کی

"اسلامی خطبات" مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی "خطبات نبویؐ" اور ہمارے اپنے علاقہ کے ایک نامور مگر گم نام عالم مولانا شکر اللہ رحمہ اللہ کی "خطبات اسلام" نیز ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرب گونڈوی کی "مواعظ حسنہ" قابل ذکر ہیں، نیز اسی دوران بعض علماء اور نشریاتی اداروں نے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے بعض خطبات کیسیٹوں کی مدد سے نقل کر کے شائع کر کے اہم دعوتی خدمت انجام دی، خطبات اور تقریروں کے یہ مجموعے گو کہ بہت ہی قیمتی اور گراں قدر ہیں اور ان سے دعوت واصلاح کے سلسلہ میں کافی مدد ملی ہے تاہم ان کتابوں میں بھی کچھ ایسے مواد نادانستہ طور پر در آئے ہیں جن پر نظر ثانی اور اصلاح کی ضرورت اہل علم محققین محسوس کرتے رہے ہیں۔ اور میری اپنی معلومات کے مطابق اس سلسلہ میں کچھ پیش رفت بھی ہو رہی ہے، چنانچہ چند دنوں قبل دہلی میں مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کے پوتے برادرم عامر عبدالرشید ازہری صاحب نے راقم کو یہ خوش خبری دی کہ "اسلامی خطبات" کی تحقیق وتخریج کا کام جاری ہے۔

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی محقق عالم نئے سرے سے خطبات کا ایک معیاری مجموعہ مرتب کرے جس میں ہر موضوع کے تعلق سے کتاب وسنت کے نصوص ذکر کیے گئے ہوں اور علمی انداز میں موضوع کے ماله وماعليه پر روشنی ڈالی گئی ہو، اللہ جزائے خیر دے **لجنة القارة الهندية** کے ذمہ داران خصوصاً اس کے رئیس فضيلة الشيخ أبوخالد فلاح المطيري حفظہ اللہ کو جنھوں نے اس اہم دعوتی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی تکمیل کے لئے اپنے ادارہ کے ہونہار، محنتی اور فرض شناس ریسرچ اسکالر برادر گرامی جناب ڈاکٹر حافظ محمد اسحٰق زاہد مدنی حفظہ اللہ کا انتخاب کر کے انھیں یہ اہم ذمہ داری تفویض کی اور موصوف نے اپنے متنوع دفتری مشاغل سے وقت نکال کر کے بڑی محنت وجاں فشانی اور ذمہ داری کے ساتھ اس اہم علمی ودعوتی فریضہ سے عہدہ برآ ہونے میں کامیابی حاصل کی اور اردو زبان کے خطباء ودعاۃ کو "زاد الخطیب" کا گراں قدر تحفہ عطا کیا، فجزاهم الله خيراً۔

کچھ دنوں پہلے جب "زاد الخطیب" کی ترتیب کا عمل آخری مرحلہ میں تھا تو اس موقعہ پر راقم کو اس کے بعض خطبات کے مطالعہ اور نظر ثانی کی سعادت بھی حاصل ہوئی بلکہ میں نے اس کی دوسری جلد کے تقریباً تمام خطبات کو حرفاً حرفاً پڑھا ہے، اس لئے بلا جھجھک اور بغیر کسی تردد کے علی وجہ البصیرۃ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خطباتِ جمعہ کا اس قدر معیاری اور منہجی مجموعہ اردو زبان میں کم از کم میرے اپنے ناقص مطالعہ میں نہیں ہے کہ فاضل مرتب نے بڑی عرق ریزی اور جگر کوشی کے بعد ہر موضوع پر جامع اور سیر حاصل مواد بڑے سلیقہ اور حسن ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا ہے، فجزاه الله خيرا۔

"زاد الخطیب" دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اور دونوں جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، ہر دو جلد میں ۲۵، ۲۵ خطبے ہیں، اس طرح خطبات کی کل تعداد پچاس ہے، لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ فاضل مرتب نے ہر موضوع کے مختلف گوشوں پر اس قدر تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ ہر گوشہ مستقل ایک خطبہ بن گیا ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بے محل نہیں ہے کہ خطبوں کی تعداد پچاس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

زاد الخطیب کے تمام خطبات میں مندرجہ ذیل علمی وتحقیقی امور کا بہ طور خاص لحاظ کیا گیا ہے:

(۱) موضوع کے ہر گوشہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے کہ سامع / قاری کو موضوع میں تشنگی کا احساس قطعاً نہ ہوگا۔

(۲) سنت کے مطابق ہر خطبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور برصغیر کی روایت کے خلاف دونوں خطبوں میں وعظ و تذکیر کے مواد رکھے گئے ہیں۔

(۳) ہر خطبہ کے آغاز میں خطبہ کے اہم عناصر (عناوین) کو نمایاں کر دیا گیا ہے تاکہ دوران خطبہ خطیب کی نظر سے کوئی گوشہ اوجھل نہ ہونے پائے۔

(۴) خطبہ کے مواد خالص کتاب وسنت اور مستند واقعات پر مشتمل ہیں، احادیث کے تعلق سے فاضل مرتب نے سخت احتیاطی موقف اختیار کیا ہے اور صرف صحیح ثابت شدہ احادیث ہی کے ذکر کا اہتمام والتزام کیا ہے اور صحیحین کے علاوہ حدیث کی جن دیگر کتابوں کی حدیثیں نقل کی ہیں ان پر امام البانی رحمہ اللہ کی تصحیح وتحسین کا حکم حوالہ کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

(۵) تمام آیات، احادیث، آثار اور واقعات کا حوالہ اصل مرجع سے موجودہ علمی انداز میں ذکر کیا ہے۔

(۶) اسلوبِ ترتیب گوکہ خالص موضوعی اور علمی ہے تاہم زبان نہایت سلیس، عام فہم اور شستہ استعمال کی گئی ہے کہ قاری / سامع کو سمجھنے میں ذرہ بھی مشکل پیش نہ آئے۔

(۷) موضوع کو کتاب وسنت کے دلائل سے مُبرہَن کرنے کے ساتھ کہیں کہیں عقلی دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے فیض کو عام کرے، امت کے عقائد واعمال کی اصلاح کا اسے ذریعہ بنائے، دعاۃ ومبلغین کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق بخشے اور فاضل مرتب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کی زندگی میں برکت دیتے ہوئے ان کو مزید علمی ودعوتی خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، نیز لجنة القارة الهندية کے جملہ ذمہ داران خصوصاً شیخ أبو خالد فلاح المطيري حفظہ اللہ اور دیگر کارکنان وجملہ معاونین کو جزائے خیر دے جن کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں یہ مفید مجموعہ منظر عام پر آسکا۔ (آمین)

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم

عبدالمنان عبدالحنان سلفی
وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم السلفیہ
وایڈیٹر ماہنامہ ''السراج'' جھنڈانگر، نیپال

مُقدّمۃ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين . . . وبعد

ہفتہ بھر کے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے باقی امتوں کو اس دن کی برکات سے محروم رکھا، صرف اِس امت پر اس نے خصوصی فضل وکرم فرمایا اور اس نے اس کی اس دن کی طرف راہنمائی فرمائی اور اسے اس کی برکات سے نوازا۔

رسول اللہ ﷺ نے یومِ جمعہ کو سب سے افضل دن قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ : فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيْهِ أُهْبِطَ، وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ، وَفِيْهِ مَاتَ، وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلاَّ وَهِيَ مُسِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ، إِلاَّ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ، وَفِيْهِ سَاعَةٌ لاَ يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَاجَةً إِلاَّ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ»①

''سب سے بہتر دن' جس کا سورج طلوع ہوا' جمعہ کا دن ہے۔ اس میں حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا گیا اور اسی میں انہیں زمین پر اتارا گیا۔ اسی دن ان کی توبہ قبول کی گئی اور اسی دن ان کا انتقال ہوا۔ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ ہر جانور جمعہ کے دن صبح سے لے کر طلوعِ آفتاب تک قیامت سے ڈرتے ہوئے اس کا منتظر رہتا ہے سوائے جن وانس کے اور جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ عین اسی گھڑی میں جو مسلمان بندہ نماز پڑھ رہا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے۔''

بلکہ ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے یومِ جمعہ کو عید کا دن قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ ، وَإِنْ كَانَ طِيْبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ)②

① سنن أبي داؤد:1046 وصححه الألباني ② سنن ابن ماجه: 1098 وصححه الألباني

"بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کیلئے (عید کا دن) بنایا ہے۔ لہذا جو شخص نمازِ جمعہ کیلئے آئے وہ غسل کرے اور اگر خوشبو موجود ہو تو ضرور لگالے۔ اور تم پر مسواک کرنا لازم ہے۔"

ایک اور حدیث میں پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے یومِ جمعہ کو تمام دنوں کا سردار قرار دیا اور اسے یومِ عید الاضحیٰ اور یومِ عید الفطر سے بھی افضل بیان فرمایا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ ، وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ، وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ ، فِيْهِ خَمْسُ خِلاَلٍ : خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ آدَمَ ، وَأَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ ، وَفِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ آدَمَ ، وَفِيْهِ سَاعَةٌ لاَ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا الْعَبْدُ شَيْئًا إِلاَّ أَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْأَلْ حَرَامًا ، وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ، مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ ، وَلاَ سَمَاءٍ ، وَلاَ أَرْضٍ ، وَلاَ رِيَاحٍ ، وَلاَ جِبَالٍ ، وَلاَ بَحْرٍ ، إِلاَّ وَهُنَّ يُشْفِقْنَ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ »①

"بے شک یوم جمعہ تمام ایام کا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عید الاضحیٰ اور عید الفطر سے بھی زیادہ فضیلت والا ہے۔ اور اس کی پانچ خصوصیات ہیں: (پہلی یہ کہ) اللہ تعالیٰ نے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اور (دوسری یہ کہ) اللہ تعالیٰ نے اسی دن انہیں زمین کی طرف اتارا۔ اور (تیسری یہ کہ) اللہ تعالیٰ نے اسی دن انہیں فوت کیا۔ اور (چوتھی یہ کہ) اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے بشرطیکہ وہ حرام کا سوال نہ کرے۔ اور (پانچویں یہ کہ) اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اور مقرب فرشتے، آسمان، زمینیں، ہوائیں، پہاڑ اور سمندر... سب کے سب یومِ جمعہ سے ڈرتے ہیں۔"

ان تمام احادیث مبارکہ میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے یومِ جمعہ کی اہمیت وفضیلت کو بیان فرمایا وہاں اس کی خصوصیات کی بھی نشاندہی فرمائی جو بالاختصار یہ ہیں:

(۱) یومِ جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا (۲) اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا (۳) اسی دن انہیں زمین پر اتارا (۴) اسی دن ان کی توبہ قبول کی (۵) اسی دن ان کی موت آئی (۶) اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے (۷) اور اسی دن صور میں پھونکا جائے گا اور قیامت قائم ہوگی۔

جمعہ کے روز سب سے اہم عبادت نمازِ جمعہ ہے اور یہ ہر مکلّف، مستطیع پر فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت قرآن

① سنن ابن ماجہ: 1084 وصححہ الألبانی

مجید سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ ①

"اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان کہی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی آنے کی کوشش کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، اگر تم جانو تو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے جیسا کہ حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلاَّ أَرْبَعَةٌ: عَبْدٌ مَمْلُوْكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ ، أَوْ صَبِيٌّ ، أَوْ مَرِيْضٌ» ②

"نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرنا ہر (مکلّف) مسلمان پر حق اور واجب ہے سوائے چار افراد کے۔ ایک غلام جو کسی کی ملکیت ہو، دوسری عورت، تیسرا بچہ اور چوتھا مریض۔"

نمازِ جمعہ کو بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑنے والے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ، ثُمَّ لَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ» ③

"لوگ نمازِ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہریں لگا دے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔"

اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ جمعہ سے پیچھے رہنے والے لوگوں کے متعلق فرمایا: (لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ، ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلٰی رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ) ④

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان لوگوں کو ان کے گھروں سمیت آگ لگا دوں جو نمازِ جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔"

---

① الجمعة:9 ② سنن أبو داؤد:1067 وصححه الألباني
③ صحيح مسلم:865 ④ صحيح مسلم:652

قارئین کرام ! مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ یوم جمعہ کا سب سے اہم عمل نمازِ جمعہ ہے۔ اور اُس سے پہلے خطبۂ جمعہ بھی نہایت اہم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ سے قبل خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔ اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک نمازِ جمعہ کی صحت ودرستگی کیلئے خطبۂ جمعہ شرط ہے۔ اِس اعتبار سے خطبۂ جمعہ کی اہمیت اور قدر ومنزلت کا اندزہ کیا جاسکتا ہے۔

اوائل اسلام میں خطبۂ جمعہ صرف خلفاء اور مختلف شہروں میں ان کے امراء تک ہی محدود تھا کہ وہی یا ان کے نائبین ہی خطبہ دیا کرتے تھے اور لوگوں کا یہ ہفتہ وار اجتماع مخصوص مساجد میں ہی منعقد ہوتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے اُن مساجد کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی جن میں خطبۂ جمعہ دیا جاتا تھا۔ اور اب تو ماشاء اللہ ایک ہی شہر کی سینکڑوں مساجد میں خطباء حضرات خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں اور ان میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان خطباء کے سامنے حاضر ہوتے اور ان کے خطبات کو بغور سنتے ہیں۔ کسی اور اجتماع کیلئے تو لوگوں کو خود اکٹھا کرنا پڑتا ہے جبکہ خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ کیلئے لوگ خود بخود مساجد میں تشریف لاتے ہیں۔ اِس اعتبار سے یہ وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ اور توجیہ وارشاد کیلئے بہترین ہفتہ وار مناسبت ہے اور عامۃ الناس کے عقائد واعمال کی اصلاح، تزکیۂ نفس، اخلاق وکردار کی پاکیزگی اور معاشرتی، معاشی اور سیاسی امور میں ان کی راہنمائی کا سب سے اچھا موقعہ ہے۔

اگر خطباء حضرات اپنے خطبات کے ذریعے خالصتا کتاب وسنت پر مبنی تعلیمات ہی لوگوں تک پہنچائیں جو کہ منبر خطابت پر کھڑے ہونے کا لازمی تقاضا ہے اور ان باتوں کو ترک کردیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں یا ضعیف اور موضوع روایات سے ماٴخوذ ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ منبر خطابت کے تقدس کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے دین خالص کی ہی کی تبلیغ کریں اور اس منبر کے احترام کے پیش نظر اِدھر اُدھر کی باتوں، قصے کہانیوں اور من گھڑت داستانوں کے بجائے وہ با مقصد گفتگو ہی کریں اور اخلاص نیت اور دعوت الی اللہ کے بھر پور جذبے کے ساتھ محض اصلاح وتربیت پر ہی اپنی اور لوگوں کی توجہ مرکوز رکھیں تو یقین مانیں کہ اُن کے اِن خطبات کے ذریعے امت میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے اور اِس وقت مسلمان جن برے عقائد اور بدعملی میں مبتلا ہیں اس سے ان کو نکالنے کا فریضہ (ان شاء اللہ تعالیٰ) بخوبی سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

اور ایسے خطباء حضرات ماشاء اللہ موجود ہیں جو خطبۂ جمعہ کیلئے باقاعدہ تیاری کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی نصوص

کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سلف صالحین کے سچے اور مستند واقعات ہی بیان کرتے ہیں۔ غیر مستند روایات کو بیان کرنے اور قصہ گوئی سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان کے مدنظر لوگوں کی تعلیم وتربیت، اصلاح عقائد واعمال اور تزکیۂ نفس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ سال بھر کی مناسبات، مختلف حالات وواقعات اور سامعین کی ذہنی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے بامقصد گفتگو کرتے ہیں۔ تذکیر، نصیحت اور دعوت کا یہ فریضہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں اور غلط اور باطل نظریات کی تردید بھی اُس بہتر اسلوب کے ساتھ کرتے ہیں کہ جس میں برحق دلائل کی قوت اور سچے براہین کی مضبوطی ہوتی ہے۔ اور اِس پوری جد وجہد میں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے متلاشی اور اجر وثواب کے طلبگار ہوتے ہیں۔ فجزاهم الله خير الجزاء

لیکن کیا کہئے اُن خطباء حضرات کو کہ جو بصد افسوس، اِس اہم ذمہ داری کو سنبھالنے کے یا تو اہل ہی نہیں ہوتے یا اگر اہل ہوتے ہیں تو وہ اس حوالے سے اپنی مسئولیت کا احساس نہیں کرتے اور اس کو محض ایک 'وظیفہ' یا ڈیوٹی کے طور پر ادا کرتے ہیں۔

اِس وقت پاکستان اور ہندوستان میں بیشتر خطباء حضرات جو خطباتِ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں ان میں درج ذیل امور واضح طور پر ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں:

❶ بعض خطباء' خطبات بغیر تیاری کے دیتے ہیں اور ان میں سے کئی حضرات محض قصہ گوئی کرتے ہیں اور بامقصد گفتگو کم کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک صاحب کا خطبۂ جمعہ سننے اور اس کے پیچھے نمازِ جمعہ کی ادائیگی کیلئے حاضر ہوا۔ میرا ان کے بارے میں حسن ظن تھا کہ وہ اچھا خطبہ دیں گے اور مجھے ان سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملے گا۔ لیکن مجھے شدید افسوس ہوا کہ انھوں نے پورے خطبہ میں قرآن مجید کی کوئی ایک آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایک حدیث بھی بیان نہ کی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور خطبہ کا وقت گذار دیا۔

❷ بعض خطباء ضعیف اور حتی کہ موضوع روایات بھی بیان کرتے ہیں حالانکہ بیان کرنے کو صحیح احادیث میں بہت کچھ موجود ہے جو ضعیف وموضوع روایات سے قطعی طور پر مستغنی کردیتا ہے۔

❸ کئی خطباء حضرات کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انھیں خطبہ میں کیا موضوع بیان کرنا ہے اور اُس موضوع کے کن کن نکات پر بات کرنی ہے، اِس لئے وہ غیر مرتب گفتگو فرماتے ہیں۔ ایک موضوع شروع کرکے اُس سے ایسا نکلتے ہیں کہ خطبہ کے آخر میں انھیں یاد آتا ہے کہ انھوں نے فلاں موضوع پر بات شروع کی تھی اور پھر بات کہاں سے کہاں

نکل گئی ! میں ایک مرتبہ ملتان کی ایک اہم مسجد میں نماز جمعہ کیلئے حاضر ہوا، خطیب صاحب نے آغازِ خطبہ میں بیان کیا کہ وہ پچھلے متعدد جمعوں سے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے چلے آرہے ہیں اور آج بھی وہ اسی موضوع کو جاری رکھیں گے ۔ پھر انھوں نے قصۂ نوح کا تھوڑا سا حصہ بیان کیا، اسی دوران وہ اِس موضوع سے نکل گئے ، انداز بڑا پرجوش تھا۔ پسینے سے شرابور ہو گئے اور تقریباً گھنٹہ بھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے ۔ آخر میں فرمانے لگے میں آئندہ جمعہ بھی یہی موضوع جاری رکھوں گا۔ میں نے یہ بات اپنے ایک علم دوست ساتھی کو سنائی تو کہنے لگے : حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال دعوت کا فریضہ سرانجام دیا تھا، تو کیا ان کی دعوت ایک دو خطبوں میں ہی مکمل ہو جاتی !

❹ کئی خطباء اپنے پاس مشہور خطباء حضرات کے خطبات' جو بازار میں بکثرت موجود ہیں' اپنے سامنے رکھ کر انہی سے خطبہ تیار کرتے ہیں اور جو کچھ ان میں ہوتا ہے وہ وہی بیان کرتے ہیں اور اصل مراجع ومصادر کی طرف رجوع کرکے تیاری کرنے کی زحمت نہیں فرماتے !

اِس کے علاوہ دیگر کئی ملاحظات ہیں جو کسی بھی صاحبِ علم سے مخفی نہیں ہیں ۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر خطباء حضرات کے خطبات غیر مؤثر ہوتے ہیں اور خطبۂ جمعہ سے جو فائدہ ہونا چاہئے وہ ہوتا نہیں !

درج بالا امور کے پیش نظر ہی لجنۃ القارۃ الہندیۃ جو جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی (کویت) کی ایک ذیلی کمیٹی ہے اور جو برصغیر میں ایک ہزار سے زیادہ دعاۃ ومبلغین کی کفالت کرتی ہے' اس کے ذمہ داران نے یہ بات محسوس کی کہ ہم کم از کم اپنے اِن دعاۃ ومبلغین کی راہنمائی کریں اور ان کیلئے سال بھر کے خطباتِ جمعہ علمی انداز میں مرتب کردیں تاکہ ان کے خطبات عام روایتی انداز سے ہٹ کر ہوں اور ہماری دعوت زیادہ مؤثر انداز میں پھیلے ۔ چنانچہ ان ذمہ داران کی جانب سے کچھ سال پہلے میرے اوپر یہ بوجھ ڈالا گیا اور مجھے ان کی طرف سے جو گائیڈ لائن دی گئی اُس کے چند اہم نکات یہ تھے :

❶ سب سے پہلے سال بھر کی خاص مناسبات کے بارے میں خطبات مرتب کئے جائیں اور انھیں ایک جلد میں جمع کردیا جائے ۔ پھر اُس کے بعد متفرق موضوعات پر الگ الگ جلد تیار کی جائے اور ہر ایک میں کم از کم پچیس خطبات ہوں ۔

❷ ہر خطبہ کے شروع میں متعین موضوع کے اہم عناصر ذکر کردیئے جائیں تاکہ خطیب کے ذہن میں ہو کہ اُس کو اِس موضوع کے کن کن نکات پر بات کرنی ہے ۔ پھر ہر عنصر پر کتاب وسنت سے علمی مواد ذکر کردیا جائے ۔

❸ متعین موضوع کے متعلق قرآنی آیات کے علاوہ صرف صحیح احادیث پر اکتفا کیا جائے اور ضعیف وموضوع احادیث سے قطعی اجتناب کیا جائے۔

❹ اِن خطبات کے ذریعے خطباء ومبلغین کی اِس طرح تربیت کی جائے کہ وہ خطبۂ جمعہ میں کسی ایک متعین موضوع پر ہی گفتگو کریں، اُس موضوع کے اہم نکات کو مدنظر رکھیں اور انھیں بالترتیب بیان کریں۔ دورانِ خطبہ ضعیف وموضوع روایات کو بیان کرنے سے پرہیز کریں۔

میں نے اِس عظیم کام کی ذمہ داری نبھانے کی حامی تو بھر لی لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ کام خاصا محنت طلب ہے اور اتنا آسان نہیں جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ بہر حال میں نے درج بالا امور کو مدنظر رکھتے ہوئے بسم اللہ کی اور کام شروع کر دیا۔ لجنۃ میں میری ذمہ داریاں کچھ اِس قسم کی ہیں کہ میں پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ اِس اہم کام کو جاری نہ رکھ سکا۔ شروع سے لے کر آخر تک درمیان میں کئی مرتبہ انقطاع آیا۔ لجنۃ میں دعاۃ ومبلغین سے متعلقہ دفتری امور آڑے آتے رہے۔ کچھ اور کتب کے تراجم اور مختلف دعوتی رسائل کی تالیف کا کام بھی ہوتا رہا۔ اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم سے پچاس خطبات پر مشتمل دو جلدیں طباعت کیلئے تیار ہوگئیں۔ والحمد للہ علی ذلك

زادالخطیب میں ہمارا منہج

❶ مجھے اِس بات کا اعتراف ہے کہ میں خود ایک اچھا خطیب نہیں ہوں۔ تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ متعین موضوعات پر زیادہ سے زیادہ علمی مواد مرتب کر دوں تاکہ خطیب اِس مواد سے جو چاہے اپنے مزاج کے مطابق بیان کر دے اور جو چاہے چھوڑ دے۔

❷ ہوسکتا ہے بعض خطباء حضرات یہ کہیں کہ اِس کتاب کا انداز خطیبانہ نہیں ہے! میں ان کی اِس رائے سے اتفاق کر سکتا ہوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اِس کتاب کی تالیف کا مقصد خطباء حضرات کو خطیبانہ انداز سکھلانا نہیں کیونکہ انداز تو ہر خطیب کا اپنا اپنا ہوتا ہے، بلکہ اصل مقصد خطبات کیلئے عملی مواد مہیا کرنا ہے جسے ہر خطیب اپنے اپنے انداز میں بیان کرے۔ اسی لئے اِس کا نام '**زاد الخطیب**' تجویز کیا گیا ہے۔

❸ جب میں نے یہ اہم کام شروع کیا تھا تو اُس وقت میرا ارادہ تھا کہ کوئی خطبہ دس صفحات سے کم اور پندرہ صفحات سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن بعد میں میں اِس پر قائم نہ رہ سکا اور خطبات کافی لمبے ہوتے گئے۔ اگرچہ میں اِس

لحاظ سے اِس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ پاکستان اور ہندوستان میں عموماً خطبات لمبے ہی ہوتے ہیں تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ خطباء حضرات ان میں سے متعدد خطبات کو تقسیم کر کے کئی جمعوں میں بیان کریں۔

❹ خطبۂ جمعہ میں چونکہ دو خطبے ہوتے ہیں اس لئے ہر خطبہ کو 'پہلا خطبہ' اور 'دوسرا خطبہ' کے عنوان کے تحت دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت بھی یہی ہے کہ آپ دو خطبے ارشاد فرماتے اور دونوں میں وعظ ونصیحت کرتے تھے۔

❺ پہلی جلد کے خطبات سال بھر کی مناسبات کیلئے خاص کئے گئے ہیں جبکہ دوسری جلد میں متنوع موضوعات ہیں۔ پہلی جلد کے موضوعات کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ماہ محرم: ① ماہِ محرم اور یوم عاشوراء ② فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم ③ ہجرت مدینہ

ماہِ محرم میں اِس ماہ اور یوم عاشوراء کے متعلق خطبۂ جمعہ تو نہایت ضروری ہے۔ اور جہاں تک فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے تو جیسا کہ قارئین جانتے ہیں کہ خاص طور پر اِس ماہ میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نشانہ بنایا جاتا ہے اس لئے یہ موضوع اِس ماہ کے خطبات میں شامل کیا گیا ہے۔ اور ہجرت کا عظیم واقعہ اگر چہ ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا تھا تاہم چونکہ ہجری سال کا آغاز ماہِ محرم سے ہوتا ہے اس لئے اس میں اس موضوع کو رکھا گیا ہے۔

ماہ صفر: ماہِ صفر اور بدشگونی

ماہ ربیع الأول: ① رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومعجزات اور خصوصیات ② جشن میلاد کی شرعی حیثیت ③ امت پر رسول اکرم ﷺ کے حقوق ④ رسول اکرم ﷺ کا اعلیٰ اخلاق

ماہ رجب: ① ماہِ رجب کی بدعات ② اسراء ومعراج ③ تحفۂ معراج...نمازِ پنجگانہ

اسراء ومعراج کے واقعہ کے بارے میں اگر چہ تحقیق یہ ہے کہ اس کا وقوع بھی ماہِ ربیع الاول میں ہوا تھا لیکن چونکہ مشہور یہ ہے کہ یہ رجب کے مہینہ میں پیش آیا تھا اس لئے اسے اِس ماہ کے خطبات میں شامل کیا گیا ہے۔ اور چونکہ نماز تحفۂ معراج ہے اس لئے اسے واقعۂ اسراء ومعراج کے بعد بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔

ماہ شعبان: ① ماہِ شعبان....فضائل واحکام ② انفاق فی سبیل اللہ اور زکاۃ

پہلے خطبہ میں ماہِ شعبان کے فضائل کے علاوہ شعبان کی پندرھویں رات کے متعلق اہم معلومات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔ اور چونکہ اکثر لوگ سالانہ زکاۃ کا حساب شعبان کے آخر یا رمضان کے شروع میں کرتے ہیں اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ انفاق اور زکاۃ کا موضوع اس ماہ کے خطبات میں شامل کیا جائے۔

ماہ رمضان المبارک: ① رمضان المبارک ...نیکیوں کا موسم بہار ② فضائل قرآن مجید ③ توبہ واستغفار ④ رمضان المبارک کا آخری عشرہ

ماہ شوال: خطبۂ عید الفطر

ماہ ذو القعدہ: ① فضائل حرمین شریفین ② احکام وآدابِ حج (۱) ③ احکام وآدابِ حج (۲)

چونکہ پاک وہند سے اکثر حجاج ماہِ ذوالقعدہ میں ہی حرمین شریفین کو روانہ ہو جاتے ہیں اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس میں حج کے متعلقہ موضوعات ہی بیان کئے جائیں۔

ماہ ذو الحجہ: ① فضائل عشرۂ ذوالحجہ ② خطبۂ عید الاضحیٰ ③ خطبۂ حجۃ الوداع (۱) ④ خطبۂ حجۃ الوداع (۲)

حجۃ الوداع کے موقعہ پر چونکہ نبی کریم ﷺ نے کئی اہم خطبات ارشاد فرمائے تھے اس لئے مناسب ہے کہ عید الاضحیٰ کے بعد ان خطبات کو تفصیل سے بیان کیا جائے اور اسی لئے ہم نے ان خطبات کو دو جمعوں کا موضوع بنایا ہے۔

❻ ہر خطبہ کے شروع میں اس کے اہم عناصر کو ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ خطیب کو ابتدائے خطبہ سے ہی یہ معلوم ہو کہ اس کو کن کن عناصر پر گفتگو کرنی ہے۔

❼ ہر خطبہ میں جو علمی مواد مرتب انداز میں ذکر کیا گیا ہے وہ ظاہر ہے قرآن وحدیث اور صحیح واقعات پر مشتمل ہے۔

❽ قرآنی آیات کا ترجمہ مستند تراجم کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ مثلا مولانا محمد جونا گڑھیؒ، مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ اور جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ کے تراجم۔

❾ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ صرف صحیح احادیث ہی ذکر کی جائیں اور اس سلسلے میں زیادہ تر احادیث صحیحین اور سنن اربعہ سے لی گئی ہیں۔ کوئی حدیث اگر صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں ہو تو حوالہ دیتے ہوئے بس اسی پر اکتفا کیا گیا ہے اور اس کی مکمل تخریج نہیں کی گئی۔ اور اگر سنن اربعہ میں سے کسی سنن میں ہو تو حوالہ دے کر شیخ البانیؒ کی تصحیح ذکر کر دی گئی ہے۔ میرے پاس سنن اربعہ کے جو نسخے ہیں یہ وہ ہیں جو ایک ایک جلد میں مکتبۃ المعارف سے مطبوع ہیں اور ان میں ہر حدیث پر شیخ البانیؒ کا حکم تصحیح وتضعیف کے اعتبار سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میں نے جہاں بھی ان میں سے کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے: (صححہ

الألباني يا حسنه الألباني) تو اس سے مقصود یہی ہے کہ شیخ ؒ نے ان کتابوں کی تحقیق میں اِس حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے ۔ اور اگر حدیث سنن اربعہ کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہو تو اس پر شیخ البانیؒ کی تصحیح کا حکم شیخ کی مختلف کتابوں سے نقل کر کے ان کی تصریح کر دی گئی ہے ۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ میں نے اِس کتاب میں صرف وہ احادیث ذکر کی ہوں جنھیں شیخ مذکورؒ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے کیونکہ بعض اوقات ایک حدیث شیخ کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے جبکہ اُس پر بعض متقدمین نے صحت کا حکم لگایا ہوتا ہے ۔ اس لئے آپ کو اِس کتاب میں بعض احادیث ایسی ملیں گی (اور وہ بہت کم ہیں) جن پر میں نے شیخ مذکورؒ کی تصحیح نقل نہیں کی ۔

⓾ ان سب خوبیوں کے باوجود یہ ایک انسان کی کاوش ہے جس میں غلطی کا امکان بھی ہے ۔ اگر اس میں کوئی صحیح بات ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور اگر کوئی غلط بات ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے جس پر میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار ہوں ۔ اور اس سے دعا گو ہوں کہ وہ اِس کاوش کو جیسی بھی ہے قبولیت سے نوازے ۔ آمین

یہ خطبات ظاہر ہے کہ خطباء حضرات ، دعاۃ ومبلغین اور اہلِ علم کے ہاتھوں میں آئیں گے تو میں شکر گذار ہوں گا ان حضرات کا جو اِس کتاب میں کسی بھی غلطی (خواہ طباعت کی ہو یا علمی) اس کے بارے میں مجھے آگاہ فرمائیں گے تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح کی جا سکے ۔ وجزاکم اللہ خیراً

جذبات تشکر

میں سب سے پہلے کائنات کے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ جس کی توفیق سے یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یقیناً یہ اسی کا فضل وکرم ہے کہ میں اِسے مکمل کرنے کے قابل ہوا۔ فله الحمد كله أولا وآخرا .

اس کے بعد میں حدیث (لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ) کے تحت لجنۃ القارۃ الہندیۃ کے چیئرمین جناب فلاح خالد المطیری ﷾ کا شکر گذار ہوں جنھوں نے اِس کوہِ گراں کیلئے مجھ جیسے ناتواں اوراَدنیٰ سے طالب علم پر اعتماد کیا اور وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کرتے رہے۔ فجزاه الله خير الجزاء .

اسی طرح میں برادر محترم جناب مولانا عبد الخالق مدنی ﷾ کا بھی شکر گذار ہوں کہ جنھوں نے اِس کتاب کے متعدد خطبات پر نظر ثانی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اِس کے علاوہ انھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ' زاد الخطیب ' کیلئے نہایت جامع اور مفید پیش لفظ تحریر کیا جس میں خطبۂ جمعہ، خطیب اور جمہور کے متعلق اہم احکام ومسائل اور آداب وغیرہ قلم بند کئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں بھی جزائے خیر دے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اِس علمی سفر میں مجھ سے کسی بھی طرح سے تعاون کیا اور مفید مشوروں سے نوازا۔ خصوصا جناب محمد انور سلفی صاحب جو لجنۃ میں ہمارے رفیق کار ہیں اور جنھوں نے اِس کتاب کے ابتدائی پانچ خطبات کی کمپیوٹر میں ٹائپنگ کی۔ اسی طرح وہ حضرات جنھوں نے پروف ریڈنگ کرنے اور اخطاء کی نشاندہی میں تعاون کیا، خصوصا استاذ محترم جناب مولانا عبد الحی انصاری صاحب، جناب مولانا عبد المنان سلفی صاحب، جناب مولانا عبد المعین مدنی صاحب۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین

ان حضرات کے علاوہ میں اُن قابل قدر علمائے کرام ﷭ کا بھی شکر گذار اور ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست پر زاد الخطیب کا اپنی شدید مصروفیات کے باوجود مطالعہ کیا اور اس کیلئے تقاریظ تحریر فرمائیں فجزاهم الله خير الجزاء

اسی طرح برادر محترم جناب عارف جاوید محمدی صاحب اور جناب طاہر محمود صاحب اور ان کے رفقائے کار کا بھی تہہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اِس کتاب کی طباعت کیلئے تعاون کیا اور ہمیشہ اپنی دعاؤں میں شامل رکھا۔

میں آخر میں اِس کتاب کے قارئین سے ایک اپیل کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر انھیں اِس کتاب سے کوئی فائدہ ہوتو وہ میرے لئے، میرے والدین اور بیوی بچوں کیلئے اور اِس کتاب کی طباعت کا اہتمام کرنے والوں اور اس میں کسی بھی طرح سے تعاون کرنے والوں کیلئے دعائے خیر ضرور کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو اور ہمیں دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں نصیب فرمائے۔ آمین

حافظ محمد اسحاق زاہد (عفا الله عنه وعن والديه)

برائے رابطہ: ص.ب: ۱۱۴۷ السرۃ۔ الکویت ۴۵۷۱۲

پیش لفظ

از مولانا عبدالخالق محمد صادق مدنی حفظہ اللہ

الحمد لله الذى رفع شأن الدعاة والمبلغين، وجعل الدعوة إلى الله من أهم وظائف الأنبياء ومهمة المرسلين ، فقال عز من قائل﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾والصلاة والسلام على إمام الخطباء والمبلغين الذى رسم قواعد الخطابة ، وأشاد معالم الدعوة ، وأوضح مناهج المبلغين، وعلى آله الأطهار وأصحابه الغرر الميامين، وعلى من سار على دربهم من الدعاة الصادقين، صلاة وسلاما دائمين متلازمين إلى يوم الدين ـ وبعد ـ

فن خطابت کی اہمیت

خطابت اپنے مافی الضمیر کے اظہار، اپنے جذبات واحساسات دوسروں تک منتقل کرنے اور عوام الناس کو اپنے افکار ونظریات کا قائل بنانے کے لیے کامیاب اور مؤثر ترین فن ہے۔ایک قادر الکلام خطیب اور شاندار مقرر مختصر وقت میں ہزاروں، لاکھوں افراد تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور اپنے عقائد ونظریات ان تک منتقل کر سکتا ہے۔شعلہ نوا خطباء حالات کا دھارا بدل دیتے ، ہواؤں کے رخ تبدیل کر دیتے ،معاشروں میں انقلاب بپا کر دیتے اور میدان وغا میں کنجشک فرو مایہ کو شاہین سے لڑا دیتے، خون گرما دیتے اور روحوں کو تڑپا دیتے ہیں۔

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے   کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

علامہ جاحظ کے نزدیک خطابت بیان وبلاغت ہی کی ایک صورت ہے اور ارسطو نے اسے اثر انگیزی کا فن قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں خطابت کو مہتم بالشان اور قابل فخر فن کی حیثیت حاصل رہی اور اقوام وملل اور قبائل کے امراء وزعماء کے لیے فصیح اللسان خطیب ہونا لازمی امر تھا۔ بلکہ نازیوں کی شکست کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب اسے قرار دیا جاتا ہے کہ ان کا قائد فن خطابت سے نابلد تھا۔اور اگر ہم قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالیں تو اس دور میں بھی ہمیں کئی معروف زمانہ فصیح اللسان اور جادو بیان خطباء اس فن کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ان میں قیس بن ساعدہ، سحبان بن وائل، عمرو بن معدیکرب ،عمرو بن کلثوم، حارث بن عباد، درید بن زید، مرثد الخیر، قیس بن زہیر، ذوالاصبع العدوانی اور اکثم بن صیفی

کے نام خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں۔

دورِ اسلام میں فن خطابت اپنے اوج کمال تک پہنچ گیا جیسا کہ تاریخ الادب اللغة العربیة کے مصنف نے لکھا ہے: ”زادت الخطابة بعد الإسلام قوة ووقعا فی النفوس“

کیونکہ خطابت کی مثال اس دھات کی سی ہے کہ جس میں کثرت استعمال سے نکھار اور ابھار آتا ہے اور اس کی بریق ولمعان اور خوشنمائی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض ادباء کا قول ہے:

”رأس الخطابة الطبع و عمودها الدربة“ ①

چونکہ خطابت وسائل دعوت میں سے انتہائی اہم، وسیع المجال، زود اثر، سریع النفوذ اور بالغ التاثیر ذریعہ ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور تبلیغ کے لیے اس فن پر خصوصی توجہ دی گئی ہے بلکہ اسلام میں اسے بعض عبادات کا حصہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ، عیدین کا خطبہ، نماز استسقاء اور سورج وچاند گرہن کی نماز کے وقت خطبہ اور خطبۂ حج وغیرہ۔ اس فن کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دور کے طاغوت اکبر فرعون کو دعوت الی اللہ دینے کا حکم دیا تو اس فریضہ کی کما حقہ ادائیگی اور فرمان الٰہی کی علی وجہ الکمال تعمیل وبجا آوری کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس چیز کی اشد ضرورت محسوس کی وہ ملکۂ خطابت ہی تو تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ، يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴾ ② کہ مجھے فصیح اللسان بنا دے تاکہ وہ میرے بیان کو سمجھ سکیں۔ اور ساتھ ہی یہ استدعا بھی کی کہ میری تائید وحمایت کیلئے میرے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھی میرے ہمراہ کر دیجئے کیونکہ ﴿ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا ﴾ ③ کہ وہ مجھ سے بڑھ کر فصیح اللسان ہے۔

اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ نے ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے مسلمانوں کو فریضۂ حج کی ادائیگی کا حکم ارشاد فرمایا اور بعد میں جب سورۂ برأت (توبہ) نازل ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ سورہ لے کر جائیں اور موسم حج میں لوگوں کو سنائیں تو انہوں نے فوری طور پر جس امر کی ضرورت محسوس کی وہ بھی اس فن کی اہمیت وضرورت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے عرض کیا تھا:

”يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ إِنِّيْ لَسْتُ بِاللَّسِنِ وَلاَ بِالْخَطِبِ“ کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں فصیح اللسان اور خطیب نہیں ہوں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (اللہ کا یہ پیغام) پہنچانا تو لازمی ہے۔ آپ جائیں یا میں خود پہنچاؤں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے کہ اگر لازمی ہے تو پھر میں ہر صورت تعمیل ارشاد کے لیے حاضر

---

① خصائص الخطبة والخطیب ص243 ② طٰہٰ:25-26 ③ القصص34:28

ہوں۔تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «اِنْطَلِقْ فَإِنَّ اللّٰهَ يُثَبِّتُ لِسَانَكَ وَيَهْدِيْ قَلْبَكَ» کہ جائیے! اللہ تعالیٰ آپ کی زبان کو قوت اور دل کو توفیقِ ادائیگی عطا کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے منہ پر رکھا۔[1] اور اس دعا ہی کی برکت ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار ممتاز خطبائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے منجملہ احسانات وانعامات میں فن خطابت میں ان کی مہارت تامہ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا کہ ﴿ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾[2] کہ ہم نے ان کو حکمت و دانائی اور قوتِ فیصلہ اور فصلِ خطاب عطا کیا۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ''فصل خطاب سے مراد فصاحت بیان اور خوبی کلام ہے۔'' (روح المعانی)

اور اللہ تعالیٰ نے سید الفصحاء، امام البلغاء، ابین العرب العربا، اشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی حکم دیا کہ ﴿وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا﴾[3] کہ انہیں وعظ وتلقین اور پراثر انداز میں خطاب کیجئے اس لیے کہ ایسے خطاب ہی دلنشین اور انقلاب آفرین ہوتے ہیں، جو دلوں کو بھاتے اور ذوق استماع کو بڑھاتے ہیں۔

یوں مسکرائے کہ جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

خطیبِ بے مثال، داعیٔ باکمال، پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سحر آفرین اور دلنشین انداز خطابت اور وعظ بلیغ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ)[4]

کہ آپؐ نے ہمیں خطاب فرمایا جس کی اثر انگیزی اور دلپذیری کا یہ عالم تھا کہ سامعین کی آنکھیں اشکبار اور دلوں پہ رقت طاری تھی۔مشہور شاعر احمد شوقی کے بقول: ع

اذا خطبت فللمنابر هزة   تعرو النبى وللقلوب بكاء

ایسا کیوں نہ ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے تکمیل انسانیت کے باقی اوصاف کی طرح ملکۂ خطابت بھی آپؐ کو بدرجۂ اتم عطا فرمایا تھا کیونکہ یہ فرائضِ نبوت کی ادائیگی کے لیے اور پیغام الٰہی کی تبلیغ کے لیے بنیادی وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

دعا دے مجھے اے زمین سخن!   کہ میں نے تجھے آسماں کر دیا

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا»[5] کہ

---

① مسند أحمد: 151/1   ② ص 20:38   ③ النساء 63:4

④ سنن أبي داؤد: 4607 وسنن ترمذی: 2678   ⑤ صحيح البخاري: 5146 ومسلم: 869

بعض خطاب اور بیان جادو اثر اور مسحور کن ہوتے ہیں۔

اسی لیے بعض علماء نے اسے سحر حلال سے تعبیر کیا ہے۔ بقول شاعر:

وكلامه السحر الحلال لـو أنه لم يجن قتل المسلم المتحرز

إن طال لم يملل وإن أوجزته ود المحـدث أنـه لـم يوجز[1]

اگر وہ کسی بے گناہ مسلمان کے قتل کا باعث نہ ہو تو اس کا بیان جادو اثر ہے۔ اس کی طوالت میں اکتاہٹ نہیں اور مختصر ہو تو سامع مزید سننے کی خواہش کرے۔

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے

فہم وتدبر اور عمل والتزام کا مرتبہ چونکہ حسن استماع اور کامل انتباہ کے ساتھ گفتگو سننے کے بعد آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ﴾[2] کہ دانا وعقل مند لوگ بات کو توجہ سے سنتے اور عمدہ اور اچھی بات کو اپنا لیتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ قبول نصیحت کے لیے کامل توجہ سے سننا لازم ہے۔ ﴿إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُۥ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى ٱلسَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾[3] اس لیے واعظ وخطیب اور ناصح امین کو حسنِ القاء اور خوبی بیان کے اوصاف سے متصف ہونا چاہئے تاکہ اپنے ہدف اور حصول مقصد میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ چنانچہ وہ خطابات اور مواعظ جن کو سماعت کرنے کے بعد سامعین برملا اظہار کریں اور بے ساختہ پکار اٹھیں۔ ع

دیکھنا تقریر کی لذت جو اس نے کہا
میں نے سوچا شاید یہ بھی میرے دل میں ہے

ایسے بیان وخطبات لوگوں کو دعوت فکر دیتے اور غور وخوض پر مجبور کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کیا جس سے سامعین کے دیدے برسنے لگے اور دل لرزنے لگے۔ جب آپؑ خطاب کے بعد واپس جانے لگے تو (خطاب سے متاثرین میں سے) ایک شخص نے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر (عقیدت مندانہ) استفسار کیا (هَلْ فِي الأَرْضِ أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ)[4] کہ کیا روئے زمین پر آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟

---

① فقه الخطيب ② الزمر 18:39 ③ ق 37:50

④ صحيح البخاري، كتاب التفسير: 4726

قارئین! سائل کا استفسار بتلا رہا ہے کہ سامعین خطیب کے طرز خطابت اور انداز بیان اور حسن اداء سے کس قدر متاثر ہوتے ہیں۔اور جن ایام میں امام مظلوم سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے تو اس سال خطبۂ حج مفسر قرآن سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دیا اور سامعین کا اس کی فصاحت وبلاغت اور حسن وخوبی کے پیش نظر یہ تاثر تھا کہ اگر آج کا خطبہ ''ترک'' اور ''دیلم'' سن لیتے تو مسلمان ہو جاتے۔

اور شاعرِ رسولِ مقبول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی خطبہ کے متعلق فرمایا تھا:

إذا قال لم يترك مقالا لقائل　　بملتقطات لا ترى بينها فضلا

كفى وشفى ما فى النفوس ولم يدع　　لذى اربة فى القول جدا ولا هزلا

سموت إلى العليا بغير مشقة　　فنلت ذراها لا دنيا ولا وغلا [1]

''جب وہ اپنے خطاب میں ایسے لعل وجواہر کی مالا پروتے جو ایک سے ایک بڑھ کر ہوتا تو انکے بعد کسی میں گفتگو کرنے کا یارا نہ ہوتا۔ان کا بیان ایسا جامع اور اطمینان بخش ہوتا کہ کسی کو مزید وضاحت طلب کرنے کی حاجت محسوس نہ ہوتی۔(اے سخنور ہردلعزیز!) آپ بغیر کسی تکلف کے اوج کمال تک جا پہنچے اور اس سے نیچے کوئی مقام آپ کی نگاہ میں جچا ہی نہیں۔''

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے بصرہ میں برسر منبر سورۂ بقرہ اور آل عمران کی حرف بحرف تفسیر کی۔(كان والله مثجا يسيل غربا) اللہ کی قسم! وہ ایسے زبان آور خطیب تھے جن کے بیان میں آبشاروں کی سی روانی تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں وراثت نبوی کے تحفظ اور تبلیغ دین کے لیے ایسے نابغۂ روزگار اور فرید العصر شخصیات کو پیدا فرمایا کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور اس کے ودیعت کردہ ملکۂ خطابت سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے پرزور انداز میں دعوت حق کو پیش کیا اور لوگوں کے قلوب واذہان کو کتاب وسنت کے نور سے منور کیا اور لوگوں نے ان کی سخنوری، سحر بیانی اور انقلاب آفریں خطابت کا کھلے عام اعتراف کیا اور بقول حفیظ جالندھری:

حفیظ اہل زبان کب مانتے تھے　　بڑے زوروں سے منوایا گیا ہوں

ہم نے جب ہوش سنبھالا تو جن قائدین وزعماء کی شعلہ نوائی اور سحر انگیز خطابت اور زور بیان کے تذکرے زبان زدعوام تھے ان میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوبکر غزنوی، آغا شورش کاشمیری، سید عطاء اللہ شاہ

[1] البيان والتبيين للجاحظ

بخاری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ میدان خطابت کے شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔ اور جن نامور خطباء اور شیریں بیان اور شعلہ نوا مقررین کو سننے کا موقعہ ملا ان میں سے قابل رشک لوگ جو اصولِ دعوت سے آگاہ اور فنِ خطابت کی نزاکتوں سے آشنا تھے ان ہر دلعزیز شخصیات میں خطیب ملت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ میدان خطابت کے وہ شہسوار ہیں جنھوں نے اللہ کی توفیق سے اس فن میں خصوصی دلچسپی اور محنت شاقہ سے ایک نیا طرز خطابت ایجاد کیا اور ہر اسٹیج پر اپنی خطابت کا لوہا منوایا اور بقول شاعر:

تقریر کے ہنگام میں امڈتا ہوا دریا　　　تحریر کے دوران صد قلزم ذخار

اور شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخوپوری گلستان کتاب وسنت کے وہ بلبل شیدا ہیں کہ جس کے زمزموں کی صدا تقریباً پون صدی چمنستانِ توحید وسنت میں گونجتی رہی، دنیا انہیں خطیب پاکستان کے لقب سے یاد کرتی ہے جن کی خوش الحانی اور سحر آفریں خطابت اور دلآویز مواعظ جس طرح سامعین کے کانوں میں رس گھولتے اور دلوں پہ اپنی اثر انگیزی کا رنگ دکھاتے تھے اسے دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔ ع

دلوں کو کرتی تھی تسخیر گفتگو اس کی　　　ہر اک شخص کو رہتی تھی آرزو اس کی

اسی طرح مولانا قاری عبدالخالق رحمانی، مناظر اسلام حافظ عبد القادر روپڑی، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب گوجرانوالہ رحمہ اللہ اور سید عبدالمجید ندیم حفظہ اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے خطباء ودعاۃ اللہ کے دین کی تبلیغ میں مصروف کار رہے اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنت وکاوش کو قبول فرمائے۔ آمین۔ آخر الذکر کو اللہ تعالیٰ صحت وعافیت عطا کرے۔ انکے علاوہ باقی (مذکورہ) سب قابل رشک حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ تغمدھم اللہ برحمته وأسكنهم فسيح جناته ۔ع

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا　　　ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

فن خطابت کی تعریف

خطابت خَطَبَ يَخْطُبُ سے مصدر ہے۔ خطب خطبة وخطابة[1] کہا جاتا ہے۔ ''خطب على المنبر خطبة وخطابة'' اور ''خطبة'' خطیب کے بیان کو بھی کہا جاتا ہے۔

---

[1] مختار الصحاح: مادہ خطب، ص76، القاموس المحيط: مادہ خطب: 65/1

اِصطلاحی تعریف

"الخطابة فن من فنون الكلام يقصد به التاثير فى الجمهور عن طريق السمع والبصر معا "[1]

''خطابت فنون کلام کی ایک قسم ہے جس کے ذریعے سماعت اور بصارت کے راستے عوام الناس کو متاثر کرنا مقصود ہوتا ہے۔''

خطابت کے ارکان

خطابت کے بنیادی طور پر تین ارکان ہیں: ① خطبہ ② خطیب ③ جمہور (عوام)

خطبہ

بروزن فعلة باب نصر یعنی خطب یخطب خطبة مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں مستعمل ہے اور اس سے مراد''الكلام الذى يتكلم به الخطيب''یعنی خطیب کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات یا تقریر ہے۔اور عرب طرحدار اور قادر الکلام آدمی کو رجل خطيب أى حسن الخطبة کہتے ہیں۔[2] جبکہ بعض علماء لغت کے نزدیک لفظ خطبة (الخطب وهو الامر العظيم) یعنی اہم واقعہ یا حادثہ سے ماخوذ ہے۔کیونکہ عرب ایسے ہی مواقع پر عوام الناس کو خطاب کرتے تھے جس سے ان کو صورت حال سے مطلع کرنا یا اپنا پروگرام پیش کرنا مقصود ہوتا تھا۔لہذا ایسے مواقع پر کئے جانے والے خطاب کو موقعہ کی مناسبت سے خطبہ کہا جاتا تھا۔[3]

اصطلاحی تعریف

" الخطبة هى كلام منثور يلقى على جمع من الناس"[4]

''وہ نثری کلام جس کے ذریعے لوگوں کے اجتماع سے خطاب کیا جائے،خطبہ کہلاتا ہے۔''

خطبہ کے اجزاء: خطبہ تین اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

① مقدمہ ② موضوع ③ خاتمہ

---

① الخطابة فى الاسلام للدكتور مصلح بيومى

② القاموس المحيط:ماده خطب:65/1

③ حلية الفقهاء لابن فارس، ص 87

④ معجم لغة الفقهاء ص:175

مقدمہ

اس سے مراد خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی اکرم ﷺ پر درود اور موضوع کے تعارف پر مشتمل ہو۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: «كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ»①

''جس خطبہ میں شہادتین کا ذکر نہ ہو وہ کوڑھ زدہ (ناکارہ) ہاتھ کی طرح ہے۔''

اور ابن المقنع کہتے ہیں: ''وليكن في صدر كلامك دليل على حاجتك''②

علامہ جاحظ نے (البیان والتبیین) میں لکھا ہے: قد كان خطباء السلف واهل البيان من التابعين بإحسان يسمون الخطبة التي لم تبتدئ بالتحميد وتستفتح بالتمجيد (البتراء) ويسمون التي لم توشح بالقرآن وتزين بالصلاة على النبي ﷺ (الشوهاء)③

''خطباء سلف اور تابعین کرامؒ ایسے خطبہ کو جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے نہ ہو (بتراء) یعنی دم بریدہ اور ایسا خطبہ جو آیات قرآنی سے آراستہ اور درود پاک سے مزین نہ ہوتا اسے (شوھاء) یعنی بدنما قرار دیا کرتے تھے۔''

جیسا کہ حجاج بن یوسف کا خطبہ بتراء مشہور ہے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: لم يكن يخطب خطبة ﷺ إلا افتتحها بحمد الله ويتشهد فيها بكلمتي الشهادة ويذكر فيها نفسه باسمه العلم .④

''نبی اکرم ہمیشہ حمد وثنا سے خطبہ شروع فرماتے اور اس میں شہادتین کا ذکر فرماتے اور ان میں اپنا اسم گرامی ''محمد'' ذکر کیا کرتے تھے۔''

حمد وثناء اور شہادتین کے بعد آپ ﷺ فرماتے ''أما بعد'' بعض مفسرین نے ''أما بعد'' کو فصل الخطاب کی تفسیر قرار دیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں: كان النبي ﷺ يلازمها يعني لفظة (اما بعد) في جميع خطبه وذلك بعد الحمد والثناء والتشهد ''نبی اکرم ﷺ اپنے ہر خطبے میں حمد وثناء اور شہادتین کے

① سنن أبي داؤد: 4841 وسنن ترمذی: 1106
② أنيس الخطباء ص: 142
③ البيان والتبيين
④ زاد المعاد: 182/1

بعد (اما بعد) ضرور کہتے تھے۔"[1]

خطبہ مسنونہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ خطبہ سکھایا:

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا وسيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ان لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله. ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُم مُّسْلِمُونَ﴾ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے:

(اما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة) نسائی شریف میں ہے (وكل ضلالة في النار) شیخ البانی نے اس زائد جملے کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

موضوع

خطبۂ جمعہ کا استماع چونکہ عبادت ہے اس لئے لوگ اس کیلئے بڑے اہتمام سے تیاری کر کے آتے ہیں۔حتی کہ وہ لوگ جو نماز پنجگانہ میں عام طور پر سستی کرتے وہ بھی جمعہ پڑھنے کیلئے ضرور آتے اور توجہ سے خطبہ سنتے ہیں اسلئے خطیب کو اس کی اہمیت وضرورت کا خیال کرتے ہوئے پوری محنت سے خطبہ تیار کرنا چاہئے۔ بعض مفکرین نے تو اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:"ان صلاة الجمة والحج دعامتان قويتان من دعامات الاسلام اذا زالتا انذر الاسلام بالخطر"[3] کہ جمعہ اور حج اسلام کے دو مضبوط ستون

---

① الأجوبة النافعة: ص56

② صحيح سنن النسائی 1331

③ خصائص الخطبة والخطيب، ص187

ہیں جن کے بغیر اسلام خطرے میں ہے۔(فاللہ خیر حافظا)

امام کعبہ ڈاکٹر شریم فرماتے ہیں : بعض لوگ جمعہ کے دن خطبہ سے چند لمحات قبل یا کچھ وقت پہلے خطبہ تیار کرنا شروع کرتے ہیں اور انکی یہ عادت درست نہیں ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں۔

''فالواجب علی الخطیب أن یضع جل همه وتفکیره فی خطبة الجمعة، ویفرغ لها الوقت الطویل لاعدادها الاعداد المناسب، وینظر فی حاجات الناس ومقتضی حالهم کما کان یفعل النبی ﷺ''①

اور خطبہ کی تیاری کی دو قسمیں ہیں:

① اعداد ذہنی: یعنی خطیب کو القاء سے قبل خطبہ ذہن نشین کرنا چاہیے۔

② کتابی (تحریری) خواہ اس کے اہم نکات ہی کیوں نہ لکھے جائیں۔

موضوع خطبہ: اس سے مراد مضمونِ خطبہ اور وہ معلومات ہیں جو ایک خطیب سامعین تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ خطبہ کا مرکزی اور اہم رکن ہے جس کے اعداد اور تیاری میں خطیب کے لیے چند امور کا ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے تاکہ مقصود خطاب کا حصول ممکن ہو سکے۔

ا۔ تعیین ہدف

خطبہ کا موضوع تیار کرنے کے لیے سب سے پہلے خطیب کو اس بات کا تعین کرنا چاہیے کہ اس کے خطبہ کی غرض وغایت اور مقصد کیا ہے کیونکہ تعیینِ منزل کے بغیر رہ منزل کا انتخاب مشکل ہوتا ہے اور خطیب اسلام کا ہدف صرف اور صرف یہی ہونا چاہیے کہ

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾②

''میں تو حتی الامکان اصلاح چاہتا ہوں اور توفیق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' اور ''الدین النصیحة '' کا تقاضا بھی یہی ہے۔

۲۔ موقعہ کی مناسبت

کلام فصیح اسی کو کہا جاتا ہے جو مقتضائے حال کے مطابق ہو اور ادباء کا مشہور قول ہے ''لکل مقام مقال

① الشامل، ص64 ② ھود 88:11

" کہ فصاحتِ کلام اور بلاغتِ بیان کے لیے ضروری ہے کہ وہ موقعہ ومحل کے مطابق ہو۔ اس کے لیے خطیب پر ضروری ہے کہ عوام کی مقامی ضرورت اور زمان ومکان اور احوال وظروف کے مطابق موضوع تیار کرے۔ یعنی موسم حج میں حج کے مسائل اور رمضان المبارک میں روزے کے مسائل۔ اور اگر وہ اس کے برعکس کرے گا تو خطبہ کا مقصد فوت اور لوگوں کی دلچسپی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ افصح العرب سید الانبیاء ﷺ کے خطبات جو کہ فصاحت وبلاغت کے لیے معیار ہیں۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "وکان رسول الله ﷺ یخطب فی کل وقت بما تقتضیه حاجة المخاطبین ومصلحتهم"[۱]

"نبی اکرم ﷺ ہمیشہ سامعین کی ضروریات اور مصالح کو مدنظر رکھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔"

اور شیخ محمد ابو زہرہ فرماتے ہیں: "مراعاة مقتضى الحال لب الخطابة وروحها فلکل مقام مقال۔"[۲] "کہ مقتضائے حال کا خیال رکھنا خطابت کی روح اور لب لباب ہے کیونکہ ہر مقام پر موقعہ کی مناسبت سے کلام کی جاتی ہے۔"

اور میثاق مسجد میں ہے: "ومن الخطأ البالغ تفويت حكمة الخطبة بالتهاون في إعدادها تارة وبالقصور عن مستوى الموقف تارة أخرى بحفظ بعض الخطب وترتيب القاها عن ظهر قلب اسبوعا بعد اسبوع دون احسان التأتي لأحوال جمهور المسجد أو حسن الفهم لما يقتضيه الحال۔"[۳]

"خطبہ کے مقصد حقیقی کو ضائع کر دینا بہت بڑی کوتاہی ہے۔ ایسا یا تو موضوع کی تیاری میں کوتاہی کی وجہ سے یا اختیار موضوع کے سبب اور یا پھر بعض خطبات کو حفظ کر لینے اور بغیر موقعہ کی مناسبت اور عوام کی ضروریات کا خیال رکھے لوگوں کو سنا دینے سے ہوتا ہے۔"

اور بالخصوص کیسٹی خطباء نے جہاں علم ومعرفت کا جنازہ نکالا ہے وہاں خطبہ کے فطرتی حسن ورعنائی کو بھی گہنا کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے کہ صاحب کیسٹ بھی آخر انسان ہیں اگر کہیں ان سے سہو یا خطا سرزد ہوئی ہے تو یہ (نقال حضرات) اس قدر بے توفیق واقع ہوئے ہیں کہ اصلاح کرنے کی بجائے مکھی پہ مکھی مارتے چلے جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ نقل کے لیے بھی عقل درکار ہے۔

---

[۱] زاد المعاد:189/1
[۲] الخطابة لمحمد أبی زهره:ص56
[۳] أدب الخطبة والخطیب:ص13

۳۔مصادر و مراجع

خطیب اسلام کو موضوع کی تیاری کے لیے شریعت اسلامی کے بنیادی مآخذ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور آیات کا صحیح ترجمہ اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ تفسیر اور احادیث کی تحقیق وتخریج کی کتب سے استفادہ کرنا اور مزید سہولت کے لیے خاص موضوعات کی تیاری میں مطلوبہ موضوع کے متعلق خصوصی تالیفات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جن میں علماء کرام نے محنت شاقہ کے بعد ایک ہی موضوع سے متعلقہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور اقوال سلف کو جمع کر دیا ہے۔مثلاً اگر صبر کے موضوع پر گفتگو کرنا مقصود ہو تو (عدة الصابرين)اور اگر فضیلت علم پر گفتگو مقصود ہو تو (جامع بيان العلم وفضله) وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے موضوع کی تیاری میں خاصی مدد مل سکتی ہے۔اسی طرح اگر موضوع تاریخ سے متعلق ہو تو سیرت اور تاریخ کی مستند کتب کی طرف رجوع کیا جائے اور صحیح اور مصدقہ وقائع واحداث بیان کیے جائیں۔

اوراب تو سعودی علما کی ایک جماعت نے ۱۲ مجلدات میں(موسوعه نضرة النعيم)کے نام سے خطباء ومبلغین کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ مہیا کر دیا(جزاہم اللہ خیرا) جس میں ہر موضوع سے متعلق قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال سلف کو جمع کر دیا گیا۔ اور اسی طرح خطبات کا زیر نظر مجموعہ اور دیگر خطبات جن میں تفسیر سلف اور صحت حدیث کا التزام کیا گیا ہے موضوع کی تیاری کے لیے بہترین معاون ومساعد ثابت ہو سکتے ہیں۔

۴۔صحت معلومات

خطبہ میں سنی سنائی اور غیر مصدقہ معلومات بیان کرنے سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہیئے۔ایک تو شریعت میں ایسا کرنا حرام ہے اور دوسرا اس سے خطیب اور داعی کی علمی قدر ومنزلت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع[1]

''کسی آدمی کے دروغ گو ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔''

اور بالخصوص ضعیف اور موضوع روایات کو موضوع خطبہ بنانا خطبہ کے عیوب میں شمار ہوتا ہے۔

شیخ علی الطنطاوی فرماتے ہیں:"ومنهم ـ أي الخطباء- (وهذا كثير) من يأتي بالأحاديث

---

[1] أخرجه مسلم في المقدمة:10/1

الموضوعة أو الضعيفة المتروكة مع أنه لا يجوز لأحد أن يسند حديثا إلى رسول الله ﷺ حتى يتوثق من صحته فلينته الخطباء الى هذا فإنه من أهم المهمات"[1]

''بہت سے خطباء موضوع اور ضعیف احادیث بیان کرتے ہیں حالانکہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر تصدیق وتوثیق کے کسی حدیث کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کرے۔ یہ انتہائی اہم نکتہ ہے جس کی طرف خطباء کو خصوصی توجہ دینی چاہیے۔''

۵۔ موضوع روایات بیان کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار»[2]

''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ بولا اسے اپنا ٹھکانا جہنم بنا لینا چاہیے۔''

اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«من يقل علی ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار»[3]

''جس نے میرے حوالے سے وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔''

اسی لیے علماء ربانی اور محدثین کرام کے نزدیک موضوع اور من گھڑت روایات بیان کرنا حرام ہے خواہ وہ ترغیب وترہیب کے لیے ہو یا کسی اور غرض کے لیے۔ صرف ایک صورت میں ان روایات کو بیان کرنا جائز ہے کہ لوگوں کو ان کے بطلان اور من گھڑت ہونے سے آگاہ کرنا مقصود ہو۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں: ''الوجه الثاني القصاص فانهم يميلون وجه العوام إليهم ويشيدون ما عندهم بالمناكر والأكاذيب من الأحاديث. ومن شأن العوام القعود عند القاص ما كان حديثه خارجا عن نظر المعقول أو كان رفيقا يحزن القلب"[4]

''من گھڑت روایات اور قصے بیان کرنے والوں میں سے ایک قسم قصہ گو واعظین کی بھی ہے وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے منکر اور من گھڑت روایات بیان کرتے ہیں اور عوام کا مزاج ہوتا ہے کہ وہ عجیب وغریب اور دل کو گداز کرنے والی حکایات بیان کرنے اور مجمع کو رلانے والے واعظین کے پاس بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔''

① الشامل: ص 246
② صحيح بخاري، كتاب العلم: ح، 100
③ صحيح بخاري، كتاب العلم: ح، 109
④ تأويل مختلف الحديث

یہ بات عصر حاضر میں عام ہے الا ماشاء اللہ۔ حتی کہ شیخ رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

"إننا كثيرا ما نسمع من خطباء الجمعة الأحاديث الضعيفة والموضوعة المحرفة حتى صار يضيق صدري من دخول المسجد لصلاة الجمعة قبل الخطبة الاولى أو فى اثنائها فمن سمع الخطيب يعزو إلى رسول الله ﷺ قولا يعلم أنه موضوع يحار فى امره لانه إذا سكت على المنكر يكون آثما وإذا انكر على الخطيب جهرا يخاف الفتنة على العامة"[1]

''ہم بہت سے خطباء کو سنتے ہیں کہ وہ خطبہ جمعہ میں ضعیف اور موضوع (من گھڑت) روایات بیان کرتے ہیں جس سے دل اس قدر تنگ پڑتا ہے کہ پہلے خطبہ سے قبل یا اس کے دوران مسجد میں داخل ہونے کو جی ہی نہیں چاہتا کیونکہ جو شخص کسی خطیب کو ایسی روایات بیان کرتے اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے سنتا ہے جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ من گھڑت ہیں (رسول اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں) تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ وہ کیا کرے؟ اگر تو وہ اس منکر کو سن کر خاموش رہتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے۔ اور اگر وہ سر عام خطیب کو ٹوکتا ہے تو عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے۔''

لہٰذا خطیب کو چاہئے کہ اپنے مقام ومنصب کا لحاظ کرتے ہوئے کہ وہ منبر رسول پر کھڑا ہے اور لوگ اس کی بات پہ کان دھرے بیٹھے ہیں بغیر کسی لومۃ لائم کی پرواہ کیے حق بات اور صحیح اور موثوق بہ معلومات سامعین کے گوش گزار کرے اور من گھڑت روایات اور جھوٹے قصے وکہانیاں بیان کرنے سے گریز کرے۔

محدثین کرام اور امت کے بہی خواہ علمائے ربانی نے اللہ کی توفیق سے احادیث صحیحہ پر مشتمل ذخائر اور بیش قیمت تصانیف کے ذریعہ جہاں حفظ حدیث رسول مقبول کا اہتمام کیا اور نبی اکرم ﷺ کی بشارت کے مستحق ہوئے کہ «نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَبَلَّغَه»[2] ''اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق بخشے جس نے ہماری حدیث سنی اور آگے پہنچائی۔'' وہاں امت پر بھی انہوں نے احسان عظیم کیا تاکہ صحیح دین سے شناسائی ہو اور ان پر عمل کیا جا سکے اور بدعات ومحدثات سے آگاہی ہو تاکہ ان کی نحوست اور تباہی سے بچا جا سکے۔ مثلاً امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کی بخاری شریف اور ان کے شاگرد گرامی حضرت امام مسلمؒ کی مسلم شریف جنہیں امت نے (صحیحین) کے قابل فخر لقب سے نوازا اور تلقی بالقبول کا مقام دیا ہے۔

اسی طرح سنن اربعہ اور دیگر کتب حدیث جن کی تحقیق وتخریج ہو چکی ہے اور بالخصوص محدث شام علامہ ناصر الدین

---

① الشامل بحواله مجلة المنار:ص346 ② سنن ابن ماجه:85/1

البانی کا (سلسلة الاحادیث الصحیحة) جو کہ سات جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔ اسی طرح ان کی تحقیق شدہ (صحیح الجامع الصغیر)، (صحیح الترغیب والترھیب)، (ریاض الصالحین) اور (مشکاۃ المصابیح) ایسی کتب ہیں کہ جن سے ایک خطیب وداعی اور مصنف کے لیے احادیث صحیحہ تک رسائی اور ان سے آگاہی کافی حد تک آسان ہو چکی ہے۔

اسی طرح زبان زد عوام اور قصہ گو واعظین اور مختلف ذاتی اغراض کی بنا پر مفاد پرستوں کی مشتہر کردہ وہ روایات جو بے اصل اور موضوع (من گھڑت) ہیں ان سے آگاہ اور متنبہ کرنے کے لیے بھی ان قابل قدر علمائے امت کہ جن کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا تھا کہ (تعیش لها الجها بذة) نے محنت شاقہ اور جہد مشکور کے ذریعے اس موضوع پر مستقل کتب ورسائل تالیف کر کے امت کے ساتھ کمال ہمدردی کا مظاہرہ کیا تاکہ ایک تو دین میں ملاوٹ سے بچا جا سکے اور دوسرا رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کے جرم عظیم سے انسان محفوظ رہ سکے۔ مثال کے طور پر علامہ ابن جوزیؒ کی (الموضوعات الکبری)، حافظ سیوطیؒ کی (اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة)، علامہ شوکانیؒ کی (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة)، حافظ عراقی کی (الباعث علی الخلاص من حوادث القصاص)، علامہ عجلونیؒ کی (کشف الخفا ومزیل الالباس)، امام ابن القیمؒ کی (المنار المنیف)، ملا علی القاری کی (الاسرار المرفوعة) اور اس فن کی دیگر تصانیف اور بالخصوص علامہ ناصر الدین الالبانیؒ کی شاہکار تصنیف (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة) جو کہ بیس (۲۰) مجلدات میں مطبوع ہے۔ اسی طرح زیر نظر خطبات کے مرتب ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق صاحب کا (پی۔ ایچ۔ ڈی) کا رسالہ ''فتنۂ وضع حدیث اور موضوع احادیث'' کے عنوان پر ایک معلومات کا مرقع اور نادر تحفہ ہے۔ (ابھی تک غیر مطبوع ہے)

۶۔ سامعین کے طبقات

خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ موضوع کی تیاری میں سامعین کے تعلیمی اور فکری معیار اور ان کے اعراف وعوائد کا پورا پورا خیال رکھے اور خطبہ نہ تو اتنا عوامی ہو کہ اہل علم مایوس ہوں اور نہ اتنا مشکل اور پیچیدہ علمی مسائل اور فنی اصطلاحات پر مشتمل ہو کہ عوام کے سروں کے اوپر سے گزر جائے۔ چنانچہ امام حرم ڈاکٹر شریم حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"ینبغی للخطیب ان یستحضر فی نفسه قبل اعداد الخطبة والقائها أن السامعین

یختلفون ففیھم العالم وفیھم الجاھل وفیھم العامی وفیھم الآمر والوزیر فیکون الخطیب فیھم کالمتفرس۔"[1]

"خطبہ کا موضوع تیار کرنے اور بیان کرنے سے پہلے خطیب کو چاہئے کہ وہ سامعین کے احوال وطبقات کو پیش نظر رکھے۔ ان میں عالم بھی ہیں اور کم علم بھی، عوام بھی ہیں اور امیر ووزیر بھی۔ لہذا خطیب کو ان کے مابین انتہائی بیدار مغز اور ذہین آدمی کا کردار ادا کرنا چاہئے۔"

نیز خطبہ کی تیاری کے وقت غیر مالوف اور غریب الفاظ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے بلکہ عام فہم اور سلیس عبارات اور جملے اختیار کیے جائیں۔ نیز موضوع کو سہل اور آسان بنانے کے لیے ضرب الامثال، صحیح اسلامی واقعات اور اقوال سلف بیان کیے جائیں۔ نیز عربی عبارات کا صحیح تلفظ اور اعراب کا خصوصی خیال رکھا جائے اور مشکل الفاظ کے صحیح معانی ومفہوم کے لیے کتب لغت اور غریب الحدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور سلف کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ پردے اور طہارت کے مسائل بیان کرتے وقت بالکل صراحت کی بجائے اشاروں، کنایوں میں بات سمجھا دیا کرتے تے۔ جیسا کہ امام ابن جوزیؒ آیت مبارکہ (وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں (کانوا اذا ذکرو الفروج کنوا عنھا)[2] اور امام مالکؒ سے کسی نے دریافت کیا (عن مس الرفغ والشرج والعانة أفی ذلك الوضوء؟) تو انھوں نے یہ الفاظ دہرائے بغیر فرمایا (ما سمعت فیه الوضوء) "کہ اس میں وضو نہیں ہے" اسی طرح ہی دعاۃ وخطباء کو کرنا چاہئے۔[3]

۷۔ پابندی وقت

موضوع کی تیاری میں خصوصی طور پر یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ خطبہ اختصار مخل اور طول ممل سے پاک ہو۔ نیز وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ توجہ سے سننے اور اسے دل میں جگہ دینے کی بھی ایک مقدار اور حد ہوتی ہے۔ جس کے بعد اکتاہٹ شروع ہو جاتی ہے، جو ان دونوں چیزوں کے منافی ہے۔ اور پھر سامعین میں بھی کئی حضرات ضرورت مند، اور کچھ کمزور اور بیمار ہوتے ہیں ان کو بھی ابتلاء میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی پیش نظر رہنا چاہئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ ۔ أَيْ عَلَامَةٌ۔ فَأَطِيْلُوْا الصَّلَاةَ

---

[1] الشامل: ص68 [2] زاد المسیر: 110/6 [3] رسائل التواصل، ص18

وَاَقْصِرُوْا الْخُطْبَةَ ، وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا»[1]

''نماز کا طویل کرنا اور خطبہ کا مختصر کرنا خطیب کی دانائی کی علامت ہے، تم نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو، یقیناً بیان میں ایک جادو ہے۔''

۸۔منہجیت

موضوع کی تیاری میں صحیح اسلامی عقائد اور منہج اور اسلامی ادب وثقافت کا خیال رکھنا خطیب کے لیے ازبس ضروری ہے کیونکہ عقائد واعمال کی اصلاح اور عمل بالکتاب والسنۃ کی دعوت اور منہج سلف صالحین کا تعارف خطبہ کے بنیادی اہداف میں سے ہونا چاہئے ۔ اور کوئی ایسا واقعہ یا حکایت یا مثال بیان کرنے سے قطعی گریز کرنا چاہئے جو کہ اسلامی عقائد ونظریات ،منہج سلف اور دینی ثقافت کے منافی ہو۔ بقول شاعرِ مشرق: ع

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

۹۔جامعیت

منہجیت کے ساتھ ساتھ موضوع کی جامعیت کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہئے ۔ کیونکہ خطبہ اور عام وعظ میں فرق ہوتا ہے اور دوران خطبہ مختلف موضوعات کو شروع کر کے تشنۂ تکمیل چھوڑ دینا جس سے عوام تہی دامن واپس لوٹ جائیں یہ مزاجِ خطبہ اور اس کے اہداف کے منافی ہے۔

چنانچہ شیخ علی الطنطاوی فرماتے ہیں۔''ومن عيوبها(اى الخطبة) أنه ليس للخطبة موضوع واحد معين بل تجد الخطيب يخوض فى الجمعة الواحدة فى كل شئى ينتقل من موضوع الى موضوع فلا يوفى موضوعا منها حقه من البحث''[2]

'' خطبہ کے عیوب میں سے ایک نمایاں عیب یہ بھی ہے کہ خطیب ایک ہی خطبہ میں کئی موضوع شروع کر لے اور کسی کا بھی حق ادا نہ کرے۔''

۱۰۔شخصیات یا کسی ادارے پر براہ راست تنقید سے گریز

موضوع کی تیاری میں اختلافی مسائل کو ہوا دینے اور بلاوجہ شخصیات وجماعات یا اداروں کو نامزد کر کے ان

---

① صحیح مسلم ② الشامل، ص 68

پر تنقید اور ہجوم سے گریز کیا جائے اور ﴿ أُدْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ ① کا اصولِ تبلیغ مدنظر رکھنا چاہیے۔ اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: (إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرى أَنْ يَّهْجُوَ الشَّاعِرُ الْقَبِيْلَةَ بِأَسْرِهَا) ② ''سب سے بڑا بہتان وافتراء یہ ہے کہ کوئی شاعر پورے قبیلے کی ہجو اور مذمت کرے۔''

چنانچہ فن الدعوہ کے مولف لکھتے ہیں: ''لا بد أن يكون الداعي لبقا في اختيار العبارة حتى يدخل القلوب ولا يثير عليه الشعب فإن الناس يغضبون لقبائلهم ويغضبون لشعوبهم ويغضبون لشركائهم ويغضبون لمؤسساتهم ويغضبون لجمعياتهم'' ③

''خطیب اور داعی کو دل پر اثر کرنے والی عبارات کا انتخاب کرنا چاہیے۔ ایسے جملے یا عبارات نہ ہوں جو لوگوں کو اس کے خلاف کر دیں کیونکہ لوگ اپنے قبائل، کاروباری شرکاء، ادارے اور جمعیات کے خلاف کوئی بھی بات سننا گوارا نہیں کرتے۔''

لٰہذا بغیر کسی کو نامزد کیے جرائم کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کرنی چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا حکیمانہ اسلوب تھا (مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا) اس سے نامزدگی بھی نہیں ہوگی اور صاحب خطا اپنی غلطی سے بھی آگاہ ہو جائے گا اور کوئی شر یا فتنہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔

مولانا حالی مرحوم نے عصر حاضر کے خطباء ودعاۃ (الا ماشاء اللہ) کی حالت زار پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ع

مخالف کا اپنے اگر نام لیجئے — تو ذکر اس کا ذلت و خواری سے کیجئے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجئے — قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجے
گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا — مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

خطبہ میں اشعار پڑھنا

خطبہ میں بطور استشہاد کوئی شعر پڑھنا یا ایسے اشعار جن میں حکمت اور دانائی کی باتیں ہیں پڑھنے میں کوئی

① النحل16:125
② الأدب المفرد، ص126، الصحيحه الالبانی:402/2
③ فن الدعوة، ص 25

حرج نہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: (إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً) بعض اشعار بھی دانائی کی باتوں پر مبنی ہوتے ہیں[1] لیکن سارا خطبہ شعروشاعری اور ترنم میں ادا کرنا معیوب ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے خطاب ہمارے لئے نمونہ ہیں۔ ان کا یہ اسلوب نہیں تھا۔ لہذا خطیب کو منبر رسول ﷺ اور مجلس مشاعرہ میں فرق ملحوظ رکھنا چاہئے اور سارا خطبہ یا وعظ موسیقی کے انداز میں ترنم کے ساتھ ارشاد فرمانے سے گریز کرنا چاہئے۔ چنانچہ امام شافعی کا فرمان خطباء کے پیش نگاہ رہنا چاہئے۔ ع

ولو لا الشعر بالعلماء يزرى   لكنت اليوم أشعر من لبيد

''اگر بکثرت شعر گوئی علماء کیلئے معیوب نہ ہوتی تو میں آج اس میں لبید سے بھی آگے ہوتا''

اسی طرح شرکیہ اور تہذیب واخلاق کی سطح سے گرے ہوئے اشعار تو قطعی طور پر منع ہیں۔

غیر عربی زبان میں خطبہ: شیخ ابن بازؒ، شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اگر سامعین کی زبان غیر عربی ہو تو انکی کی زبان میں خطبہ دینا جائز ہے (یعنی خطبۂ مسنونہ کے بعد باقی خطبہ) کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾[2]

''ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان میں ہی تبلیغ کا حکم دیا۔''

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: (الشامل، ص۸۳)

خاتمہ

یہ خطبہ کا انتہائی اہم رکن ہے۔ خطیب کو چاہیے کہ پہلے خطبہ کے اختتام پر یا دوسرے خطبہ میں بیان کردہ موضوع کا خلاصہ بالاختصار بیان کرے تاکہ خطبہ کے اہداف ومقاصد کی تکمیل اور عناصر خطبہ کے فہم وادراک میں سہولت اور آسانی رہے لیکن یہ پہلے سے تیار شدہ منظم ومرتب ہونا چاہئے۔

انیس الخطباء میں ہے: ''الخاتمة فى الحقيقة هى الجامعة لهدف الخطبة فليحرص الخطيب على جمع شتات الخطبة فى ما تبقى له من الوقت إذ ما يقوله فى النهاية هو الباقى فى أذهان المستمعين''[3]

''خاتمہ درحقیقت خطبہ کا لب لباب اور خلاصہ ہوتا ہے اس لیے خطیب کو چاہئے کہ خطبہ کے آخری وقت میں

---

[1] صحيح البخاری: كتاب الادب ح 6145   [2] إبراهيم 14: 4

[3] أنيس الخطباء: ص 161

عناصر خطبہ کی تلخیص بیان کردے کیونکہ جو کچھ وہ آخر میں بیان کرے گا وہ سامعین کے ذہن میں محفوظ رہے گا۔"

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "وکان یختم خطبته بالاستغفار"[1]

کہ "نبی اکرم ﷺ استغفار کے ساتھ اپنا خطبہ ختم کیا کرتے تھے۔"

نبی رحمت ﷺ کا انداز خطابت

چونکہ اللہ تعالیٰ نے تکمیل انسانیت اور سعادتِ دارین کے حصول کیلئے نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لیے اسوہ ونمونہ بنایا ہے۔ارشاد باری ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2] لہٰذا ہم خطیب بے مثال اور داعی باکمال نبی محترم اور پیغمبر محتشم ﷺ کی طرزِ خطابت کی خوشنما جھلک پیش کرتے ہیں تاکہ ہم ایک خطیب ناجح مقرر بارع اور واعظ بلیغ کے اوصاف وصفات سے آگاہ وآشنا ہوسکیں۔

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (كَانَ ﷺ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ سَلَّمَ)[3]

کہ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لاتے تو فرماتے: السلام علیکم۔

② حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (كَانَ إِذَا قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ اِسْتَقْبَلَهُ أَصْحَابُهُ بِوُجُوهِهِمْ)[4] کہ جب آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوتے تو لوگ آپ ﷺ کی طرف رخ کر لیتے۔

③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا يَوْمَ الْجُمُعَةِ) کہ آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔[5] اور قرآن کریم میں بھی اس کا تذکرہ ہے ﴿وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾[6]

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی دلیل ہے۔اسی لیے صحابہ کرام بیٹھ کر خطبہ دینے والوں کی سختی سے تردید کیا کرتے تھے۔

(عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوا إِلَى هَذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾[7]

---

① زاد المعاد:187/1 ② الاحزاب21:33 ③ صحیح الجامع الصغیر:4745
④ صحیح الجامع الصغیر:4762 ⑤ صحیح مسلم:کتاب الجمعة ⑥ الجمعه11:62
⑦ صحیح مسلم:کتاب الجمعه

''حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دفعہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا تو (حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ) فرمانے لگے اس بدبخت کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالانکہ قرآن کریم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمانے کا ذکر موجود ہے۔''

لہٰذا بطور فیشن یا کسی معمولی عذر کی بنا پر بیٹھ کر خطبہ دینے والوں کو اس حدیث پاک پر غور کرنا چاہیے۔

④ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ كَانَ جِذْعٌ يَقُومُ اِلَيهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا وُضِعَ لَهُ الْمِنْبَرُ سَمِعْنَا لِلْجِذْعِ مِثْلُ أَصْوَاتِ الْعِشَارِ حَتَّى نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ ①

''ایک کھجور کا تنا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر بنا دیا گیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تنے کو چھوڑ کر منبر پر خطبہ دینے لگے) تو ہم نے اس تنے سے حاملہ اونٹنی کے کراہنے کی مانند رونے کی آواز سنی حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا (اور وہ خاموش ہوا)۔''

حضرت حسن بصریؒ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے: اللہ کے بندو! یہ لکڑی اتنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی مشتاق ہے تو آپ (انسان) کو اس سے کہیں زیادہ آپ کی زیارت اور ملاقات کا شوق ہونا چاہیے۔②

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ منبر نبوی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَاَيْتُهُ اَوَّلَ يَومٍ وُضِعَ وَاَوَّلَ يَومٍ جَلَسَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ اَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى (فُلَانَةَ)۔سَمَّاهَا سَعْدٌ۔ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ اَنْ يَعْمَلَ لِيْ اَعْوَادًا اَجلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَاَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَاَرْسَلَتْ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَا هُنَا''③

''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ منبر کس چیز سے بنایا گیا اور اسے میں نے اس روز دیکھا تھا جب اسے لا کر رکھا گیا

---

① البخاري:كتاب الجمعه ② أبو يعلى:143/5

③ صحيح البخاري:كتاب الجمعه، 917

اور اس (پہلے) روز سے بھی واقف ہوں جب رسول اکرم ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابیہ (جس کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نام بھی لیا تھا) کو پیغام بھیجا کہ اپنے غلام سے کہیے جو بڑھئی کا کام کرتا ہے کہ مجھے لکڑیوں کا منبر بنا دے جس پر میں لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے بیٹھا کروں۔ تو اس عورت نے اپنے غلام کو حکم دیا اور وہ ''جھاؤ'' کے درخت سے منبر بنا لایا۔ تو اس عورت نے وہ منبر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور آپ ﷺ کے حکم سے اس جگہ پر رکھا گیا۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''فَصُنِعَ لَهُ مِنْبَرٌ لَهُ دَرَجَتَانِ وَيَقْعُدُ عَلَى الثَّالِثَةِ''[1] کہ آپ ﷺ کے لیے منبر بنایا گیا جس کی دو سیڑھیاں تھی اور تیسری پر آپ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے منبر مبارک کی تین ہی سیڑھیاں چلی آ رہی تھیں حتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مروان بن الحکم نے اس میں اضافہ کیا اور چھ سیڑھیاں بنا دیں۔[2] آپ ﷺ سلام کہنے کے بعد منبر پر بیٹھ جاتے اور موذن اذان شروع کرتا۔

''عن سائب بن يزيد قَالَ كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ إِذَا جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِذَا نَزَلَ أَقَامَ ثُمَّ كَانَ كَذٰلِكَ فِي زَمَنِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رضى الله عنهما''[3]

''حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ منبر پر بیٹھ جاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے اور جب خطبہ ختم کر کے منبر سے نیچے اترتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی ایسے ہی ہوتا تھا۔''

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ'' سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمِنْبَرِ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ مُعَاوِيَةُ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ قَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَأَنَا فَقَالَ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ وَأَنَا فَلَمَّا أَنْ قَضَى التَّأْذِيْنَ قَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى هٰذَا الْمَجْلِسِ حِيْنَ أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ مَا سَمِعْتُمْ مِنِّي مِنْ مَقَالَتِي''[4]

---

[1] سنن الدارمی: 25/1
[2] فتح الباری: 399/2
[3] صحیح سنن النسائی: 1321
[4] صحیح البخاری: 914

خطبۃ الحاجۃ

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں" لَمْ یَکُنْ یَخْطُبُ النَّبِیُّ ﷺ خطبة الا افتتحها بحمد الله ویتشهد فیها بکلمتی الشهادة ویذکر فیها نفسه باسمه العلم۔"①

"نبی کریم ﷺ اپنا ہر خطبہ حمد وثناء سے شروع کرتے اور اس میں شہادتین کا ذکر فرماتے اور اپنا اسم گرامی محمد ﷺ ذکر کرتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خطبۃ الحاجۃ کا ذکر کرتے ہوئے روایت فرماتے ہیں:

عَلَّمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ

(اس کی تفصیل خطبہ کے رکن مقدمہ میں گزر چکی ہے)

منبر پر السلام علیکم کہنا

عن جابر أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ سَلَّمَ②

"سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو السلام علیکم کہتے تھے۔"

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم

عن جابر قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِیُّ ﷺ یَخْطُبُ النَّاسَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَصَلَّیْتَ یَا فُلَانُ؟قَالَ لَا ، قَالَ قُمْ فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ③

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس دوران ایک آدمی آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے تحیۃ المسجد ادا کی ہے تو اس نے عرض کی: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت نماز ادا کرو۔"

اندازِ بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَیْنَاهُ وَعَلَا

---

① زاد المعاد:189/1 ② صحیح الجامع الصغیر:4745

③ صحیح البخاری:930، صحیح مسلم:875

صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ①

''رسول اکرم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور آپ ﷺ اس طرح جوشیلے انداز میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے جیسا کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں جس سے ڈرانے والا کہتا ہے کہ دشمن تم پر صبح کے وقت حملہ ہوگا اور شام کے وقت۔''

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ خطیب کے لیے مستحب ہے کہ وہ موضوع اور موقع کی مناسبت سے بات کو زوردار انداز میں بیان کرے اور اس میں ترغیب وترہیب کے پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھے اور ممکن ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ انداز بیان کسی بہت بڑے حادثہ سے ڈرانے اور متنبہ کرنے کے لیے ہو۔''②

اور علامہ آبی فرماتے ہیں: وهكذا تكون صفة الوعظ مطابقة للذى متكلم فيه حتى لا يأتى بشئ ضده③

''کہ موقع محل کے مطابق خطاب اور بیان ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوئی چیز مناسبت کے خلاف نہ ہو۔''

یعنی ترغیب میں انداز نرم اور ترہیب میں گرم ہونا چاہیے۔

عصا یا قوس پر ٹیک لگانا

حضرت حکم بن حزن الکلفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں اس وفد میں ساتواں یا نواں شخص تھا۔ ہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے بھلائی کی دعا فرمایئے اور آپ ﷺ نے ہمارے لیے کچھ کھجوریں منگوائیں۔ اس وقت حالات اتنے زیادہ بہتر نہیں تھے۔ ہم کئی دن تک وہیں رہے حتی کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کا موقعہ بھی ملا تو آپ ﷺ عصا (لاٹھی) یا کمان پر ٹیک لگا کر (یعنی ہاتھ میں لے کر) کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور بہت ہی مختصر، جامع، پاکیزہ اور مبارک کلمات میں وعظ فرمایا اور پھر فرمایا: ''اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ لَنْ تُطِيْقُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا كُلَّ مَا اُمِرْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ سَدِّدُوْا وَاَبْشِرُوْا''④

اور امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

---

① صحیح مسلم:کتاب الجمعه 592/2
② شرح النووی:155/6
③ اکمال الاکمال المعلم:21/3-22
④ سنن أبي داؤد:240/1

''كَانَ الْخُلَفَاءُ الثَّلَاثَةُ بَعْدَهُ يفعلُوْنَ ذٰلِكَ''①

''آپ ﷺ کے بعد خلفائے ثلاثہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔''

شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا

''عن عمارة بن رويبة قَالَ إِنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَزِيْدُ عَلَى اَنْ يَّقُولَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِأُصْبُعِهِ الْمُسَبِّحَةِ''②

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پہ کھڑے دونوں ہاتھوں کو بلند کئے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کا برا کرے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف اس طرح کرتے دیکھا ہے اور انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔

نوٹ: ضرورت کے وقت مثال دینے یا سمجھانے کی غرض سے کوئی بھی مناسب اشارہ ایک یا دونوں ہاتھوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ يَقْعُدُ بَيْنَهُمَا③

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے اور ان کے درمیان بیٹھا کرتے تھے۔''

خطبہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا

''عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَومَ الْجُمُعَةِ اِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّاءُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّسْقِيَنَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا''④

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مال ومویشی ہلاک ہو رہے ہیں، اللہ سے بارش کے لیے دعا

① زاد المعاد:189/1
② صحيح مسلم:874
③ صحيح البخاري:928، صحيح مسلم:861
④ صحيح البخاري:932

فرمایئے تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔"

نوٹ: دورانِ خطبہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا سوائے بارش کی دعا کے کسی اور موقعہ پر ثابت نہیں ہے۔ نیز دورانِ خطبہ دعا میں اگر امام ہاتھ نہ اٹھائے تو مقتدیوں کو بھی نہیں اٹھانے چاہئیں۔

خطیب

یعنی خطبہ دینے والا اور اس کی جمع خطباء آتی ہے۔ عرب قادر الکلام اور فصیح اللسان شخص کو "رجل خطیب ای حسن الخطبۃ" کہتے ہیں۔ واقعاتی اور مشاہداتی اعتبار سے خطباء کو تین اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

❶ خطبہ خوان

یعنی وہ خطیب جو مستند اور معتمد علیہ مصادر اور مراجع سے خطبہ تیار کرتا ہے اور منبر پر کھڑے ہو کر سامعین کے سامنے حرف بحرف پڑھ کر سناتا ہے۔ ایسے خطبہ میں جہاں وقت اور موضوع کی پابندی ہوتی ہے وہاں اس کی سلبیات اور منفی پہلو بھی ہیں۔ ایک تو ایسا خطبہ سامعین پر اپنی اثر انگیزی اور تاثیر کی خوبی سے خالی ہوتا ہے کیونکہ خطیب کی توجہ سامعین کی بجائے اپنے اوراق پر ہوتی ہے، اور بالخصوص جب اوراق کی ترتیب میں خلل واقع ہو جائے تو بہت بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے ایسے خطبات میں اکثر لوگ اکتاہٹ کا شکار معلوم ہوتے، جمائیاں لیتے اور ان پر نیند کا غلبہ رہتا ہے اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ خطیب کا خطبہ ختم ہو اور ان کو چھٹی ملے۔

❷ خطبہ حفظ کرنے والے (رٹے باز) خطیب

خطبہ کو حفظ اور نصوص کو یاد کرنے کے لیے قوی حافظہ اور پختہ یادداشت لازمی ہے کیونکہ اگر حفظ کردہ خطبہ میں سے کوئی عبارت بھول گئی تو خطیب کو وہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دے گی اور اس کے اوسان خطا ہونے کی وجہ سے اسے سامعین کی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑے گا اور خطبہ سے بھی بے ربط ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے خطبات کی تاثیر بھی سامعین میں بہت کم ہوتی ہے کیونکہ ایسا خطیب سامعین کے ظروف واحوال اور حوائج وضروریات سے بے نیاز اپنا حفظ کردہ خطبہ سناتا چلا جاتا ہے اور بالخصوص ایسے خطباء جنہوں نے معروف خطباء کی تقاریر یاد کر رکھی ہیں ان کی تو بات ہی کیا ہے۔ اگر خطبہ کا وقت ۳۰ منٹ ہے اور اس نے ڈیڑھ گھنٹہ کی جلسہ والی تقریر حفظ کی ہے تو وہ پوری سنا کر ہی دم لے گا۔ الا ماشاء اللہ

❸ فی البدیہہ خطیب

فی البدیہہ خطیب سے مراد وہ خطیب ہے کہ جو نصوص اور موضوع خطبہ کو فہم وبصیرت کے ساتھ از بر اور ذہن نشین کرتا ہے اور پھر کامل مہارت اور حسن القاء اور مؤثر انداز میں سامعین کے گوش گزار کرتا ہے۔ ایسا خطیب اگر موضوع اور وقت کی پابندی کا خیال رکھے تو یہ سب سے افضل اور ناجح خطیب ہے کیونکہ اس کا انداز بیان اپنا اور اس کی توجہ سامعین پر ہوتی ہے۔ ایسا خطیب اگر موضوع کی پابندی اور اس کا احاطہ کرنے کی غرض سے موضوع سے متعلقہ اشارات اور عناوین تحریر کر کے سامنے رکھ لے تو یہ امر بھی مستحسن ہے تاکہ موضوع بھی تشنہ نہ رہے اور وقت کی بھی پابندی ہو جائے لیکن ایسا خطیب بننے کے لیے فن خطابت کی تدریب، وسیع مطالعہ اور فقہ الواقع کا صحیح ادراک از بس لازمی ہے۔

خطیب اِسلام کی صفات

❶ اِخلاص

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ   حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

خطبہ اور دعوت الی اللہ عبادت ہے اور خطیب ومبلغ وراثت نبوی کا امین اور ایک انتہائی افضل واہم مشن کے لیے سرگرم عمل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [1]

''اور اس شخص سے احسن وبہتر کس کی بات ہے جو دعوت الی اللہ کا کام کرتا اور عمل صالحہ کو شیوہ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

اور نبی مکرم نے حضرت علی سے فرمایا تھا: «وَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ» [2] ''اللہ کی قسم! آپ کے ذریعے اگر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو بھی ہدایت عطا کر دی تو آپ کیلئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

اور اخلاص ہی میں برکت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿أَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾ [3]

① فصلت 33:41   ② صحيح البخاري، كتاب المغازي: 4210

③ الرعد 17:13

لہٰذا خطیب کو چاہیے کہ وہ خطبہ سے رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش کرے اور قبولیت اعمال کے لیے بنیادی شروط اخلاص اور متابعت کو مدنظر رکھے کیونکہ اخلاص اور رضائے الٰہی کا حصول اعمال کی کامیابی کے لیے اصل اور اساس ہے۔ یہی سبب ہے کہ انبیاء علیہم السلام برملا اپنے مخاطبین سے فرمایا کرتے تھے ﴿ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ﴾ ''میں آپ سے اس عمل (دعوت الی اللہ) پر اجرت نہیں طلب کرتا'' بلکہ اللہ کی رضا کے لیے آپ کی اصلاح چاہتا ہوں۔ ﴿ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴾ ①

''میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے ممکن ہوسکا اور مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق درکار ہے اسی پر میرا توکل اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مَؤُنَةَ النَّاسِ وَ مَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَّلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ» ②

''جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لوگوں کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی اللہ تعالیٰ لوگوں کی تکالیف کے مقابلہ میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگوں کی رضا جوئی کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔''

اور حضرت بشر بن عقربہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ (مَنْ قَامَ بِخُطْبَتِهٖ لَا يَلْتَمِسُ بِهَا اِلَّا رِيَاءً وَسُمْعَةً اِلَّا وَقَّفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَوْقِفَ رِيَاءٍ وَسُمْعَةٍ) ③

''کہ جس شخص نے اپنے خطبہ کو (رضائے الٰہی کے حصول کی بجائے) نمود ونمائش اور طلب شہرت کا ذریعہ بنایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی اس کی لوگوں کے سامنے نمائش اور تشہیر کرے گا۔''

وضاحت: اگر کوئی ادارہ یا مسجد کمیٹی وغیرہ خطیب کا مشاہرہ مقرر کر دے تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے لیکن 'ثم خیرا' کے عادی اور زیادہ پیسوں کے لالچ میں آئے روز مساجد تبدیل کرنے والے خطباء کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ تبلیغ پیشہ یا ملازمت نہیں بلکہ یہ ایک پاکیزہ مشن ہے۔ یہ انبیاء کی میراث ہے، اس کے تقدس کا خیال رکھنا چاہئے اور اسی طرح لوگوں کو خطبہ یا تبلیغی پروگرام کی اطلاع دینے کے لیے اشتہارات اور اعلانات کو ذریعہ بنانے میں مضائقہ نہیں بلکہ یہ

---

① هود 11:88 ② سنن الترمذی:2414 ③ مسند أحمد:500/3

دعوتی ضرورت ہے لیکن اشتہارات پر خطبائے کرام اور مبلغین عظام (الا ماشاء اللہ) اور خطبائے شیریں بیان کا ناموں کی ترتیب اور کتابت اسماء کے حجم اور القابات کی کمی وقلت پر بگڑ جانا اور تبلیغی پروگراموں میں اسی بنا پر شرکت نہ کرنا بہر حال مخلص اور سادہ مسلمانوں کے قلب واذہان پہ سوالیہ نشان رقم کرتا ہے کہ یہ خلوص نیت اور فی سبیل اللہ کی کون سی قسم ہے؟

۲۔متابعت

یعنی مبلغ وخطیب کو دعوت الی اللہ کا مشن ادا کرتے وقت امام الدعاۃ والمبلغین، سید الفصحاء وافضل الخطباء حضرت محمد ﷺ کا اسوہ پیش نگاہ رکھنا چاہیے (جسکی تفصیل نبی اکرم ﷺ کے انداز خطابت میں گزر چکی ہے) کیونکہ اخلاص اور متابعت عمل کی قبولیت اور اس میں برکت کے لیے شرط اور لازمی وضروری امر ہیں۔ بقول شاعر:

واعلم بأن الاجر ليس بحاصل　　إلا اذا كانت لـــه صفتان
لا بـد مــن اخلاصـه ونقـائه　　وخلـوه من سائر الادران
وكذا متابعـة الـرسول فإنهـا　　شرط بحكـم نبينا العدنان[١]

یہ بات بخوبی جان لیجئے کہ جب تک کسی عمل میں دو قسم کے اوصاف نہ پائے جائیں تب تلک اس کے اجرو ثواب کا حصول ناممکن ہے۔ (ایک) اخلاص یعنی اس عمل کا ہر قسم کی آمیزش (شرک وریا کاری وغیرہ) سے پاک ہونا اور (دوسرا) رسول اکرم نے (متابعت) کو شرط قرار دیا ہے۔ یعنی وہ عمل نبی اکرم کی سنت کے مطابق ہو۔

۳۔علم

خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ خطبہ کے موضوع سے متعلق صحیح اور مکمل معلومات سے آگاہ ہو کیونکہ (فاقد الشیٔ لا یعطیه) اگر وہ خود نہیں جانتا تو کسی دوسرے کو کیا بتائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾[٢] آیت مبارکہ میں دعاۃ وخطباء کو میدان عمل میں اترنے سے قبل علمی اسلحہ سے لیس ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾[٣]

---

① الشامل: ص22　② التوبة 122:9　③ یوسف 108:12

''اے پیغمبر! فرما دیجئے یہ میرا طریقہ ہے، میں علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میرے ماننے والے بھی' اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔''

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ بصیرت سے مراد علم ہے۔اور امام بخاریؒ نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[1] کے تحت عنوان قائم کیا ہے: باب العلم قبل القول والعمل ۔یعنی کسی بھی چیز کی طرف زبانی دعوت اور عملی تطبیق سے قبل اس کے بارے میں جاننا اور علم حاصل کرنا ضروری ہے۔[2]

۴۔خشیت الٰہی

خشیت الٰہی علم کا زیور خطباء و دعاۃ کا اصل سرمایہ اور زاد راہ ہے۔

اِرشاد باری ہے: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾[3]

اور یہ کامیابی کی کلید ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک روایت میں نجات اور کامیابی کا ذریعہ بننے والے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: (وَخَشْيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ)[4] کہ جلوت وخلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔اور خود امام الدعاۃ اور سید الخطباء اور اشرف الانبیاء ﷺ نے اپنے بارے میں تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا: (وَاللّٰهِ اِنِّي لَارْجُوْ أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَعْلَمَكُمْ بِمَا اَتَّقِيْ)[5] کہ مجھے امید ہے کہ میں آپ سب کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

۵۔فصاحت وبلاغت

خطیب کو چاہئے کہ خطبہ میں حسن القاء کے ساتھ ساتھ الفاظ کی صحیح مخارج سے ادائیگی کا اہتمام اور غریب و غیر مانوس اور پیچیدہ الفاظ کے استعمال سے گریز اور نصوص کے صحیح اعراب کا التزام اور تلاوت قرآن میں قواعد تجوید کا پورا خیال رکھے۔ پرتکلف جملہ بازی اور سجع اور گانے کی طرز پر ترنم اور اپنی لے اور سروتال کو برقرار رکھنے کے لیے بے جا حروف کو لمبا کرنا اور بے تکی مدیں اور شدیں اور غنے پیدا کرکے قرآن کریم کے حسن و جمال کو

---

① محمد19:47 ② صحیح البخاری:کتاب العلم، باب11

③ فاطر28:35 ④ صحیح الجامع الصغیر:3045

⑤ صحیح مسلم:1110

گھنانے کی کوشش کرنے اور روحِ تلاوت کے منافی انداز کو اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ چنانچہ انیس الخطباء میں خطیب کے عیوب اور خامیاں بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی چیز کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللحن وافحشه ما كان فى آية أو حديث ، ثم ما غير المعنى ، قال عبدالملك بن مروان: الاعراب جمال لوضيع واللحن هجنة على الشريف والعجب آفة الرأى وأعظم اسباب اللحن الجهل بعلمى النحو والصرف .[1]

''کہ حروف کی صحیح مخارج سے عدم ادائیگی اور اعرابی غلطیاں خطابت کے بدنما عیوب میں سے ہے اور قرآن وحدیث کی نصوص میں لحن بہت بڑا قبیح جرم ہے۔ اور خاص کر وہ انداز جس سے معانی میں تبدیلی واقع ہو۔ عبدالملک بن مروان کا مشہور قول ہے: فصاحت لسانی عام آدمی کے لیے جمال ووقار اور لحن واعرابی غلطیاں اور مخارج کا خیال نہ رکھنا یہ شریف آدمی کے لیے عار ہے۔ اور خود پسندی آفت رائے ہے۔ اور لحن کے اسباب میں سے بنیادی سبب صرف ونحو کے علم سے ناآشنائی ہے۔''

۶۔ تقلید ونقالی سے گریز

معروف خطباء ومبلغین کے خطابات اور تقاریر سے استفادہ ایک مستحسن اور مفید چیز ہے لیکن ان کی بہ صد تکلف نقالی اور بے محل اس کا استعمال ایک غیر پسندیدہ عمل ہے جس سے ایک تو نقل کرنے والے کی شخصیت متاثر ہوتی ہے۔ دوسرے بعض اوقات غلط نقالی ان قابل قدر اور معروف خطباء کی شخصیات کو بدنام کرنے کا باعث بنتی ہے کہ جن کی نقل کی جا رہی ہو۔ ویسے بھی نبی اکرم ﷺ نے امت کو تکلف سے منع فرمایا۔ ﴿وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾[2] ''میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نُهِيْنَا عَنِ التَّكَلُّفِ''[3]

''ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔''

اور تیسرا یہ اسلوب علم وتحقیق کے منافی ہے۔

۷۔ حسن منظر

خطیب کو چاہیے کہ عوام الناس کو خطاب کرتے وقت اپنی وضع قطع اور لباس کی صفائی کا خصوصی اہتمام کرے

---

① أنيس الخطباء، ص115 ② ص38:86 ③ صحيح البخارى

کیونکہ تمام لوگوں کی نگاہ خطیب پر ہوتی ہے۔ یہ سادگی یا تقوی کی کوئی قسم نہیں کہ انسان عمداً اور تکلفاً مجمع میں آنے کے لیے بوسیدہ اور سلوٹ زدہ پوشاک زیب تن کر کے لوگوں کے سامنے اپنی سادگی اور فقیری کا مظاہرہ کرے اور کفران نعمت کا مرتکب بھی ہو۔ اور لوگ بھی اسے اچھی نگاہ سے نہ دیکھیں حالانکہ خطیب تو قدوہ اور آئیڈیل ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو عام سامعین کو فرمایا ہے:

«مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ» [①]

''جو شخص جمعہ کے لیے آئے اسے چاہئے کہ غسل کر کے آئے۔''

اور ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنْ وَّجَدَ أَوْ مَا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنْ وَّجَدتُّمْ أَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ) [②] ''کیا وجہ ہے کہ جس کے پاس گنجائش ہے وہ پھر بھی اپنے کاروباری لباس کے علاوہ جمعہ کے لیے خصوصی لباس نہیں بناتا؟''

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بُرْدٌ يَلْبَسُهَا فِي الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ[③]

''نبی اکرم ﷺ کا ایک دھاری دار حلہ تھے جسے آپ ﷺ عیدین اور جمعہ کے لیے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔'' لیکن لباس کی عمدگی اور نظافت کے ساتھ ساتھ لباسِ شہرت، اور خطیب وداعی کے غیر شایان شان لباس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر شریم فرماتے ہیں: أنه يستحب التجمل زيادة على الآخرين وهذا هو الذى فهمه أهل العلم من هذه الاحاديث[④]

''ان احادیث مبارکہ سے اہل علم نے یہی اخذ کیا ہے کہ خطیب کو باقی لوگوں کی نسبت وضع قطع اور لباس کی عمدگی کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔''

۸۔انداز بیان

انداز بیان گرچہ میرا شوخ نہیں اتنا　　　شاید کہ ترے دل میں اتر جائے میری بات

خطیب کا انداز بیان انتہائی سنجیدہ، مہذب، شائستہ اور دل نشین ہونا چاہئے۔ عامی اور گھٹیا زبان، فحش مذاق،

---

① صحیح مسلم:1394
② سنن أبی داؤد:910
③ السنن الکبری:350/3
④ الشامل، ص107

یاوہ گوئی اور لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جگتیں مارنا، لطیفہ گوئی اور عجیب وغریب حرکات واشارات کرنا خطیب اسلام کی شان ومنصب کے منافی ہیں۔اسی طرح بار بار داڑھی کھجلانا، پسینہ پونچھنا، گھڑی دیکھنا، ذہنی دباؤ کا شکار ہونا، بلاوجہ کھنکارنا، بلاوجہ ہنسنا یہ تمام خطیب کی شکست خوردگی کی علامات ہیں۔ان سے قطعی گریز کرنا چاہئے۔

لوگوں کو خطاب کرتے وقت ان کی عزت نفس اور وقار کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور کسی کو نشانہ بنا کر بھرے مجمع میں اس کی تذلیل وتحقیر اور سبکی کرنا قطعا جائز نہیں اگر چہ مخاطب کی اصلاح ہی مقصود کیوں نہ ہو۔یہ انداز نصح وارشاد کے خلاف ہے۔اسی لیے امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

تعمدنی بنصحك فی انفراد — وجنبی النصیحة فی الجماعة
فان النصح بین الناس نوع — من التوبیخ لا ارضی استماعه
فان خالفتنی وعصیت قولی — فلا تجزع إذا لم تعط طاعة

۹۔مناسب اشارے اور وقفات

مقرر اور خطیب کو چاہئے کہ وہ اپنے اشارات اور وقفات میں موضوع کی مناسبت کا خیال رکھے تا کہ سامعین کیلئے موضوع کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔مثلاً آپ ﷺ نے جب فرمایا: ’’أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ فِى الْجَنَّةِ‘‘ تو اپنی دو مبارک انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا اور اسی طرح آواز میں موقعہ ومحل اور موضوع کی مناسبت سے اتار چڑھاؤ سے خطبہ اور وعظ میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک ہی ردہم سے لوگ اکتا جاتے ہیں۔

۱۰۔نرمی گفتار

شیریں کلام، محبت بھرا اسلوب اور میٹھا انداز بیان ایک داعی یا خطیب کا توشہ وزاد راہ ہے۔اسے قطعا زیب نہیں دیتا کہ وہ جارحانہ اور دھمکی آمیز اسلوب اور نفرت انگیز الفاظ استعمال کرے۔کیونکہ اسے تو ایک طبیب حاذق اور ماہر فن معالج کی طرح سامعین کے سامنے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات لے کر منبر یا اسٹیج پر آنا چاہئے۔کیونکہ: ع

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

اللہ تعالیٰ نے تو فرعون جیسے سب سے بڑے اللہ کے باغی کی طرف جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو

دعوت الی اللہ کے لیے بھیجا تو حکم دیا: ﴿ وَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ کہ اس کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو کرنا کیونکہ یہ دعوت وتبلیغ کا فطری مزاج ہے۔

اور حالی مرحوم نے بڑے درد بھرے انداز میں غیر تربیت یافتہ واعظین اور خطباء جو محبت کے دیے جلانے کی بجائے نفرتوں کے مینار تعمیر کرتے ہیں ان کا شکوہ کیا ہے کہ

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی — جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی

گناہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ — یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

بلکہ خطیب اور مبلغ ایک طبیب اور معالج ہے اسے شفقت اور ہمدردی سے انسانوں کی اصلاح کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ ①

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ) ② ''نرمی حسن وخوبصورتی میں اضافے کا باعث اور سختی قابل مذمت اور بدنمائی کا باعث ہے۔''

۱۱۔ حلم وبردباری

خطیب وداعی کو حلیم الطبع اور متحمل مزاج ہونا چاہئے کیونکہ ان صفات سے عاری خطباء ومبلغین کوئی خلاف طبع چیز دیکھ کر یا مخالف کے اعتراض وتنقید پر فوراً سیخ پا ہو جاتے اور جوش میں ہوش کھو بیٹھتے ہیں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں نہ تو موضوع کی پابندی رہتی ہے اور نہ خطبہ کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے موقعہ پر خطیب کو عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے اہدافِ خطبہ کے حصول کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ ع:

والعفو يعقب راحة و محبة — والصفح عن زلل المسئی جميل

۱۲۔ قدوہ اور نمونہ

خطیب کو چاہئے کہ عالم باعمل کا کردار پیش کرے اور شرعی امور کے التزام اور لوگوں کے ساتھ عام تعامل

① آل عمران 159:3
② صحیح مسلم

کے دوران بحیثیت عالم دین اور مبلغ اسلام اپنے مقام ومرتبہ کا خیال رکھے۔ کیونکہ عوام خطیب ومبلغ کے کردار وعمل اور معاملات کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں اور سچ ہے کہ ''زلة العالم زلة العالم'' ایک عالم کی لغزش عالم (جہان) کی تباہی ہے۔ بقول شاعر:

لا تنه عن خلق وتأتي مثله　　　عار عليك اذا فعلت عظيم

یعنی 'اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت' والا معاملہ نہ ہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ، كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ①

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ②

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں معراج کی رات ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا کہ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں کے ساتھ کاٹے جا رہے تھے۔ تو میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ اہل دنیا کے خطباء میں سے ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود عمل نہیں کرتے تھے اور وہ کتاب بھی پڑھتے تھے۔ کیا ان کو عقل نہیں تھی۔ ③

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا:

(يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَمَا يَطْحَنُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ ، فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ؟ فَيَقُولُ : إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلا أَفْعَلُ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ) ④

''ایک آدمی کو لا کر آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ اس میں اس طرح چکر لگانا شروع کرے گا جیسا کہ گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اسے اہل جہنم کے درمیان چکر لگوایا جائے گا تو وہ لوگ اس سے دریافت کریں گے کہ اے فلاں! کیا تو نیکی کا حکم کرتا اور برائی سے روکا نہیں کرتا تھا؟ تو وہ جواب دے گا: میں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس میں ملوث ہوتا تھا۔'' ع

فكم أنت تنهى ولا تنتهي　　　وتسمع وعظا ولا تسمع

---

① الصف 61:3-2　　② البقرة 2:44
③ مسند أحمد: 3/120　　④ صحيح البخاري: 7098، صحيح مسلم: 2989

فیا حجر الشحذ حتی متی تسن الحدید و لاتقطع[1]

”تم کس قدر لوگوں کو برائی سے منع کرتے ہو لیکن خود باز نہیں آتے ہو! لوگوں کو وعظ (نصیحت) کرتے ہو لیکن خود نصیحت قبول نہیں کرتے ہو۔ اے چاقو چھریاں تیز کرنے والے پتھر! (ذرا یہ تو بتاؤ) تو کب تک دھاریں تیز کرتا رہے گا اور کاٹے گا نہیں؟“ (اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو اخلاص عطا کرے اور ایسے بھیانک اور خوفناک انجام سے محفوظ رکھے۔) آمین!

۱۳۔ قناعت

قناعت وہ خوبی ہے جو انسان کے شرف وکرامت کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ[2] ”وہ شخص کامیاب ہوا جس کو اسلام کی نعمت نصیب ہوئی اور بقدر ضرورت رزق میسر آیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت کی توفیق بخشی۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (إِزْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ)[3]

”لوگوں کے مال میں طمع ولالچ نہ رکھو تو لوگ آپ سے محبت کریں گے۔“

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

لا یزال الرجل کریما علی الناس حتی یطمع فی دینارھم فإذا فعل ذلك استخفوا به وکرھوا حدیثه وأبغضوہ[4]

”انسان کی لوگوں میں تب تک عزت وتکریم باقی رہتی ہے جب تک وہ ان کے مال میں طمع ولالچ نہیں رکھتا۔ جب وہ لالچی بن جاتا ہے تو لوگ اس کی تکریم کرنا ترک کر دیتے اور اس کی بات کو ناپسند کرتے اور اس کی شخصیت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔“

۱۴۔ عزم وہمت

خطیب ومبلغ کو چاہئے کہ وہ دعوتی مشن کو پرعزم اور بلند ہمتی سے سرانجام دے اور مایوسی کا شکار نہ ہو۔ وہ

---

① خصائص الخطبة والخطیب، ص249 ② صحیح مسلم:1054

③ سنن ترمذی، سنن ابن ماجه ④ أنیس الخطباء، ص107

انبیاء علیہم السلام کی سیرت واحوال اور طرز تبلیغ کا مطالعہ کرے اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے سفر طائف کا کامل توجہ سے ذہن ودماغ کے دریچے وا کر کے مطالعہ کرے کہ اہل طائف کی بے پناہ اذیت کے باوجود بھی ان کے لیے بددعا نہیں کی اور مایوسی کا اظہار نہیں کیا بلکہ فرمایا: (إِنِّیْ اَسْأَلُ اللّٰهَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا)① ''میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ہی ایسے لوگ پیدا کردے جو اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔''

۱۵۔ذاتی اغراض کیلئے منبر رسول کو استعمال کرنا

کسی خطیب کیلئے جائز نہیں کہ وہ شخصی مفاد یا اپنی مخصوص فکر اور نظریات کی تشہیر کے لئے جمعۃ المبارک کا قیمتی موقعہ اور منبر رسول جیسی اہم جگہ کو استعمال کرے ۔ نبی اکرم ﷺ نے امت کو ایسے خطرناک افراد سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ''أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِیْ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ''② کہ میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ایسے منافقوں سے محسوس کرتا ہوں جو چرب لسانی میں ماہر ہونگے'' اور دوسری روایت میں ہے:''اِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِی الْأَئِمَّةُ الْمُضِلُّوْنَ''③

''میں اپنی امت کے بارے میں مسند علم کے گمراہ کن قابضین سے بہت زیادہ خطرہ محسوس کرتا ہوں۔''

۱۶۔تواضع اور انکساری

ایک داعی اور خطیب کو متواضع اور منکسر مزاج ہونا چاہئے۔کیونکہ یہ علمائے حق اور اہل اللہ کی پہچان ہے اور عزت کے حصول کا زینہ ہے ۔حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم کا ارشاد گرامی ہے: (مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ)④ ''جو شخص بھی اللہ کی رضا کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالی اسے عزت عطا کرتا ہے'' اور عجب اور خود پسندی اور تکبر سے ایک داعی کو کوسوں دور رہنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم نے ان کو مہلکات میں شمار کیا ہے (إِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ)⑤

اور حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں: جہالت کی تین علامات ہیں: (العجب، وكثرة المنطق فيما لا

---

① صحيح البخاري:3231، صحيح مسلم:1790
② صحيح الجامع الصغير:239
③ صحيح الجامع الصغير:1551
④ صحيح مسلم: 2588
⑤ صحيح الجامع الصغير:3045

يعنيه وأن ينهى عن شئي ويأتيه)[1] "خود پسندی، فضول گفتگو اور کسی کام سے دوسروں کو منع کرنا اور خود وہ کام کرنا۔" بقول شاعر۔ ع

المال آفته التبذير والنهب والعلم آفته الاعجاب والغضب

عزت اور قبول عام اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور وہی لوگوں کے دلوں میں محبت ڈالنے والا ہے۔ اور پھر تشہیر اور خودنمائی کوئی قابل فخر چیز ہے بھی نہیں۔ ع

ليس الخمول بعار على امرء ذي الجلال فليلة القدر تخفى وتلك خير اليالي

بقول حضرت علامہ قاری عبدالخالق رحمانیؒ: "مجھے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے یہ نصیحت فرمائی کہ "تکبر حرام اور عزت نفس فرض عین ہے۔""

نوٹ: دوران خطبہ گلا خشک ہوجانے یا پیاس لگنے پر خطیب کیلئے منبر پر پانی پینا جائز ہے لیکن یہ بات مناسب نہیں کہ ایک آدمی چائے کا تھرماس لے کر پاس کھڑا ہو اور ہر دو منٹ کے بعد خطیب یا مقرر کی خدمت میں چائے پیش کرے تاکہ اس کا گلہ چلتا رہے کیونکہ یہ تصنع اور تکلف شریعت میں منع ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دعوت وارشاد فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک شخص اس قدر معذور ہے تو وہ آرام کرے اور کوئی دوسرا عالم دین اس کی جگہ پر خطبہ یا تقریر ارشاد فرما دے۔ اسی طرح اسٹیج پر آکر اپنی بیماری یا تکلیف کا اعلان کرنا بھی مستحسن امر نہیں ہے۔ ہم نے اپنے اساتذہ کرام سے استاذ العلماء حضرت مولانا میر سیالکوٹیؒ کا ناصحانہ مقولہ سنا ہے کہ وہ ایسے خطباء جو آغازِ خطاب میں اس طرح کے روایتی جملے ادا کرتے کہ (طبیعت علیل ہے۔ سفر طویل ہے۔ تھکاوٹ سے جسم نڈھال ہے) وغیرہ ادا کرتے تو انہیں فرمایا کرتے تھے 'بھئی! اگر اتنے مریض ہو کہ تقریر نہیں کرسکتے تو خواہ مخواہ تکلف کیوں کرتے ہو۔ جاؤ آرام کرو۔ یہ لوگ اتنی دور سے آپ کی تیمار داری کرنے نہیں بلکہ تقریر سننے آئے ہیں"

یہ چند امور ہیں جن کی نشاندہی سے مقصود پہلے نمبر پر اپنی اصلاح اور پھر اپنے احباب کیلئے تذکیر ہے ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے قابل قدر بزرگ اور بھائی خطباء ومبلغین موجودہ حالات میں جس طرح دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرنے میں سرگرم عمل ہیں، ان کی یہ کاوشیں انتہائی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی جہود کو شرف قبولیت عطا کرے۔ آمین!

---

[1] جامع بيان العلم وفضله: 142/1

جمہور

خطابت کا تیسرا رکن جمہور (مخاطبین یا سامعین) ہیں۔ خطیب کو دوران خطبہ سامعین کی سوچ وفکر اور تعلیمی معیار کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: (حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ)[1] "لوگوں کے فہم وفراست کے معیار کے مطابق ان سے خطاب کرو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے؟"

اور ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (ما حدثت أحدا بشئ من العلم قط لم يبلغه عقله الا كان ضلالا عليه)[2] "آپ اگر کسی سے اس کے عقل وفہم کے معیار سے بلند ہو کر گفتگو کریں گے تو وہ گمراہ ہو جائے گا۔" اور دوسری بات یہ ہے کہ خطیب کو (انزلوا الناس منازلهم) کا اصول پیش نظر رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مقام مرتبہ کے حساب سے برتاؤ کرے۔

عوام الناس کے لیے آداب

سامعین کے لیے ضروری ہے کہ خطاب کرنے والے کی گفتگو توجہ اور خاموشی سے سنیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ خطاب فرماتے تو وہ سراپا گوش بن کر کامل توجہ سے سماعت کرتے اور اپنی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ (كأن على رؤسنا الطير) کہ دلچسپی اور توجہ کا عالم یوں ہوتا جیسا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہوں اگر تھوڑی سے بھی حرکت کی تو اڑ جائیں گے۔

خطبۂ جمعہ کے آداب

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ، وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ، وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ ، أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلاَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ ، إِلاَّ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى»[3]

"جمعہ کے دن جو شخص غسل کرتا اور اپنی استطاعت کے مطابق طہارت حاصل کرتا، تیل لگاتا یا اپنے گھر سے

---

① فتح الباری:34/1 ② مقدمہ صحیح مسلم

③ صحیح البخاری، الجمعة:883، صحیح مسلم:850

کچھ خوشبو وغیرہ لگاتا ہے اور پھر وہ جاتا ہے اور دو آدمیوں کو جدا نہیں کرتا بلکہ جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتا ہے، پھر جس قدر ممکن ہو نماز ادا کرتا ہے، اور جب امام خطبہ دیتا تو خاموشی سے خطبہ سنتا ہے تو اس کے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔‘‘

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قَالَ: إِذَا كَانَ يَو مُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلائِكَةُ عَلى أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَيَكْتُبُونَ الأَوَّلَ فَالأَوَّلَ فَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ اِلَى الْجُمُعَةِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِى بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ كَبْشًا ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ دَجَاجَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ وَقَعَدَ عَلَى الْمِنبَرِ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَجَلَسُوا يَسْمَعُونَ الذِّكْرَ ①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ترتیب وار پہلے آنے والوں کے نام لکھتے ہیں۔ تو سب سے پہلے آنے والے کی مثال ایسے ہے جیسا کہ کوئی ایک اونٹ کی قربانی دے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال ایسے ہے جیسا کہ گائے کی قربانی دینے والا ہے، پھر جو مینڈھا کی قربانی کرتا ہے، پھر مرغی اور اس کے بعد انڈے کی قربانی کرنے والا۔ اور جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے رجسٹر لپیٹ کر خطبہ سننا شروع کر دیتے ہیں۔‘‘

۳۔ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سلیک الغطفانی آئے اور نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو وہ آکر بیٹھ گئے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيَجْلِسْ»②
’’جب کوئی جمعہ کے لیے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے اور پھر بیٹھے۔‘‘

نوٹ: خطبہ روک کر سنتوں کے لیے وقت دینا اور اسی طرح ظہر احتیاطی ادا کرنا بدعات ہیں ان سے گریز کرنا چاہئے۔

۴۔ دوران خطبہ گفتگو کرنا

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: « إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ : أَنْصِتْ ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ »③

① صحیح البخاری:881، وصحیح مسلم :850 ② صحیح مسلم:287/1
③ صحیح البخاری، الجمعۃ :934، صحیح مسلم :851

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تو جمعہ کے خطبہ کے دوران اپنے (ساتھی کو خاموش کروانے کے لیے) اسے کہے گا کہ خاموش ہو جاؤ تو تو نے لغو کام کیا ہے۔''

۵۔ گردنیں پھلانگنا

بعد میں آنے والوں کے لیے جائز نہیں کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر ان کو پریشان کر کے آگے جا کر بیٹھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو گردنیں پھلانگ کر آگے آتے دیکھا تو فرمایا: «اِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَآنَيْتَ»[1] ''بیٹھ جاؤ تو دیر سے آیا اور لوگوں کو پریشان کر رہا ہے۔''

۶۔ علماء کا احترام

عوام الناس کو چاہئے کہ وہ ان علماء حق اور خدام دین کا احترام اور توقیر کریں جو کہ وراثت نبوت کو سنبھالے ہوئے شب و روز دین کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ ان کے ساتھ گفتگو کرتے وقت مؤدبانہ لہجہ اور ان کے مقام مرتبہ کے مطابق ان سے مخاطب ہوں۔ آخر وہ بھی انسان ہیں' ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو تنہائی میں ان سے رابطہ کر کے ناصح امین کا کردار ادا کریں نہ کہ ان کو کھلے بندوں رسوا کر کے اپنی عاقبت بھی تباہ کریں اور دعوت حق کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچائیں۔ ابن عساکر کا معروف قول ہے (إياكم ولحوم العلماء فانها مسمومة) علماء کی غیبت سے بچو ان کا گوشت زہر آلود ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے علماء حق کے بارے میں ہی فرمایا ہے (اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ) کہ علماء حق ہی وراثت نبوت کے امین ہیں۔ اور سچ ہے کہ یہ لوگ: ع

هم العدول لحمل العلم كيف وهم　　اولو المكارم والأخلاق والشيم
هم الجهابذة الأعلام تعرفهم　　بين الأنام بسيماهم ووسمهم
هم ناصرو الدين والحامون حوزته　　من العدو بجيش غير منهزم
لم يبق للشمس من نور اذا أفلت　　ونورهم مشرق من بعد موتهم

''علماء حق علم دین کے حامل وہ باعظمت و باکردار لوگ ہیں کہ وہ اپنے اخلاق عالیہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ دین کی نصرت کرنے والے اور دشمن کے مقابلہ میں کامیابی سے اس کا دفاع کرنے والے ہیں۔ آفتاب کے غروب کے بعد روشنی ختم ہو جاتی ہے اور یہ علم کے وہ آفتاب ہیں کہ جن کی آب و تاب ان

---

[1] صحيح ابن ماجه للألباني: 923

کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔"

زاد الخطیب ایک نظر میں

خطباء و مبلغین اور دعاۃ اسلام کے لیے زاد راہ، علمی مواد اور منہج سلف صالحین کے مطابق معلومات کا ذخیرہ فراہم کرنا یقیناً عظیم عمل اور دین حقہ کی بہت بڑی خدمت اور دعاۃ و مبلغین کا بطریق احسن علمی تعاون ہے۔ اسی لیے علماء نے ہر دور میں یہ زریں کارنامہ سرانجام دینے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ خطباء و دعاۃ جن کے پاس مصادر ومراجع متوفر نہیں یا وقت کی قلت ہے ان کے لیے سہولت میسر آسکے۔ ماضی قریب میں اردو زبان میں خطبات کے مجموعہ جات جن سے شاید ہی کسی خطیب و مبلغ کی لائبریری خالی ہو (اگر اس کی لائبریری ہو تو) ان میں سے مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ کی اسلامی خطبات دو جلدوں میں اور مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ کی خطبات محمدی ایک ضخیم جلد میں مطبوع، مولانا محمد داؤد رازؒ کی خطبات نبوی ایک جلد میں قابل ذکر ہیں۔ مکتبہ سلفیہ والوں نے مولانا بستوی کے خطبات کی تلخیص بڑے خوبصورت انداز میں خطبات جمعہ کے نام سے ایک جلد میں شائع کر دی ہے اور اس کے علاوہ دیگر کئی مجموعۂ خطبات بازار میں موجود ہیں لیکن زیر نظر مجموعہ **زاد الخطیب** اردو زبان میں اپنی نوعیت کا منفرد مجموعہ ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے ہر جلد میں ۲۵ خطبات ہیں۔ پہلی جلد کے خطبات کو سال بھر کے مواسم، مناسبات اور وقائع واحداث کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے جبکہ دوسرا حصہ متنوع خطبات پر مشتمل ہے۔ جس میں فاضل مرتب نے ایسا امتیازی اور منفرد انداز نگارش اختیار کیا ہے جو اسے تمام دیگر مجموعہ ہائے خطبات سے ممتاز کرتا ہے: مثلاً

① خطبہ کے شروع میں ترتیب وار عناصر خطبہ کا ذکر۔

② نصوص کی حسن ترتیب اور تشکیل وتعریب کا اہتمام۔

③ قرآن کریم کی صحیح اور سلف صالحین سے منقول تفسیر بالماثور۔

④ احادیث کی صحت کے التزام کے ساتھ ان کی تخریج وتعلیق اور پھر ان کی تشکیل کا اہتمام اور منہج سلف کے مطابق ان کی تشریح وتوضیح۔

⑤ منہجیت اور اصلاح عقائد واعمال کا نقطہ نظر اصلی غرض وغایت۔

⑥ موضوع کا تمام پہلوؤں سے احاطہ۔

⑦ حشو وزوائد اور بے جا اور غیر متعلقہ مواد سے بالکل خالی۔

⑧ تمام خطبات میں ترغیب وترہیب کا رنگ نمایاں۔

⑨ عبارات سلیس، رواں اور عام فہم۔

⑩ اپنے موقف کو پرزور دلائل سے ثابت کرنا اور مخالفین پر تنقید کی بجائے خوش اسلوبی سے ان کے دلائل کا محاکمہ اور از راہ ہمدردی انکو صحیح موقف کا قائل بنانے کا دلنواز اور ناصحانہ اسلوب۔

⑪ مصطلحات اور مفردات کی لغوی واصطلاحی تعریف وتشریح۔

⑫ خوبصورت ودیدہ زیب طباعت زاد الخطیب کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی بہترین جزاؤں سے نوازے لجنۃ القارۃ الہندیہ کے رئیس مکرم محترم ابو خالد فلاح المطیری حفظہ اللہ کو جوکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے کار خیر کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ یہ پروگرام بھی انہی کا پیش کردہ اور تجویز کردہ تھا۔ ہمارے فاضل بھائی ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد صاحب نے اس خواب کی صحیح تعبیر، سچی تصویر اوران کی منشا کے مطابق اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے اور اس علمی خزینہ کی تقدیم وعرض کے لیے جس محنت شاقہ، علمی بصیرت اور سعی مشکور کا مظاہرہ کیا یہ انہی کا حصہ ہے۔اس علمی موسوعہ سے ہر طبقہ کے دعاۃ ومبلغین یکساں مستفید ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت عطا کرے اور قبول عام سے نوازے اور خطبا ومبلغین کو اس نادر علمی ذخیرہ اور خوبصورت اور خوشنما گلدستہ کتاب وسنت سے مستفیض ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

ہم (**زاد الخطیب**) کی طباعت کے اس پر مسرت موقع پر اس کے مرتب ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد صاحب، اس کی سرپرستی کرنے والے رئیس لجنۃ القارۃ الھندیۃ (کویت) محترم ابو خالد فلاح المطیری حفظہ اللہ، مرکز دعوۃ الجالیات (کویت) کے سربراہ محترم عارف جاوید محمدی اور دیگر احباب جماعت کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ اللہ کی توفیق کے بعد جن کی نیک دعائیں اور قیمتی مشورے اس مشروع کو عملی جامہ پہنانے میں مد ومعاون ثابت ہوئے۔اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ برادرم ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ کی اس علمی اور دعوتی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور اس کی اعداد وتقدیم اور نشر واشاعت میں کسی طرح سے بھی تعاون کرنے والوں کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

طالب الدعوات رخادم العلم والعلماء

عبد الخالق بن محمد صادق المدنی غفر اللہ لہ ولوالدیہ

الکویت۔ ۱۸ مئی ۲۰۰۸ء

ماہِ محرم کے خطبات

1. ماہِ محرم اور یومِ عاشوراء .... فضائل واحکام
2. فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم
3. ہجرتِ مدینہ .... واقعات ودروس

ماہِ محرم اور یومِ عاشوراء

اہم عناصرِ خطبہ:

① ماہِ محرم کی اہمیت
② حرمت والے چار مہینے اوران کے خاص اَحکام
③ گناہوں کے آثار
④ ماہِ محرم میں نوحہ اور ماتم
⑤ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت
⑥ ماہِ محرم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم
⑦ ماہِ محرم میں روزہ کی فضیلت
⑧ تاریخ قدیم میں یوم عاشوراء کی اہمیت
⑨ صومِ عاشوراء کی اہمیت وفضیلت

پہلا خطبہ

محترم حضرات! ماہِ محرم عظیم الشان اور مبارک مہینہ ہے۔ یہ ہجری سال کا پہلا مہینہ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾[1]

''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک لوحِ محفوظ میں بارہ ہے، اور یہ اس دن سے ہے جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت وادب کے ہیں، یہی مضبوط دین ہے۔ لہٰذا تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

حرمت والے چار مہینے کون سے ہیں؟ اس کے بارے میں ایک حدیث سماعت فرمائیے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① التوبة 36:9

(اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ:ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ:ذُوْالْقَعْدَةِ، وَذُوْالْحَجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَر اَلَّذِیْ بَيْنَ جُمَادیٰ وَشَعْبَانَ)①

''سال بارہ مہینوں کا ہے، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے ہیں اور وہ ذوالقعدۃ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔اور چوتھا مہینہ رجبِ مضر ہے جو کہ جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔''

''تین پے در پے اور چوتھا اکیلا'' اس میں کیا حکمت ہے؟ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ذوالقعدہ میں جو کہ حج والے مہینے سے پہلے آتا ہے' وہ لوگ قتال بند کر دیا کرتے تھے۔اور ذوالحجہ کے مہینہ میں وہ حج ادا کیا کرتے تھے، پھر اس کے بعد ایک اور مہینہ بھی حرمت والا قرار دے دیا تاکہ وہ امن وامان سے اپنے وطن کو لوٹ سکیں، پھر سال کے درمیان ایک اور مہینہ حرمت والا قرار دیا تاکہ وہ عمرہ اور زیارتِ بیت اللہ کے لئے امن سے آ جا سکیں۔②

عزیزانِ گرامی! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حرمت والے چار مہینوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی ''ان میں (خصوصی طور پر) تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

ظلم تو سال کے بارہ مہینوں میں ممنوع ہے لیکن ان چار مہینوں کی عزت وحرمت اور ان کے تقدس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع فرما دیا۔

اس ظلم سے مراد کیا ہے؟

ایک تو یہ مراد ہے کہ ان مہینوں میں جنگ وجدال اور قتال نہ کیا کرو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾③

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان چار مہینوں کی حرمت کا خیال رکھتے تھے اور آپس کی جنگ اور لڑائی کو ان میں روک دیا کرتے تھے، پھر اسلام نے بھی ان کے احترام وتقدس کو برقرار رکھا اور ان میں لڑائی کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔

اور ظلم سے مراد یہ بھی ہے کہ تم ان چار مہینوں میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو، کیونکہ ان میں نافرمانی کرنے کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

---

① صحیح البخاری، التفسیر باب سورۃ التوبۃ ② تفسیر ابن کثیر:468/2

③ البقرۃ2: 217

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو سال کے بارہ مہینوں میں حرام قرار دیا ہے، پھر ان میں سے چار مہینوں کو خاص کر دیا ہے کیونکہ ان میں برائی اور نافرمانی کا گناہ زیادہ ہو جاتا ہے اور نیکی اور عمل صالح کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے۔

اور امام قتادۃ رحمہ اللہ ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں:

''حرمت والے مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی نسبت کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور ظلم کا گناہ اگرچہ ہر وقت بڑا ہوتا ہے لیکن اللہ جس مہینے کو چاہے اس میں ظلم کا گناہ اور بڑا کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے پیامبر فرشتوں کو چن لیا، کلام میں سے قرآن مجید کو چن لیا اور پوری سرزمین میں سے مساجد کو چن لیا۔ اسی طرح مہینوں میں سے ماہ رمضان اور حرمت والے چار مہینوں کو چن لیا، دنوں میں سے یومِ جمعہ کو چن لیا اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو چن لیا۔ تو اللہ تعالیٰ جسے چاہے عظمت دے دے، لہٰذا تم بھی اسے عظیم سمجھو جسے اللہ تعالیٰ عظیم سمجھتا ہے۔''[1]

میرے مسلمان بھائیو! سال بھر میں عموما اور ان چار مہینوں میں خصوصا ہم سب کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کرنا چاہیئے اور گناہوں سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہیئے، کیونکہ گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾[2]

''یوں نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ ، فَذٰلِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ: ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾)[3]

''مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ کو چھوڑ کر معافی مانگ لیتا ہے تو اس کے دل کو دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ تو یہی وہ (رَین) ''زنگ'' ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾''

---

(1) تفسیر ابن کثیر: 468/2 (2) المطففین 83: 14

(3) سنن الترمذی: 3334: حسن صحیح ، ابن ماجۃ 4244 وحسنہ الألبانی

اور یاد رکھیں ! گناہوں کی وجہ سے زندگی پریشان حالی سے گذرتی ہے اور انسان کو حقیقی چین وسکون نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى، قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا،قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴾[1]

''اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کرکے اٹھائیں گے۔ وہ پوچھے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے نابینا بنا کر کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا؟ اللہ تعالیٰ جواب دے گا: اسی طرح ہونا چاہئے تھا کیونکہ تمہارے پاس ہماری آیات آئی تھیں لیکن تم نے انہیں بھلا دیا۔ اسی طرح آج تمہیں بھی بھلا دیا جائے گا۔''

یعنی دینِ الٰہی سے اعراض کرنے، آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت نہ کرنے اور ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہر چہار جانب سے اسے تنگی گھیر لیتی ہے اور روزی کی کشادگی کے باوجود اس کا اطمینان وسکون تباہ ہوجاتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد قبر بھی تنگ ہوجاتی ہے اور برزخ کی طویل زندگی تلخیوں اور بدبختیوں سے گذرتی ہے۔ اور جب قیامت کے روز اسے اٹھایا جائے گا تو وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے اندھا ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

اور گناہوں اور برائیوں ہی کی وجہ سے موجودہ نعمتیں چھن جاتی ہیں اور آنے والی نعمتیں روک لی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہمارے ماں باپ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی ایک غلطی کی وجہ سے انہیں جنت کی نعمتوں سے محروم کردیا گیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ، فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ﴾[2]

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں جتنا چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ۔ تاہم اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کو لغزش میں مبتلا کردیا اور انہیں اس نعمت اور راحت سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے۔''

اسی طرح برائیوں کے برے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا

---

[1] طٰہٰ 20:124-126 [2] البقرۃ 2:35-36

السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِيْنَ ﴾[1]

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، وہ جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں۔ پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔''

اس آیت میں ذرا غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم سے پہلی امتوں کو وہ قوت اور سطوت عطا کی تھی جو تمہیں عطا نہیں کی اور ہم نے انہیں بھرپور نعمتوں سے نوازا، لیکن انہوں نے ناشکری کی تو ہم نے وہ ساری نعمتیں ان سے چھین لیں اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اور اگر تم بھی یہی روش اختیار کرو گے تو کیا تمہیں ہلاک کرنا ہمارے لئے مشکل ہے؟ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہئے، اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بن جائیں اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔

عزیزان گرامی! اس خطبے کے شروع میں ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصا حرمت والے مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ماہِ محرم کے حوالے سے یہاں دو باتوں کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

(۱) ماہِ محرم اور نوحہ

آپ کو معلوم ہے کہ ماہِ محرم میں کئی لوگ ماتمی لباس پہن کر نوحہ اور ماتم کرتے ہیں اور سینہ کوبی کرتے ہیں .... ہمارے نزدیک یہ بھی ظلم ہی کی ایک قسم ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

اِن اعمال کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(أَرْبَعٌ فِيْ أُمَّتِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ : اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ ، وَالْإِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ ، وَالنِّيَاحَةُ ، وَقَالَ: اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ)[2]

''جاہلیت کے کاموں میں سے چار کام میری امت میں ایسے ہونگے جنہیں وہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہونگے:

[1] الأنعام 6:6

[2] صحیح مسلم، الجنائز، باب التشدید فی النیاحة :934

حسب (قومیت) کی بنیاد پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا، ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنا (یا ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا) اور نوحہ کرنا۔'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہیں کرتی تو قیامت کے روز اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس پر تارکول کی ایک قمیص ہوگی اور خارش کی بیماری کے لباس نے اس کے جسم کو ڈھانپ رکھا ہوگا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوحہ وغیرہ کرنا جاہلیت کے امور میں سے ہے اور اس کا اسلام سے قطعا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نوحہ وغیرہ کرنے والے شخص سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»①

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخساروں پر طمانچے مارے، گریبانوں کو چاک کیا، جاہلیت کے دعوی کے ساتھ پکارا یعنی واویلا کیا اور مصیبت کے وقت ہلاکت اور موت کو پکارا۔''

اور حضرت ابو بردۃ بن ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شدید تکلیف میں مبتلا ہوئے اور ان پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ کا سر آپ کی ایک اہلیہ کی گود میں تھا۔ اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا لیکن آپ اسے کوئی جواب نہ دے سکے، پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو انہوں نے کہا:

''میں ہر اس شخص سے بری ہوں جس سے رسول اکرم ﷺ نے براءت کا اعلان کیا۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے زور زور سے رونے والی، مصیبت کے وقت سر منڈوانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے براءت کا اعلان فرمایا ہے۔''②

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ماتم اور سینہ کوبی کرنا حرام ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو اس سے باز آجانا چاہئے اور فوری طور پر ان سے سچی توبہ کرنی چاہئے۔

معزز سامعین! ماہِ محرم میں نوحہ اور ماتم وغیرہ نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں کیا جاتا ہے اور کون ہے کہ جس کو ان کی شہادت پر غم اور افسوس نہیں ہوگا؟ یقیناً ہر مسلمان کو اس پر حزن وملال ہوتا ہے لیکن جس طرح ہر صدمہ میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر

---

① صحیح البخاری، الجنائز، باب لیس منّا من شقّ الجیوب:1294

② صحیح البخاری، الجنائز باب ما ینھی عن الحلق عند المصیبۃ:1296، صحیح مسلم الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود وشقّ الجیوب:167

بھی صبر وتحمل کا ہی مظاہرہ کرنا چاہئے ۔ نہ کہ نوحہ، ماتم اور سینہ کوبی جیسے جاہلیت والے اعمال وافعال کا۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ٭ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٭ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾[1]

''اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے، کچھ خوف وہراس اور بھوک سے، مال وجان اور پھلوں میں کمی سے۔ اور آپ (اے محمد ﷺ!) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے، جنھیں جب کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم یقیناً اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور رحمت ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے اجر دیتا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]

''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جاتا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ کی فضیلت کیلئے یہی کافی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو آپ سے اور اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے شدید محبت تھی۔

عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:(اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا)[3]

یعنی ''اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تو بھی ان سے محبت کر۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے، ایک آپ ﷺ کے ایک کندھے پر اور دوسرے آپ ﷺ کے دوسرے کندھے پر تھے۔ اور آپ ﷺ کبھی اِن سے پیار کرتے اور کبھی اُن سے۔

چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ان سے محبت ہے؟ آپ ﷺ

---

[1] البقرة 2:155-157 [2] الزمر 39:10

[3] مسند أحمد:211/38 :23133، وإسناده صحيح ، ورواه الترمذي عن البراء بن عازب:3782 وصححه الألباني في الصحيحة :2789

نے فرمایا:« مَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِي ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي »①

''جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی ۔اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

رسول اکرم ﷺ کو اپنے ان دونوں نواسوں سے کس قدر شدید محبت تھی اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا خطبہ چھوڑ کر انہیں اٹھانے کیلئے منبر سے نیچے اتر تے ،انہیں اٹھاتے اور پھر منبر پر جا کر اپنا خطبہ مکمل کرتے ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس دوران حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نمودار ہوئے ، انہوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھیں اور وہ ان میں بار بار پھسل رہے تھے ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اترے ، اپنا خطبہ روک دیا ، انہیں اٹھایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر آپ ﷺ انہیں اٹھائے ہوئے منبر پر چڑھے ۔اس کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ ﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ ''بے شک تمھارے اموال اور تمھاری اولاد آزمائش ہیں ۔'' میں نے انہیں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ جا سکا۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا خطبہ مکمل فرمایا۔②

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حالتِ احرام میں اگر کوئی آدمی ایک مکھی کو مار دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا : اہلِ عراق مکھی کے بارے میں سوال کرتے ہیں حالانکہ وہ تو نواسۂ رسول ﷺ کے قاتل ہیں ! اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»③

''یہ (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں ۔''

جبکہ سنن ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اہلِ عراق میں سے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر مچھر کا خون کپڑے پر لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا: اس آدمی کو دیکھو! یہ مچھر کے خون کے متعلق سوال کرتا ہے جبکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے کو قتل کیا۔اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

---

① رواه أحمد:15/420:9673، و13/260:7876، وسنن ابن ماجه باختصار:143 وحسنه الألباني

② سنن أبي داؤد :1109 ، سنن النسائي:1413 ، سنن ابن ماجه :3600 وصححه الألباني

③ صحيح البخاري:3753 ، 5994

(إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا)①

''بے شک حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔''

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(إِنَّ هَذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ ، اِسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ)②

''بے شک یہ فرشتہ آج رات زمین پر نازل ہوا، اس سے پہلے یہ کبھی زمین پر نہیں آیا تھا، اس نے اللہ تعالیٰ سے مجھے سلام کرنے اور مجھے یہ خوشخبری دینے کی اجازت طلب کی کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہونگی اور حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) نوجوانانِ جنت کے سردار ہونگے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔③

ایک اور روایت میں ان کا بیان ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی اور آپ ﷺ کے مشابہ نہ تھا④

ان دونوں روایات کو جمع کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی زندگی میں اور حسین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی موت کے بعد آپ ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔⑤

عزیزانِ گرامی! ان تمام احادیث میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔ اور انہی احادیث کے پیشِ نظر ہم ان دونوں سے محبت کرتے اور اس محبت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہیں اور ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ انتہائی المناک اور افسوسناک واقعہ ہے، لیکن ہم اس پر نوحہ، ماتم اور سینہ کوبی کرنے کو ناجائز بلکہ حرام تصور کرتے ہیں، کیونکہ خود ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ایسے افعال کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم اس سے پہلے یہ بات احادیث کی رو سے ثابت کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس واقعہ پر سوائے صبر وتحمل کے اور کوئی چارۂ کار نہیں.

نیز یہ بات بھی یاد رہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا۔

---

① سنن الترمذی:3770 وصححه الألبانی
② سنن الترمذی :3781وصححه الألبانی
③ صحیح البخاری:3784
④ صحیح البخاری : 3752
⑤ فتح الباری

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ میرے پاس تھے، اچانک وہ (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) رونے لگ گئے، میں نے انہیں چھوڑا تو وہ سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: بے شک آپ کی امت انہیں عنقریب قتل کر دے گی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس سرزمین کی مٹی دکھلا دوں جس پر انہیں قتل کیا جائے گا۔ پھر انہوں نے اس کی مٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائی اور یہ وہ سرزمین تھی جسے کربلاء کہا جاتا ہے۔[1]

چنانچہ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سمجھتے ہیں جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بقضاء وقدرِ الٰہی شہید ہوئے۔ اور آپ اس وقت شہید ہوئے جب آپ ۴۰ھ میں سترہ رمضان بروز جمعۃ المبارک کو فجر کی نماز ادا کرنے کیلئے جا رہے تھے! اسی طرح ان سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ظالموں نے انتہائی المناک انداز میں شہید کیا۔ اور آپ ماہِ ذوالحجہ ۳۶ھ میں ایامِ تشریق کے دوران شہید ہوئے اور ان سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت شہید ہوئے جب آپ فجر کی نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور یہ سب یقینی طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے افضل تھے اور ان کی شہادت کے واقعات زیادہ المناک اور افسوسناک ہیں، لیکن ایسے تمام واقعات پر ہم سوائے (إنا لله وإنا إليه راجعون) کے اور کیا کہہ سکتے ہیں!

(۲) ماہِ محرم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

خصوصا ماہ محرم میں ایک اور ظلم یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردان گرامی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو بُرا بھلا کہا جاتا اور انہیں سب وشتم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا اور گالیاں دینا حرام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نحبّ أصحاب رسول الله ﷺ، ولا نفرط في حبّ أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم، ولا نذكرهم إلاّ بخير، وحبّهم دين

[1] أخرجه أحمد في فضائل الصحابة بسند حسن: 1391:782/2

وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان"[1]

''ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک صحابی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں سے کسی صحابی سے براءت کا اعلان کرتے ہیں اور ہم ہر ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہو اور انہیں خیر کے ساتھ ذکر نہ کرتا ہو۔ ہم انہیں خیر کے ساتھ ہی ذکر کرتے ہیں اور ان کی محبت کو عین دین، عین ایمان اور عین احسان سمجھتے ہیں، جب کہ ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی تصور کرتے ہیں۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ کفار کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چڑ آتی ہے اور وہ ان کے بارے میں غضبناک ہوتے ہیں، گویا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چڑ اور بغض وعناد رکھنا کافروں کا شیوا ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾[2]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ رکوع اور سجدے کررہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کی پیشانیوں پر عیاں ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور انجیل میں بھی ان کی یہی مثال بیان کی گئی ہے۔ اس کھیتی کی مانند جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے سہارا دیا تو وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، وہ کھیت اب کاشتکاروں کو خوش کررہا ہے (اللہ نے ایسا اس لئے کیا ہے) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑ آئے۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیا ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ

[1] شرح العقيدة الطحاوية 467
[2] الفتح 48: 29

أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ»①

''میرے ساتھیوں کو گالیاں مت دینا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ نہ ان کے ایک مُدّ کے برابر ہوسکتا ہے اور نہ آدھے مُدّ کے برابر۔''

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

(لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ ، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ)②

''محمد ﷺ کے اصحاب کو برا بھلا نہ کہنا کیونکہ ایک گھڑی کے لئے ان کا (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) کھڑا ہونا تمہاری پوری زندگی کے عمل سے بہتر ہے۔''

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یوں کہا کرتے تھے:

(لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ ، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً يَعْنِيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً)③

''تم محمد ﷺ کے اصحاب کو گالیاں نہ دینا کیونکہ ان میں سے ایک صحابی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک گھڑی کے لئے کھڑا ہونا تم میں سے ایک شخص کے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے۔''

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اصحابِ رسول ﷺ سے محبت کرنے اور ان کا ادب واحترام کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! پہلے خطبہ میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ محرم کا مہینہ چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، اللہ تعالی نے خاص طور پر ان مہینوں کے دوران اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے (یعنی اللہ کی نافرمانی کرنے سے) منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں اللہ کی نافرمانی سے اجتناب کے ساتھ ساتھ اس ماہ کے دوران عمل صالح زیادہ

---

① صحيح البخاری، كتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ: لو كنت متخذا خليلا: 3673، صحيح مسلم ـ كتاب فضائل الصحابة باب تحريم سبّ الصحابة:2540

② سنن ابن ماجه، باب فی فضائل أصحاب النبی ﷺ (162) صحيح ابن ماجة للألبانی: 1/132-133

③ رواه ابن بطّة، وصححه الألبانی فی تخريج شرح العقيدة الطحاوية : 469

سے زیادہ کرنا چاہیے، خاص طور پر نفلی روزے زیادہ سے زیادہ رکھنے چاہئیں، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلاَةُ اللَّيْلِ» ①

''رمضان کے بعد سب سے افضل روزے ماہ محرم کے روزے ہیں جو کہ اللہ کا مہینہ ہے۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔''

خاص طور پر یومِ عاشوراء 'دس محرم' کا روزہ ضرور رکھنا چاہیے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں رہے مسلسل اس دن کا روزہ رکھتے رہے۔ پھر آپ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بھی آپ ﷺ اس دن کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔''

اس بارے میں چند احادیث سماعت فرمائیے:

① عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلىٰ غَيْرِهٖ إِلاَّ هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ. ②

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی ایک دن کو دوسرے دنوں پر فوقیت دیتے ہوئے اس کے روزے کا قصد کرتے ہوں سوائے یومِ عاشوراء کے اور سوائے ماہِ رمضان کے۔

یعنی آپ ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ باقی دنوں میں سے یومِ عاشوراء کے روزے کا جس قدر اہتمام فرماتے اتنا کسی اور دن کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔

② عن عائشة رضی الله عنها قالت: "كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصُوْمُ عَاشُوْرَاءَ فِيْ الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَصُوْمُهُ، فَلَمَّا هَاجَرَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهٖ، فَلَمَّا فُرِضَ شَهْرُ رَمَضَانَ قَالَ: مَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ" ③

---

① صحيح مسلم ـ كتاب الصوم، باب فضل صوم المحرم :1136

② صحيح البخاري ـ الصوم باب صيام عاشوراء: 2006، صحيح مسلم :1132

③ صحيح البخاري ـ الصوم باب صيام عاشوراء:2001، 2003، صحيح مسلم، الصيام باب فضل صوم يوم عاشوراء :1125 واللفظ له

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت کے دور میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو بھی آپ اس دن کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیتے تھے، اس کے بعد جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ ﷺ نے اختیار دے دیا اور فرمایا:

''جس کا جی چاہے اس دن کا روزہ رکھ لے اور جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔''

③ حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اکرم علیہ السلام نے مدینہ کے اردگرد بسنے والی بستیوں میں یہ حکم بھیجا کہ بستیوں والے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھیں۔ چنانچہ ہم خود بھی روزہ رکھتے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے۔اور جب کھانے کے لئے بچے روتے تو ہم انہیں کھلونے دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ ان کے ساتھ افطار تک دل بہلاتے رہیں۔[1]

④ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں آئے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں، آپ نے ان سے پوچھا: تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ ایک عظیم دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی دن کا روزہ شکرانے کے طور پر رکھا۔ اس لئے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

(فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوْسىٰ مِنْكُمْ) ''تب تو ہم زیادہ حق رکھتے ہیں اور تمہاری نسبت ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ قریب ہیں'' پھر آپ ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا۔[2]

یومِ عاشوراء کی اہمیت.....قدیم زمانے میں

قدیم زمانے میں یومِ عاشوراء کی اہمیت کیا تھی؟ اس بارے میں اگرچہ عام لوگوں میں بہت ساری باتیں مشہور ہیں، لیکن ہمیں صحیح روایات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقِ آب فرمایا۔ اسی وجہ سے یہود اس دن کا روزہ

---

① صحیح مسلم: 1136

② صحیح البخاری، الصوم باب صیام عاشوراء :2004، صحیح مسلم :1130

رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں کو اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، جسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہود یومِ عاشوراء کو عید کا دن تصور کرتے تھے اور اہلِ خیبر (یہود) اس دن اپنی عورتوں کو خصوصی طور پر زیورات وغیرہ پہنا کر خوشیاں مناتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(فَصُوْمُوْهُ أَنْتُمْ) ''تم اس دن کا روزہ رکھا کرو۔''①

باقی جہاں تک قصۂ نجاتِ موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل اور غرقِ فرعون کا تعلق ہے تو وہ قرآن مجید میں تفصیلاً موجود ہے۔

اسی طرح صحیح روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے دور میں بھی لوگ اس دن کی تعظیم کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جسے ہم ذکر کر چکے ہیں' سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ (وَهُوَ الْيَوْمُ الَّذِيْ اسْتَوَتْ فِيْهِ السَّفِيْنَةُ عَلَى الْجُوْدِيِّ فَصَامَهُ نُوْحٌ شُكْرًا) ''یوم عاشوراء وہ دن ہے جس میں کشتیٔ نوح علیہ السلام جودی پہاڑ پر جا لگی تھی، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا۔''

لیکن اس روایت کی سند میں ایک راوی عبد الصمد بن حبیب ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اور دوسرا راوی شبیل بن عوف ہے جو کہ مجہول ہے۔②

اسی طرح طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ (وَفِيْ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ تَابَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَعَلٰى مَدِيْنَةِ يُوْنُسَ، وَفِيْهِ وُلِدَ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ)③

''یوم عاشوراء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔ اسی طرح یونس علیہ السلام کے شہر والوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے اسی دن خصوصی توجہ فرمائی اور اسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔''

لیکن اس کی سند کے متعلق الحافظ الھیثمی کا کہنا ہے کہ اس میں ایک راوی عبد الغفور ہے جو کہ متروک ہے۔

---

① صحیح البخاري: 2005، صحیح مسلم: 1131

② مسند أحمد: 335/14: 8717 ③ مجمع الزوائد: 188/3

یومِ عاشوراء کے روزے کی فضیلت

حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے یومِ عاشوراء کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ)[1]

یعنی ”پچھلے ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“

اس حدیث کے پیش نظر ہر مسلمان کو یومِ عاشوراء کے روزے کا اہتمام کرنا چاہئے اور اتنی بڑی فضیلت حاصل کرنے کا موقعہ ملے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

لیکن افسوس صد افسوس! اس دور میں معیار تبدیل ہوگیا ہے، لوگوں نے اس دن کے حوالے سے کیا کیا بدعات ایجاد کرلی ہیں، سنت بدعت بن گئی ہے اور بدعت کو سنت تصور کیا جانے لگا ہے! بجائے اس کے کہ اس دن کا روزہ رکھا جاتا اور پچھلے ایک سال کے گناہ معاف کروانے کا جو سنہری موقعہ ملا تھا اس سے فائدہ اٹھایا جاتا، اس کے بجائے لوگوں نے یہ دن کھانے پینے کا دن تصور کرلیا ہے۔ لہٰذا خوب کھانے پینے کا اہتمام کیا جاتا ہے، خصوصی ڈشیں تیار کی جاتی ہیں، پانی اور دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں اور سنتِ رسول ﷺ کا مذاق اڑایا جاتا ہے..... نہیں معلوم یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا غم ہے یا ان کی شہادت کا جشن ہے جو منایا جاتا ہے!

صومِ عاشوراء میں یہود کی مخالفت

جب رسول اللہ ﷺ کو کسی امر میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ دیا جاتا تو آپ ﷺ اس میں اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے۔[2]

یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اہل کتاب کی مخالفت کرنے اور ان کی موافقت نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

چنانچہ آپ ﷺ کو جب یہ بتلایا گیا کہ یہود ونصاری بھی دس محرم کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے اس میں ان کی مخالفت کرنے کا عزم کرلیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ جب آپ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو بتلایا کہ اس دن کی تو یہود ونصاریٰ بھی تعظیم کرتے ہیں!

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① صحیح مسلم: 1162

② صحیح البخاری: 5917، نیز دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم: 466/1

«فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ »

''جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نومحرم کا روزہ بھی رکھیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔''①

صومِ عاشوراء میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کیسے ہوگی؟ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صومِ عاشوراء میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرنے کیلئے دس محرم کے روزے کے ساتھ نومحرم کا روزہ بھی رکھنا چاہئے، اور اسی کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قائل تھے، جیسا کہ ان کا قول ہے:

(خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ، وَصُوْمُوْا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ)

''یہود کی مخالفت کرو، اور نو اور دس محرم کا روزہ رکھو۔''②

اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَخَالِفُوْا فِيْهِ الْيَهُوْدَ، وَصُوْمُوْا قَبْلَهُ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا» ③

''تم یومِ عاشوراء کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو۔ اور اس سے ایک دن پہلے یا اس کے ایک دن بعد کا روزہ رکھو۔''

اسی حدیث کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ جو شخص نومحرم کا روزہ نہ رکھ سکے وہ دس محرم کا روزہ رکھنے کے بعد یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرنے کیلئے گیارہ محرم کا روزہ رکھ لے۔

اور اسی حدیث کی ایک اور روایت میں اس کے الفاظ یوں ہیں:

«صُوْمُوْا قَبْلَهُ يَوْمًا ، وَبَعْدَهُ يَوْمًا»④

''دس محرم سے ایک دن پہلے کا روزہ بھی رکھو اور اس سے ایک دن بعد کا بھی۔''

---

① صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب أي يوم يصام في عاشورا :1134

② مصنف عبد الرزاق :7839، والبيهقي:278/4من طريق ابن جريج عن عطاء، وهو إسناد صحيح

③ مسند أحمد: 241/1 قال أحمد شاكر:إسناده صحيح بعض اہلِ علم نے اسے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور داؤد بن علی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے کیونکہ ان دونوں میں محدثین نے کلام کیا ہے

④ قال الهيثمي:رواه أحمد والبزار، وفيه محمد بن ابى ليلى وفيه كلام ، مجمع الزوائد:188/3، ضعيف الجامع:3506

اور شاید اسی روایت کے پیش نظر علامہ ابن القیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا کہنا ہے کہ صوم عاشوراء کے تین مراتب ہیں: سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھا جائے، پھر اس سے اونچا مرتبہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ نو محرم کا روزہ بھی رکھا جائے اور اس سے اونچا مرتبہ یہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ گیارہ محرم کا روزہ بھی رکھا جائے، کیونکہ اس مہینے میں جتنے زیادہ روزے رکھے جائیں گے اتنا زیادہ اجر وثواب ہوگا۔ واللہ اعلم ①

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حرمت والے مہینوں کا احترام کرنے اور ان میں اور اسی طرح باقی مہینوں میں اپنی نافرمانی سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین

① زاد المعاد :72/2، وفتح الباری :289/4

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اہم عناصرِ خطبہ:

① صحابی کی تعریف ② صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل قرآن مجید میں

③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل احادیثِ نبویہ میں

④ انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کے فضائل

⑤ اہلِ بدر رضی اللہ عنہم کے فضائل ⑥ اہلِ اُحد رضی اللہ عنہم کے فضائل

⑦ بیعتِ رضواں میں شریک ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

⑧ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ

پہلا خطبہ

برادران اسلام! آج کے خطبہ میں ہم رسولِ اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب بیان کریں گے۔

☆ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جن کی تعریف خود اللہ رب العزت نے اپنی سب سے مقدس کتاب قرآن مجید میں کی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بھی متعدد احادیث مبارکہ میں اپنے ان ساتھیوں کی ستائش کی۔

☆ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ جو وحیِ الٰہی کے سب سے پہلے مخاطب تھے۔

☆ جنہوں نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کے فرامین سنے۔

☆ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک سنت کو یاد کیا اور اسے امت تک پہنچایا۔

☆ جنہوں نے دینِ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ حتی کہ اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا اور شیوۂ فرمانبرداری کی ایسی مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک پڑھی اور سنی جاتی رہیں گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب ذکر کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "صحابی" کسے کہتے ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "صحابی" کی تعریف یوں کی ہے:

"الصحابی من لقی النبی ﷺ مؤمنا به و مات علی الإسلام "①

یعنی "صحابی اسے کہتے ہیں جس نے حالتِ ایمان میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام پر ہی فوت ہوا۔"

پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اِس تعریف کے مطابق ہر وہ شخص صحابی شمار ہوگا جو رسول اللہ ﷺ سے اس حال میں ملا کہ وہ آپ کی رسالت کو مانتا تھا۔ پھر وہ اسلام پر ہی قائم رہا یہاں تک کہ اس کی موت آ گئی، خواہ وہ زیادہ عرصے تک رسول اکرم ﷺ کی صحبت میں رہا یا کچھ عرصے کے لئے اور خواہ اس نے آپ ﷺ کی احادیث کو روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو اور خواہ وہ آپ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور خواہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا بصارت نہ ہونے کے سبب وہ آپ کا دیدار نہ کرسکا۔ ہر دوصورت میں وہ 'صحابیِ رسول' شمار کیا جائے گا۔ البتہ ایسا شخص 'صحابی' متصور نہیں ہوگا جو آپ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگیا۔

جب ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ "صحابی" کسے کہتے ہیں تو آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کس انداز میں کیا ہے؟ اور کس طرح ان کی تعریف فرمائی ہے۔

❶ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾②

"اور مہاجرین وانصار میں سے وہ اوّلیں لوگ جو کہ (ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں) دوسروں پر سبقت لے گئے اور وہ دوسرے لوگ جنہوں نے ان سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ (اور) یہی عظیم کامیابی ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے:

① مہاجرین، جنہوں نے رب العزت کے دین کی خاطر اپنے آبائی وطن اور مال ومتاع کو چھوڑا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

② انصارِ مدینہ، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت ومدد کی اور ان کے لئے

---

① الإصابة فی معرفة الصحابة:1/7-8 ② التوبة9:100

اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (مہاجرین وانصار) میں سے ان حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے جو ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں سبقت لے گئے، یعنی سب سے پہلے ہجرت کر کے اور سب سے پہلے ایمان قبول کر کے وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔

③ وہ حضرات جنھوں نے ان سابقین اولین کی اخلاص ومحبت سے پیروی کی اور ان کے نقشِ قدم پہ چلے۔ ان میں متأخرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور قیامت تک آنے والے وہ تمام لوگ شامل ہیں جو انہیں معیارِ حق تصور کرتے ہوئے ان کے پیروکار رہیں گے۔

تینوں قسم کے لوگوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دو خوشخبریاں سنائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا ہے، یعنی ان کی لغزشیں معاف کر دی ہیں اور ان کی نیکیوں کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنات تیار کر دی ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت کر دی ہے اور اپنی کتاب میں ان کے لئے جنت کو واجب قرار دیا ہے۔ ان میں سے جو نیک تھا اس کے لئے بھی اور جو خطا کار تھا اس کے لئے بھی۔ پھر انھوں نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت کی اور کہا: ''اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رضامندی اور ان کے لئے جنت کا اعلان کیا ہے۔ اسی طرح ان کے پیروکاروں کے لئے بھی یہی انعام ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان کی اخلاص ومحبت سے پیروی کریں۔''[1]

❷ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾[2]

''اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی، جنہوں نے تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت شفیق ومہربان ہے۔''

① الدّر المنثور:272/4 ② التوبة117:9

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی ہے جنہوں نے ''تنگی کے وقت'' پیغمبر ﷺ کا ساتھ دیا۔ ''تنگی کے وقت'' سے مراد جنگِ تبوک ہے جس میں تنگی کا عالم یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ کھانے کو کوئی چیز ملتی تھی اور نہ پینے کو پانی میسر تھا، شدید گری کا موسم تھا۔ سوار زیادہ تھے اور سواریاں کم تھیں، لیکن اس قدر تنگی کے عالم میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا اور ہر قسم کی تنگ حالی کو برداشت کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ''تنگی کے وقت'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

''ہم شدید گری کے موسم میں نکلے، راستے میں ہم ایک جگہ پر رُکے جہاں ہمیں شدید پیاس محسوس ہوئی، حتی کہ ہمیں ایسے لگا کہ ہماری گردنیں شدتِ پیاس کی وجہ سے الگ ہوجائیں گی۔ اور حالت یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص جب اپنا اونٹ ذبح کرتا تو اس کے اوجھ کو نچوڑ لیتا اور جو پانی نکلتا اسے پی لیتا۔ جب حالت اس قدر سنگین ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے گذارش کی کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی دُعا قبول کرتا ہے، لہٰذا ہمارے لئے دعا کیجئے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور ابھی آپ کے ہاتھ واپس نہیں لوٹے تھے کہ ہم پر بادل چھاگئے اور بارش ہونے لگی۔ پس تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے برتن بھر لئے، پھر جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ بارش تو محض اسی جگہ پر ہی ہوئی تھی جہاں ہم رکے ہوئے تھے۔''①

اور حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ تبوک کے سفر میں کھانے پینے کی اس قدر کمی تھی کہ ایک کھجور کے دو حصے کرکے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بانٹ لیتے۔ اور شدتِ پیاس کو بجھانے کے لئے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ہی کھجور کو باری باری چوستے رہتے۔

جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

''ہم غزوۂ تبوک میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اس دوران لوگ شدتِ بھوک میں مبتلا ہوئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کرلیں۔ تو آپ نے اجازت دے دی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے کہنے لگے:

اے اللہ کے رسول! اگر یہ اپنے اونٹ ذبح کریں گے، تو سواریاں کم ہوجائیں گی، آپ انہیں حکم دیں کہ ان

① تفسیر القرطبی: 279/8، تفسیر ابن کثیر: 522/2

کے پاس کھانے کی جو بھی چیز موجود ہو وہ ایک جگہ پر اکھٹی کریں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے ایک چادر (دستر خواں) بچھانے کا حکم دیا اور لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ اسے لا کر اس چادر پر رکھ دے۔ چنانچہ ایک شخص آتا اور وہ مٹھی بھر مکئی اس پر رکھ دیتا۔ اور ایک شخص آتا اور وہ مٹھی بھر کھجور اس پر رکھ دیتا۔ اور ایک شخص آتا اور وہ جَو کی روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس میں جمع کر دیتا۔ اِس طرح اس دستر خواں پر تھوڑا سا کھانے کا سامان جمع ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد لوگوں سے کہا: ''اب تم اپنے برتنوں میں اس کھانے میں سے لے جاؤ۔''

چنانچہ فوج کے تمام افراد نے اپنے اپنے برتن خوب بھر لئے اور سب نے پیٹ بھر کر کھانا بھی کھایا۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اللہ سے ملے گا اور اسے ان کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔''①

سامعین گرامی! جنگِ تبوک کے دوران جن سنگین حالات سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوچار ہوئے انہیں قدرے تفصیل سے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر مضبوط ایمان کے حامل اور کس طرح صبر وتحمل کے پیکر تھے۔ اور انھوں نے دینِ اسلام کی خاطر کیا کیا مشکلات برداشت کیں۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر خصوصی توجہ فرمائی اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس بات کا واضح اعلان فرما دیا کہ وہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور یہ اس سے راضی ہو گئے ہیں۔

③ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾②

''آپ کہہ دیجئے! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہے جنہیں اس نے چن لیا۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر سلام بھیجا ہے اور انہیں برگزیدہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ان سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کیلئے منتخب فرمایا۔

اور امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

---

① مسند أحمد:11/3حديث:11095، وأصله في صحيح مسلم ، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا :44

② النمل59:27

''وہ بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا، ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کے لئے منتخب فرمایا اور انہیں آپ کا ساتھی اور وزیر بنایا۔''①

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: '' مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوْا خَيْرَ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا ، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ وَنَقْلِ دِيْنِهِ، فَتَشَبَّهُوْا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ ''②

'' اگر کوئی شخص اقتداء کرنا چاہتا ہو تو وہ اصحاب محمد ﷺ کی سنت پر چلے جو کہ فوت ہو چکے ہیں۔ وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے، وہ سب سے زیادہ پاکیزہ دل والے، سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو اگلی نسلوں تک پہنچانے کیلئے منتخب کر لیا تھا۔ لہٰذا تم انہی کے اخلاق اور طور طریقوں کو اپناؤ کیونکہ وہ جناب محمد ﷺ کے ساتھی تھے اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔''

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو ان میں محمد ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا۔ لہٰذا انہیں اپنے لئے چن لیا اور انہیں منصبِ رسالت عطا کیا۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں دیکھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو سب سے بہتر پایا۔ اس لئے انہیں اپنے نبی کے وزراء کا منصب عطا کر دیا۔③

④ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾④

'' محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں،

① جامع البیان:2/20، منہاج السنة لابن تیمیه:156/1
② حلیة الأولیاء:1/305-306
③ المسند:379/1، شرح السنة:214/1
④ الفتح 29:48

سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کی پیشانیوں پر عیاں ہے۔ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی کی مانند بیان کی گئی ہے جس نے پہلے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے سہارا دیا تو وہ موٹی ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، وہ کھیت اب کاشتکاروں کو خوش کررہا ہے۔(اللہ نے ایسا اس لئے کیا ہے) تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑ آئے۔ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کئی اوصاف بیان فرمائے ہیں:

① وہ کافروں پر سخت ہیں۔

② اور آپس میں رحم دل ہیں۔

③ رکوع وسجود کی حالت میں رہتے ہیں۔

④ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب رہتے ہیں۔

⑤ سجدوں کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر ایک نشان نمایاں ہے۔

⑥ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے شرف وفضل کے تذکرے پہلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود تھے۔

⑦ ان کی مثال اس کھیتی کے مانند ہے جو پہلے کمزور اور پھر آہستہ آہستہ قوی ہوتی جاتی ہے۔اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلے کمزور تھے، پھر طاقتور ہوگئے اور ان کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا جس سے کافروں کو چڑ تھی اور وہ غیظ وغضب میں مبتلا ہوتے تھے۔

ان صفات کے حامل اور ایمان وعملِ صالح آراستہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایسے کئی آثار نقل کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان نمازی ہو اور خصوصا تہجد پڑھنے والا ہو تو اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر نور آجاتا ہے۔اور اگر اس کا باطن پاک ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ظاہری حالت کو خوبصورت بنا دیتا ہے جس سے وہ لوگوں میں محبوب ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نیتیں خالص تھیں اور ان کے اعمال اچھے تھے، اس لئے جو بھی انہیں دیکھتا ان کی

شخصیت اور سیرت سے ضرور متاثر ہوتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شام کو فتح کیا تھا انہیں جب نصاریٰ دیکھتے تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے کہ ''اللہ کی قسم! یہ لوگ ہمارے حواریوں سے بہتر ہیں'' اور وہ اپنی اس بات میں یقیناً سچے تھے کیونکہ اس امت کی عظمت تو پہلی کتابوں میں بیان کی گئی ہے اور اس امت کے سب سے افضل لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔'' ①

برادرانِ اسلام!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں ہم نے صرف چار قرآنی آیات اور ان کی مختصر سی تفسیر بیان کی ہے۔ ویسے قرآن مجید ان کے اوصاف وفضائل کے حسین تذکرے سے بھرا پڑا ہے لیکن ہم اختصار کے پیشِ نظر آگے بڑھتے ہیں اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آپ کے قابلِ فخر شاگردان گرامی کا ذکرِ خیر سنتے ہیں۔

① حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلنُّجُوْمُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُوْمُ أَتَى السَّمَاءَ بِمَا تُوْعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِيْ، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ، وَأَصْحَابِيْ أَمَنَةٌ لِأُمَّتِيْ، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِيْ أَتَى أُمَّتِيْ مَا يُوْعَدُوْنَ» ②

''ستارے آسمان کے لئے امان ہیں، لہٰذا جب ستارے جھڑ جائیں گے تو آسمان بھی نہیں رہے گا جیسا کہ اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں، لہٰذا جب میں فوت ہو جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ وقت آ جائے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لئے امان ہیں، لہٰذا جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ختم ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز نازل ہو جائے گی جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب تک ستارے باقی ہیں آسمان بھی باقی ہے۔ اور جب قیامت کے دن ستارے بے نور ہو کر گر جائیں گے تو آسمان بھی پھٹ جائے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بقا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے امان تھی، جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائشیں ٹوٹ پڑیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بقاء امت کے لئے امان تھی، جونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دنیا سے چل بسے تو اس

---

① تفسیر ابن کثیر:261/4

② مسلم : کتاب فضائل الصحابة ـ باب أن بقاء النبی ﷺ أمان لأصحابه :2531

امت میں فتنے کھڑے ہو گئے، بدعات ظاہر ہو گئیں اور امت انتشار کا شکار ہو گئی۔ [1]

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسے لوگ سب سے بہتر ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ »[2]

''میری صدی کے لوگ (سب سے بہتر ہیں)، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔''

(۳) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيْفَهُ»[3]

''میرے ساتھیوں کو گالیاں مت دینا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ نہ ان کے ایک مُدّ کے برابر ہو سکتا ہے اور نہ آدھے مُدّ کے برابر۔''

اِس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک صحابی نے اپنی تنگ دستی کے باوجود جو تھوڑا بہت اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ اللہ کے ہاں زیادہ پاکیزہ ہے اور زیادہ اجر وثواب کے لائق ہے بہ نسبت اس زرِ کثیر کے جو ان کے بعد آنے والے کسی شخص نے خرچ کیا۔

(۴) حضرت ابوعبدالرحمٰن الجہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک دو سوار رونما ہوئے، وہ دونوں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے آپ کو دیکھا، آپ پر ایمان لایا اور آپ کی پیروی اور تصدیق کی، اسے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے لئے طوبیٰ ہے۔'' (جنت میں ایک درخت کا نام)

---

(۱) شرح مسلم للنووی:83/16.

(۲) صحیح البخاری:کتاب الشهادات، باب لا یشهد علی شهادة جور إذا شهد: الرقم:2652، صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم 2533.

(۳) صحیح البخاری:2541، 3673، صحیح مسلم:2540.

پھر اس نے بیعت کی اور پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آگے بڑھا اور اس نے بھی بیعت کرتے ہوئے وہی سوال کیا جو پہلے شخص نے کیا تھا۔ تو اسے آپؐ نے فرمایا: ''اس کے لئے طوبیٰ ہے، پھر اس کے لئے طوبیٰ ہے۔''①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں اور بہت سی احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں ۔ بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب اور ان کی تعریف میں اور اسی طرح ان کی صدی کی دوسری صدیوں پر فضیلت کے بارے میں احادیث مشہور بلکہ متواتر درجہ کی ہیں، لہٰذا ان کی عیب گیری کرنا دراصل قرآن وسنت میں عیب جوئی کرنا ہے۔''②

یہ وہ فضائل تھے جو عموما تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے ہیں ۔ بعض فضائل خصوصا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہیں، ہم ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں۔

❶ انصارِ مدینہ کے فضائل

انصارِ مدینۂ طیبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾③

''اور (ان لوگوں کیلئے بھی) جو ان (مہاجرین مکہ کے آنے) سے پہلے یہاں (مدینہ میں) مقیم تھے اور ایمان لا چکے تھے۔ وہ ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے۔ وہ (مہاجرین کو) اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں۔ اور جو لوگ اپنے نفس کی تنگی اور بخل سے بچا لئے جائیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کی بعض صفات حمیدہ ذکر کی ہیں اور ان کے حق میں گواہی دی ہے کہ وہ مہاجرین مکہ کے آنے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ اور ان میں جذبۂ ایثار وقربانی اس قدر پایا جاتا تھا کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دلی محبت کرتے تھے۔ اور اگر

---

① مسند أحمد:17388، الطبرانی:742/22، البزّار: 2769(كشف الأستار)، مجمع الزوائد 18/10 وإسناده حسن

② مجموع الفتاوى :430/4 ③ الحشر 59 :9

مہاجرین کو مالِ غنیمت میں سے کچھ دیا جاتا تو یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی تنگی یا گھٹن محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور خواہ ان کے اپنے گھروں میں حاجت اور فاقہ کشی کی صورت ہوتی یہ اپنی ذات اور اپنی ضرورتوں پر ان کو اور ان کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔

انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایثار وقربانی کی ویسے تو کئی مثالیں موجود ہیں لیکن ہم یہاں صرف دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (ایک روایت کے مطابق یہ خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے) اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں بہت بھوکا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ہاں سے پتہ کرایا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔ [ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ایک بیوی کے گھر سے پتہ کرایا تو ہر گھر سے یہی جواب ملا کہ ان کے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں] پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: کیا کوئی ہے جو اس شخص کی مہمانی کرے؟ اللہ تعالیٰ اس کی حالت پر رحم فرمائے (جو اس کی مہمانی کرے۔) چنانچہ ایک انصاری (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس کی مہمانی کرونگا۔ پھر وہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئے اور اپنی بیوی (حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا) سے کہا: (أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ) یعنی ''یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (بھیجا ہوا) مہمان ہے، لہٰذا جو چیز بھی موجود ہے اسے کھلاؤ اور اس کا اکرام کرو۔'' وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! میرے پاس تو بمشکل بچوں کا کھانا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھا یوں کرو کہ جب بچے کھانا مانگنے لگیں تو انہیں سلا دینا اور جب ہم دونوں (میں اور مہمان) کھانا کھانے لگیں تو چراغ گل کر دینا، اس طرح ہم دونوں آج رات کچھ نہیں کھائیں گے (اور مہمان کھا لے گا۔) چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ [ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے کھڑی ہوئیں اور اسے بجھا دیا۔ پھر وہ دونوں اپنے مہمان کو یہ ظاہر کر رہے تھے کہ گویا وہ بھی اس کے ساتھ کھا رہے ہیں حالانکہ وہ کھا نہیں رہے تھے۔ وہ ساری رات بھوکے رہے۔]

صبح جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ـ أَوْ ضَحِكَ ـ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ»

''فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا، یا اسے ان پر ہنسی آ گئی۔''

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ①

② حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (ہجرت کر کے) ہمارے پاس آئے تو آنحضور ﷺ نے ان کے اور حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا جو کہ بہت مالدار تھے۔ انھوں نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور یہ بات انصار کو بھی معلوم ہے۔ میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ میرے لئے اور دوسرا آپ کیلئے۔ اس کے علاوہ میری دو بیویاں بھی ہیں، آپ کو ان دونوں میں سے جو زیادہ اچھی لگے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں اور جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو آپ اس سے شادی کر لیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: (بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ)

''اللہ تعالیٰ آپ کے گھر والوں اور آپ کے مال میں برکت دے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ گھی اور پنیر کے مالک بن گئے اور ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر زرد رنگ کے کچھ آثار دیکھے۔ تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونا دے کر ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں مبارکباد دی اور فرمایا: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» ②

''تم ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ذبح کر کے ہی۔''

یہ دونوں واقعات انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کے جذبۂ ایثار وقربانی کی شہادت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں چند اور احادیث بھی سماعت کر لیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ أَنَّ الْأَنْصَارَ سَلَكُوْا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ فِيْ وَادِي الْأَنْصَارِ، وَلَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِنَ الْأَنْصَارِ» ③

''اگر انصار ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں (اور دوسرے لوگ دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں) تو میں بھی انصار کی وادی میں چلوں گا۔ اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی میں سے ایک شخص ہوتا۔''

---

① البخاري: تفسير القرآن باب﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ﴾:4889، 3798، صحيح مسلم كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف :2054

② صحيح البخاري:3780، 3781

③ صحيح البخاري:3779

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فتحِ مکہ کے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو مال عطا کیا تو انصار کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہماری تلواروں سے ابھی قریش کا خون بہہ رہا ہے اور ہماری غنیمتیں بھی انہی کو لوٹائی جارہی ہیں! یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا: ''مجھے تمہاری طرف سے کیا بات پہنچی ہے؟''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، اس لئے انھوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ آپ تک جو بات پہنچی ہے وہ واقعتاً ہم نے کہی ہے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (أَوَ لَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّرْجِعَ النَّاسُ بِالْغَنَائِمِ إِلٰى بُيُوْتِهِمْ ، وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِلٰى بُيُوْتِكُمْ؟ لَوْ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَهُمْ)①

''کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو مالِ غنیمت لے کر لوٹیں اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر لوٹو! اگر انصار ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں (اور لوگ دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں) تو میں بھی انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری عورت اپنے ایک بچے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بات چیت کی، پھر فرمایا:

(وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ)②

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ مجھے باقی تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔''

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ خندق کے دن انصار مدینہ رضی اللہ عنہم یوں کہتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا ... عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيِيْنَا أَبَدَا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے جہاد کرتے رہیں گے۔''

اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ ... فَأَكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

''اے اللہ! اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کی عزت افزائی فرما۔''③

① صحيح البخاري:3778 ، صحيح مسلم:1059

② صحيح البخاري:3786، صحيح مسلم:2509

③ صحيح البخاري:3796

② اہلِ بدر کے فضائل

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے قصے کے آخر میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حاطب نے اللہ، اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی خیانت کی ہے لہٰذا مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ» وفی روایة:«فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ»①

”شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف (بنظرِ رحمت) دیکھا اور پھر کہا: تم جو چاہو کرتے رہو، میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔“ اور ایک روایت میں ہے: ”تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی ہے۔“

اور رفاعہ بن رافع الزرقی نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے جو اہلِ بدر میں سے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اہلِ بدر کا آپ کے ہاں کیا مرتبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اسی طرح فرشتوں میں سے بھی وہ فرشتے سب سے افضل ہیں جو بدر میں شریک ہوئے۔“②

③ اہلِ اُحد کے فضائل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَمَّا أُصِيْبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِيْ إِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا: مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ، لِئَلاَّ يَزْهَدُوْا فِي الْجِهَادِ وَلاَ يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ ؟ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، قَالَ:فَأَنْزَلَ اللّٰهُ:﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا ......﴾»③

”تمہارے بھائی جب اُحد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں بھیج

---

① صحيح البخاری، الجهاد والسير، باب الجاسوس:3007، صحيح مسلم:كتاب فضائل الصحابة، باب فضل أهل بدر:2494

② صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب شهود الملآئكة بدرا :3992

③ سنن أبي داؤد :كتاب الجهاد، باب في فضل الشهادة :2520، مسند أحمد :2384، حسّنه الألبانی فی صحيح أبو داؤد:2199

دیا جو جنت کی نہروں پر جاتے اور اس کے پھل کھاتے ہیں، پھر سایۂ عرش میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں کی طرف واپس آ جاتے ہیں، پھر جب انھوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنی نیند کی لذت محسوس کی تو کہنے لگے: ہمارے بھائیوں تک ہماری طرف سے یہ بات کون پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ موڑیں اور جنگ کے دوران الٹے پاؤں واپس نہ لوٹیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمھاری طرف سے یہ بات پہنچا دیتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر دی: (اور وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے انہیں آپ مردہ نہ سمجھیں، وہ تو زندہ ہیں اور انہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے.....الخ

④ بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل

اللہ رب العزت نے سورۃ الفتح کی متعدد آیات میں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وثناء کی ہے جو حدیبیہ کے مقام پر بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے اور انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ☆ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ [①]

''یقیناً اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے خوش ہو گیا جو درخت تلے آپ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا۔ پس اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا، انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے دن فرمایا: «أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ» وَكُنَّا أَلْفًا وَأَرْبَعَمِائَةٍ ''تم آج روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں میں سب سے بہتر ہو۔'' اُس دن ہم چودہ سو افراد تھے۔ [②]

اور حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَهَا» [③]

---

④ الفتح 48: 18-19

① صحيح البخاري: كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية: 4154، صحيح مسلم كتاب الإمارة باب إستحباب مبايعة الإمام الجيش: 1856

② صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب الشجرة: 2496

''ان درخت والوں میں سے کوئی صحابی إن شاء اللہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا جنہوں نے اس کے نیچے بیعت کی۔''

یاد رہے کہ اس حدیث میں ''إن شاء الله '' محض تبرک کے لئے ہے، ورنہ یہ بات یقینی ہے کہ ان میں سے کوئی صحابی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ ①

ان احادیث کے علاوہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے فضائل اور اسی طرح دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کے متعلق متعدد احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں جنہیں ذکر کرنے کا اب موقعہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاص ومحبت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

پہلے خطبہ میں ہم نے جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کو بیان کیا ان کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہئے اوران کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا کیا عقیدہ تھا؟ آیئے یہ معلوم کرتے ہیں۔

❶ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا اوران کے لئے دعا کرنا واجب ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا واجب، ان کے لئے دعا کرنا لازم اوران سے بغض رکھنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا اور انہیں نصرتِ دین کی خاطر آپ کے ساتھ جہاد کیلئے منتخب فرمایا۔ سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ②

''اور (مالِ فئے) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جوان کے بعد آئے، وہ (دعا) کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ پیدا کر، اے ہمارے رب! یقینا تو بڑی شفقت والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔''

یہ آیتِ کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں کو بھی مالِ فئے کا مستحق قرار دیا ہے لیکن اس کی ایک شرط یہ لگا دی

---

① النووی، شرح مسلم :85/16

② الحشر 59 :10

کہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والے لوگ مالِ فیئے کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔ ①

اور اسی آیت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے مغفرت کریں، لیکن لوگوں نے انہیں برا بھلا کہنا شروع کر دیا ہے۔"②

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے متعلق فرمایا:

« لاَ يُحِبُّهُمْ إِلاَّ مُؤْمِنٌ ، وَلاَ يُبْغِضُهُمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللهُ ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللهُ »③

"ان سے محبت صرف مومن ہی کر سکتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے۔ اور جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں، ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ان کے بغض وعناد سے پاک رکھتے ہیں۔

امام ابو جعفر الطحاوی رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "نحبّ أصحاب رسول الله ﷺ، ولا نفرط في حبّ أحد منهم ، ولا نتبرأ من أحد منهم ، ونبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ، ولا نذكرهم إلاّ بخير ، وحبّهم دين وإيمان وإحسان ، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان"④

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک صحابی کی محبت میں غلو نہیں کرتے، اور نہ ہی ان میں سے کسی صحابی سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ہم ہر ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھتا ہو اور انہیں خیر کے ساتھ ذکر نہ کرتا ہو۔ ہم انہیں خیر کے ساتھ ہی یاد کرتے ہیں اور ان کی محبت عین دین، ایمان اور احسان سمجھتے ہیں، جب کہ ان سے بغض رکھنا عین کفر، نفاق اور سرکشی تصور کرتے ہیں۔"

---

① الجامع لأحكام القرآن:32/18

② صحيح مسلم:3022

③ صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار باب حب الأنصار من الإيمان:3783، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل أنّ حبّ الأنصار وعليٍّ من الإيمان : 75

④ شرح العقيدة الطحاوية :467

اور شیخ الإسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ ''اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغض سے اور اپنی زبانوں کو ان کی عیب گیری سے محفوظ رکھتے ہیں۔''①

② اہل السنۃ والجماعۃ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں

ہم اس خطبہ کے آغاز میں سورۃ التوبۃ کی آیت ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ...﴾ کے حوالے سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار اور متاخرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی رضامندی کا اعلان اور ان کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اہلِ سنت والجماعت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لے کر انہیں جنتی قرار دیا اہلِ سنّت والجماعت ان کے لئے بھی جنت کی گواہی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر عشرہ مبشرہ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عمر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، بیر رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں، سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں۔''②

اسی طرح دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی نام لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنتی قرار دیا لیکن چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام لینے سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی نہیں، بلکہ یہ تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ان کی فضیلت کی دلیل ہے، ورنہ ہم یہ بات قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

③ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾③

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل (بہترین) امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر

---

① شرح العقيدة الواسطية :142-152

② سنن الترمذی، مسند أحمد، صحيح الجامع للألباني:50

③ البقرة2 :143

گواہ ہو جائیں۔"

﴿ أُمَّةً وَسَطًا ﴾ کا معنی بیشتر مفسرین نے "عدولا خیارا" کیا ہے یعنی بہترین، سب سے افضل، ثقہ اور قابل اعتماد امت"[1]

اِس آیت کے سب سے پہلے مخاطب رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں تبلیغ دین کی ذمہ داری سونپی گئی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾[2]

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم نیک باتوں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جمِ غفیر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

«أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ»[3]

"خبردار! تم میں جو یہاں پر موجود ہے وہ غیر حاضر تک دین پہنچائے۔"

ان آیاتِ کریمہ اور اس حدیثِ نبوی سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امین، ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں، تبھی تو انہیں تبلیغ دین جیسا اہم فریضہ سونپا گیا، ورنہ اگر وہ امین اور ثقہ نہ ہوتے تو انہیں یہ ذمہ داری نہ سونپی جاتی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ﴿أُمَّةً وَسَطًا﴾ کے بعد ﴿ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ فرمایا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی گواہی قابل قبول ہے اور یہ بھی ان کے عدول، ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے، ورنہ ایسا نہ ہوتا تو ان کی گواہی بھی قابلِ قبول نہ ہوتی!!

امام قرطبیؒ سورۃ الفتح کی آخری آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ، وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ......الخ ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عدول (ثقہ اور قابل اعتماد) ہیں ، اللہ کے اولیاء اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں ، یہی اہل سنت والجماعت کے ائمہ

---

① تفسیر جامع البیان:7/2 ، تفسیر القرطبی:153/2 تفسیر ابن کثیر:335/1

② آل عمران4:110

③ صحیح البخاری: کتاب العلم باب ألا لیبلّغ الشاهد منکم الغائب:105، صحیح مسلم ، کتاب القسامة ، باب تحریم الدماء والأعراض والأموال:1679

کا مذہب ہے۔ جبکہ ایک فرقے کا کہنا یہ ہے کہ نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عام لوگوں کی طرح ہیں، اس لئے ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں بحث کرنا ضروری ہے، لیکن ان کا یہ مذہب مردود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان اور ان کے لئے جنت ومغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔"[1]

④ خلفاء راشدین: حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم

اہل السنۃ والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور وہی خلیفۂ اول ہیں۔ ان کا یہ استحقاق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت کے دوران لوگوں کی امامت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو حکم دیا۔ اور یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ تھا کہ جو شخص آپ کی حیات میں امامت کا مستحق ہے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کا سب سے پہلا حقدار ہے۔

نیز صحیح بخاری میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ آنے کا حکم دیا۔ اس نے پوچھا: اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِيْ فَأْتِيْ أَبَا بَكْرٍ»[2]

"اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا۔"

یہ حدیث واضح نص ہے اس بات پر کہ خلافت کے سب سے پہلے حقدار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی بات پر سقیفہ بنو ساعدہ کے اجتماع میں شریک ہونے والے تمام مہاجرین وانصار نے اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے۔[3]

اسی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کا بالاتفاق یہ عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ان کے بعد چوتھے خلیفہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔[4]

---

① تفسیر القرطبی:399/16

② صحیح البخاری:3659

③ صحیح البخاری: کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا :3668

④ عقیدۃ أہل السّنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ:514/2

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا حرام ہے

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنا اور انہیں گالیاں دینا حرام ہے۔ اس کی حرمت قرآن وحدیث کے واضح دلائل سے ثابت ہے۔مثلاً:

① فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا﴾[1]

''جولوگ مومن مردوں اورمومن عورتوں کو بغیر کسی جرم کے ایذا دیں وہ بہتان اورصریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں''

اس آیت میں مومنوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس امت کے اوّلین مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔تو انہیں سب وشتم کے ذریعے ایذاء پہنچانا قرآن مجید کے الفاظ میں بہتان اور واضح گناہ ہے۔

② سورۃ الفتح کی آخری آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ....الخ﴾ جس کا تذکرہ اس خطبہ کے شروع میں کیا گیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عناد رکھنا اوران کے بارے میں غیظ وغضب میں مبتلا ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان پاکباز ہستیوں کے متعلق غیظ وغضب کا اظہار کرنا اورانہیں برا بھلا کہنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا کیونکہ یہ کافروں کا عمل ہے۔

③ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں چند احادیث کا تذکرہ پہلے خطبہ میں کر چکے ہیں، ان میں سے ایک حدیث جسے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے سے منع فرمایا ہے۔اور وہ ان پر سب وشتم کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔

④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَبَّ أَصْحَابِيْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»[2]

''جس شخص نے میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیں اس پر اللہ کی لعنت ،فرشتوں کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ملعون قرار دیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان درازی اور سبّ وشتم کرے،لہٰذا ان پر زبان درازی کرنے والوں کو اپنے متعلق خود ہی سوچ لینا چاہئے کہ ان کے

---

① الأحزاب 58:33

② الطبرانی فی الکبیر:174/3 ، وانظر : الصحیحة للألبانی :2340

بارے میں سید الرسل حضرت محمد ﷺ نے کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے!!

⑤ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں ، حتی کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی معاف نہیں کرتے ! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ دراصل ان کا عمل منقطع ہو چکا ہے تو اللہ نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ ان کا اجر منقطع نہ ہو۔ ①

ان تمام دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنے دلوں کو بغض اور کینہ سے پاک رکھنا اور اپنی زبانوں کو ان پر سبّ وشتم کرنے سے محفوظ رکھنا لازمی امر ہے۔ ورنہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتا اور ان کی عیب گیری کرتا ہو وہ دراصل نبی کریم ﷺ کی عیب گیری کرتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے تو انہیں بشارتیں سنائی ہیں اور انہیں امین اور ثقہ قرار دیا ہے۔ بلکہ وہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراض کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں اپنے نبی کے ساتھ کے لئے منتخب فرمایا، انہیں اپنی رضا مندی سے نوازا اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا۔ بلکہ وہ شخص دراصل پورے دینِ الٰہی میں طعنہ زنی کرتا ہے کیونکہ اس دین کو نقل کرنے والے یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تو ہیں ۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیب گیری کرنا انتہائی خطرناک امر ہے جس سے فوری طور پر توبہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے۔ آمین

① جامع الأصول:408/9

ہجرتِ مدینہ

اہم عناصرِ خطبہ:

① ہجرت کا مفہوم ② ہجرت کے فضائل قرآن وحدیث میں

③ ہجرت کا حکم قیامت تک باقی ہے ④ ہجرتِ مدینہ : اسباب وواقعات

پہلا خطبہ

برادران اسلام ! نئے ہجری سال کے آغاز کے موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کے خطبہ میں ہم ہجرتِ مدینہ کا عظیم الشان واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کریں کیونکہ اسی واقعہ سے اسلامی تاریخ کی ابتداء کی گئی، لیکن اس کی تفصیلات میں جانے سے پہلے آیئے یہ معلوم کرلیں کہ ہجرت کسے کہتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اس کے کیا فضائل ہیں؟

ہجرت کا مفہوم

" الھجرۃ " 'ھجر' سے ہے جس کا معنی ہے: چھوڑنا۔ عرب کہتے ہیں:

"ھَاجَرَ الْقَوْمُ مِنْ دَارٍ إِلٰی دَارٍ" یعنی فلاں قوم ایک علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقے میں چلی گئی، جیسا کہ مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

اور ارشادِ باری ہے: ﴿ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾[1]

''اور انھیں بستروں میں چھوڑ دو۔''

" الھجرۃ " کی شرعی تعریف بیشتر علماء نے یوں کی ہے:

" ترك دار الكفر والخروج منها إلىٰ دار الإسلام"

یعنی ''دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا۔''

جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

" اَلْهِجْرَةُ فِي الشَّرْعِ تَرْكُ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ "

---

① النساء4: 34

یعنی شریعت میں ہجرت سے مراد ہر ایسے کام کو چھوڑنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے۔

غالبًا حافظ ابن حجرؒ نے ہجرت کی یہ تعریف رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث سے لی ہے:

« اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ » ①

''مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کردہ کاموں کو چھوڑ دے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''ہجرت'' باطنی اور ظاہری دونوں ہجرتوں کو شامل ہے۔ باطنی ہجرت سے مقصود یہ ہے کہ انسان تمام ایسے کاموں کو چھوڑ دے جنہیں شیطان اور نفسِ انسانی خوب مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور ظاہری ہجرت سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے دین کو کفر اور فتنوں سے بچا کر کسی ایسی جگہ پر چلا جائے جہاں وہ پرامن طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکے۔ ②

امام العز بن عبد السلامؒ کہتے ہیں: " اَلْهِجْرَةُ هِجْرَتَان : هِجْرَةُ الأَوْطَان وَهِجْرَةُ الإِثْمِ وَالْعُدْوَان ، وَأَفْضَلُهُمَا هِجْرَةُ الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ، لِمَا فِيْهَا مِنْ إِرْضَاءِ الرَّحْمٰنِ وَإِرْغَامِ النَّفْسِ وَالشَّيْطَان "③

یعنی ہجرت کی دو اقسام ہیں: ترکِ وطن کرنا، گناہ اور زیادتی کو چھوڑنا۔ ان میں سے دوسری ہجرت افضل ہے کیونکہ اس سے رحمٰن راضی ہوتا ہے اور نفس اور شیطان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔''

ہجرت کے فضائل

ہجرت کے فضائل اور اس کے اجر وثواب کے متعلق قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ موجود ہیں، سب سے پہلے چند قرآنی آیات سماعت فرمائیں۔

① فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾④

''وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے میں ضرور بالضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور یقینا انھیں ان جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ ہے ثواب اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے

① صحیح البخاری: 35/1، الفتح ② فتح الباری:54/1
③ موسوعة نضرة النعیم:3565/8 ④ آل عمران3: 195

پاس بہترین ثواب ہے۔''

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ، يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ، خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾[1]

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ انھیں ان کا رب خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت کی اور رضامندی کی اور جنتوں کی۔ ان کے لئے وہاں دوامی نعمت ہے، وہاں یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ کے پاس یقیناً بہت بڑا اجر ہے۔''

③ اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾[2]

''جن لوگوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا ہے ہم انھیں بہتر سے بہتر ٹھکانہ دنیا میں عطا کریں گے اور آخرت کا ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، کاش کہ لوگ اس سے واقف ہوتے۔''

④ نیز فرمایا: ﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[3]

''جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا، بے شک تیرا رب ان باتوں کے بعد انھیں بخشنے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے۔''

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں کمزور تھے اور اپنی قوم میں حقیر سمجھے جاتے تھے، انھوں نے کئی آزمائشیں جھیلیں، پھر انھیں ہجرت کے ذریعے فتنوں سے چھٹکارا پانے کا موقع ملا۔ چنانچہ انھوں نے اپنا وطن، اپنے گھر والے اور اپنے اموال کو محض اللہ کی رضا اور اس کی مغفرت کے حصول کی خاطر خیر باد کہہ دیا اور مدینہ منورہ میں آ کر مومنوں کی لڑی میں جڑ گئے۔ پھر انھوں نے کافروں کے خلاف جہاد کیا اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔ انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اعمالِ جلیلہ کے بعد اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے گناہ معاف کرنے والا ہے اور قیامت کے دن

---

① التوبۃ 9:20-22 ② النحل 16:41 ③ النحل 16:110

ان پر رحم کرنے والا ہے۔"①

⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾②

"اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کیا، پھر وہ شہید کردیے گئے یا وہ وفات پا گئے، اللہ انھیں بہترین رزق عطا فرمائے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔"

⑥ نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾③

"جو شخص اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی۔ اور جو آدمی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا اجر یقیناً اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں ہجرت کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہجرت کرنے والے شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اپنا گھر بار چھوڑنے کے بعد اسے یقیناً زمین میں اور بہت ساری قیام گاہیں مل جائیں گی جہاں وہ پُر امن اور کشادگی سے زندگی بسر کرسکے گا۔ اور اگر دورانِ ہجرت ہی اس کی موت نے اسے آلیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے اجر وثواب سے محروم نہیں کرے گا۔④

اور اب ہجرت کی فضیلت میں چند احادیثِ نبویہ بھی سماعت فرمالیں۔

① حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی محبت پیدا کی تو وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے، میں آپ کی بیعت کرنے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا تو انھوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا: میں بیعت کرنے سے پہلے یہ شرط لگانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرمادے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ،

① تفسیر ابن کثیر: 777/2 ② الحج 22: 58 ③ النساء 4: 100

④ جامع البیان للطبری: 238/4، تیسیر الکریم الرحمن للسعدی: 393/1

وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا ، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ »[1]

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، ہجرت سابقہ خطاؤں کو مٹا دیتی ہے اور حج گذشتہ کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے۔''

② رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت أبو فاطمة الضمری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

(عَلَيْكَ بِالْهِجْرَةِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهَا)

''تم ہجرت ضرور کرو، کیونکہ (اجر وثواب میں) اس جیسا کوئی عمل نہیں۔''[2]

③ ارشادِ نبوی ہے: (أَنَا زَعِيمٌ لِمَنْ آمَنَ بِي وَأَسْلَمَ وَهَاجَرَ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ ، وَبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ ، وَبَيْتٍ فِي أَعْلَى غُرَفِ الْجَنَّةِ......الحديث)[3]

''میں اس شخص کو جنت کے ادنیٰ درجہ میں، جنت کے درمیانے درجہ میں اور جنت کے اعلیٰ درجہ میں ایک ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو مجھ پر ایمان لایا، اسلام قبول کیا اور اس نے ہجرت کی۔''

④ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

(أَتَعْلَمُ أَوَّلَ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي ؟)

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری امت میں سے کونسے لوگ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے؟''

تو انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مہاجر ہونگے جو قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آئیں گے اور دروازہ کھولنے کی درخواست کریں گے۔ جنت کے نگہبان فرشتے ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارا حساب ہو چکا؟ وہ کہیں گے: ہمارے کس عمل کا حساب ہونا تھا! ہم تو ساری زندگی تلواریں اپنے کندھوں پر اٹھا کر اللہ کے راستے میں پھرتے رہے یہاں تک کہ ہماری موت آ گئی۔ پھر ان کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا اور وہ دوسرے لوگوں کے داخل ہونے سے چالیس سال پہلے اس میں جا کر قیلولہ کریں گے۔''[4]

⑤ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ

---

① صحیح مسلم :121

② سنن النسائی ، صحیح الجامع للألبانی:4045، الصحیحۃ :1937

③ سنن النسائی ، صحیح الجامع:1465

④ الحاکم:70/2، صحیح علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیشکش کی کہ آپ دوس قبیلے کے مضبوط قلعہ میں آجائیں جہاں آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ تو آپ ﷺ نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا کیونکہ یہ شرف انصارِ مدینہ کو ملنے والا تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تو حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ان کی قوم کا ایک اور شخص بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے لیکن مدینہ منورہ کی آب و ہوا انھیں موافق نہ آئی۔ حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کا ساتھی بیمار ہوگیا جس کی وجہ سے وہ پریشان رہنے لگا۔ ایک دن اچانک اس نے اپنا تیز دھار آلہ اٹھایا اور اپنی انگلیوں کے پورے کاٹ دئے جس سے اس کے ہاتھوں سے خون بہنے لگا، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس کے بعد حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت اچھی شکل وصورت میں ہے لیکن اس کے ہاتھوں کو ڈھانپا گیا ہے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی ہے۔ انھوں نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تیرے، ہاتھوں کو ڈھانپا گیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: مجھے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تو نے خود بگاڑا اسے ہم ٹھیک نہیں کریں گے۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ» ① ''اے اللہ! اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔''

⑥ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِمِقْدَارِ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ» ②

''فقراء مہاجرین اغنیاء مہاجرین سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے۔''

⑦ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک دن ہم رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورج طلوع ہوا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«سَيَأْتِيْ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نُوْرُهُمْ كَضَوْءِ الشَّمْسِ» ③

''قیامت کے روز میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے جن کا نور سورج کی روشنی کی مانند ہوگا۔''

ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہونگے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فقراء مہاجرین۔''

---

① صحیح مسلم: کتاب الإیمان، باب الدلیل علیٰ أن قاتل نفسه لا یکفر حدیث:116

② سنن ابن ماجة :4123، صحیح ابن ماجة للألبانی : 3327

③ مسند أحمد :177/2، 6659، احمد شاکر : إسناده صحیح

عزیزانِ گرامی! آپ نے ہجرت کے فضائل میں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کو سماعت فرمایا۔ ان سے یقیناً آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہجرت کی کیا قدر و منزلت ہے اور اسلام میں اس کا کیا مقام ہے!

ہجرت قیامت تک باقی ہے

ہجرت کا حکم فتح مکہ کے بعد ختم نہیں ہوا بلکہ یہ قیامت تک باقی اور جاری وساری ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ ، وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا» ①

''ہجرت منقطع نہیں ہوگی یہاں تک کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے، اور توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوگا یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔''

اور جہاں تک حدیث (لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ) ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں'' کا تعلق ہے تو اس سے مقصود یہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد دار الإسلام میں شامل ہو گیا تو اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اس کے بعد ہجرت کی نفی کر دی۔ تاہم اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ سرے سے ہجرت کا حکم ہی ختم کر دیا گیا۔

جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی ایک اور توجیہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہجرت کی جو فضیلت فتحِ مکہ سے پہلے تھی اور جس طرح مسلمانوں نے ظلم وستم برداشت کرنے کے بعد انتہائی خستہ حالی میں ہجرت کی، وہ فضیلت مکہ مکرمہ فتح ہونے کے بعد ختم ہو گئی کیونکہ فتح مکہ کے بعد اسلام غالب ہو گیا اور مسلمان مضبوط اور طاقتور ہو گئے۔ جبکہ فتحِ مکہ سے پہلے وہ مظلوم اور انتہائی کمزور تھے۔ لہٰذا وہ خاص فضیلت والی ہجرت تو اس حدیث کے مطابق فتح مکہ کے بعد ختم ہو گئی تاہم عمومی طور پر ہجرت کا حکم باقی ہے اور وہ قیامت تک جاری رہے گی۔ ②

ہجرت رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں

اوائلِ اسلام میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا اہلِ مکہ نے ان پر بہت ظلم وستم کیا اور انھیں مختلف قسم کی سزائیں اور ایذائیں دیں۔ ایسی سزائیں کہ جن کا تصور کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مسلمان کمزور تھے اور کفار طاقتور، کمزور مسلمان اسلام کی خاطر سب کچھ برداشت کرتے رہے،

---

① مسند أحمد:99/4، سنن أبي داؤد :2479، صحيح أبي داؤد للألباني :2166

② شرح صحيح مسلم :8/13

آخر کار رسولِ اکرم ﷺ نے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہجرت کے تین واقعات پیش آئے:

❶ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت: یہ نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی۔ ۱۲ مرد اور ۴ خواتین پیدل چل کر سمندر کے کنارے پہنچے، وہاں سے ایک کشتی کرائے پر لی اور حبشہ وارد ہوئے جہاں انھیں معزز مہمانوں کی طرح رکھا گیا۔[1]

❷ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت: پہلی مرتبہ ہجرت کر کے جو مسلمان حبشہ پہنچے تھے انھیں خبر ملی کہ اہلِ مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کئی لوگ مکہ مکرمہ واپس آ گئے لیکن یہاں آ کر انھیں معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی، اس لئے انھوں نے اور ان کے ساتھ کئی اور مسلمانوں نے حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کی۔ ان کی تعداد ۸۰ سے متجاوز تھی۔[2]

❸ ہجرتِ مدینہ طیبہ

ہجرتِ مدینہ طیبہ کے واقعات جس ترتیب سے پیش آئے وہ کچھ یوں ہیں۔

عقبہ کے مقام پر اہلِ مدینہ کی پہلی بیعت

رسول اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ موسم حج کے دوران مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے مختلف قبائل سے ملاقاتیں کرتے اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ نبوت کے گیارہویں سال کے موسمِ حج میں اہلِ یثرب کے چھ افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ حضرات جب یثرب (مدینہ منورہ) کو واپس لوٹے تو انھوں نے وہاں لوگوں کو اسلام کا تعارف پیش کیا اور انھیں اس کے محاسن سے آگاہ کیا۔ چنانچہ اگلے سال یعنی ۱۲ نبوی میں مدینہ منورہ سے بارہ افراد مکہ مکرمہ آئے اور انھوں نے منی میں عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

اِس بیعت کا حال انہی بارہ افراد میں سے ایک حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم اس بات پر میری بیعت کرو کہ تم (میرے مدینہ میں پہنچنے کے بعد) میری ہر اس بات سے حفاظت کرو گے جس سے تم اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کی حفاظت کرتے ہو۔''[3]

اِس بیعت کے بعد رسولِ اکرم ﷺ نے ان بارہ افراد کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ

---

① فتح الباری: 188/7 ② فتح الباری: 189/7

③ فتح الباری: 90/1

طیبہ روانہ کیا جو اسلام کے پہلے داعی بنے۔ انھوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بھر پور انداز سے اسلام کی دعوت کو پھیلایا جس کے نتیجہ میں لوگ کثرت سے اسلام قبول کرنے لگے، حتی کہ مدینہ طیبہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کسی ایک فرد نے بھی اسلام قبول نہ کیا ہو۔ ان کی دعوت کا سب سے دلچسپ واقعہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور ان کے پورے قبیلہ (بنی عبد الأشهل) کے قبولِ اسلام کا واقعہ ہے جو سیرت کی کتب میں موجود ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تقریبا سال بھر مدینہ منورہ میں رہے اور مسلسل لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ پھر ۱۳ نبوی کے موسم حج سے قبل آپ مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ مدینہ کے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری سنائی۔

یاد رہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ صحابیٔ رسول ہیں جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے اور جب ان کی تکفین وتدفین کا وقت آیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ انھیں ان کے کفن کے لئے صرف ایک ہی چادر ملی جو اس قدر چھوٹی تھی کہ اس سے اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ننگے ہوجاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہوجاتا۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال سے آگاہ کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے سر کو ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر (گھاس) کے پتے ڈال دو۔''[1]

عقبہ کے مقام پر اہلِ مدینہ کی دوسری بیعت

۱۳ نبوی کے موسمِ حج میں اہلِ یثرب میں سے ستر سے زیادہ مسلمان مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ ان کے ذہنوں میں ایک ہی بات گردش کررہی تھی کہ آخر کب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے پہاڑوں میں اذیت دی جاتی رہے گی؟ چنانچہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خفیہ روابط کے بعد طے پایا کہ وہ ایامِ تشریق کے وسط میں عقبہ کے مقام پر آپ سے ملاقات کریں گے۔ بنا بریں اہلِ یثرب کے ۷۳ مرد اور دو خواتین رات کی تاریکی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے گفتگو شروع کی اور کہا:

اے خزرج کی جماعت! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو مقام ہم میں ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ اور ہم نے ان کی جس طرح حفاظت کی ہے وہ بھی تم جانتے ہو۔ وہ اپنی قوم میں باعزت ہیں اور اپنے شہر میں بالکل محفوظ ہیں۔ لیکن

---

[1] صحيح البخاری :1276، صحيح مسلم :940

انھیں تمہارے پاس آنے پر اصرار ہے۔ لہٰذا اگر تم ان کی حفاظت کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے اور تمہیں اپنی ذمہ داری نبھانا ہوگی، لیکن اگر تم نے انھیں رسوا کرنا ہے تو انھیں آج ہی چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں اب بھی محفوظ ہیں۔''

اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے انتہائی اعتماد کے ساتھ کہا:

''ہم نے آپ کی گفتگو سن لی ہے، اب اے اللہ کے رسول! آپ خود ہی فیصلہ کرلیں۔''

ان کے یہ الفاظ واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اہلِ یثرب رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق اپنی ذمہ داری نبھانے کے لئے مکمل طور پر تیار ہیں، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

بیعت کے الفاظ کے متعلق مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ:

① چستی اور سستی دونوں حالتوں میں میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے۔

② خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں خرچ کرو گے۔

③ نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

④ اللہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو گے اور اس کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤ گے۔

⑤ اور جب میں تمہارے پاس آ جاؤں گا تو تم میری مدد کرو گے اور میری اس طرح حفاظت کرو گے جیسا کہ تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔ یاد رکھو! اس کے بدلے میں تمہارے لئے جنت ہے۔''[1]

اس کے بعد تمام مسلمانوں نے ایک ایک کر کے بیعت کی۔ بیعت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے ان میں سے بارہ افراد کو نقیب مقرر کیا جو اس معاہدے کو عملی طور پر نافذ کرنے کے ذمہ دار تھے۔

ہجرت کا آغاز

عقبہ کے مقام پر اہلِ یثرب کی دوسری بیعت کے بعد مسلمانوں کے لئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا راستہ کھل گیا، کیونکہ اہلِ یثرب دین اسلام کے لئے جان و مال قربان کر دینے کا معاہدہ کر چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر طرح سے مدد کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا چکے تھے۔ مکہ مکرمہ کے

① مسند احمد: 339/3 (14694)، صحیح ابن حبّان: 745/15، الحاکم: 681/2 (4251)

ستم زدہ مسلمانوں کو اب ایک پرامن اسلامی وطن تو نظر آ رہا تھا لیکن وہاں تک پہنچنا اتنا آسان نہ تھا، کیونکہ مشرکین مکہ نے بھی انھیں مکہ سے نکلنے کی مہلت نہ دینے کا عزم کر رکھا تھا۔ تاہم اللہ رب العزت مظلوم مسلمانوں کو ظلم سے نجات دینے اور اسلام کو غالب کرنے کا ارادہ فرما چکا تھا، چنانچہ وہی ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا تھا۔

مسلمانوں نے ہجرت کا آغاز کیا اور اپنے آبائی وطن، اپنے عزیز رشتہ داروں اور اپنے مال ومتاع کو چھوڑ کر سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ مشرکین مکہ نے ان کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں اور ان پر ظلم وتشدد کیا۔ لیکن ظلم وتشدد اور رکاوٹوں کے باوجود مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کرتے رہے۔ اور ابھی بیعتِ عقبہ کے بعد دو ماہ اور چند ایام کا عرصہ ہی گذرا تھا کہ مکہ مکرمہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا، سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل وعیال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو ابھی تک مکہ مکرمہ ہی میں موجود تھے۔ اسی طرح وہ مسلمان جنہیں مشرکین نے زبردستی مکہ مکرمہ میں روک رکھا تھا وہ بھی ہجرت نہیں کر سکے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت کے لئے تیار تھے، لیکن اس انتظار میں تھے کہ کب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت دی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے کہا:

''مجھے وہ شہر خواب میں دکھایا گیا ہے جس کی طرف تم نے ہجرت کرنی ہے، اس میں کھجور کے درخت بہت زیادہ ہیں اور وہ سیاہ پتھروں والی دو زمینوں کے درمیان واقع ہے۔''

چنانچہ بہت سارے مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرلی، حتی کہ جن مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ بھی واپس آ گئے اور سوئے مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کے لئے تیاری کرلی تھی لیکن رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں کہا: ''ابھی رُک جاؤ، ہوسکتا ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت دے دی جائے۔'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا: میرا باپ آپ پر قربان ہو، کیا آپ کو اس کی امید ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کریں۔ انھوں نے دو سواریوں کو اس سفر کے لئے خوب تیار کرلیا۔[2]

---

[1] زاد المعاد:52/2

[2] صحيح البخاری :2175، 3692، 5470

دار الندوۃ میں قریش کی پارلیمنٹ کا اجلاس

مشرکینِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان یکے بعد دیگرے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف جا رہے ہیں تو وہ سخت پریشان ہوئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) انتہائی مؤثر شخصیت کے مالک ہیں اور آپ کے ساتھی صبر وتحمل کے پیکر اور بڑے باہمت ہیں۔ اور آپ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جغرافیائی اعتبار سے مدینہ منورہ کو کتنی اہمیت حاصل ہے! مدینہ ان کے تجارتی راستے پر واقع تھا اور انھیں اس بات کا اندازہ تھا کہ اگر مدینہ مسلمانوں کا مرکز بن جاتا ہے تو ان کے تجارتی اہداف شدید خطرات سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ ان خطرات کا سدِ باب کرنے کے لئے مشرکین نے (دار الندوۃ) میں ایک تاریخی اجتماع منعقد کیا جس میں تمام قبائلِ قریش کے سرداران اکٹھے ہوئے اور اس بارے میں سوچ بچار کرنے لگے کہ اتنے بڑے چیلنج کا مقابلہ کس طرح کیا جائے جس سے خود ان کا اپنا وجود خطرے میں تھا۔ اس اجلاس میں شرکت کرنے والوں میں ابوجہل، جبیر بن مطعم، عتبہ، شیبہ، ابو البختری اور امیہ بن خلف وغیرہ شامل تھے۔ ابھی اس اجلاس کی کاروائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ دار الندوۃ کے دروازے پر ابلیس بھی ایک بوڑھے شیخ کی صورت میں آ پہنچا، سردارانِ قریش نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اہلِ نجد کا ایک شیخ ہوں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم کسی اہم فیصلہ کیلئے جمع ہو رہے ہو تو میں نے دل میں کہا کہ میں بھی اس اجتماع میں حاضر ہو جاتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں کوئی اہم مشورہ دے سکوں!

انھوں نے اسے اجازت دے دی اور وہ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی اور حضرت محمد ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے خلاف مختلف تجاویز پر تبصرہ ہونے لگا۔

ایک تجویز یہ سامنے آئی کہ محمد (ﷺ) کو جلاوطن کر دیا جائے لیکن نجدی شیخ (ابلیس) نے اسے رد کر دیا۔

پھر دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ آپ ﷺ کو پابندِ سلاسل کر کے ان پر دروازہ بند کر دیا جائے اور پھر ان کی موت کا انتظار کیا جائے لیکن ابلیس نے اسے بھی رد کر دیا۔

بالآخر سب سے بڑے مجرم ابوجہل نے ایک ایسی تجویز پیش کی جس پر سب نے اتفاق کر لیا اور ابلیس نے بھی اس کی تائید کی، اس نے کہا:

میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے میں سے ایک مضبوط اور معزز نوجوان کا انتخاب کریں، پھر ہر ایک کو ایک تیز دھار تلوار سونپ دیں، پھر وہ سب مل کر اس کے پاس جائیں اور ایک ہی ضرب میں اس کا کام تمام کر دیں،

اس طرح اس سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور اس کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہوجائے گا۔ بنوعبد مناف ان تمام سے جنگ کرنے سے عاجز ہوں گے اور دیت لینے پر راضی ہوجائیں گے۔ چنانچہ ہم سب مل کر انھیں دیت ادا کردیں گے۔

نجدی شیخ (ابلیس) نے اس رائے کو بہت سراہا اور پارلیمنٹ کے تمام ارکان نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردی اور اسے فوری طور پر واجب العمل قرار دیکر اجلاس برخاست ہوگیا۔ ①

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت

جب رسول اکرم ﷺ کے قتل کا ظالمانہ منصوبہ تیار ہوگیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ کو اس کے بارے میں آگاہ کردیا اور انھیں بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ لہٰذا آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ ②

چنانچہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ہجرت کا آخری پروگرام طے کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ دیکھو! وہ رسول اللہ ﷺ چادر اوڑھے ہوئے آرہے ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ اس سے پہلے اس وقت کبھی ہمارے پاس نہیں آیا کرتے تھے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ کسی ضروری امر کی بناء پر ہی اس وقت آرہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے، گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی تو آپ ﷺ اندر آگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کے پاس جو دوسرے لوگ ہیں انھیں کسی اور کمرے میں بھیج دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر والے ہی تو ہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ، آپ ﷺ پر قربان ہوں، کیا میں بھی آپ کے ساتھ ہجرت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو لیجئے ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے لیکن میں یہ سواری قیمت کے عوض لوں گا۔''

---

① سیرت ابن ھشام: 1/480-482 ② زاد المعاد: 2/52

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر ہم نے دونوں کا سامانِ سفر جلدی سے تیار کیا اور ایک تھیلے میں رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنی پٹی کا ایک حصہ کاٹ کر تھیلے کا منہ باندھ دیا۔اسی لئے انھیں "ذات النطاقین" کہا جاتا تھا۔①

اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور رات کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

رسول اکرم ﷺ کے گھر کا گھیراؤ

ادھر قریش کے مجرموں کو دن بھر سکون نہ آیا اور وہ ''دار الندوہ'' میں کئے گئے فیصلے پر عملدر آمد کے لئے پروگرام بناتے رہے۔ انھوں نے اس غرض سے گیارہ نوجوانوں کا انتخاب کیا جن میں ابوجہل، ابولہب، اور امیہ بن خلف وغیرہ شامل تھے۔ان شیطانوں نے رات کا اندھیرا پڑتے ہی رسولِ اکرم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور انتظار کرنے لگے کہ کب آپ ﷺ سوئیں اور یہ بیک وقت ان پر حملہ آور ہوکر ان کا خاتمہ کردیں۔جب آدھی رات گذر چکی تو فیصلے کی گھڑی آن پہنچی۔ مجرموں کو یقین تھا کہ آج کے بعد محمد (ﷺ) اور ان کے ماننے والوں کا نام ونشان ہی باقی نہیں رہے گا، لیکن اللہ تعالیٰ' جوکہ زمین وآسمان کی بادشاہت کا مالک ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے' وہ غالب ہے اور اس پر کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی۔فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴾②

''اور یاد کیجئے جب کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں، یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلا وطن کردیں۔ وہ تو اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا۔اور سب سے مستحکم تدبیر والا اللہ ہی ہے۔''

چنانچہ عین فیصلے کی گھڑی میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''تم میری چادر لپیٹ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور فکر مند نہ ہونا، تمھیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔''③

اس کے بعد آپ ﷺ گھر سے نکلے، اپنی مٹھی میں مٹی اٹھائی اور باہر کھڑے مجرموں میں سے ہر ایک کے سر پر تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت چھین لی تھی جس سے وہ آپ ﷺ کو دیکھنے سے قاصر

---

① صحیح البخاری: 2318، 3906 ② الأنفال 8: 30

③ سیرت ابن ہشام: 483/1

تھے۔آپ ﷺ قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾ ①

''اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا۔تو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔'' ②

پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں سے انھیں اپنے ساتھ لے کر غارِ ثور جا پہنچے، غارِ ثور مکہ مکرمہ سے یمن کی جانب ہے نہ کہ مدینہ منورہ کی جانب۔شاید اس میں یہ حکمت پنہاں تھی کہ کفارِ قریش کو جب آپ ﷺ کی ہجرت کا علم ہوگا تو وہ یقیناً مدینہ کی طرف جانے والے راستوں پر آپ کا پیچھا کریں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے بچنے کے لئے اپنا رُخ ابتدائے سفر سے ہی تبدیل کرلیا تاکہ کفار بآسانی آپ کا پیچھا نہ کرسکیں۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں

دونوں مسافر رات کے اندھیرے میں ایک کٹھن اور انتہائی مشکل راستہ طے کرکے غارِ ثور تک پہنچے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو باہر رُکنے کے لئے کہا اور خود اندر چلے گئے۔اندر جاکر اسے صاف کیا، اس کی ایک جانب ایک سوراخ دیکھا تو اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کا منہ بند کردیا۔ابھی دو سوراخ اور بھی تھے جن میں انھوں نے اپنے پاؤں رکھ دئے اور رسول اللہ ﷺ کو اندر تشریف لانے کے لئے کہا۔آپ ﷺ اندر آئے اور اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سوگئے۔اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کسی زہریلے جانور نے کاٹا لیکن آپ نے رسول اللہ ﷺ کے آرام کی خاطر بالکل حرکت نہ کی۔البتہ آپ کے آنسو نہ رُک سکے۔چند آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر بھی گرے۔اس پر آپ ﷺ بیدار ہوگئے۔آپ ﷺ نے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کسی چیز نے مجھے کاٹ لیا ہے۔ تو آپ اٹھے اور جس جگہ پر زہریلے جانور نے کاٹا تھا وہاں آپ نے اپنا لُعابِ مبارک لگایا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درد جاتا رہا۔ ③

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ

---

① یٰس 9:36　② زاد المعاد 46/3

③ الرحیق المختوم (عربی) : ص164

’’پھر نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک غار میں جا پہنچے جو جبل ثور میں واقع ہے۔ اس میں آپ ﷺ تین راتیں ٹھہرے رہے۔ رات کو ان کے پاس حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ جاتے، یہ ایک ذہین اور سمجھ دار نوجوان تھے، دن بھر قریش کے ساتھ رہتے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق جو خبر سنتے اسے اچھی طرح یاد کر لیتے۔ پھر رات کا سایہ پڑتے ہی غار ثور میں پہنچ جاتے اور رسول اللہ ﷺ کو پوری رپورٹ سنا دیتے۔ پھر سحری کے وقت غار سے نکل کر مکہ پہنچ جاتے اور قریش یہی سمجھتے کہ اس نوجوان نے مکہ ہی میں رات گذاری ہے۔ اس کے علاوہ عامر بن فہیرہ، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، دن کے وقت بکریاں چراتے رہتے اور شام ہوتے ہی بکریاں غار ثور کی طرف ہانک کر لے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بکریوں کا دودھ پیش کرتے اور صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے ہی وہاں سے چلے جاتے۔‘‘[1]

قریش غارِ ثور کے دہانے پر

نبی کریم ﷺ کے اپنے گھر سے نکلنے کے بعد ایک شخص ان مجرموں کے پاس سے گذرا جنھوں نے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: محمد (ﷺ) کا: اس نے کہا: تم رُسوا ہو چکے ہو اور خسارہ پا چکے ہو! اللہ کی قسم! وہ تمہارے درمیان سے نکل کر جا چکے ہیں اور وہی تمہارے سروں پر مٹی ڈال کر گئے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آرام کر رہے ہیں۔ انھوں نے صبح ہونے کا انتظار کیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو مجرموں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا: مجھے کوئی علم نہیں۔ مجرموں نے انھیں مارا پیٹا لیکن وہ رسول اکرم ﷺ کے متعلق کوئی معلومات لینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما دروازے پر آئیں۔ مجرموں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا: مجھے ان کے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔ ظالم ابوجہل نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور انھیں طمانچہ دے مارا جس سے ان کے کان کا زیور نیچے گر گیا۔[2]

اس کے بعد قریش نے ہنگامی طور پر مکہ مکرمہ سے باہر جانے والے تمام راستوں پر سیکورٹی سخت کر دی اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک کو زندہ یا مردہ حالت میں لانے والے شخص کے لئے سو سو اونٹ

---

① صحیح البخاری: 3906

② صحیح البخاری: 554/1

کے بہت بڑے انعام کا اعلان کر دیا۔ ①

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہاڑوں میں، وادیوں میں، غاروں میں اور گلی کوچوں میں انتہائی تیزی سے تلاش کیا جانے لگا۔ قریش کے سراغ رساں افراد گھوڑوں اور اونٹوں پر اور پاپیادہ سرگرم ہو گئے۔ تلاش کرتے کرتے وہ اس غار کے دہانے پر جا پہنچے جس میں رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں غار میں رسول اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا، میں نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا تو مجھے تلاش کرنے والے لوگوں کے قدم نظر آئے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی نظر نیچے جھکالی تو وہ یقیناً ہمیں دیکھ لے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا» ②

"اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"

یقینی طور پر یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا کہ دشمن چند قدموں کے فاصلے پر پہنچ کر بھی آپ ﷺ کو کوئی اذیت نہ پہنچا سکے اور خائب و خاسر ہو کر واپس لوٹ آئے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ③

"اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی اس وقت مدد کی جبکہ انھیں کافروں نے (وطن سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے: غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اپنی طرف سے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کی ان لشکروں سے مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔ اس نے کافروں کا کلمہ پست کر دیا اور بلند تو اللہ کا کلمہ ہی ہے۔ اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔"

مدینہ منورہ کے راستے میں

مکہ مکرمہ میں جب رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں تو آپ ﷺ اپنے ساتھی سمیت مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے لئے تیار ہو گئے۔ عبد اللہ بن اریقط اللیثی

---

① سیرت ابن هشام :487/1 ② صحیح البخاری:3653، صحیح مسلم :2381

③ التوبة9 :40

سے جوکہ راستوں کے بارے میں بخوبی جانتا تھا یہ بات پہلے سے طے تھی کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خوب تیار کی ہوئی دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پہنچے گا جہاں سے سفرِ مدینہ کا آغاز ہونا تھا۔ چنانچہ وہ حسب وعدہ تین راتوں کے بعد غارِ ثور پہنچ گیا۔ رسول اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور ان سب کے راہبر عبد اللہ بن اریقط پر مشتمل یہ قافلۂ ہجرت سوئے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ اس سفر کی روئیداد صحیح بخاری میں مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''اللہ کے نبی ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ہوا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بوڑھے تھے اور پہچانے جاتے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ جوان تھے اور پہچانے نہیں جاتے تھے۔ راستے میں کوئی شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملتا تو وہ ان سے پوچھتا: ابوبکر! یہ کون ہیں جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جواب دیتے: ''یہ راستے کی طرف میری راہنمائی کرتے ہیں۔'' سننے والا یہی گمان کرتا کہ شاید یہ سفر کے راستے کی راہنمائی کرنے والا شخص ہے حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قصد یہ ہوتا کہ یہ خیر کے راستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں ...... سفر کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو انھیں اچانک معلوم ہوا کہ کوئی گھوڑ سوار ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی، آپ ﷺ نے پیچھے کی طرف التفات فرمایا اور اسے بددعا دیتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! اسے پچھاڑ دے۔''

چنانچہ گھوڑے نے اسے نیچے گرادیا اور ہنہنانے لگا۔ سوار نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے آپ جو چاہیں حکم دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی جگہ پر رک جاؤ اور کسی کو ہمارا تعاقب نہ کرنے دینا۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ گھوڑ سوار دن کے شروع میں اللہ کے نبی کا دشمن تھا اور دن کے آخر میں آپ ﷺ کا محافظ بن گیا۔[1]

قصۂ سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ خود انہی کی زبانی

صحیح بخاری میں حضرت سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

ہمارے پاس کفارِ قریش کے کئی نمائندے آئے اور انھوں نے بتایا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے یا زندہ پکڑ کر لانے والے شخص کے لئے بھاری انعام کا اعلان کیا ہے۔ ایک دن میں

---

[1] صحيح البخاري:3911

اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا تھا، ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میں نے ابھی ساحلِ سمندر پر کچھ سائے دیکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں.

سُراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں جان گیا کہ وہ وہی ہیں لیکن میں نے اس آدمی سے کہا: نہیں وہ کوئی اور ہونگے! شاید تم نے فلاں فلاں آدمی کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے سامنے یہاں سے گذرے تھے۔

پھر میں مجلس میں کچھ دیر تک بیٹھا رہا، اس کے بعد اٹھا اور گھر پہنچ کر میں نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا لیکر ایک ٹیلے کے پیچھے میرا انتظار کرے۔ میں نے اپنا تیر اٹھایا اور گھر کی پچھلی جانب سے نکل گیا۔ پھر تیزی سے دوڑ کر اس ٹیلے تک جا پہنچا جہاں میری لونڈی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایک دم دوڑا دیا، حتی کہ میں جب ان کے قریب پہنچا تو میرے گھوڑے کے پاؤں پھسل گئے اور میں نیچے گر گیا۔ میں اٹھا اور فال کے تیر اپنے تھیلے سے باہر نکالے، پھر میں نے فال نکالا کہ کیا میں انھیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں یا نہیں؟ تو قرعہ 'نہیں' میں نکلا۔ لیکن میں نے ان تیروں کی نافرمانی کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں ان کے اتنا قریب جا پہنچا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی آواز سنی، حالانکہ وہ پیچھے کی جانب التفات نہیں فرما رہے تھے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بار بار پیچھے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اچانک میرے گھوڑے کے ہاتھ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں نیچے گر گیا اور گھوڑے کو ڈانٹنے لگا۔ گھوڑے نے بڑی مشکل سے اپنے ہاتھ زمین سے باہر نکالے اور کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں کے ساتھ ہی آسمان کی طرف غبار آلود دھواں بلند ہوا، چنانچہ میں نے پھر قرعہ نکالا اور پھر بھی وہی نتیجہ نکلا جو پہلے نکلا تھا۔ اب میں نے انھیں امن کے ساتھ پکارا تو وہ رُک گئے، میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ میرے دل میں ایک بات آئی کہ جو کچھ آج میرے ساتھ ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا امر ایک دن ضرور غالب آجائے گا۔ میں نے ان سے کہا: آپ کی قوم نے آپ کو قتل کرنے یا قیدی بنانے پر انعام کا اعلان کر رکھا ہے۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو ان لوگوں کی خبریں بھی سنا دیں اور میں نے زادِ راہ اور ساز و سامان کی پیشکش کی تو انھوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

بس اتنا کہا کہ: ''ہمارے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔'' میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ وہ مجھے امن کی کوئی نشانی لکھ کر دے دیں۔ تو آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ وہ لکھ کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے رنگے ہوئے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر مجھے امان لکھ کر دی۔ پھر آپ ﷺ روانہ ہو گئے۔ [1]

---

① صحیح البخاری :3906

خیمۂ ام معبد میں

امام حاکمؒ نے المستدرك میں ہشام بن حبیش بن خویلد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا قافلۂ ہجرت ام معبد کے دو خیموں کے پاس سے گذرا۔ یہ عورت مسافروں کو کھلاتی پلاتی تھی۔ قافلۂ ہجرت نے ام معبد سے گوشت اور کھجور خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انھیں اس کے پاس کچھ بھی نہ ملا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک بکری کو دیکھا تو ام معبد سے اس کے متعلق پوچھا۔ ام معبد نے کہا کہ یہ بکری انتہائی تھکی ماندی ہے اور بکریوں کے ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا: نہیں یہ تو انتہائی لاغر و کمزور ہے! آپ نے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی۔ اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اگر اس میں دودھ ہے تو آپ اسے نکال سکتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اسے دوہنا شروع کردیا۔ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ ام معبد کے ایک برتن میں دودھ نکالنے لگے۔ برتن بھر گیا حتی کہ دودھ کی جھاگ اس کے منہ تک آگئی۔ آپ نے سب سے پہلے ام معبد کو دودھ پلایا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اور آخر میں خود سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر دوسری بار اسے دوہا تو پھر بھی برتن بھر گیا۔ اس کے بعد آپ آگے روانہ ہو گئے ......الخ "[1] یاد رہے کہ اس کی سند میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم

عزیزان گرامی! یہ تھے مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے پہنچنے تک کے ہجرت کے واقعات۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان واقعات کو سمجھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! پہلے خطبہ میں آپ نے ہجرت کے فضائل اور ہجرتِ مدینہ کے متعلق تفصیل سے ہماری چند گذارشات کو سنا۔ آیئے اب یہ بھی سماعت فرمالیں کہ مدینہ منورہ پہنچنے پر اہلِ مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیسے کیا؟

قباء میں رسول اکرم ﷺ کا قیام اور مدینہ میں استقبال

اہلِ مدینہ نبی ﷺ کی آمد کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کے شوق کا عالم کیا تھا اِس کے

---

[1] مستدرك حاكم : كتاب الهجرة ، باب حديث ام معبد فى الهجرة:4333

بارے میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سماعت فرمایئے۔

ان کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں رسول اکرم ﷺ کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے لوٹ رہے تھے۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑے بطور ہدیہ پیش کیے۔ ادھر اہلِ مدینہ کو جب رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے ہجرت کا علم ہوا تو وہ ہر صبح کو الحرّۃ کی طرف نکلتے اور دوپہر کی گرمی تک آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہتے۔ ایک دن وہ لمبے انتظار کے بعد واپس پلٹ کر اپنے گھروں میں پہنچے ہی تھے کہ ایک یہودی اپنی کسی ضرورت کے تحت ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اس نے اچانک سفید کپڑوں میں ملبوس رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس پر اس سے رہا نہ گیا اور بے قابو ہو کر اس نے بلند آواز سے اعلان کرتے ہوئے کہا:

اے عربوں کی جماعت! یہ تمہارا بزرگ آ گیا ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور (الحرۃ) کے قریب رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ استقبال کرنے والوں کے ساتھ دائیں طرف مڑ گئے اور بنی عمرو بن عوف میں اترے۔ یہ ربیع الأول کے مہینے میں سوموار کا دن تھا۔ وہاں پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کرتے رہے اور آپ ﷺ خاموشی سے بیٹھے رہے۔ انصارِ مدینہ میں سے جن لوگوں نے رسولِ اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ آتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو دھوپ لگنے لگی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ پر اپنی چادر سے سایہ کیا۔ اس سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ بنو عمرو بن عوف (**قباء**) میں دس سے زیادہ راتوں تک ٹھہرے رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے ایک مسجد (مسجد قباء) کی بنیاد رکھی جس کے بارے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ﴾[1]

”جس مسجد کی اساس پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی وہ زیادہ حق رکھتی ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔“

اُس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لوگوں کے ساتھ چلنے لگے، حتی کہ آپ ﷺ کی سواری اس جگہ پر بیٹھ گئی جہاں اب مدینہ میں آپ ﷺ کی مسجد ہے۔ وہاں اس وقت چند مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ جگہ دراصل سہیل رضی اللہ عنہ اور سہل رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھی جو کہ یتیم تھے اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی گود

---

[1] التوبة 108:9

میں پرورش پاتے تھے۔اس کو کھجوروں کے خشک کرنے کیلیئے استعمال کیا جاتا تھا۔جب رسول اللہ ﷺ کی سواری وہاں پر بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِن شاء اللہ یہی ہماری منزل ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور ان سے اس جگہ کا سودا کرنا چاہا تاکہ وہاں مسجد تعمیر کرسکیں۔بچوں نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم تو اسے آپ کیلیئے ہبہ کریں گے۔لیکن آپ ﷺ نے وہ جگہ ہبہ کے طور پر لینے سے انکار کردیا اور اسے ان سے خرید لیا۔پھر آپ ﷺ نے وہاں مسجد بنائی۔خود آپ ﷺ نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔‘‘①

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ مدینہ کے قریب (الحرّۃ کی ایک جانب) اترے اور انصارِ مدینہ کو بلوایا۔ چنانچہ وہ آئے اور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے گذارش کی کہ اب آپ مکمل طور پر محفوظ ہیں۔لہٰذا آپ سوار ہوجائیں اور آپ جو بھی حکم دیں گے آپ کی اطاعت کی جائے گی۔تو آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہوگئے اور انصارِ مدینہ مسلح ہوکر ان کے ساتھ چلنے لگے۔ادھر مدینہ منورہ میں اعلان ہوگیا کہ ’’اللہ کے نبی پہنچ گئے ہیں۔‘‘ تو لوگ دیواروں اور چھتوں پر چڑھ کر بے تابی سے آپ کا انتظار کرنے لگے اور خوشی سے بار بار یہ اعلان کرتے رہے کہ ’’اللہ کے نبی پہنچ گئے ہیں۔‘‘

پھر رسول اللہ ﷺ چلتے چلتے آخر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب اتر گئے۔آپ ﷺ نے پوچھا: کس کا گھر زیادہ قریب ہے؟ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرا گھر زیادہ قریب ہے، یہ دیکھیں! یہ ہے میرا گھر اور یہ ہے میرا دروازہ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اندر چلو اور ہمارے آرام کیلیئے جگہ تیار کرو۔حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ دونوں اللہ کی برکت سے تشریف لائیے۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کی دو منزلیں تھیں، رسول اکرم ﷺ جب ان کے گھر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نچلی منزل میں تشریف فرما ہوئے اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اپنی بیوی سمیت اوپر والی منزل میں تھے۔ان دونوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس بات پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہمارے لئے اور ہمارے پاس آنے والے لوگوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم نیچے ہی رہیں۔‘‘②

اُدھر عبد اللہ بن سلام، جو اس وقت کھجوروں کے باغ میں پھل چن رہے تھے جلدی جلدی آئے اور آپ ﷺ کی گفتگو سننے کے بعد کہنے لگے: ’’میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ حق لیکر آئے

---

① صحیح البخاری:3906 ② الحاکم:5939

ہیں۔اور یہودیوں کو یہ بات معلوم ہے کہ میں ان کا سردار اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں۔اور ان میں سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں۔لہٰذا آپ انھیں بلائیں اور اس سے پہلے کہ وہ میرے اسلام لانے کے بارے میں جانیں ان سے میرے بارے میں پوچھیں، کیونکہ اگر انھیں میرے اسلام لانے کا علم ہو گیا تو وہ میرے بارے میں سچ نہیں بولیں گے۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں بلوایا اور فرمایا:

''اے یہود کی جماعت ! اللہ سے ڈرو۔اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ! تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ میں یقینًا اللہ کا رسول ہوں اور تمھارے پاس حق لیکر آیا ہوں، لہٰذا تم اسلام قبول کرلو۔''

یہودیوں نے کہا: ہم اسے (محمد ﷺ کو) نہیں جانتے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ عبد اللہ بن سلام تم میں کیسا آدمی ہے؟

کہنے لگے: وہ تو ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔اور ہم میں سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا فرزند ہے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اسلام قبول کر چکا ہو تو ؟

انھوں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

آپ ﷺ نے پھر وہی سوال دو مرتبہ دہرایا اور وہ بھی ایک ہی جواب دیتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اب تم ان کے سامنے آؤ'' چنانچہ وہ یہودیوں کے سامنے آئے اور کہنے لگے: ''اے یہود کی جماعت ! اللہ سے ڈرو۔ اور اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ! تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور تمہارے پاس حق لیکر آئے ہیں ! تو انھوں نے کہا: نہیں، تم جھوٹ بولتے ہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہودیوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔[1]

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''مہاجرین میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور یہ دونوں لوگوں کو قرآن مجید پڑھانے لگے۔پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ چالیس سواروں کے ساتھ پہنچے، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی آمد پر اس قدر خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ شاید اتنی خوشی کا اظہار انھوں نے کبھی نہ کیا ہو، حتی کہ میں نے عورتوں، بچوں اور لونڈیوں

---

[1] صحيح البخاري:3911

تک کو دیکھا کہ وہ بھی یہ کہتی پھر رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ پہنچ چکے ہیں۔''①

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں نے وہ دن دیکھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ وہ دن اتنا اچھا تھا کہ اس سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ روشن دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے وہ دن بھی دیکھا کہ جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا۔ وہ دن اتنا غمناک تھا کہ اس سے زیادہ قبیح اور زیادہ تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔''②

معزز حضرات! ہجرت کے واقعات آپ نے تفصیلا سماعت کیے، ان میں کئی عبرت کی باتیں اور متعدد سبق آموز چیزیں موجود ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ جب اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے دین کی نصرت کرتے ہیں اور اس راستے میں آنے والی مشکلات پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں مشکل گھڑیوں میں اکیلا نہیں چھوڑتا بلکہ ان کا ساتھ دیتا ہے اور ان کیلئے مشکلات سے نکلنے کے راستے بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے انتہائی مشکل گھڑیوں میں اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اور انکے ماننے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ساتھ دیا، انھیں اہلِ مکہ کی اذیتوں سے نجات دی اور انھیں مدینہ منورہ میں پر امن ٹھکانا نصیب فرمایا۔

ہجرتِ مدینہ کا واقعہ یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا اہم ترین واقعہ تھا جس کے بعد آپ ﷺ کی قیادت میں پہلی اسلامی مملکت کی تشکیل عمل میں آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار سے جنگ کرنے کا حکم دیا جس کے نتیجے میں حق وباطل کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیے ہوئے وعدے پورے کر دئے اور اسلام کو غلبہ اور بول بالا عطا کیا۔

ہجرتِ مدینہ کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی تاریخ کا آغاز اسی یادگار واقعہ سے کیا، لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے اپنی اسلامی تاریخ کو بھلا دیا ہے اور وہ اس پر غیر اسلامی تاریخ کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے بہت سارے احکامات کا تعلق اسلامی مہینوں سے ہے۔ مثلا ماہِ رمضان کے روزے، فریضۂ حج، زکاۃ کی فرضیت، عاشوراء کا روزہ، ہر اسلامی مہینے میں تین دن کے مسنون روزے، شعبان کے روزے، یومِ عرفہ کا روزہ اور عیدین وغیرہ۔ اور اسلامی تاریخ امتِ مسلمہ کا تشخص ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اس کی اہمیت کو جانیں اور اپنے تشخص کو زندہ رکھیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ نبی ﷺ کی بعثت اور نہ آپ ﷺ کی

---

① صحیح البخاری: فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مقدم رسول اللہ ﷺ وأصحابہ 3925، الفتح: 203/7

② سنن الدارمی: 41/1، مسند أحمد: 13110، وإسنادہ صحیح

وفات سے تاریخ کو شمار کیا بلکہ انھوں نے آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے اس کا حساب کیا۔''①

اس کا سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہمارے پاس خطوط آتے ہیں جن پر تاریخ درج نہیں ہوتی ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ بعض نے کہا: بعثت سے شمار کریں اور بعض نے کہا: ہجرت سے شمار کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:(الهجرة فرقت بين الحق والباطل فأرخوا من الهجرة) ''ہجرت نے حق وباطل کے درمیان فرق کیا لہٰذا ہجرت ہی سے تاریخ کا حساب کریں۔ یہ ۱۷ھ کا واقعہ ہے۔''②

جبکہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا تو اس نے کہا: میں نے یمن میں ایک چیز دیکھی ہے جسے تاریخ کہتے ہیں ۔ اس میں وہ سال و ماہ کا تذکرہ کرتے ہیں ۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، تم بھی تاریخ کا حساب کیا کرو ۔ چنانچہ جب انھوں نے اس کا عزم کر لیا تو بعض نے کہا: نبی کریم رضی اللہ عنہ کی ولادت سے، کسی نے کہا: بعثت سے، کسی نے کہا: ہجرت سے اور کسی نے کہا: وفات سے حساب کریں۔ تو انھوں نے کہا: ہجرت سے اس کا حساب کریں۔ ③

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ہجرتِ مدینہ کا واقعہ ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا، لیکن جب تاریخ کا آغاز کیا گیا تو ماہِ محرم سے کیا گیا۔ کیوں؟ اس کا سبب بقول حافظ ابن حجرؒ یہ ہے کہ اصل میں ہجرت پر عزم نبی کریم ﷺ نے ماہِ محرم میں ہی کر لیا تھا کیونکہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ نے جو بیعت لی تھی وہ ذوالحج کے مہینے میں تھی ۔ اور یہی بیعت درحقیقت تمہید بنی ہجرتِ مدینہ کیلئے ۔ اس کے بعد جو پہلا مہینہ تھا وہ محرم کا ہی تھا۔ اس لئے اسی مہینے سے تاریخ کو شمار کیا گیا۔ ④

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کے حال پر رحم فرمائے. آمین

---

① صحيح البخاري :3934
② فتح الباري:341/7
③ فتح الباري:341/7
④ فتح الباري:341/7

ماہِ صفر اور بدشگونی

اہم عناصرِ خطبہ:

① نفع ونقصان کا مالک کون؟

② ماہِ صفر وغیرہ سے بدشگونی لینا

③ ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنا

④ نجومیوں کے پاس جانا

⑤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونے والے خوش نصیبوں کی صفات

پہلا خطبہ

برادران اسلام! ہر مسلمان کو اِس بات پر پختہ یقین ہونا چاہئے کہ نفع ونقصان کا مالک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے۔ اُس کے سوا یہ اختیار کسی کے پاس نہیں ۔ نہ کسی ولی کے پاس اور نہ کسی بزرگ کے پاس ۔ نہ کسی پیر ومرشد کے پاس اور نہ کسی نبی کے پاس، حتی کہ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ جو تمام بنو آدم کے سردار اور سارے انبیاء ورسل علیہم السلام کے امام ہیں وہ کسی کے نفع ونقصان کے مالک تو کجا اپنے نفع ونقصان کے مالک بھی نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ ﴾①

’’ آپ کہئے کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں سوائے اُس کے جو اللہ چاہے۔ اور اگر میرے پاس غیب کا علم ہوتا تو بہت ساری بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں۔‘‘

اس آیت کریمہ میں غور کیجئے کہ جب امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ اپنے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں تو ان سے کم تر کوئی ولی یا کوئی بزرگ یا کوئی پیر جن کی قبروں کی طرف لوگ قصدا جاتے ہیں' وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار کیسے رکھتے ہیں؟

اور جن سے لوگ حصولِ نفع کی امید رکھتے اور ان کی طرف سے نقصان پہنچنے کا خوف کھاتے ہیں ان کے

① الأعراف7:188

بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ ①

'' آپ کہہ دیجئے کہ تمھارا کیا خیال ہے جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نقصان کو دور کردیں گے؟ یا وہ مجھے اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک لیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، بھروسہ کرنے والے صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

اِس آیت کریمہ میں گویا اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا ہے کہ اگر کسی بھی غیر اللہ کے پاس نفع ونقصان کا اختیار ہے تو جس کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچانا چاہے، وہ اسے اُس نقصان سے بچا کر دکھائیں، یا جس کو اللہتعالیٰ اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو وہ اس سے اُس رحمت کو روک کر دکھائیں! یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ اور جب وہ ایسا نہیں کر سکتے تو اِس کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ②

'' اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جسے وہ روک دے اس کے بعد اسے کوئی جاری رکھنے والا نہیں۔ اور وہ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ کسی اور کو پکارنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ ③

'' اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مت پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے علاوہ اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے

---

① الزمر39: 38 ② فاطر35: 4 ③ یونس10: 106-107

بندوں میں سے جس پر چاہے نچھاور کر دے۔ اور وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اِس آیت کریمہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کو' جو نفع ونقصان کا مالک نہیں' پکارنے سے منع فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اے محمد ﷺ! اگر آپ ایسا کریں گے تو (نعوذ باللہ) ظالموں میں سے ہو جائیں گے، وہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر وہ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اُسے کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ اسے اپنے فضل سے نوازنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اختیار ہے ہی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس۔ اور ذرا سوچیں! اگر امام الأنبیاء حضرت محمد ﷺ کو سوائے اللہ کے اور کوئی نقصان سے بچانے والا نہیں تو عام مسلمانوں میں سے کسی شخص کو سوائے اللہ کے کون نقصان بچا سکتا ہے؟

لہٰذا کسی بھی غیر اللہ سے نہ نفع کی امید رکھنی چاہئے اور نہ ہی اُس سے کسی نقصان کا خوف کھانا چاہئے، کیونکہ غیر اللہ سے اس بات کا خوف کھانا کہ وہ اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے جس کو چاہے اور جو چاہے نقصان پہنچا سکتا ہے یہ شرک اکبر ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ☆ وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ﴾[1]

''اور میں ان معبودوں سے نہیں ڈرتا جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو مگر یہ کہ میرے رب کی ہی کوئی مشیت ہو۔ میرے رب کا علم ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے؟ اور ان سے میں کیسے ڈروں جنہیں تم اللہ کا شریک بناتے ہو حالانکہ تم ان باتوں سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کا شریک ایسی چیزوں کو بنا رکھا ہے جن کی اللہ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیر، فقیر اور بزرگ سے قطعًا خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے اور اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا خوف صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو اپنے ارادے سے نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ اور اگر وہ نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے تو دنیا کا کوئی بزرگ یا پیر یا سجادہ نشین ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾[2]

---

① الأنعام6: 80-81 ② لتوبة 9:51

’’آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے حق میں لکھ رکھی ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔‘‘

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ»①

’’اور اس بات پر یقین کرلو کہ اگر پوری امت جمع ہوکر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھدیا ہے۔ اور اگر پوری امت جمع ہوکر تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھدیا ہے۔‘‘

برادرانِ اسلام! نفع ونقصان کے متعلق ہم نے جو بنیادی عقیدہ ذکر کیا ہے اِس کی مناسبت یہ ہے کہ یہ جو ماہِ صفر ہے اِس کو کئی لوگ منحوس مہینہ کہتے ہیں اور اِس میں کسی کام کی ابتداء کرنا درست نہیں سمجھتے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ جو کام اِس مہینہ میں شروع کیا جائے گا اُس میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہوگی اور وہ آخر کار ناکام ہی ہوگا۔ یعنی وہ اِس مہینہ سے خائف ہوتے ہیں کہ اِس میں تو خسارہ اور نقصان ہی ہوگا جبکہ جو عقیدہ ہم نے ابھی قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر کیا ہے اُس کی رو سے یہ بالکل غلط ہے کہ کسی مہینہ کو منحوس تصور کرتے ہوئے اس میں کوئی کام شروع کرنے سے خوف کھایا جائے۔ مہینے سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہر مہینہ میں نفع ونقصان اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ»②

’’کوئی بیماری خود بخود متعدی نہیں ہوتی۔ نہ بدشگونی لینا درست ہے اور نہ کسی پرندے کو منحوس سمجھنا درست ہے۔ اور نہ ہی ماہِ صفر سے بدشگونی لینا صحیح ہے۔‘‘

لہٰذا مسلمانوں کو یہ جاہلانہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ اِس کے برعکس محض اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہئے کہ ہر قسم کا نفع ونقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور نفع ونقصان کا کسی مہینے سے کوئی تعلق نہیں۔

بدشگونی کیا ہوتی ہے؟ بدشگونی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی کام کرنے کا پختہ عزم کر چکا ہو، پھر کوئی چیز دیکھ کر یا کوئی بات سن کر وہ کام نہ کرے۔ جاہلیت کے زمانے میں کوئی شخص جب کسی کام کے لئے گھر سے

① الترمذی:2516، صحیح الجامع للألبانی:7957

② صحیح البخاری:5717، صحیح مسلم :2220

روانہ ہونا چاہتا تو وہ ایک پرندے کو اڑا کر دیکھتا، اگر وہ دائیں طرف اڑتا تو روانہ ہو جاتا۔ اور اگر بائیں طرف اڑتا تو اس سے بدشگونی لیکر واپس آجاتا۔ شریعت نے اِس طرح کی بدشگونی سے منع کیا ہے، بلکہ بدشگونی لینے اور فال نکالنے کو شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اس طرح کرتا ہے وہ گویا اللہ پر توکل نہیں کرتا بلکہ وہ اس چیز پر توکل کرتا ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»[۱]

''جس شخص کو بدشگونی کسی کام سے روک دے تو اس نے یقیناً شرک کیا۔''

بعض لوگ کسی شخص سے بدشگونی لیتے ہیں۔ مثلاً صبح سویرے اپنے کاروبار کیلئے کہیں جاتے ہوئے اگر کوئی مسکین یا مانگنے والا مل جائے تو کہتے ہیں یہ صبح سویرے ہی ٹکر گیا، آج خیر نہیں ہے۔ یا گھر میں اگر کوئی نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں یہ اِس منحوس عورت کی وجہ سے ہوا ہے یا اپنی اولاد میں سے کسی ایک سے بدشگونی لیتے ہوئے کہیں گے کہ اِس نقصان کا سبب یہ ہے! تو اِس طرح کسی شخص سے بدشگونی لینا درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں پہلی قوموں کا ذکر کیا ہے وہاں کئی اقوام کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے انبیاء سے بدشگونی لیتے تھے اور جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ اسی نبی کی وجہ سے آئی ہے۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[۲]

''پس جب انھیں کوئی اچھی چیز ملتی تو کہتے کہ ہم تو ہیں ہی اس کے حقدار۔ اور اگر ان کا کوئی نقصان ہو جاتا تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے بدشگونی لیتے حالانکہ ان کی شومیِ قسمت تو اللہ کی جانب سے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ کچھ نہیں جانتے۔''

اسی طرح دیگر کئی اقوام کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کا یہی طرزِ عمل ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے اور ان پر ایمان لانے والوں سے بدشگونی لیتے اور انہیں منحوس سمجھتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ نقصان ہونے کی صورت میں کسی سے بدشگونی لے یا کسی کو منحوس تصور کرے۔ بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اسے نقصان ہونے سے پہلے بھی اس بات پر پختہ یقین ہو کہ اللہ

---

۱ صحيح الجامع للألباني:6264 ۲ الأعراف7:131

کے حکم کے بغیر کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور نقصان ہو جانے کے بعد بھی وہ یہی کہے کہ یہ اللہ کی طرف سے لکھا ہوا تھا اور یہ ہو کر رہنا تھا۔

بعض لوگ ستاروں کے ذریعے فال نکالتے اور شگون لیتے ہیں۔ مثلاً کسی کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ تمھارا ستارہ فلاں ہے اور وہ آج کل گردش میں ہے، اِس لئے تم جو کاروبار اب شروع کرو گے اس میں خسارہ ہوگا یا اگر تم اب شادی کرو گے تو اس میں برکت نہیں ہوگی ...... حالانکہ کسی کی قسمت یا اس کے مستقبل کے امور کا ستاروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ : اَلْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ ، وَالْإِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ ، وَالنِّيَاحَةُ» ①

”جاہلیت کے کاموں میں سے چار کام میری امت میں ایسے ہونگے جنہیں وہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہونگے: حسب (قومیت) کی بنیاد پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا، ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنا (یا ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا) اور نوحہ کرنا۔“

اِس حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے ستاروں کے ذریعے قسمت کے احوال معلوم کرنے کو جاہلیت کے امور میں شمار کیا۔ یعنی اِس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے۔

اسی طرح حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ میں رات کی بارش کے بعد صبح کی نماز پڑھائی، پھر آپ نے فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟»

”کیا تمھیں معلوم ہے کہ آج تمھارے رب نے کیا کہا ہے؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: «قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ ۔ فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ» ②

”اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ آج میرے بندوں میں سے کسی نے حالت ایمان میں صبح کی ہے اور کسی نے حالت کفر میں۔ پس جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش نازل ہوئی ہے تو وہ مجھ پر

---

① صحیح مسلم ، الجنائز ، باب التشدید فی النیاحة :934

② صحیح البخاری:846 ، صحیح مسلم:71

ایمان رکھنے والا اور ستاروں کی تاثیر سے انکار کرنے والا ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی ہے تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لے آیا۔''

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص موسمی حالات میں ستاروں کی تاثیر کا قائل ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والا ہے۔ اسی طرح وہ شخص ہے جو کسی کی قسمت پر ستاروں کی تاثیر کا قائل ہو۔

نجومیوں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ان لوگوں کا اسلام اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح وہ بھی جو ان لوگوں کے پاس جائے اور ان کے سامنے اپنی مشکلات بیان کرے تا کہ وہ ستاروں وغیرہ کے ذریعے ان کا حل ڈھونڈیں۔

اِرشاد ہے: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطِيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكِهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ» ①

'' وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بدشگونی لے یا جس کیلئے بدشگونی لی جائے۔ یا جو (علم نجوم کے ذریعے) کہانت کرے یا جس کیلئے کہانت کی جائے۔ یا جو جادو کرے یا جس کیلئے جادو کا عمل کیا جائے۔''

اور اسی لئے اُن لوگوں کے پاس جانا اور ان سے قسمت کے احوال کے بارے میں سوال کرنا حرام بلکہ شرک اصغر ہے جو ستاروں کے ذریعے یا ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر قسمت کے احوال کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس جانا اور ان سے اِس طرح کے سوالات کرنا اتنا سنگین جرم ہے کہ ایسا کرنے والے کی چالیس دن کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

« مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْئٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً » ②

'' جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔''

اور ایسے لوگوں کے پاس جا کر ان سے سوال کرنے اور وہ جو کچھ کہیں اس کی تصدیق کرنے والا شخص ایسے ہے جیسے اس نے نبی کریم ﷺ پر اتری ہوئی شریعت سے انکار کر دیا۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ » ③

---

① السلسلة الصحيحة :2195 ② صحيح مسلم:2230، صحيح الجامع للألباني:5940

③ صحيح الجامع للألباني:5939

"جو شخص کسی کاہن (علمِ غیب کا دعویٰ کرنے والے کسی عامل) کے پاس جائے، پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر اتارے گئے دینِ الٰہی سے کفر کیا۔"

لہٰذا ایسے لوگوں کے پاس جا کر اپنے دین کا سودا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ اور دین کے تحفظ کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہم نہ ایسے لوگوں کے پاس جائیں اور نہ ان سے کوئی سوال کریں۔ بلکہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھیں اور نفع ونقصان کا مالک اکیلئے اللہ تعالیٰ کو تصور کریں۔ یہ اسلامی عقیدہ کا بڑا اہم مسئلہ ہے جس میں آج بہت سارے مسلمان بھٹک چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے اور ہمیں عقیدہ وعمل کی اصلاح کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھنا اور محض اسی کو نفع ونقصان کا مالک تصور کرنا اتنا بڑا عمل ہے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے جن خوش نصیبوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے ان میں آپ ﷺ نے اُس شخص کو بھی شمار کیا جو دم وغیرہ کروانے کیلئے کسی کے پاس نہیں جاتا اور وہ خود ہی قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لیتا ہے۔ وہ بدشگونی نہیں لیتا اور محض اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھ پر (سابقہ) امتیں پیش کی گئیں۔ چنانچہ میں نے ایک نبی کو دیکھا کہ اس کے ساتھ محض چند افراد (دس سے کم) ہیں۔ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک دو آدمی ہیں۔ اور ایک نبی کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر اچانک مجھے ایک بہت بڑی جماعت دکھلائی گئی۔ میں نے گمان کیا کہ شاید یہی میری امت ہے۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ آپ ذرا اس افق کی جانب دیکھئے۔ میں نے دیکھا تو ایک سوادِ عظیم (لوگوں کا بہت بڑا گروہ) نظر آیا۔ پھر مجھے کہا گیا کہ اب آپ دوسرے افق کی جانب دیکھیں۔ میں نے دیکھا تو ایک اور سوادِ عظیم نظر آیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہونگے۔"

پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر میں چلے گئے۔ تو لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان ستر ہزار افراد کے متعلق غور وخوض کرنے لگے جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہونگے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں

نے کہا کہ شاید وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہونگے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نہیں، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ولادت اسلام کی حالت میں ہوئی اور انھوں نے کبھی شرک نہیں کیا۔ کچھ لوگوں نے کچھ اور آراء بھی ظاہر کیں۔ اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کس چیز کے بارے میں غور کر رہے ہو؟ تو لوگوں نے آپ کو بتایا کہ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ وہ ستر ہزار افراد کون ہونگے جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَرْقُوْنَ ، وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ ، وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ »

''یہ وہ لوگ ہونگے جو نہ دم کرتے ہیں اور نہ دم کرواتے ہیں۔ اور نہ وہ بدشگونی لیتے ہیں اور وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر ہی توکل کرتے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم انہی میں سے ہو۔ پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میرے لئے بھی دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَاشَةُ» [۱]

''عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گئے ہیں۔''

مسلم کی ایک روایت میں ہے جس کے راوی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان ستر ہزار افراد کی صفات یوں بیان فرمائیں:

«هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ ، وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ ، وَلَا يَكْتَوُوْنَ ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ» [۲]

''وہ دم نہیں کرواتے، شگون نہیں لیتے، آگ سے اپنا جسم نہیں داغتے اور صرف اپنے رب تعالیٰ پر ہی توکل کرتے ہیں۔''

لہٰذا اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بغیر حساب کے جنت میں داخل کرے تو پھر ہمیں بھی یہی عظیم صفات اختیار کرنا ہوں گی جو نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کی توفیق دے۔

آج کا خطبہ ہم اس دعا کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرتے دم تک صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

---

[۱] صحیح البخاری:3410، 5705، 5752، صحیح مسلم:220

[۲] صحیح مسلم: 218

ماہِ ربیع الأول کے خطبات

1. رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومعجزات اور خصوصیات
2. جشن میلاد کی شرعی حیثیت
3. امت پر رسول اکرم ﷺ کے حقوق
4. رسول اکرم ﷺ کا اخلاق

رسول اکرم ﷺ کے فضائل ومعجزات اور آپ کی خصوصیات

اہم عناصر خطبہ

① رسول اللہ ﷺ کے فضائل

② رسول اللہ ﷺ کے بعض معجزات

③ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام! سید الأنبیاء حضرت محمد ﷺ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے آخری رسول ہیں۔ آپ ﷺ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا اور آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی سلسلۂ نبوت کا اختتام ہوگیا۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی امت کا مرتبہ بھی دوسری تمام امتوں سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کو لازم قرار دیا ہے اور آپ ﷺ کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ بنا بریں آئیے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے فضائل ومعجزات اور آپ کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا مقام اور آپ کے فضائل

(۱) اعلیٰ نسب

آنحضور ﷺ اپنے نسب (خاندان) کے اعتبار سے اعلیٰ وارفع مقام رکھتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت واثلۃ بن الأسقع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَّلَدِ إِسْمَاعِيلَ ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ ، وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ» ①

① صحيح مسلم :2276

''بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنو ہاشم کو چنا اور بنو ہاشم سے اس نے مجھے منتخب فرمایا۔''

اسی طرح جب بادشاہِ روم (ہرقل) نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) نبی اکرم ﷺ کے حسب ونسب کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا تھا:(هُوَ فِينَا ذُوْ نَسَبٍ) وہ ہم میں اعلی حسب ونسب والے ہیں۔ تو ہرقل نے کہا:(كَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا) کہ ایسے ہی پیغمبرانِ عظام علیہم السلام اپنی قوموں میں عالی نسب ہوتے ہیں۔[1]

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے اعلی نسب والے تھے۔

(۲) انسانیت پر احسانِ عظیم

یوں تو انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں، لیکن ان میں سب سے بڑا احسان' جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے، وہ ہے آپ ﷺ کی بعثت۔

فرمان الٰہی ہے:﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾[2]

''بے شک مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ نیز انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت گمراہ تھی اور جہالت کی انتہائی تاریک گھاٹیوں میں بھٹک رہی تھی جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یقیناً یہ سب، اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ان میں مبعوث فرما کر انھیں تاریکی سے نکالا اور آپ کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ انسانیت کیلیے باعثِ رحمت تھے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾[3]

''اور ہم نے یقیناً آپ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

---

① صحیح البخاري:7 ، صحیح مسلم:1773 ② آل عمران3: 164
③ الأنبياء21: 107

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ» ①

''اے لوگو! بے شک میں رحمت ہوں جسے لوگوں کو بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔''

(۳) روشن چراغ

رسول اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے ''روشن چراغ'' قرار دیا ہے۔ چنانچہ جس طرح چراغ سے اندھیرے دور ہوتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے ذریعے کفر وشرک کی تاریکیاں دور ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ☆ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴾ ②

''اے نبی! ہم نے ہی آپ کو گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا، اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

(۴) مشفق ومہربان

رسول اللہ ﷺ امت پر مشفق اور مہربان ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی بعض صفات عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ ③

''تمھارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری ہی جنس سے ہیں، جن کو تمھارے نقصان کی بات نہایت گراں گذرتی ہے، جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی چار عظیم صفات ذکر کی ہیں:

پہلی یہ کہ آپ ﷺ جنس بشر سے ہیں۔ دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ﴾ ④

---

① الحاكم: 91/1: 100 وقال: صحيح على شرطهما، وأقره الذهبي

② الأحزاب 33: 45-46 ③ التوبة 9: 128 ④ الكهف 18: 110

’’آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔(ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے۔‘‘

اور فرمایا:﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴾①

’’آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب پاک ہے، میں تو صرف ایک انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں۔‘‘

دوسری یہ کہ اس پیغمبر ﷺ پر تمھاری ہر قسم کی تکلیف ومشقت گراں گذرتی ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ دین میں آسانی کو پسند فرماتے تھے اور جس کام میں امت پر مشقت محسوس فرماتے اسے چھوڑ دیتے۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ معراج کے موقعہ پر جب اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان میں بار بار تخفیف کی درخواست کی حتی کہ یہ پانچ رہ گئیں۔ دوسری یہ کہ آپ ﷺ نے نماز تراویح تین راتیں باجماعت ادا کی، پھر چوتھی رات آپ ﷺ نے اسے ترک کردیا اور فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تم پر فرض نہ کردی جائے۔ اور تیسری یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:’’اگر مجھے امت کی مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں امت کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔‘‘

یہ تینوں مثالیں (اور ان کے علاوہ اور کئی مثالیں) اس بات کی دلیل ہیں کہ آنحضور ﷺ کو امت کی مشقت برداشت نہیں تھی۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَحَبُّ الْأَدْيَانِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ اَلْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ»②

’’اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب دین‘ دین حنیفی ہے جو کہ آسان ہے۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:«إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا، وَاسْتَعِيْنُوْا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ»③

’’بے شک دین آسان ہے اور جو آدمی دین میں تکلف کرے گا اور اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ لہٰذا تم اعتدال کی راہ اپناؤ، اگر کوئی عبادت مکمل طور پر نہ کرسکو تو قریب قریب ضرور کرو، عبادت کے اجر وثواب پر خوش ہو جاؤ اور صبح کے وقت، شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کرکے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔‘‘

---

① الإسراء17: 93
② صحيح الجامع:160
③ صحيح البخاري، كتاب الإيمان:39

اور آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام کیلئے یمن کی طرف روانہ فرمایا تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا» ①

''لوگوں کیلئے آسانی پیدا کرنا اور انھیں سختی اور پریشانی میں نہ ڈالنا اور ان کو خوشخبری دینا، دین سے نفرت نہ دلانا۔ اور دونوں مل جل کر کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''

اور تیسری صفت یہ کہ رسول اللہ تمھاری ہدایت اور دنیوی واخروی منفعت کے خواہشمند رہتے ہیں اور تمھارا جہنم میں جانا پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِيْ تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَزَعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ، فَيَقْتَحِمْنَ فِيْهَا، فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهَا» ②

''بے شک میری اور لوگوں کی مثال اُس آدمی کی طرح ہے جو آگ جلائے، پھر جب آگ اپنے اردگرد کو روشن کر دیتی ہے تو پتنگے اور یہ جانور جو کہ آگ میں کود پڑتے ہی وہ آگ میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آگ جلانے والا آدمی انھیں آگ سے پرے ہٹاتا ہے لیکن وہ اس پر غالب آ کر آگ میں کود پڑتی ہیں۔ اور میں بھی تمھیں تمھاری کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں تاکہ تم جہنم کی آگ میں نہ چلے جاؤ لیکن (تم مجھ سے دامن چھڑا کر) زبردستی جہنم کی آگ میں داخل ہوتے ہو۔''

اور چوتھی صفت یہ کہ آپ ﷺ نہایت مشفق اور بڑے ہی مہربان ہیں۔ اِس ضمن میں بھی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہاں ہم صرف تین احادیث پر اکتفاء کریں گے:

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّيْ لَأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ أُطِيْلُهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ وَجْدِ أُمِّهِ عَلَيْهِ مِنْ بُكَائِهِ» ③

---

① صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب: 3038

② صحیح البخاری، الرقاق باب الانتهاء عن المعاصی: 6483، صحیح مسلم، الفضائل باب شفقته ﷺ علی أمته: 2284

③ صحیح البخاری: 709، صحیح مسلم: 470

''میں نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور میری نیت یہ ہوتی ہے کہ میں اسے لمبی کروں گا لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے رونے کیوجہ سے اس کی ماں اس پر ترس کھاتی ہے۔''

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ کچھ دیہاتی لوگ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: کیا آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ تو آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں۔ تو وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ أَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْكُمُ الرَّحْمَةَ» ①

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں سے رحمت کو کھینچ لیا ہے تو میں کیا کروں؟''

③ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی: ﴿ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

''اے میرے رب! انھوں نے بہت سے لوگوں کو راہ سے بھٹکا دیا ہے، پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تُو بہت ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت بھی تلاوت کی:

﴿ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تُو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔''

پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند کئے اور فرمانے لگے:

«اَللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي» ''اے اللہ میری امت، میری امت!''

اس کے بعد آپ ﷺ رونے لگے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے جبریل! جاؤ محمد (ﷺ) کے پاس۔ اور تیرا رب اگرچہ خوب جانتا ہے لیکن جا کر ان سے پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ لہٰذا حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کیوں رو رہے

---

① صحيح البخاري:5998، صحيح مسلم:2317

ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جو کہا تھا وہ انھیں بتایا۔ اور جب حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو بتایا (حالانکہ وہ تو پہلے ہی جانتا تھا) تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا:

(إِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ)[1]

''ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کریں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔''

یہ تینوں احادیثِ مبارکہ اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی کریم ﷺ انتہائی مشفق اور مہربان تھے.

(۵) تورات وانجیل میں رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ کا تذکرہ

رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر نہ صرف قرآن مجید میں ہے بلکہ تورات وانجیل میں بھی آپ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ مَعَهٗٓ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[2]

''جو لوگ رسول اور نبیٔ امی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انھیں نیک باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے، ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو ان پر اتارا گیا ہے ایسے ہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔''

(۶) دعائے ابراہیم علیہ السلام اور بشارتِ عیسیٰ علیہ السلام کے مصداق

رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ، وَكَانَ آخِرُ مَنْ بَشَّرَ بِيْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ»[3]

---

① صحيح مسلم:346 ② الأعراف 157:7 ③ صحيح الجامع للألباني:1463

''میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں۔ اور سب سے آخر میں میری آمد کی بشارت عیسی بن مریم (علیہ السلام) نے دی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے متعدد دعائیں فرمائیں۔ ان میں سے ایک دعا یہ تھی:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ①

''اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کردے۔ بے شک تو سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اور حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾ ②

''اور جب مریم (علیہا السلام) کے بیٹے عیسی (علیہ السلام) نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے نازل شدہ کتاب توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں تمھیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری سنانے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔''

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

بَشَارَةُ عِيسٰى وَوَعْظُ الْكَلِيْمِ   دُعَاءُ إِبْرَاهِيْمَ عِنْدَ الْحَطِيْمِ
جَمِيْعُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ   بِهٖ بَشَّرُوْا مُنْذُ عَصْرٍ قَدِيْمِ

''آنحضور ﷺ حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت، کلیم اللہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی نصیحت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حطیم کعبہ کے پاس دعا ہیں۔ اور قدیم زمانے سے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام آپ کی بشارت دیتے رہے ہیں۔''

(۷) اللہ کے ذکر کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مقام عظیم عطا کیا ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ کا ذکر آتا ہے وہاں آپ ﷺ کا

---

① البقرۃ 2:129   ② الصف 61:6

ذکر بھی آتا ہے، کلمۂ شہادت، اذان، اقامت، خطبہ، تشہد اور دیگر کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام بلند کیا اور دنیا و آخرت میں بھی آپ ﷺ کے نام کا چرچا کیا... یہ سب آپ ﷺ کی عظمت اور شان کی دلیل ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ☆ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ☆ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ☆ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[1]

''اے پیغمبر! کیا ہم نے آپکا سینہ نہیں کھولا؟ اور ہم نے آپکا بوجھ آپ پر سے اتارا جس نے آپ کی کمر کو جھکا رکھا تھا، اور ہم نے آپکا نام بلند کیا۔''

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کہا ہے!

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اِسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهِ ... إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ... فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا دیا ہے جب مؤذن پانچ مرتبہ اذان کہتے ہوئے (أشهد) کہتا ہے۔ اور اس نے اپنے نام سے آپ کا نام نکالا تا کہ آپ کو عزت دے، چنانچہ عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہے۔''

(۸) انبیائے کرام علیہم السلام سے عہد

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور ان کی تائید ونصرت کریں گے۔ اس لئے اگر حضرت محمد ﷺ ان میں سے کسی ایک کے زمانے میں مبعوث کر دیئے جاتے تو ان کیلئے آپ ﷺ کی اتباع کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ☆ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[2]

''اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اُس چیز کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے تو تمہیں لازماً ایمان لانا

[1] الشرح 94:1-4 [2] آل عمران 3: 81-82

ہوگا اور اس کی نصرت کرنا ہوگی۔ اللہ نے پوچھا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ تو انبیاء نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا: گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر اس کے بعد جو بھی اس عہد سے پھر جائے تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔''

اس عہد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر برتری ثابت کر دی۔

(۹) معجزۂ معراج

اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو اسراء و معراج کے معجزہ سے نوازا جو انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی دیگر تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر برتری ثابت کر دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی۔ پھر آپ ﷺ کو آسمانوں کے اوپر' جہاں تک اللہ نے چاہا' لے جایا گیا اور بابرکت سفر میں آپ ﷺ کی کئی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرائی گئی۔ آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں ..... یہ پورا سفر آپ ﷺ کی عظمت و اہمیت اور آپ ﷺ کی افضلیت کی دلیل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعض معجزات

اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو کئی معجزات عطا کئے جو آپ ﷺ کے مقامِ عظیم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم معجزہ قرآنِ مجید ہے جو فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے اعتبار سے دنیا کے تمام ادباء و فصحاء کیلئے ایک عاجز کر دینے والے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ تمام جن و انس مل کر بھی قیامت تک اس جیسی ایک سورت بھی نہیں لا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾[1]

''آپ کہہ دیجئے! اگر جن و انس سب مل کر قرآن جیسی کوئی چیز بنا لائیں تو نہ لا سکیں گے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

اس کے علاوہ آنحضور ﷺ کے چند دیگر معجزات کا تذکرہ بھی سن لیجئے۔

۞ عن أنس رضی الله عنه قَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيْبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ ، فَوَضَعَ

① الإسراء 17: 88

كَفَّهُ ، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ ، فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِي الْمِخْضَبِ ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ، قُلْتُ: كَمْ كَانُوا؟ قَالَ: ثَمَانُونَ رَجُلاً .[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت ہوا تو جن لوگوں کے گھر مسجد کے قریب تھے انھوں نے تو جا کر وضو کر لیا لیکن بہت سارے لوگ باقی بچ گئے جن کے پاس وضو کرنے کیلئے پانی نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پتھر کا ایک پیالہ لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا پورا ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن پیالہ اس قدر چھوٹا تھا کہ اس میں آپ کا پورا ہاتھ نہ آسکا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اکٹھی کیں اور انھیں پیالے میں داخل کیا۔ پھر تمام لوگوں نے وضو کیا۔ میں نے پوچھا: وہ کتنے تھے؟ انھوں نے کہا: وہ اسی افراد تھے۔

❁ اسی طرح کا ایک اور معجزہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:

وعنه أيضا أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ بِالزَّوْرَاءِ (قَالَ : وَالزَّوْرَاءُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ السُّوقِ وَالْمَسْجِدِ فِيمَا ثَمَّهْ) ، دَعَا بِقَدَحٍ فِيْهِ مَاءٌ ، فَوَضَعَ كَفَّهُ فِيْهِ ، فَجَعَلَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ ، فَتَوَضَّأَ جَمِيعُ أَصْحَابِهِ ، قَالَ ، قُلْتُ: كَمْ كَانُوا يَا أَبَا حَمْزَةَ ؟ قَالَ: كَانُوا زُهَاءَ الثَّلاثِمِائَةِ .[2]

نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم الزوراء پر تھے جو کہ مدینہ منورہ میں بازار کے پاس اور مسجد کے قریب ایک مقام ہے۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں پانی تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس میں اپنا دست مبارک رکھا جس سے آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کیا، راوی (قتادۃ) کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: وہ کتنے تھے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ تین سو کے قریب تھے۔

❁ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو شدید پیاس لگی اور ان کے پاس پینے کیلئے پانی نہ تھا، البتہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو کرنا شروع کیا۔ چنانچہ لوگ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے پوچھا: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہمارے پاس پینے اور وضو کیلئے پانی نہیں ہے اور اس وقت یہاں صرف وہی پانی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھ دیا جس سے آپ کی انگلیوں کے

---

[1] صحيح البخاري :3575- واللفظ له ، صحيح مسلم:2279

[2] صحيح البخاري:3572، صحيح مسلم:2279

درمیان سے چشموں کی طرح پانی پھوٹنے لگا، لہذا ہم نے پانی خوب پیا اور وضو بھی کیا۔ میں نے (راوی نے) پوچھا: تم کتنے تھے؟ تو انھوں (حضرت جابر رضی اللہ عنہ) نے کہا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کافی ہو جاتا تاہم اس دن ہم ایک ہزار پانچ سو افراد تھے۔ ①

❁ عن عبد الله قَالَ : كُنَّا نَعُدُّ الآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا ، كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ ، فَقَالَ:(اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِنْ مَّاءٍ) ، فَجَاوُٗا بِإِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ، ثُمَّ قَالَ : (حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ) ، فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ . ②

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم معجزاتِ نبویہ کو باعثِ برکت سمجھتے تھے جبکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ صرف (کفار کو) ڈرانے کیلئے تھے۔ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ پانی کم ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''بچا ہوا پانی لے آؤ۔'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک برتن لے آئے جس میں تھوڑا سا پانی تھا، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا، پھر فرمایا: آؤ بابرکت پانی کی طرف اور برکت تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔'' میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ رہا ہے۔ اور بعض اوقات جب کھانا کھایا جا رہا ہوتا تو ہم اس سے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: میں نے آج رسول اللہ ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے اور شاید ایسا بھوک کی وجہ سے ہے! تو کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں ہے۔ پھر انھوں نے جَو کی کچھ روٹیاں نکالیں۔ اس کے بعد اپنی چادر کے ایک حصہ میں ان روٹیوں کو لپیٹا اور انھیں میرے ہاتھوں میں پکڑا دیا اور چادر کا بقیہ حصہ مجھے اوڑھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں، میں جا کر ان کے پاس کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں

آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے تمام لوگوں سے کہا: کھڑے ہو جاؤ۔ پھر آپ ﷺ تمام

① صحیح البخاری :3576 ② صحیح البخاری:3579

لوگوں سمیت چل پڑے ۔ میں ان سب سے آگے چلتے ہوئے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انھیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد کی اطلاع دی ۔ تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو لوگوں کو لے کر پہنچ گئے ہیں اور ہمارے پاس انھیں کھلانے کیلئے کچھ بھی نہیں! ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ جانے اور اس کے رسول ﷺ جانیں!

پھر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے ، رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا اور انھیں دیگر لوگوں سمیت گھر میں لے آئے ۔ [صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کھانا تو بہت تھوڑا ہے ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (هَلُمَّهْ ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَيَجْعَلُ فِيهِ الْبَرَكَةَ) ''جو کچھ ہے لے آؤ، اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے گا''] گھر میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ) ''ام سلیم! تمھارے پاس جو کچھ ہے لے آؤ۔''

چنانچہ ام سلیم رضی اللہ عنہا وہی روٹیاں لے آئیں ، نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ان کے ٹکڑے توڑے گئے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان پر گھی ڈال دیا ، اب وہ گویا کہ سالن تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ نے چاہا۔ [صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کھانے کو ہاتھ لگایا اور اس میں برکت کی دعا فرمائی] اور فرمایا: (إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ) ''دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔'' تو انھوں نے دس آدمیوں کو اندر بلایا۔ [صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (كُلُوْا وَسَمُّوا اللّٰهَ) ''بسم اللہ پڑھو اور کھانا شروع کردو''] انھوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اٹھ کر چلے گئے ۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: (إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ) ''دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔'' تو انھوں نے مزید دس آدمیوں کو اندر بلایا ، انھوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور اٹھ کر چلے گئے ۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: (إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ) ''دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔'' تو انھوں نے مزید دس آدمیوں کو اندر بلایا ، انھوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور اٹھ کر چلے گئے ۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: (إِئْذَنْ لِعَشَرَةٍ) ''دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔'' اس طرح تمام لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور وہ کوئی ستر یا اسی افراد تھے ۔ [صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور گھر کے باقی افراد نے کھانا کھایا ، اب بھی کھانا بچا ہوا تھا تو انھوں نے پڑوسیوں کو بھیج دیا۔][1]

❁ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں خندق کھودی جا رہی تھی میں نے رسول اللہ ﷺ کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ، میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا: کیا تمھارے پاس کھانے کی

[1] صحيح البخاري:3578 ، صحيح مسلم :2040

کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، کہ آپ شدید بھوک کی وجہ سے لاغر ہو چکے ہیں! تو اس نے ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع (تقریبا اڑھائی کلو) جَو تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس بکری کا ایک پالتو بچہ بھی تھا جسے میں نے ذبح کر دیا۔ میری بیوی جب آٹا گوندھ کر فارغ ہوئی تو میرے پاس آئی، میں نے گوشت کے ٹکڑے کئے اور اسے اس کی ہنڈیا میں ڈال کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میری بیوی نے جاتے وقت مجھ سے کہا کہ (چونکہ کھانا کم ہے اس لئے) مجھے رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور راز داری کے انداز میں گذارش کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا جسے ہم نے ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جَو کا آٹا تیار کیا ہے، لہذا آپ اپنے چند ساتھیوں سمیت ہمارے گھر میں تشریف لائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اونچی آواز میں فرمایا: «يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ، إِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ لَكُمْ سُوْرًا، فَحَيَّهَلاً بِكُمْ»

''اے اہلِ خندق! بے شک جابر رضی اللہ عنہ نے تمھارے لئے کھانا تیار کیا ہے، لہذا تم سب چلو۔''

اور آپ ﷺ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا:

«لاَ تُنْزِلَنَّ بُرْمَتَكُمْ، وَلاَ تَخْبِزَنَّ عَجِيْنَتَكُمْ حَتّٰى أَجِيْءَ»

''تم اپنی ہنڈیا نہ اتارنا اور روٹی پکانا شروع نہ کرنا یہاں تک کہ میں آ جاؤں۔''

اب میں واپس اپنے گھر کو لوٹ آیا اور رسول اللہ ﷺ بھی لوگوں کو اپنے ساتھ لئے تشریف لے آئے، میں سیدھا اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس نے کہا: آج تم ہی رسوا ہو گے! میں نے کہا: میں نے تو وہی کیا ہے جو تم نے کہا تھا۔

پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آٹا لے کر گیا تو آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ ہماری ہنڈیا کی طرف متوجہ ہوئے، اس میں بھی آپ ﷺ نے اپنا لعابِ دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد فرمایا:

«اُدْعِيْ خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ، وَاقْدَحِيْ مِنْ بُرْمَتِكُمْ، وَلاَ تُنْزِلُوْهَا»

''ایک اور روٹی پکانے والی عورت کو بلا لو جو تمھارے ساتھ روٹی پکائے اور اپنی ہنڈیا سے پیالوں میں سالن ڈالتے جاؤ اور اسے نیچے نہ اتارنا۔''

لوگوں کی تعداد ایک ہزار تھی اور میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے کھانا کھایا اور پھر بھی کھانا بچا ہوا تھا،

اور وہ جب واپس لوٹے تو ہماری ہنڈیا ابھی پہلے کی طرح جوش مار رہی تھی اور روٹی بدستور پکائی جا رہی تھی۔ (یعنی نہ سالن ختم ہوا اور نہ آٹا)[1]

❁ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن ایک درخت یا ایک کھجور کی طرف کھڑے ہوتے تھے۔ ایک انصاری عورت یا ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کیلئے منبر نہ تیار کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھارا دل چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔''

چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کیلئے منبر تیار کر دیا اور جب جمعہ کا دن آیا تو آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کیلئے اسی منبر کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن کھجور کا وہ درخت چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگ گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس پر وہ اِس طرح سسکیاں بھرنے لگا جیسے روتا ہوا بچہ اُس وقت سسکیاں بھرتا ہے جب اسے خاموش کرایا جا رہا ہو۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كَانَتْ تَبْكِيْ عَلٰى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا»[2]

''یہ اس بات پر رو رہا تھا کہ اپنے قریب جو ذکر سنا کرتا تھا (اب اس سے دور ہو گیا ہے)۔''

❁ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّيْ لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّيْ لَأَعْرِفُهُ الْآنَ»[3]

''بے شک میں مکہ مکرمہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کہا کرتا تھا۔ اور میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔''

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے بعض فضائل و معجزات ذکر کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس مختصر سے خطبہ میں آپ ﷺ کے تمام فضائل و معجزات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا.....

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو اس عظیم رسول ﷺ کے مقام و مرتبہ کو پہچاننے کی توفیق دے۔ آمین

---

① صحیح البخاری:3070، صحیح مسلم :2039

② صحیح البخاری:3584

③ صحیح مسلم :2277

دوسرا خطبہ

عزیزان گرامی ! پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بعض فضائل سماعت کرنے کے بعد آیئے اب آپ ﷺ کی بعض خصوصیات بھی سماعت فرمالیں۔

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات

رسول اکرم ﷺ کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو اور کسی کو حاصل نہیں، ان میں سے بعض خصوصیات یہ ہیں:

(۱) خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کیلئے نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، سوآپ پوری نسلِ انسانیت کیلئے ہادی اور راہنما ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1]

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر لوگوں کی اکثریت بےعلم ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[2]

''کہہ دیجئے ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

نیز فرمایا: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[3]

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔''

یعنی آپ پر نبوت ورسالت کا خاتمہ کردیا گیا ہے، اب آپ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعوی کرے گا وہ یقینی طور پر کذاب اور دجال ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ : هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ

---

① سبأ 28:34 ② الأعراف 158:7 ③ الأحزاب 33:33

اللَّبِنَةُ ؟ قَالَ : فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ» ①

''میری اور مجھ سے پہلے آنے والے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص مکان بنائے ، اس کی تعمیر نہایت خوبصورتی سے کرے اور اسے خوب سجائے لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دے۔ پھر لوگ اس کا چکر لگائیں اور اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران ہوں ۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہیں کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی ! تو میں دراصل وہ آخری اینٹ ہوں اور اسی لحاظ سے خاتم النبیین ہوں ۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قصرِ نبوت میں رسول اللہ ﷺ آخری اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد اس قصر میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں رہی ۔

(۲) اُمت محمدیہ سب سے افضل امت

رسول اکرم ﷺ کی امت سابقہ تمام امتوں کی نسبت سب سے افضل اور بہترین امت ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ②

''اور اسی طرح ہم نے تم کو افضل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ③

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے پیدا کی گئی ہے (کیونکہ) تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمھاری مدت سابقہ امتوں کی مدت کے مقابلے میں اتنی ہے جتنی نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک ہوتی ہے ۔ اور تمھاری اور یہود ونصاری کی مثال ایسے ہے جیسا کہ ایک آدمی کچھ مزدور لے آئے اور کہے : صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر کون مزدوری کرے گا ؟ تو یہودیوں نے ایک قیراط پر دوپہر تک مزدوری کی ۔ پھر اس نے

① صحیح البخاری، المناقب باب خاتم النبیین:3535، صحیح مسلم، الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین:2286

② البقرة2 :143 ③ آل عمران3 :110

کہا: اب دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک قیراط پر کون مزدوری کرے گا؟ تو نصاریٰ نے دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک ایک قیراط پر مزدوری کی۔ پھر اس نے کہا: اب نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک دو قیراط پر کون مزدوری کرے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خبردار! وہ تم ہی ہو جنھوں نے نمازِ عصر سے غروبِ آفتاب تک دو قیراط پر مزدوری کی، خبردار! تمھارا اجر دوگنا ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ غضبناک ہو کر کہنے لگے: ہم نے زیادہ مزدوری کی تھی لیکن ہمیں اجر کم ملا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہارا حق مارا اور تم پر ظلم کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں اسے عطا کروں۔'' ①

(۳) چھ خصوصیات

رسول اللہ ﷺ اپنی بعض خصوصیات کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ :أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوْرًا وَّمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ» ②

'' مجھے چھ چیزوں کے ساتھ دوسرے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: ایک یہ کہ مجھے جامع کلمات دئے گئے ہیں، دوسری یہ کہ رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، تیسری یہ کہ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے، چوتھی یہ کہ زمین کو میرے لئے پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنایا گیا ہے، پانچویں یہ کہ مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور چھٹی یہ کہ میرے ذریعے سلسلۂ نبوت کو ختم کیا گیا ہے۔''

دوسری روایت میں فرمایا:

«أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِيْ : كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً ، وَبُعِثْتُ إِلٰى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ ، وَلَمْ تُحَلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُوْرًا وَّمَسْجِدًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلّٰى حَيْثُ كَانَ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ بَيْنَ يَدَيْ مَسِيْرَةِ شَهْرٍ ، وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ» ③

① صحيح البخاري:3459

② صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة:523

③ صحيح البخاري، الصلاة باب قول النبي ﷺ -جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا: 438، صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة :521واللفظ له

''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: پہلی یہ کہ ہر نبی کو اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ میرے لئے غنیمتوں کا مال حلال کیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کیا گیا تھا۔تیسری یہ کہ زمین کو میرے لئے پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنایا گیا ہے۔لہذا جہاں کہیں نماز کا وقت ہو جائے انسان وہیں نماز ادا کر لے۔ چوتھی یہ کہ میں جب ایک ماہ کی مسافت پر دشمن سے دور ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ دشمن کے دل میں میرا رعب ودبدبہ بٹھا دیتا ہے۔ پانچویں یہ کہ مجھے (روزِ قیامت) شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔''

(۴) نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر جھوٹ بولنا، یعنی کسی من گھڑت بات یا جھوٹے عمل کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا انتہائی سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ①

''مجھ پر جھوٹ بولنا کسی عام آدمی پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے۔اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہئے۔''

لہذا کسی حدیث کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے پہلے اس کے متعلق تحقیق کر لینا ضروری امر ہے، اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو اسے بیان کیا جائے ورنہ اسے بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ خاص طور پر اس دور میں تو اس بات کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کیونکہ جھوٹی اور من گھڑت احادیث زباں زدِ عام وخاص ہو چکی ہیں حتی کہ بعض کم علم لوگ فضائل اعمال میں ضعیف اور جھوٹی روایات کو بیان کرنا جائز تصور کرتے ہیں اور بڑے زور شور سے انھیں بیان کرتے ہیں۔

(۵) معصوم

رسول اکرم ﷺ معصوم ہیں اور تبلیغ رسالت میں غلطی سے پاک ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ☆ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ☆ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ☆إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ ②

''قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے کہ تمھارے ساتھی (محمد ﷺ) نہ گمراہ ہیں اور نہ ٹیڑھی راہ پر۔ اور نہ وہ

---

① صحيح البخاري:1291، صحيح مسلم، المقدمة:4 ② النجم53 :1-4

اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔"

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آنحضور ﷺ تبلیغ رسالت میں معصوم ہیں اور یہ بھی کہ آپ ﷺ کے صحیح اور ثابت شدہ تمام فرامین اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں اور ان کی اتباع بھی اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اتباع ضروری ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث بھی سنتا اسے حفظ کرنے کی نیت سے لکھ لیا کرتا تھا، لیکن قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور انھوں نے کہا: تم جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو اسے لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ ﷺ تو ایک انسان ہیں۔ اور کبھی آپ خوشی میں بات کرتے ہیں اور کبھی غصے میں! تو میں نے لکھنا بند کر دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے انگشت مبارک سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اُكْتُبْ ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ»[1]

"تم لکھتے رہو کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس منہ سے حق بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں نکلتی۔"

(۶) رسول اکرم ﷺ کی وہ خصوصیات جن کا تعلق روز قیامت سے ہے ان میں سے چند ایک کا ذکر احادیث مبارکہ میں سماعت فرمایئے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ)[2]

"میں قیامت کے دن اولادِ آدم (علیہ السلام) کا سردار ہونگا۔ اور سب سے پہلے میری قبر کا منہ کھولا جائے گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔"

۲۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ. وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ ، وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ ، وَلَا فَخْرَ»[3]

---

[1] مسند أحمد:6510، 6802، سنن أبي داؤد:3646، وصححه الألباني

[2] صحيح مسلم :2278

[3] صحيح الجامع:1468

''میں روزِ قیامت اولادِ آدم کا سردار ہونگا اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں ''الحمد'' کا جھنڈا ہوگا اور اس میں بھی کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ اس دن حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کے علاوہ دیگر تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے جمع ہونگے۔ سب سے پہلے میں شفاعت کرونگا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس میں بھی کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔''

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ » [1]

''قیامت کے دن دوسرے تمام انبیاء کی نسبت سب سے زیادہ پیروکار میرے ہونگے اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔''

۴۔ مقامِ محمود...... تمام اہلِ محشر کیلئے شفاعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تمھیں پتہ ہے کہ ایسا کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کرے گا جہاں ایک منادی (پکارنے والے) کی آواز کو سب سن سکیں گے اور سب کو بیک نظر دیکھا جا سکے گا۔ سورج قریب آجائے گا اور لوگوں کے غم اور صدمے کا یہ عالم ہوگا کہ وہ بے بس ہو جائیں گے اور اپنی پریشانیوں کو برداشت نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے: کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم سب کی حالت کیا ہورہی ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟ تو کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں ڈھونڈتے جو تمہارے رب کے ہاں تمھارے حق میں شفاعت کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے: چلو آدم (علیہ السلام) کے پاس چلتے ہیں، پھر ان کے پاس جا کر ان سے کہیں گے:

اے آدم! آپ ہمارے اور تمام انسانوں کے باپ ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح سے روح پھونکی اور اس نے فرشتوں کو حکم دیا تو وہ آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہورہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا کیا عالم ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے: بے شک میرا رب آج اتنا غضبناک ہے جتنا پہلے کبھی نہ تھا اور نہ ہی پھر کبھی ہوگا۔ اور اس نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی تھی۔

---

(1) صحیح مسلم:196

(نَفْسِیْ نَفْسِیْ) آج تو مجھے اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ اور میری رائے یہ ہے کہ تم نوح (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے:

اے نوح! آپ زمین پر اللہ کے پہلے رسول تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شکر گزار بندہ قرار دیا، آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا کیا عالم ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے: بے شک میرا رب، آج اتنا غضبناک ہے جتنا پہلے کبھی نہ تھا اور نہ ہی پھر کبھی ہوگا۔ اور میں نے اپنی قوم پر بددعا کی تھی اس لئے (نَفْسِیْ نَفْسِیْ) آج تو مجھے اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے:

اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور تمام اہلِ زمین میں سے آپ ہی اس کے خلیل تھے، آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہو رہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام جواب دیں گے: بے شک میرا رب آج اتنا غضبناک ہے جتنا پہلے کبھی تھا اور نہ پھر کبھی ہوگا۔ اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) اپنی تین غلطیاں یاد کریں گے اور کہیں گے: (نَفْسِیْ نَفْسِیْ) آج تو مجھے اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے:

اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ اور آپ کے ساتھ کلام کر کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی، آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہو رہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: بے شک میرا رب آج اتنا غضبناک ہے جتنا پہلے کبھی نہ تھا اور نہ ہی پھر کبھی ہوگا۔ اور میں نے ایک ایسی جان کو قتل کر دیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ (نَفْسِیْ نَفْسِیْ) آج تو مجھے اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے:

اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے ماں کی گود میں لوگوں سے بات چیت کی، آپ اللہ کے کلمۂ (کن) سے پیدا شدہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کی روح سے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہو رہی ہے؟ کیا

آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: بے شک میرا رب آج اتنا غضبناک ہے جتنا پہلے کبھی نہ تھا اور نہ ہی پھر کبھی ہوگا۔ اور انھیں اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آئے گی (مگر پھر بھی وہ کہیں گے:) (نَفْسِيْ نَفْسِيْ) آج تو مجھے بس اپنی ہی فکر لاحق ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ تم محمد (ﷺ) کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ آئیں گے اور کہیں گے:

اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الأنبیاء ہیں اور آپ کی اگلی پچھلی خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف کردی ہیں، آپ اپنے رب کے ہاں شفاعت کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری حالت کیا ہورہی ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہماری پریشانی کا عالم کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں چل پڑوں گا اور عرش کے نیچے آکر اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے شرحِ صدر عطا کرے گا اور مجھے اپنی حمد وثناء کے ایسے ایسے الفاظ الہام کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی پر اس نے الہام نہیں کیے تھے، پھر کہے گا:

«يَا مُحَمَّدُ ، اِرْفَعْ رَأْسَكَ ، سَلْ تُعْطَهْ ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ»

اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور سوال کرو آپ کا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔ اور آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا: (يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ) اے میرے رب! میری امت (کو معاف کردے) میری امت (کو جہنم سے بچالے۔)

کہا جائے گا: «أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيْمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ» ①

اے محمد! اپنی امت کے ہر اس شخص کو جو حساب وکتاب سے مستثنیٰ ہے جنت کے دائیں دروازے سے جنت میں داخل کردیں، یہ لوگ جنت کے باقی دروازوں سے بھی آنے جانے کے مجاز ہونگے۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک جنت کے ہر دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مکہ مکرمہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ مکرمہ اور بُصریٰ کے درمیان ہے۔'' (بخاری کی روایت میں مکہ مکرمہ اور حمیر کا ذکر ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہونگے، ہر امت

① صحیح البخاری:7410، صحیح مسلم:194

اپنے نبی کے پیچھے جائے گی اور کہے گی : اے فلاں ! شفاعت کریں ، اے فلاں! سفارش کریں یہاں تک کہ شفاعت کیلئے حضرت محمد ﷺ سے کہا جائے گا۔ اور یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔"[1]

اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"......لوگ تین مرتبہ شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہونگے ۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے : آپ ہمارے باپ ہیں ، لہذا آپ اپنے رب کے ہاں ہمارے حق میں سفارش کریں ۔ تو وہ کہیں گے : میں نے ایک گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے (جنت سے) زمین کی طرف اتار دیا گیا تھا، تم نوح (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ ۔ (تو وہ ان کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے لیکن) وہ کہیں گے : میں نے اہلِ زمین کے خلاف بددعا کی تھی جس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس چلے جاؤ۔ تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے سفارش کرنے کی التجا کریں گے لیکن) وہ کہیں گے : میں نے تین جھوٹ بولے تھے اس لئے تم موسی (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ تو وہ حضرت موسی علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے : میں نے ایک جان کو قتل کیا تھا ، لہذا تم عیسی (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ تو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے : اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری عبادت کی گئی تھی اس لئے تم محمد (ﷺ) کے پاس چلے جاؤ۔ تو وہ میرے پاس آجائیں گے اور میں ان کے ساتھ چل پڑوں گا۔

ابن جدعان کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گویا کہ رسول اکرم ﷺ کو دیکھ رہا تھا جب آپ فرما رہے تھے:

"میں جنت کے دروازے پر آ کر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا ، پوچھا جائے گا: کون ہے؟ تو کہا جائے گا: محمد (ﷺ) ہیں ، لہٰذا وہ میرے لئے دروازہ کھول دیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے ، پھر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے حمد وثناء کے الفاظ الہام کرے گا، پھر کہا جائے گا:(اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، وَقُلْ يُسْمَعْ لِقَوْلِكَ)

اپنا سر اٹھایئے اور سوال کیجئے آپ کا مطالبہ پورا کیا جائے گا ۔ اور شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی ۔ اور آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی ۔

اور یہی ہے وہ مقامِ محمود جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:﴿عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾[2]

---

① صحيح البخاري :4718 ① الإسراء17 :79 ، الترمذي:3148 ، وصححه الألباني

نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا: لوگوں میں سب سے زیادہ وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کے حق میں روزِ قیامت آپ شفاعت کریں گے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا: «لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنْ لَّا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَحَدٌ أَوْلٰى مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ: مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قِبَلِ نَفْسِهِ» [1]

''اے ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ اس بارے میں تم ہی سوال کرو گے کیونکہ تمھیں احادیث سننے کا زیادہ شوق رہتا ہے۔ (تو سنو) قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہوگا جس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے لا إله إلا الله کہا۔''

۵۔ نبی کریم ﷺ کا حوض

رسول اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ روزِ قیامت آپ ﷺ کو حوضِ کوثر عطا کیا جائے گا جس سے آپ ﷺ اپنے امتیوں کو پانی پلائیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک آپ ﷺ پر اونگھ طاری ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا۔ ہم نے پوچھا: آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھی: ﴿بسم الله الرحمن الرحيم ☆ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ☆ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ☆ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ [2]

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ الکوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک نہر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس پر خیرِ کثیر موجود ہے۔ اور وہ ایسا حوض ہے جس پر میری امت کے لوگ قیامت کے دن آئیں گے، اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں کے برابر ہے۔ پھر کچھ لوگوں کو پیچھے دھکیلا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو

---

① صحیح البخاری: 99، 6570

② صحیح مسلم، الصلاة باب حجة من قال البسملة آية من كل سورة: 400

میرے امتی ہیں! کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے کام ایجاد کیے تھے۔''

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! حوض کے برتن کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ وَكَوَاكِبِهَا فِي اللَّيْلَةِ الْمُظْلِمَةِ الْمُصْحِيَةِ، آنِيَةُ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا لَمْ يَظْمَأْ آخِرَ مَا عَلَيْهِ، يَشْخَبُ فِيْهِ مِيزَابَانِ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ، عَرْضُهُ مِثْلُ طُوْلِهِ، مَا بَيْنَ عَمَّانَ إِلٰى أَيْلَةَ، مَاؤُهُ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ وَأَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ» ①

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس کے برتن ان ستاروں سے زیادہ ہیں جو تاریک اور بے ابر (صاف) رات میں ہوتے ہیں، وہ جنت کے برتن ہیں، جو شخص ان سے پیئے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اس میں جنت کے دو میزاب بہہ رہے ہوں گے۔ جو شخص ایک بار اس پانی کو پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اس کی چوڑائی اس کی لمبائی کے برابر ہے جو اتنی ہے جتنی (عمان) اور (ایلہ) کے درمیان ہے۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔''

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«حَوْضِيْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ، وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ، وَمَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ الْوَرِقِ، وَرِيْحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، كِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ، فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَا يَظْمَأُ بَعْدَهُ أَبَدًا» ②

''میرا حوض ایک ماہ کی مسافت کے برابر لمبا ہے اور اس کے کنارے برابر ہیں (یعنی اس کی چوڑائی اس کی لمبائی کے برابر ہے۔) اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے۔ اور اس کے آبخورے (برتن) آسمان کے ستاروں کی طرح بہت زیادہ ہیں۔ جو شخص اس پر آئے گا اور ایک بار اس میں سے پی لے گا وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔''

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكَوْثَرُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ، وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَمَاؤُهُ أَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَأَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ» ③

① صحيح مسلم :2300 ② صحيح البخاري:6579، صحيح مسلم :2292واللفظ له

③ سنن الترمذي :3361، وصححه الألباني

''الکوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے، سونے کے اور اسکے بہنے کے راستے موتیوں اور یاقوت کے ہیں، اس کی مٹی کستوری سے زیادہ اچھی ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔''

یہ تھیں آنحضور ﷺ کی بعض خصوصیات۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ روزِ قیامت پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں ہمیں حوضِ کوثر کا پانی اور آپ ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین

جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

اہم عناصر خطبہ:

① قرآن وحدیث کا فہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی روشنی میں

② جشن میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت!

③ تین اہم اصول

④ کیا دین میں بدعتِ حسنہ کا وجود ہے؟

⑤ عید میلاد النبی ﷺ منانے والوں کے کچھ دلائل اور ان کا جواب

برادرانِ اسلام! مسلمان کی اصل کامیابی اس میں ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی جو تعلیمات ہیں ان کی پیروی کرے اور ان کی خلاف ورزی یا نافرمانی نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ، وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾[1]

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی، وہ ان میں ہمیشہ رہے گا۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرے، گا تو اُسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کیلئے رسوا کن عذاب ہوگا۔''

ان آیات کریمہ میں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اطاعت وفرمانبرداری کرنے والے شخص کو جنت کی بشارت دی ہے اور اِس کے برعکس نافرمانی اور خلاف ورزی کرنے والے شخص کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔لہذا ہر مسلمان کو اپنے گریبان میں جھانک کر خود ہی جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ کس راستے پر چل رہا ہے؟ جو راستہ جنت تک پہنچانے والا ہے اُس پر یا نعوذ باللہ اُس پر جو جہنم تک پہنچانے والا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیسے ہوگی؟ اس کی اطاعت قرآن مجید کو پڑھنے پڑھانے، سیکھنے سکھانے اور اس میں

---

① النساء4:13-14

غور وفکر کرنے اور اسے دستور حیات بنانے سے ہوگی۔

اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کیسے ہوگی؟ اِس طرح کہ آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کر کے ان پر عمل کیا جائے۔ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا اخلاق وکردار، ہر میدان میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو پڑھا جائے اور اسے اپنی زندگی میں عملی طور پر ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

یہ بات تو سب لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اُسی نے آپ ﷺ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا اور اُسی نے آپ ﷺ کو ہمارے لے اسوۂ حسنہ قرار دے کر ہمیں آپ ﷺ کے نقش قدم پہ چلنے کا حکم دیا۔

اور یہ بات تو طے ہے کہ دنیا وآخرت کی کامرانی وکامیابی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اِس سلسلے میں ہم کس کو اپنے لئے معیار تصور کریں؟ اور کس کو آئیڈیل مانیں؟

ہمیں اُن حضرات کو معیار اور آئیڈیل ماننا ہوگا جنھیں خود اللہ تعالیٰ نے معیار اور آئیڈیل قرار دیا ہے اور وہ ہیں نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر آپ پر ایمان لانے والے اِس امت کے اولیں مسلمان۔ وہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی، جن سے راضی ہونے کا اعلان کیا، جنھیں اُس نے اپنے سب سے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کیلئے منتخب کیا اور انھیں آنحضور ﷺ کا دیدار کرنے، ان کے لبوں سے کلام اللہ اور احادیث مبارکہ کو براہِ راست سننے کا شرف بخشا...... یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم۔

☆ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کے ایمانِ صادق کو اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں کیلئے معیار قرار دیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ﴾[1]

''پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں اور اگر منہ پھیر لیں (اور نہ مانیں) تو وہ (اس لئے کہ آپ کی) مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔''

☆ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید سنائی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِيرًا﴾[2]

① البقرة2:137 ② النساء4:115

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔"

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے کیونکہ نزولِ قرآن مجید کے وقت بس وہی مومن تھے۔

اِس مختصر سی تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو عملی زندگی میں اپنے سامنے قرآن وحدیث ہی کو رکھنا چاہئے اور اِس سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے راہنمائی لینی چاہئے کہ انھوں نے قرآن وحدیث پر کیسے عمل کیا کیونکہ انہی شخصیات کو اللہ تعالیٰ نے معیارِ حق قرار دیا ہے۔

خاص طور پر نزاعی مسائل میں بھی یہ بات لازم ہے کہ قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کی روشنی میں ہی ان مسائل کو حل کیا جائے اور ان کا فیصلہ اپنی خواہشات یا اپنے مخصوص نظریات کے مطابق نہیں بلکہ صرف اور صرف قرآن وحدیث کے مطابق کیا جائے۔ اور جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نزاعی مسائل میں قرآن وحدیث کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیتے تھے اور جس طرح وہ واضح نصوص معلوم ہونے کے بعد بحث وتکرار کو ناجائز تصور کرتے تھے اسی طرح ہمیں بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے اختلافی مسائل کو حل کرنے کا یہی اصول اپنی آخری کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

اِرشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[1]

"اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول اللہ ﷺ کا حکم مانو۔ اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا۔ پھر اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی (تمہارے حق میں) بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔"

اِس آیت میں ﴿فِي شَيْءٍ﴾ نکرہ ہے اور یہ شرط ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ﴾ کے بعد آیا ہے اور عربی زبان میں جب یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اصول وفروع

---

① النساء4:59

کے کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حل تلاش کرنے کیلئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ ورنہ اگر تمام متنازعہ مسائل کا حل کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ دیتا۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اسی بات کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

«أُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ » [1]

’’میں تمھیں اللہ تعالیٰ کے تقوی کا، بات سننے اور اطاعت کرنے کا تاکیدی حکم دیتا ہوں اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اور میرے بعد تم میں سے جو (لمبے عرصے تک) زندہ رہے گا وہ عنقریب (امت میں) بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور میرے ان خلفاء کی سنت کو لازم پکڑنا جو ہدایت یافتہ اور نیکوکار ہونگے۔ تم اسے مضبوطی سے تھام لینا اور ہاتھ سے نکلنے نہ دینا۔ اور (دین میں) نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

سورۃ النساء کی اِس آیت اور سنن ابی داؤد کی اِس صحیح حدیث دونوں کو سامنے رکھا جائے تو ہماری اُس بات کی مکمل تائید ہوتی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام اختلافی مسائل کے حل کیلئے قرآن وحدیث ہی کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی وصیت کے مطابق اختلافات تبھی ختم ہونگے جب تمام مسلمان سنتِ نبویہ اور سنتِ خلفائے راشدین کو مضبوطی سے تھام لیں گے۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات یا اپنے مخصوص نظریات سے چمٹا رہے گا تو یقینی طور پر اختلافات ختم نہیں ہونگے بلکہ ان میں اور اضافہ ہوگا جیسا کہ اِس وقت مسلمانوں کی صورتحال ہے۔

آپ اِس حدیث میں غور کیجئے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے پہلے اپنی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقۂ کار کا ذکر فرمایا، پھر نئے نئے کاموں کو ایجاد کرنے سے منع فرمایا اور ہر نئے کام کو بدعت وگمراہی قرار دیا۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ جب مسلمان سنت نبویہ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کو چھوڑ دیں گے تو وہ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرکے بدعات میں ڈوب جائیں گے اور سیدھے راستے سے بھٹک جائیں

[1] سنن أبي داؤد:6407وصححه الألباني

گے ۔ یہی حال اِس وقت مسلمانوں کا ہے ۔ واللہ المستعان

متنازعہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ بارہ ربیع الأول کو میلاد النبی ﷺ منانے کا ہے ۔ چنانچہ بہت سارے مسلمان نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے ہر سال ربیع الأول کی بارہ تاریخ کو 'عید میلاد النبی ﷺ' اور جشن مناتے ہیں ۔ عمارتوں پر چراغاں کیا جاتا ہے، جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں، نعت خوانی کیلئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور بعض ملکوں میں سرکاری طور چھٹی کی جاتی ہے ۔

ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو تمہیدی باتیں ابھی ذکر کی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآن وحدیث میں 'جشن میلاد' کا کوئی ثبوت ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے اپنا میلاد منایا یا اس کی ترغیب دلائی ؟ کیا آپ ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اپنے دورِ خلافت میں میلاد کے حوالے سے جشن منایا یا یومِ ولادت کو عید کا دن قرار دیا؟ کیا قرونِ اولیٰ میں اِس 'عید' کا کوئی تصور تھا ؟

اگر قرآن وحدیث اور قرونِ اولیٰ کی تاریخ کا پوری دیانتداری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ان تمام سوالات کے جوابات کچھ یوں ملتے ہیں :

☆ قرآن وحدیث میں جشن یا عید میلاد کا کوئی ثبوت نہیں ہے ۔

☆ نہ نبی کریم ﷺ نے اپنا میلاد منایا اور نہ اس کی ترغیب دلائی ۔

☆ پھر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اپنے دورِ خلافت میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے کوئی جشن سرکاری طور پر یا غیر سرکاری طور پر نہیں منایا اور نہ ہی یومِ ولادت کو عید کا دن قرار دیا ۔ حالانکہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت تھی اور اگر وہ چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے کیونکہ حکومت ان کے ہاتھوں میں تھی ۔

☆ قرون اولیٰ، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تبع تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ جنھیں نبی کریم ﷺ نے بہترین لوگ قرار دیا اُس زمانے میں لوگوں کے ہاں اِس عید کا کوئی تصور نہ تھا اور نہ ہی وہ یہ جشن مناتے تھے ۔

اِس پر مستزاد یہ کہ اِس امت کے معتبر ائمۂ دین رحمہم اللہ کے ہاں بھی نہ اِس عید کا کوئی تصور تھا اور نہ وہ اسے مناتے تھے اور نہ ہی وہ اپنے شاگردوں کو اِس کی تلقین کرتے تھے ۔

جشن عید میلاد النبی ﷺ کا موجد

جشن عید میلاد النبی کی ابتداء ابوسعید کوکبوری بن ابی الحسن علی بن محمد الملقب الملک المعظم مظفر الدین اربل

(موصل) المتوفی ۱۸ رمضان ۶۳۰ھ نے کی۔ یہ بادشاہ ان محفلوں میں بے دریغ پیسہ خرچ کرتا اور آلاتِ لہو ولعب کے ساتھ راگ ورنگ کی محفلیں منعقد کرتا تھا۔

مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: اہل تاریخ نے صراحت کی ہے کہ بادشاہ بھانڈوں اور گانے والوں کو جمع کرتا اور گانے کے آلات سے گانا سنتا اور خود ناچتا۔ ایسے شخص کے فسق اور گمراہی میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس جیسے کے فعل کو کیسے جائز اور اس کے قول پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے![1]

نیز کہتے ہیں: مختصر کیفیت اس فسق کی اور ایجاد اس بدعت کی یہ ہے کہ مجلس مولود کے اہتمام میں بیس قبے لکڑی کے بڑے عالیشان بنواتا اور ہر قبہ میں پانچ پانچ طبقے ہوتے۔ ابتدائے ماہِ صفر سے ان کو مزین کر کے ہر طبقہ میں ایک ایک جماعت راگ گانے والوں، ٹپہ خیال گانے والوں، باجے، کھیل تماشے اور ناچ کود کرنے والوں کی بٹھائی جاتی اور بادشاہ مظفر الدین خود مع اراکین وہزار ہا مخلوق قرب و جوار کے ہر روز بعد از عصر ان قبوں میں جا کر ناچ رنگ وغیرہ سن کر خوش ہوتا اور خود ناچتا۔ پھر اپنے قبہ میں تمام رات رنگِ لہو ولعب میں مشغول ہو رہتا اور قبل دو روز ایام مولود کے اونٹ، گائیں، بکریاں بے شمار طبلوں اور آلاتِ گانے ولہو کے ساتھ جتنے اس کے یہاں تھے نکال کر میدان میں ان کو ذبح کرا کر، ہر قسم کے کھانوں کی تیاری کرا کر مجالسِ لہو کو کھلاتا اور شب مولود کی کثرت سے راگ قلعہ میں گواتا تھا۔[2]

یہ تو تھا اِس کا موجد۔ اور جہاں تک اِس کے جواز کا فتویٰ دینے والے شخص کا نام ہے تو وہ ہے ابوالخطاب عمر بن الحسن المعروف بابن وحیۃ کلبی متوفی ۶۳۳ھ۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''ابن نجار کہتے ہیں کہ میں نے تمام لوگوں کو اسکے جھوٹ اور ضعیف ہونے پر متفق پایا۔''[3]

''وہ ائمہ دین اور سلف صالحین کی شان میں گستاخی کرنے والا اور خبیث زبان والا تھا۔ بڑا احمق اور متکبر تھا اور دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ تھا۔''[4]

یہ وہ شخص تھا جس نے ملکِ اربل کو جب محفلِ میلاد منعقد کرتے دیکھا تو نہ صرف اس کے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ اس کے لئے مواد جمع کر کے ایک کتاب بنام ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' بھی لکھ ڈالی۔ اسے اس نے بادشاہِ اربل کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اس کے صلہ میں اس کو ایک ہزار اشرفیوں کا انعام دیا۔[5]

---

① فتاویٰ رشیدیہ: ص132 ② فتاویٰ رشیدیہ: ص132 ③ لسان المیزان: 295/2
④ لسان المیزان: 296/2 ⑤ وفیات الأعیان لابن خلکان: 449/3

اِن تمام حقائق سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے جشن منعقد کرنے کا آغاز آنحضور ﷺ کی وفات کے تقریباً چھ سو سال بعد کیا گیا۔ لہٰذا آپ ذرا غور کریں کہ جب اِس جشن کا نہ قرآن وحدیث میں ثبوت ملتا ہے، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل میں اِس کا وجود نظر آتا ہے، نہ قرونِ اولیٰ کی پوری تاریخ میں اِس کا تصور پایا جاتا ہے اور نہ ائمۂ دین رحمہم اللہ اِس کے قائل تھے تو پھر آج کے مسلمان اِس کے منانے پر کیوں بضد ہیں؟ کیا اُن سب حضرات کو نبی کریم ﷺ سے محبت وعقیدت نہ تھی جس کا دعویٰ اِس دور کے لوگ کر رہے ہیں؟ اگر تھی اور یقیناً اِن لوگوں سے کہیں زیادہ تھی تو انھوں نے آپ ﷺ کا یومِ ولادت کیوں نہ منایا؟

یہاں ایک اور بات نہایت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو کام بطورِ عبادت نہیں کیا وہ قطعاً دین کا حصہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی مسلمان کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اسے دین سمجھ کر یا کارِ خیر تصور کرتے ہوئے سرانجام دے۔ مثلاً آپ ﷺ نے نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ کیلئے اذان نہیں کہلوائی اور نہ ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اِس کا کوئی وجود تھا۔ جب آپ ﷺ نے نہیں کہلوائی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اِس کا کوئی وجود نہ تھا تو قیامت تک کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اِسے دین کا حصہ یا عبادت تصور کرے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اذان میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور ذکر اللہ نہیں ہے؟ یقیناً اذان اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی بڑائی پر مشتمل ہے لیکن نمازِ عیدین اور نمازِ جنازہ سے پہلے مشروع نہیں ہے۔ اسی طرح 'جشن میلاد' کا مسئلہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ جشن نہیں منایا اور نہ ہی آپ ﷺ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے منایا تو قیامت تک اسے دین کا حصہ یا کارِ ثواب تصور کرنا درست نہیں ہے۔

اسی لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

(كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَا تَعَبَّدُوْهَا)

''ہر وہ عبادت جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہیں کرتے تھے اُسے تم بھی عبادت سمجھ کر نہ کیا کرو۔''

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

(اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيتُمْ ، عَلَيْكُمْ بِالْأَمْرِ الْعَتِيْقِ)[1]

''تم اتباع ہی کیا کرو اور (دین میں) نئے نئے کام ایجاد نہ کیا کرو کیونکہ تمھیں اِس سے بچا لیا گیا ہے اور تم اُسی امر کو لازم پکڑو جو پہلے سے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے) موجود تھا۔''

ہم نے اب تک جو مدلل گفتگو کی ہے اگرچہ یہ ایک سنجیدہ اور دیانتدار آدمی کو سمجھانے کیلئے کافی ہے کہ شریعت

---

① حجة النبی ﷺ للألبانی، ص100

میں مروجہ عید میلا النبی ﷺ کی کوئی حیثیت نہیں ۔ تاہم اِس کی مزید وضاحت کیلئے اب ہم کچھ ایسے اصول بیان کرنا چاہتے ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اوران کی بناء پر اِس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہ ہوگا کہ مروجہ عید میلاد النبی ﷺ دین میں ایک نیا کام (بدعت) ہے ۔

(۱) اسلام ایک مکمل دین ہے

اسلام کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل دین ہے اوراس میں زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل کے متعلق واضح تعلیمات موجود ہیں ۔ اس لئے شارع نے اس میں کمی بیشی کرنے کی کسی کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ...... لیکن افسوس ہے کہ آج مسلمان نہ صرف اسلام کی ثابت شدہ تعلیمات سے انحراف کرتے جارہے ہیں بلکہ غیر ثابت شدہ چیزوں کواس میں داخل کرکے انہی کو اصل اسلام تصور کر بیٹھے ہیں ۔ حالانکہ جب دین مکمل ہے اوراس کی ہدایات واضح ، عالمگیر اور ہمیشہ رہنے والی ہیں تو نئے نئے کاموں کو ایجاد کرکے انھیں اس کا حصہ بنا دینا کیسے درست ہوسکتا ہے ۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [1]

’’ آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی ۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لئے پسند کرلیا ۔‘‘

سو اللہ رب العزت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمارا دین ہمارے لئے مکمل کردیا ، ورنہ اگر اسے نامکمل چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جیسے چاہتا اس میں کمی بیشی کرلیتا اور یوں دین لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ۔ اللہ رب العزت کے اس عظیم احسان کی قدر و قیمت کا اندازہ آپ صحیحین کی ایک روایت سے کرسکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک یہودی عالم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین ! کتاب اللہ (قرآن مجید) میں ایک ایسی آیت ہے جو اگر ہم یہودیوں کی جماعت پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو بطورِ عید مناتے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا : وہ آیت کونسی ہے ؟ تو اس نے کہا: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا : یہ آیت عید کے دن ہی نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ عرفات میں تھے اور وہ دن جمعۃ المبارک کا دن تھا ۔‘‘ [2]

---

[1] المائدۃ 3:5
[2] صحیح البخاری:45 ، صحیح مسلم :3017

تو یہودی عالم نے یہ بات کیوں کہی تھی کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو یوم عید تصور کر کے اس میں خوشیاں مناتے ؟ اس لئے کہ وہ دین کے مکمل ہونے کی قدر و قیمت کو جانتا تھا جبکہ بہت سارے مسلمان اس سے غافل ہیں اور ایسے ایسے امور میں منہمک اور مشغول ہو کر رہ گئے ہیں کہ جنھیں وہ دین کا حصہ تصور کرتے ہیں حالانکہ دین ان سے قطعی طور پر بری ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے ہر خیر کا حکم دے دیا تھا

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ اللہ کا یہ مکمل دین رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا اور بلا ریب آپ ﷺ نے اسے اپنی امت تک مکمل طور پر پہنچا دیا تھا۔

ارشاد نبوی ہے:« مَا تَرَكْتُ شَيْئاً يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئاً يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ اللّٰهِ إِلَّا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْهُ »①

’’میں نے تمھیں ہر اس بات کا حکم دے دیا ہے جو تمھیں اللہ کے قریب اور جہنم سے دور کر دے، اور تمھیں ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمھیں جہنم کے قریب اور اللہ سے دور کر دے۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:«مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ »②

’’ہر وہ چیز جو جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہے اسے تمھارے لئے بیان کر دیا گیا ہے۔‘‘

نیز فرمایا:«مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِهِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمْ عَنْهُ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ»③

’’اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں کا حکم دیا ہے میں نے بھی ان سب کا تمھیں حکم دے دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جن کاموں سے منع کیا ہے میں نے بھی ان سب سے تمھیں منع کر دیا ہے۔‘‘

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیر و بھلائی کا کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جس کا آپ نے امت کو حکم نہ دیا ہو۔ اور شر اور برائی کا کوئی عمل ایسا نہیں چھوڑا جس سے آپ نے امت کو روک نہ دیا ہو۔

---

① حجة النبي ﷺ للألباني ، ص 103 ② الصحيحة للألباني:1803

③ الصحيحة للألباني:1803

لہٰذا یہ جاننے کے بعد اب اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ ہر وہ عمل جو لوگوں کے نزدیک خیر و بھلائی کا عمل تصور کیا جاتا ہو وہ اس وقت تک خیر و بھلائی کا عمل نہیں ہوسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حکم یا ترغیب ثابت نہ ہو۔ اسی طرح برا عمل ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی فرمان ثابت نہ ہو وہ برا تصور نہیں ہوگا۔ گویا خیر و شر کے پہچاننے کا معیار رسول اللہ ﷺ ہیں، کسی کا ذوق و رغبت نہیں کہ جس کا جی چاہے دین میں اپنے زعم کے مطابق خیر کے کام داخل کرتا رہے یا اپنی منشا کے مطابق کسی عمل کو برا قرار دے دے۔

پھر یہ بات بھی سوچنی چاہئے کہ کیا نئے نئے کاموں کو ایجاد کر کے دین میں شامل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) پورا دین لوگوں تک نہیں پہنچایا تھا اور بعض خیر کے کام ان سے اور ان کے اولیں ماننے والوں سے چھوٹ گئے تھے جس کی بناء پر اب بھی دین میں کمی بیشی کی گنجائش موجود ہے؟ یقیناً یہ بات لازم آتی ہے۔

اسی لئے امام مالکؒ فرماتے تھے:

"مَنِ ابْتَدَعَ فِي الإِسْلاَمِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ، اِقْرَؤُا قَوْلَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ وَلَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا"

''جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی، پھر یہ خیال کیا کہ یہ اچھائی کا کام ہے تو اس نے گویا یہ دعوی کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت (اللہ کا دین پہنچانے) میں خیانت کی تھی (یعنی پورا دین نہیں پہنچایا تھا۔) تم اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو: (ترجمہ)'' آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لئے پسند کر لیا'' ...... پھر امام مالکؒ نے کہا: اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں جس کے ساتھ اس امت کے پہلے لوگ درست ہوئے تھے۔ اور جو عمل اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔''

امام مالکؒ کا یہ فرمان کہ'' جو عمل اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا'' قیامت تک کے لوگوں کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور ہر دینی مسئلہ کا ثبوت قرون اولی سے ڈھونڈنا چاہئے۔ اگر اس کا ثبوت اس وقت سے مل جائے تو اس پر عمل کر لیا جائے ورنہ اسے قطعاً دین کا تصور نہ کیا جائے۔

(۳) نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ متقی اور سب سے بڑے عبادت گذار تھے

اس حقیقت سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ متقی اور سب سے بڑے عبادت گذار تھے۔اس لئے آپ ﷺ سے ثابت شدہ عبادات پر ہی عمل کرنا چاہئے اور کسی نئی عبادت کو دین میں شامل کرکے ان سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کے بارے میں انھیں مطلع کیا تو وہ آپ ﷺ کی عبادت کو (اپنے نظریے سے) کم تصور کرنے لگے اور کہنے لگے: ہم کہاں نبی اکرم ﷺ کے برابر ہو سکتے ہیں، ان کی تو اللہ رب العزت نے اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرما دی ہیں! پھر ان میں سے ایک نے کہا: میں تو ہمیشہ ساری رات کا قیام کرتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔ اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔

ان کی یہ باتیں آنحضور ﷺ تک پہنچیں تو آپ ان کے پاس آئے اور فرمایا:

«أَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا ؟ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي »[1]

''کیا وہ تم ہو جنھوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ تمھیں جاننا چاہئے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور سب سے زیادہ متقی ہوں۔ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے پہلے اپنی اس حیثیت کو ذکر فرمایا کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ متقی اور سب سے بڑا عبادت گذار ہوں۔ پھر آپ نے اپنے طریقۂ کار کی وضاحت فرمائی اور اس کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ میرے اِس طرزِ عمل سے منہ پھیر کر کوئی اور طرز عمل اختیار کرنے والے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس سے ثابت ہوا کہ صرف اُن عبادات پر عمل کرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں، اور کسی ایسے عمل کو عبادت تصور نہیں کرنا چاہئے جس کا آپ ﷺ سے ثبوت نہ ملتا ہو۔

---

① صحيح البخاري:5063، صحيح مسلم:1401

یہ تینوں اصول ہمیں یہ بات سمجھانے کیلئے کافی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں کسی قسم کی کمی بیشی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور یہ کہ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنا اوران پر عمل کرنا حرام ہے۔

اور انہی تین اصولوں کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ مروجہ عید میلاد النبی ﷺ کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دین کا حصہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ دین کا حصہ ہوتا تو قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل سے اس کا کوئی ثبوت ضرور ملتا اوراس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ اپنی امت کو واضح تعلیمات دیتے جیسا کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے بارے میں آپ ﷺ نے واضح تعلیمات ارشاد فرمائیں۔

نبی کریم ﷺ کی تعریف میں غلو

اگر دوسرے پہلو سے محفلِ میلاد کا جائزہ لیا جائے تو یہ بدعت ہونے کے ساتھ منکرات کو بھی اپنے پہلو میں سمائے ہوئے ہے مثلاً مردوزن کا اختلاط، آلات موسیقی کا اِستعمال، طبلے اور ڈھولک کی تال پر نوجوانوں کا رقص اور اِس جیسی بیسیوں قباحتیں موجود ہیں جو محفلِ میلاد کے نام پر ثواب سمجھ کر اختیار کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان محفلوں میں سب سے بڑے گناہ (شرک) کا ارتکاب کرنے کے کئی مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔

مدحِ رسول ﷺ میں غلو سے کام لیا جاتا ہے۔ غیر اللہ سے فریاد رسی اور مدد طلب کی جاتی ہے۔ اور اِس اعتقاد کو بانگ دُہل بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ غیب بھی جانتے تھے۔ حالانکہ یہ اللہ کا وصف اور اسی کا خاصہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ» [۱]

''دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے تباہ کیا۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ» [۲]

''میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا۔ بے شک میں ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی ''اللہ کا بندہ اور اس کا رسول'' ہی کہو۔''

---

۱ سنن النسائی:3057، سنن ابن ماجه:3029 وصححه الألبانی

۲ صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ:3445

رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری

میلاد منانے والے حضرات کا خیال ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ محفلِ میلاد میں بذاتِ خود تشریف لاتے ہیں اور اس بنا پر وہ آپ ﷺ کو سلام اور خوش آمدید کہنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جبکہ یہ بہت بڑا جھوٹ اور بدترین جہالت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں اور آپ کی مُبارک رُوح اعلیٰ علیین دارالکرامۃ میں اپنے ربِ عظیم کے پاس ہے۔ اور آپ قیامت سے پہلے اپنی قبر مُبارک سے باہر نہیں آئیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنون میں اِرشاد فرمایا:

﴿ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴾ ①

''پھر اس کے بعد تم مرجاتے ہو پھر تمھیں قیامت کے روز اُٹھایا جائے گا۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ» ②

''میں قیامت کے دن اولادِ آدم (علیہ السلام) کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کا منہ کھولا جائے گا۔ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔''

کیا دین میں بدعتِ حسنہ کا وجود ہے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ اگر بدعت ہے تو یہ بدعتِ سیئہ نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہے! جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ سیئہ اور گمراہی ہے خواہ وہ بظاہر کارِ خیر کیوں نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ اپنے ہر خطبہٴ حاجت میں ارشاد فرماتے تھے:

« أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ » ③

''حمد وثناء کے بعد! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور سب سے برے امور وہ ہیں جنھیں دین میں نیا ایجاد کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کام کا کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں ثبوت نہ ہو اور اسے دین میں

---

① المؤمنون23: 116 ② صحيح مسلم: 2278 ③ صحيح مسلم: 867

ایجاد کیا گیا ہو وہ سب سے برا کام ہے چاہے وہ لوگوں کی نظر میں کتنا اچھا کیوں نہ ہو۔ اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ذرا سوچیں کہ اگر کارِ خیر کے نام پر دین میں کوئی نیا کام ایجاد کرنا جائز ہوتا تو رسول اکرم ﷺ اُن تین اشخاص کو تنبیہ کیوں کرتے جن میں سے ایک نے پوری رات قیام کرنے، دوسرے نے ہمیشہ روزے رکھنے اور تیسرے نے عورتوں سے شادی نہ کرنے کا عزم کیا تھا؟ کیا ان کے عزائم خیر کے کاموں کے متعلق نہ تھے؟ کیا ان تینوں اشخاص نے کسی برے عمل کا ارادہ کیا تھا کہ اس پر آپ ﷺ نے انھیں سخت تنبیہ کی؟ یقیناً انھوں نے خیر کے کاموں کا ہی ارادہ کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے ان عزائم کی تردید کردی کیونکہ وہ اگرچہ خیر کے کاموں کے متعلق ہی تھے مگر آپ ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر تھے اور گویا آپ ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدعتِ حسنہ نام کی کوئی چیز اسلام میں موجود نہیں ہے۔ اور جب تک خیر کا کوئی عمل رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے ثابت نہ ہو اس وقت تک وہ خیر کہلا سکتا ہے اور نہ وہ دین کا حصہ ہوتا ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »[1]

''جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں تھا، وہ مردود ہے۔''

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مردود ہے۔''

اِس حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دین میں ہر نیا کام اور ہر نیا طریقہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان سے کہا: میں نے ابھی مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے جسے میں درست نہیں سمجھتا حالانکہ میں نے الحمد للہ خیر ہی کو دیکھا ہے! انھوں نے کہا: وہ کیا ہے؟

ابو موسی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ خود جب مسجد میں جائیں گے تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مختلف حلقوں میں بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی باقی لوگوں سے کہتا ہے کہ تم سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو وہ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں۔ پھر

[1] صحیح البخاری:2697، صحیح مسلم :1718

وہ کہتا ہے کہ تم سومرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو، تو وہ سومرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اب تم سومرتبہ سبحان اللہ پڑھو تو وہ سومرتبہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں!

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے یہ سب کچھ دیکھ کر ان سے کیا کہا؟

انھوں نے جواب دیا: میں نے آپ کی رائے کے انتظار میں انھیں کچھ بھی نہیں کہا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے انھیں یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے گناہوں کو شمار کریں (نہ کہ نیکیوں کو) اور آپ انھیں گارنٹی دیتے کہ تمھاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی!

پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور اُن حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس جا کر فرمایا: یہ تم کیا کر رہے ہو؟

لوگوں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! یہ کنکریاں ہیں جن کے ذریعے ہم اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کی تسبیحات شمار کر رہے ہیں!

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی برائیاں شمار کرو اور میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ پھر فرمایا:

(وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ، هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذِهٖ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلُ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ، وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ إِنَّكُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابَ ضَلَالَةٍ ؟)

''افسوس ہے تم پر اے امتِ محمد ﷺ، تم کتنی جلدی ہلاکت کی طرف چل دیئے! یہ تمھارے نبی ﷺ کے صحابہ ابھی بکثرت موجود ہیں، اور آپ ﷺ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ کے برتن ابھی ٹوٹے ہیں، اُس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محمد ﷺ کے طرزِ عمل سے بہتر طرزِ عمل پر ہو یا تم گمراہی کا ایک دروازہ کھول رہے ہو!''

لوگوں نے کہا: (وَاللّٰهِ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ)

ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم ہم نے تو خیر کا ہی ارادہ کیا تھا۔

انھوں نے فرمایا: (وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيْبَهُ)

''کتنے لوگ ہیں جو خیر کا ارادہ کرتے ہیں لیکن وہ خیر کو ہرگز نہیں پا سکیں گے۔''[1]

---

[1] ① سلسلة الأحاديث الصحيحة:2005

ذرا غور کیجئے، کیا تسبیحات کا پڑھنا برا عمل تھا؟ یقیناً یہ برا عمل نہ تھا اور نہ ہی حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے تسبیحات پڑھنے پر انھیں برا بھلا کہا، بلکہ ان کے لب ولہجہ میں جو سختی تھی وہ اس لئے تھی کہ انھوں نے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے ہٹ کر تسبیحات پڑھتے ہوئے دیکھا، کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کنکریوں کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیحات کو شمار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ حلقوں میں بیٹھ کر اجتماعی شکل میں نہیں بلکہ انفرادی طور پر الگ الگ تسبیحات پڑھتے تھے۔ تو ان کا یہ عمل اگرچہ لوگوں کی نظر میں کارِ خیر تھا لیکن چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر تھا اس لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انھیں نہایت سخت الفاظ میں تنبیہ کی۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ چلیں ٹھیک ہے کوئی بات نہیں کیونکہ یہ عملِ خیر ہی ہے، بلکہ انھوں نے اسے گمراہی کا ایک دروازہ کھولنے کے مترادف قرار دیا۔ لہذا ثابت یہ ہوا کہ دین میں کوئی بدعتِ حسنہ نہیں ہے، ہر بدعت بری ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے والوں کے کچھ دلائل اور ان کا جواب

میلاد منعقد کرنے والے عموماً پانچ دلیلیں دیتے ہیں:

① میلاد سالانہ یادگار ہے اور اس کے منانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دن میں دسیوں مرتبہ یاد نہ کرتا ہو تو اس کیلئے سالانہ یا ماہانہ یادگاری محفلیں منعقد کی جائیں جن میں وہ اپنے نبی کو یاد کر سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر سکے۔ لیکن اگر مسلمان رات اور دن میں دسیوں مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا اور ان پر درود وسلام پڑھتا رہتا ہو تو اس مقصد کیلئے سالانہ محفلیں منعقد کرنا چہ معنی دارد؟

② میلاد میں شمائلِ محمدیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کی معرفت حاصل ہوتی ہے.

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل وفضائل کو سال میں ایک مرتبہ سن لینا کافی نہیں ہے، ایک مرتبہ سن لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایسی ہے جس کو سال بھر سنتے اور سیکھتے رہنا ضروری اور ناگزیر ہے۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر اظہارِ خوشی ایمان کی دلیل ہے.

یہ دلیل بھی بالکل بے معنی ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یا اس دن کی ہے جس میں آپ کی پیدائش ہوئی؟ اگر خوشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو یہ ہمیشہ ہونی چاہئے اور کسی ایک دن کی ساتھ خاص نہیں

ہونی چاہیئے۔ اور اگر خوشی اس دن کی ہے جس دن آپ پیدا ہوئے تو یہی وہ دن ہے جس میں آپ ﷺ کی وفات بھی ہوئی، تو محبوب کی موت کے دن خوشی منانا کونسی عقلمندی ہے ؟

④ میلاد میں لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے جس میں بڑا اجر وثواب ہے.

یہ دلیل تو سب سے زیادہ کمزور ہے کیونکہ کھانا کھلانے کی ترغیب سال میں کسی ایک دن کیلئے نہیں بلکہ پورے سال کیلئے ہے۔

⑤ میلاد میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے.

یہ دلیل بھی پہلی چاروں دلیلوں کی طرح باطل ہے کیونکہ قرآن کی تلاوت کیلئے اور آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کیلئے اکٹھا ہونا ازخود ایک بدعت ہے۔ اس کے علاوہ طرب انگیز آواز میں مدحیہ اشعار وقصائد پڑھنا اور آنحضور ﷺ کی تعریف میں غلو کرنا بھی غلط ہے۔

یہ پانچوں دلیلیں اس لئے بھی ناکافی ہیں کہ اگر انھیں درست مان لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے (نعوذ باللہ) چوک ہوگئی تھی اور آپ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن ان چیزوں کی طرف رغبت نہ دلائی جس کی تلافی یہ میلاد منانے والے کرتے ہیں !!

میلاد کو جائز قرار دینے والوں کے چند کمزور شبہات

❶ ایک واقعہ منقول ہے کہ بدنصیب ابولہب کو خواب میں دیکھا گیا۔ خیریت پوچھی گئی تو کہا کہ آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں البتہ ہر دوشنبہ کی رات کو عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے انگلی کے سرے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ اتنی مقدار میں پانی چوس لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کو اس کی باندی ثوبیہ نے جب آپ ﷺ کی پیدائش کی خبر دی تھی تو اس نے خوشی میں آکر اپنی اس باندی کو آزاد کر دیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (۱) کسی کے خواب سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا. (۲) دوسرا یہ کہ یہ روایت مرسل ہے جو نا قابلِ حجت ہوتی ہے. (۳) تیسرا یہ کہ سلف اور خلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کافر اگر کفر کی حالت میں مر جائے تو اس کو اس کے نیک اعمال کا ثواب نہیں ملے گا. (۴) چوتھا یہ کہ ابولہب کی خوشی ایک طبعی خوشی تھی، تعبدی خوشی نہ تھی اور اگر خوشی اللہ کیلئے نہ ہو تو اس پر ثواب نہیں ملتا ہے. (۵) پانچواں یہ کہ مومن کو آپ ﷺ کی پیدائش پر ہمیشہ خوش ہونا چاہیئے، اس کیلئے آپ ﷺ کے یومِ پیدائش کو خاص کرنا درست نہیں ہے.

❷ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ خود کیا تھا اور چونکہ آپ کے دادا نے بھی آپ کا عقیقہ کر دیا تھا اور عقیقہ دو بار نہیں کیا جاتا تو اصل میں آپ ﷺ نے اپنی ولادت کا شکرانہ ادا کرنے کیلئے عقیقہ کیا۔ لہذا امت کو بھی آپ کی ولادت کے دن کھانے پینے کا انتظام بطورِ خاص کرنا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) یہ روایت کمزور ہے اور امام نووی نے اسے (حدیث باطل) قرار دیا ہے۔ ①

(۲) اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عقیقہ اپنی ولادت پر شکریہ ادا کرنے کیلئے کیا تھا؟ یہ تو محض اپنے گمان پر مبنی ہے اور گمان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾

(۳) اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو ایک ہی بار عقیقہ کیا تھا، ہر سال تو نہیں کیا تھا! جبکہ میلاد منانے والے تو ہر سال میلاد مناتے ہیں!

❸ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا اور آپ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک اچھا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی ....الخ۔ لہذا جب حضرتِ موسی علیہ السلام اور بنی اسرئیل کی نجات کے شکریہ میں آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو ہم بھی آپ ﷺ کے یومِ ولادت کو روزہ کا دن نہیں بلکہ کھانے پینے اور جشن منانے کا دن بنائیں!!

کس قدر عجیب ہے یہ بات؟ اگر اس حدیث کو دلیل بنانا تھا تو اس کے مطابق روزہ رکھنے کی بات کرتے، لیکن اُس کو تو چھوڑ دیا کیونکہ روزہ میں بھوک وپیاس کو برداشت کرنا پڑتا ہے جو یار لوگوں کیلئے بڑا مشکل امر ہے۔ اور بات کی تو کھانے پینے اور جشن منانے کی کی' کیا اللہ تعالیٰ کا شکر عیش ومستی اور دعوتیں اڑا کر کیا جاتا ہے؟

❹ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ سوموار کا دن وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا اور اسی دن مبعوث ہوا ....الخ

اس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) رسول اللہ ﷺ کی نعمتِ ولادت پر شکر اسی نوع کا ہونا چاہیے جس نوع کا شکر خود رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

① المجموع للنووی:431/8

(۲) دوسرا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیدائش کے دن جو بارہ ربیع الأول ہے روزہ نہیں رکھا بلکہ آپ نے سوموار کے دن کا روزہ رکھا جو ہر مہینے میں چار پانچ مرتبہ آتا ہے۔ اس بناء پر بارہ ربیع الأول کو کسی عمل کیلئے خاص کرنا اور ہر ہفتہ آنے والے سوموار کو چھوڑ دینا دراصل آپ ﷺ کی تصحیح ہے جس کا کوئی مسلمان تصور ہی نہیں کرسکتا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ جب آپ ﷺ نے اپنی ولادت کے شکریہ میں سوموار کا روزہ رکھا تو کیا آپ نے روزے کے ساتھ کوئی محفل اور تقریب بھی منعقد کی جیسا کہ یہ میلادی لوگ کرتے ہیں کہ لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے، مدحیہ اشعار اور نغمے پڑھے جاتے ہیں اور خصوصی کھانا پینا ہوتا ہے؟

اِسلامی عیدیں

میلاد منانے والے حضرات آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو 'عید' کا دن قرار دیتے ہیں جبکہ اِس امت کے اولیں دور سے ہی اہلِ اسلام کے ہاں 'سالانہ' دو ہی عیدیں چلی آرہی ہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کے سال میں دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیلتے (خوشیاں مناتے) تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: زمانہ جاہلیت سے ہم ان دنوں میں کھیلتے اور خوشی مناتے چلے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا : يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الأَضْحٰى» ①

"اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے بدلہ میں دو بہتر دن عطا فرما دیئے ہیں اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔"

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ اسلامی تہوار کے طور پر منانے کے لئے شرعی عیدیں سال میں صرف دو ہی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مقرر کیا ہے۔

اس کے علاوہ یومِ جمعہ کو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِيْنَ ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ ، وَإِنْ كَانَ طِيْبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ» ②

"بے شک یہ عید کا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کیلئے (عید کا دن) بنایا ہے۔ لہٰذا جو شخص نمازِ

① سنن النسائي:1556 وصححه الألباني ② سنن ابن ماجه:1098 وصححه الألباني

جمعہ کیلئے آئے تو وہ غسل کرے اور اگر خوشبو موجود ہو تو ضرور لگا لے۔ اور تم پر مسواک کرنا لازم ہے۔"

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

حضرات محترم! دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنا جن کا قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے کوئی ثبوت نہ ملتا ہو نہایت خطرناک امر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نصیحت کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ باتوں کے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُوْلُ : يَارَبِّ، أُصَيْحَابِي؟ فَيُقَالُ : إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ»[1]

"خبردار! میری امت کے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور انھیں بائیں طرف (جہنم کی جانب) دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے پروردگار! یہ تو میرے ساتھی ہیں؟ تو کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کام دین میں ایجاد کر لئے تھے!"

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِيْ الْحَوْضَ، حَتّٰى إِذَا عَرَفْتُهُمْ اِخْتَلَجُوْا دُوْنِيْ فَأَقُوْلُ: أُصَيْحَابِيْ، فَيُقَالُ لِيْ : لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ»[2]

"میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ ضرور بالضرور حوض پر میرے پاس آئیں گے، یہاں تک کہ میں جب انھیں پہچان لونگا تو انھیں مجھ سے دور دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: یہ تو میرے ساتھی ہیں! تو مجھے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے کام ایجاد کئے تھے۔"

معلوم ہوا کہ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے والے لوگ قیامت کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حوضِ کوثر کے پانی سے محروم کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایجادِ بدعات سے اجتناب کرتے ہوئے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے اور چاہے خوشی ہو یا غمی کسی بھی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے انحراف نہ کرے، اسی میں اس کی خیر وبھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

---

[1] صحيح البخاري 6526، صحيح مسلم :2860
[2] صحيح البخاري:6582

اُمت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق

اہم عناصر خطبہ:

اُمت پر نبی کریم ﷺ کے حقوق:

① اللہ کا بندہ اور رسول ماننا ② توقیر واحترام کرنا ③ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محبت کرنا ④ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ⑤ اطاعت کرنا ⑥ اختلافی مسائل میں فیصل تسلیم کرنا

⑦ قرآن وحدیث پر عمل کرنا ⑧ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنا

محترم حضرات!

سابقہ خطبۂ جمعہ میں ہم امام الأنبیاء حضرت محمد ﷺ کے مقام ومرتبہ، آپ ﷺ کے فضائل ومعجزات اور آپ کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنے عظیم الشان نبی ﷺ کے ان کی امت پر کون کون سے حقوق ہیں؟ تو آیئے آج کے خطبۂ جمعہ میں انہی حقوق پر قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔

❶ اللہ کا بندہ اور رسول ماننا

جناب نبی کریم ﷺ کا امت پر سب سے پہلا حق یہ ہے کہ امت آپ ﷺ کو اللہ کا بندہ اور اس کا آخری رسول مانے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کا ہر مسلمان کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اقرار کرتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِيْ أَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [1]

''لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس نور (قرآن) پر بھی جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''

اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ِالَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [1]

---

① التغابن 64: 8 ② الأعراف 7: 158

''کہہ دیجئے ! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے، اُس کے بغیر کوئی معبود نہیں ۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے ۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول' نبی امی پر ایمان لاؤ، جو اللہ اور اس کے ارشادات پر ایمان لاتا ہے ۔ اور اس کی اتباع کر و تا کہ تم ہدایت پالو۔''

لہٰذا نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا اور آپ جو دین لے کر آئے اسے سچے دل سے قبول کرنا فرض ہے کیونکہ اسی پر ہر انسان کی نجات موقوف ہے ۔ یاد رہے کہ آنحضور ﷺ نے آپ کو دیکھنے کے بعد آپ پر ایمان لانے والوں کو ایک مرتبہ اور آپ کو دیکھے بغیر آپ پر ایمان لانے والوں کو سات مرتبہ خوشخبری سنائی ۔

جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«طُوْبٰى لِمَنْ رَآنِيْ وَآمَنَ بِيْ ، وَطُوْبٰى سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَّمْ يَرَنِيْ وَآمَنَ بِيْ »

''خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ۔ اور سات مرتبہ خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ۔''①

اور جو شخص نبی کریم ﷺ اور آپ کی شریعت پر ایمان نہیں لاتا وہ یقیناً جہنمی ہے۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ ، يَهُوْدِيٌّ ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» ②

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے ! اس امت کا کوئی شخص چاہے یہودی ہو یا نصرانی ، میرے بارے میں سنے اور پھر اس حالت میں اس کی موت آ جائے کہ وہ اس شریعت پر ایمان نہ لایا جسے دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ یقیناً جہنم والوں میں سے ہے ۔''

واضح رہے کہ ہم پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ (بندگی کرنے والا) اس لئے کہتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو اپنا بندہ قرار دیا ہے ۔ ارشاد باری ہے :

﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى﴾③

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی ۔''

اور خود رسول اکرم ﷺ کا بھی یہی ارشاد گرامی ہے کہ

---

① الصحيحة للألباني :1241 ② صحيح مسلم:153

③ الإسراء1:17

« . . إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ » ①

''میں ایک بندہ ہی ہوں، لہٰذا تم بھی یہی کہو کہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

بنا بریں آپ ﷺ کو وہی مقام دینا ہوگا جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور جو آپ نے اپنے بارے میں خود بیان فرمایا ہے۔

اور جب ہم رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ مانیں گے تو ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔ اور جس طرح لوگ آپ ﷺ کی تعریف میں مبالغہ آرائی کر کے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں اس کی بھی نفی ہو جائے گی۔

❷ تعظیم وتوقیر کرنا

رسول اللہ ﷺ کا امت پر دوسرا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کی جائے اور دل وجان سے آپ ﷺ کا احترام کیا جائے۔ اور اسی لئے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کو نام کے ساتھ پکارنے، یا آپ ﷺ کی موجودگی میں اونچی آواز میں گفتگو کرنے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو منع کر دیا گیا اور انھیں آپ ﷺ کا احترام کرنے کی سختی سے تلقین کی گئی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ﴾ ②

''رسول (ﷺ) کو تم اس طرح مت بلاؤ جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''

اور فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ ③

''اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آواز اونچی نہ کرو اور ان کے سامنے بلند آواز سے اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمھارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمھیں اس کا احساس تک نہ ہوگا۔''

اس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول کے متعلق حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم کا ایک قافلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ان پر قعقاع بن معبد رضی اللہ عنہ کو امیر بنائیے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، آپ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو امیر بنائیے۔ تب حضرت ابو بکر

---

① صحيح البخاري ② النور24 :63 ③ الحجرات49 :2

رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے تو بس میری مخالفت ہی کرنی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میں آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کے مابین تکرار ہوئی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ اسی موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اس قدر پست آواز میں بات کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو ان سے دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ آپ نے کیا کہا ہے۔''[1]

اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جن کی آواز فطری طور پر بلند تھی ان کے متعلق حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انھوں نے نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہونا بند کردیا۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر ان کی خبر لے آؤں۔ [صحیح مسلم میں اس بات کی صراحت ہے کہ جو شخص حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی خبر لینے گیا تھا وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے اور یہ ان کے پڑوسی بھی تھے]

پھر جب یہ آدمی حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے (پریشان) بیٹھے ہیں۔ اس نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میرا بہت برا حال ہے کیونکہ میری آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی ہے۔ اس لئے میرا عمل ضائع ہو چکا ہے اور اب میں جہنم والوں میں سے ہوں۔ ان کا یہ جواب سن کر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا اور آپ کو ان کے متعلق خبر دی کہ وہ ایسے ایسے کہہ رہے ہیں۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اسے ان کے پاس دوبارہ بھیجا کہ جاؤ انھیں خوشخبری سناؤ کہ آپ جہنم والوں میں سے نہیں بلکہ جنت والوں میں سے ہیں۔''[2]

ان دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا شدید احترام کرتے تھے اور ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انھیں یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ ان کی آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی ہو۔

اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ کی توقیر واحترام کرنے والوں کو بشارت سناتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[3]

''لہٰذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعظیم اور مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جو

---

[1] صحیح البخاری:4845، 4847
[2] صحیح البخاری:4846، صحیح مسلم:119
[3] الأعراف7:157

ان پر اتارا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیابی پانے والے ہیں۔''

نیز فرمایا: ﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ☆ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ﴾ ①

''یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ (اے مسلمانو) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو۔ اور صبح وشام اس (اللہ) کی تسبیح بیان کرو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی توقیر اور تعظیم کس طرح کرتے تھے اس کی ایک جھلک قصۂ صلحِ حدیبیہ میں نظر آتی ہے۔

حضرت عروۃ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ ' جو اس وقت مشرک تھے اور قریش کے نمائندہ بن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے، وہ جب قریش کے پاس واپس لوٹے تو انھوں نے کہا:

(أَيْ قَوْمِ، وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ، وَوَفَدْتُّ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِيِّ، وَاللّٰهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا، وَاللّٰهِ إِنْ يَتَنَخَّمُ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِيْ كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ، وَإِذَا تَكَلَّمُوْا خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَّهُ) ②

''اے میری قوم! اللہ کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں سے مل چکا ہوں، میں نے قیصر وکسری اور نجاشی جیسے بادشاہ دیکھے ہیں لیکن اللہ کی قسم میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی اس کے ساتھی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد (ﷺ) کی ان کے ساتھی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ کھنکھارتے بھی ہیں تو ان کے منہ سے نکلنے والا بلغم ان کے کسی ساتھی کی ہتھیلی میں ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور اپنی جلد پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ کوئی حکم جاری کرتے ہیں تو ان کے ساتھی فوراً اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وضو والا پانی اسے مل جائے۔ اور جب وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کے پاس اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور ان کی تعظیم کی بناء پر ان کی نظروں سے نظر نہیں ملاتے ....''

برادرانِ اسلام! یہ بات یاد رکھو کہ آپ ﷺ کی تعظیم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو دین امت تک

---

① الفتح 48:8-9

② صحیح البخاری، الشروط، باب الشروط فی الجهاد :2731-2732

پہنچایا اسے کامل تصور کیا جائے اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کو درست نہ سمجھا جائے۔ اور آپ ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے پرہیز کیا جائے۔ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کو زندہ کیا جائے، آپ ﷺ کی دعوتِ توحید کو خوب پھیلایا جائے، شرک وبدعت کے خلاف جہاد کیا جائے، آپ ﷺ کی سیرت کو اپنایا جائے اور آپ ﷺ کی طرف جھوٹی اور من گھڑت باتوں کو منسوب نہ کیا جائے۔

اِس موضوع کی مناسبت سے یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آنحضور ﷺ کی تعظیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود سے زیادہ نہ ہو کیونکہ انہی حدود کے اندر رہتے ہوئے آپ ﷺ کی تعظیم تو بجا ہے بلکہ ایمان کا حصہ ہے، لیکن ان سے تجاوز کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَی ابْنَ مَرْیَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ»①

’’میری تعریف وتعظیم میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاری نے عیسی بن مریم (علیہ السلام) کی تعریف وتعظیم میں حد سے تجاوز کیا۔ میں تو محض ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔‘‘

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کو ان اختیارات کا مالک تصور کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں مثلا آپ ﷺ کو حاجت روا یا مشکل کشا، یا غوث تصور کرنا حرام ہے۔ اور آپ ﷺ کے احترام اور تعظیم کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾②

’’کہہ دیجئے کہ مجھے تو خود اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی نہیں ہے، مگر اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ایک ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان کیلئے جو ایمان لے آئیں۔‘‘

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ أَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ أَقُوْلُ لَكُمْ إِنِّیْ مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا یُوْحٰٓی إِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْأَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾③

’’آپ ان سے کہئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ ہی میں غیب کی باتیں جانتا

① صحیح البخاری ② الأعراف 7: 188 ③ الأنعام 6: 50

ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔آپ ان سے پوچھئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر تم لوگ کیوں نہیں سوچتے؟''

❸ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا

رسول اللہ ﷺ کا تیسرا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محبت آپ ﷺ سے کی جائے ۔ اور اس طرح کی جائے کہ اس جیسی محبت اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کسی اور کے ساتھ نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ : أَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ »[1]

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جو کسی شخص میں موجود ہوں تو وہ ان کے ذریعے ایمان کی لذت اور اس کے مٹھاس کو پالیتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہو۔ دوسری یہ کہ اسے کسی شخص سے محبت ہو تو محض اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ اور تیسری یہ کہ اسے کفر کی طرف لوٹنا اسی طرح نا پسند ہو جیسا کہ جہنم میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے۔''

پیارے نبی حضرت محمد ﷺ سے اپنے اہل وعیال ، اپنے والدین اور دیگر تمام لوگوں سے زیادہ محبت کی جائے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»[2]

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنی اولاد، اپنے والد اور دیگر تمام لوگوں کی نسبت مجھ سے زیادہ محبت کرے۔''

بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: (يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَّفْسِي) ''اے اللہ کے رسول! آپ مجھے (دنیا کی) ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، ہاں البتہ میری جان سے زیادہ محبوب نہیں۔''

---

① صحيح البخاري:16 ، صحيح مسلم:43

② صحيح البخاري:15 ، صحيح مسلم: 44

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللّٰهِ، لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْآنَ يَا عُمَرُ» ①

''نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہاں تک کہ میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔''

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اب اللہ کی قسم! آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! اب بات بنی ہے۔''

یاد رہے کہ آنحضور ﷺ سے سچی محبت کا عملی اظہار آپ ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری سے ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ②

''آپ کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، اس طرح اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت کی دلیل آپ کی اتباع اور فرمانبرداری کرنا ہے۔ لہٰذا جو شخص آپ ﷺ سے محبت کا دعوی کرتا ہو اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی بھی کرتا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محبت کے دعوے میں سچا ہے۔ اور اگر وہ محبت کا دعوی تو کرتا ہو لیکن سنتِ نبویہ کا پیروکار نہ ہو تو اس کے متعلق یقین کر لینا چاہئے کہ وہ محبت کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ   هٰذَا لَعَمْرُكَ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

''تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہو اور اس سے محبت کا دعوی بھی کرتے ہو! یہ تو تمہاری زندگی کی قسم! انتہائی نا معقول بات ہے، اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی فرمانبرداری کرتے کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔''

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے کس قدر شدید محبت تھی اِس کا اندازہ آپ حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے کر سکتے ہیں۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

---

① صحیح البخاری:6632   ② آل عمران 31:3

اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان سے اور اسی طرح میری اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ اور میں جب گھر میں ہوتا ہوں تو آپ کو یاد کرتا ہوں، پھر میں صبر نہیں کر سکتا یہاں تک کہ آپ کے پاس آؤں اور آپ کو دیکھ لوں۔ اور میں جب اپنی موت اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ آپ جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو آپ کو انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ (اعلیٰ درجات میں) بھیج دیا جائے گا۔ اور اگر میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ میں وہاں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا!

نبی کریم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ حضرت جبریل (علیہ السلام) یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [1]

''اور جو لوگ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے وہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بڑے اچھے ساتھی ہونگے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع ہی دراصل آپ ﷺ کے ساتھ سچی محبت کی دلیل ہے۔ اور اسی بناء پر آپ ﷺ کے ساتھ محبت کرنے والوں کو قیامت کے روز آپ کا ساتھ نصیب ہوگا کیونکہ اس صحابی نے جب اس اندیشے کا اظہار کیا کہ شاید وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھ سکے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ اگر تم اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو تمہیں انبیاء علیہم السلام کا ساتھ ضرور نصیب ہوگا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف محبت کا دعوی ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی ضروری ہے۔

نیز حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اسلام لانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے شدید بغض رکھتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کی تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت کرنے لگا.... وہ فرماتے ہیں:

(وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا أَجَلَّ فِيْ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَّهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ، لِأَنِّيْ لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ ....) [2]

---

[1] رواه الطبراني في الصغير والأوسط، وقال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن عمران العابدي وهو ثقة

[2] صحيح مسلم: 121

''کوئی شخص ایسا نہ تھا جو مجھے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا تھا جس کا مقام ومرتبہ میری آنکھوں میں آپ ﷺ سے زیادہ ہوتا۔ اور آپ ﷺ کے عظیم مقام ومرتبہ کی وجہ سے میں اس بات کی طاقت نہ رکھتا تھا کہ میری آنکھیں آپ ﷺ سے بھر جائیں۔ اور اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کروں تو میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کو دیکھتے دیکھتے میری آنکھیں ہی آپ سے نہیں بھرتی تھیں...''

نیز رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی سنن مبارکہ کو زندہ کیا جائے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ» قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ: «اَلَّذِيْنَ يُحْيُوْنَ سُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا عِبَادَ اللّٰهِ» ①

''بے شک اسلام کی ابتداء غربت اور بے چارگی میں ہوئی ہے اور یہ عنقریب اسی حالت میں لوٹ آئے گا جیسا کہ اس کی ابتداء ہوئی ہے۔ لہٰذا غرباء کیلئے خوشخبری ہے۔''

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ غرباء کون ہوتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو میری سنت کو زندہ کریں گے اور اللہ کے بندوں کو اس کی تعلیم دیں گے۔''

④ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا

امت پر آپ ﷺ کا چوتھا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بہترین نمونہ تصور کرتے ہوئے تمام اقوال وافعال اور زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی پیروی کی جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ ②

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہو۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نمونۂ رسول ﷺ کو وہی شخص اپنائے گا جس میں دو اوصاف ہونگے، ایک یہ کہ وہ

---

① رواه ابن عبد البر فی صحیح جامع بیان العلم وفضله:ص421 وأصل الحدیث فی صحیح مسلم :146

② الأحزاب 33: 21

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو۔ اور دوسرا یہ کہ وہ بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو۔ اور یہ دونوں وصف ایسے ہیں جن سے آج بہت سارے مسلمان محروم ہیں۔ اسی لئے ان کے دلوں میں اسوۂ رسول ﷺ کی اہمیت بھی نہیں رہی۔ اِس کے برعکس انھوں نے اور کئی لوگوں کو آئیڈیل شخصیات تصور کر رکھا ہے اور انہی کے اقوال وافعال ان کیلئے نمونہ اور قابلِ تقلید ہیں۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله۔ جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کو بہترین نمونہ تصور کرتے تھے اور تمام اقوال وافعال میں آپ ﷺ کی اتباع کرتے تھے۔ الا یہ کہ کوئی عمل آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہوتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انھیں دل سے چاہتے تھے اور ان سے سچی محبت کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے سونے کی انگوٹھی پہنی تھی۔'' اسکے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا: «إِنِّی لَنْ أَلْبَسَهُ أَبَدًا» ''اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔''[1] چنانچہ لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔

لہٰذا ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کو بہترین نمونہ تصور کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مکمل اتباع کرنی چاہئے، عقائد وعبادات میں، اخلاق وکردار میں، معاملات میں اور اسی طرح زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے .... لیکن افسوس ہے کہ آج ہم جب نبی کریم ﷺ کو ماننے اور آپ سے محبت کا دعوی کرنے والے لوگوں کے روز مرہ معمولات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے معمولاتِ زندگی میں اور اِس دور کے اکثر مسلمانوں کے معمولاتِ زندگی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

عقائد کے باب میں نبی کریم ﷺ اکیلے اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے اور اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرنے والے جبکہ آج کے بیشتر مسلمان غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے اور اسے پکارتے ہیں۔ آپ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنے والے جبکہ آج کے اکثر مسلمان فوت شدہ بزرگانِ دین سے نفع کی امید بھی رکھتے ہیں اور ان سے نقصان کا خوف بھی کھاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اپنی قبر کو بھی سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنے والے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجنے والے جبکہ اِس دور کے مسلمان بزرگوں کی قبروں پر مزارات تعمیر کرتے اور اپنی مرادوں کیلئے ان کا رخ کرتے ہیں....

اور عبادات کے باب میں رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی کے آخری سانس تک نمازوں کی سختی سے پابندی کرنے

[1] صحیح البخاری:7298، صحیح مسلم:2061

والے جبکہ آج کے اکثر مسلمان پانچوں نمازوں کی پابندی نہیں کرتے اور (حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح) کی آواز سن کر بھی مسجدوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں ان میں سے بیشتر لوگ اپنی مرضی، یا اپنے مسلک کے مطابق پڑھتے ہیں جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ (تم نماز اُس طرح پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔) اور جب اپنی مرضی یا اپنے مسلک کے بتائے ہوئے طور طریقوں کے مطابق عبادت کرنی ہے تو بتایئے نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کہاں رہ جاتی ہے!!

اور اخلاق وکردار کے باب میں نبی کریم ﷺ انتہائی متواضع اور اپنے ساتھیوں میں گھل مل جانے والے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے جبکہ آج کے کئی مسلمان غرور اور تکبر سے بھرے ہوئے اور اپنے مسلمان بھائیوں سے بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ عفو ودرگذر کرنے والے اور اس کا سبق دینے والے اور فحش گوئی اور گالی گلوچ سے بچنے اور اس سے روکنے والے جبکہ اس دور کے مسلمان چھوٹی چھوٹی بات پر دست وگریباں اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہوئے اور ماں بہن کی گالیاں سناتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں!

اور معاملات کے باب میں پیارے نبی حضرت محمد ﷺ دھوکہ، فراڈ، خیانت اور رشوت وغیرہ سے منع کرنے والے جبکہ اِس دور میں عالم یہ ہے کہ دھوکہ، فراڈ اور خیانت جیسے برے اعمال مسلمانوں کی شناخت بن گئے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ حلال کمائی کا حکم دینے اور حرام کمائی سے منع کرنے والے جبکہ آپ ﷺ کو ماننے والے کئی مسلمان حلال وحرام میں تمیز کیے بغیر ہر طریقے سے مال ودولت کو جمع کرتے ہوئے اور جمع کیے ہوئے سرمائے کو سودی بنکوں میں محفوظ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں!

الغرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کا نمونہ چھوٹ گیا ہے اور اس کی جگہ پر درآمد شدہ نمونہ قابلِ تقلید نمونے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور تو اور شکل وصورت اور وضع قطع میں بھی پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ اب ایک عیب بن کر رہ گیا ہے اور جو شخص آنحضور ﷺ جیسی شکل وصورت اور وضع قطع اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اسے آپ ﷺ کے ماننے والے اور آپ سے محبت کا دعوی کرنے والے سو القاب سے نوازتے اور بھری محفل میں سنتِ رسول ﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے نظر آتے ہیں.... إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

⑤ اِطاعت

رسول اکرم ﷺ کا پانچواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے اور آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کی

جائے کیونکہ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا یہ حق یوں بیان فرمایا ہے: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ ①

''اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے رہو۔ اور (نافرمانی سے) ڈرتے رہو اور اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچا دینا ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ ②

''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اور اس کی تائید اِس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ کہیں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، اسی دوران انھوں نے انھیں آخری طلاق دے دی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے وکیل (عیاش بن ابی ربیعۃ رضی اللہ عنہ) کو ان کے پاس طلاق (نامہ) دے کر بھیجا اور ان کے ذریعے پانچ صاع کھجور اور پانچ صاع جَو بھی بھیجے لیکن انھیں یہ بات پسند نہ آئی۔ [مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: کیا میرے لئے بس یہی نان ونفقہ ہے؟] تو ان کے وکیل نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس تمہارے لئے کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئیں اور انھیں پورے معاملے سے آگاہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ نَفَقَةٌ» ''واقعتاً تمہارے لئے ان پر کوئی نان ونفقہ لازم نہیں ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے انھیں ام شریک رضی اللہ عنہا کے گھر میں عدت گذارنے کا حکم دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُم شریک رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہیں جن کے گھر میں میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آنا جانا لگا رہتا ہے، لہٰذا تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گذارو کیونکہ وہ نابینا ہیں اور تم ان کے گھر میں اپنا (اضافی) لباس اتار سکو گی۔ اور جب تم عدت پوری کر لو تو مجھے اطلاع دینا۔''

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے میرے پاس شادی کا پیغام بھیجا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا أَبُوْ جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ لَا مَالَ

① المائدۃ 5:92 ② النساء 4:80

لَهُ، اِنْكَحِيْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ»

''رہے ابوجہم رضی اللہ عنہ تو وہ اپنے کندھے سے ڈنڈا ہی نہیں ہٹاتے (یعنی وہ بہت سخت مزاج ہیں۔) اور جہاں تک معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو وہ مفلوک الحال ہیں اور ان کے پاس مال نہیں ہے۔ لہٰذا تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے شادی کرلو۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو ناپسند کیا لیکن آنحضور ﷺ نے دوبارہ مجھے یہی حکم دیا کہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہی شادی کرلوں۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «طَاعَةُ اللّٰهِ وَطَاعَةُ رَسُوْلِهٖ خَيْرٌ لَّكِ»

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری تمہارے لئے بہتر ہے۔''

چنانچہ میں نے ان سے شادی کر لی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں اتنی خیر رکھ دی کہ مجھ پر اس دور کی خواتین رشک کرتی تھیں۔ ①

اس قصہ سے یہ ثابت ہوا کہ اطاعتِ رسول ﷺ باعث خیر وبھلائی ہے اور یہ بھی کہ اطاعتِ رسول ﷺ در اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے شادی کرلیں اِس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کوئی آیت نازل نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تمہارے لئے بہتر ہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اطاعتِ رسول ﷺ دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، وہاں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے۔

❁ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ ②

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کا کہا مانو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔''

❁ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَأَنَّهٗ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ③

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے

① صحیح مسلم:1480　② محمد 47:33　③ الأنفال 8:24

زندگی بخش ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور اسی کے حضور تم جمع کئے جاؤ گے۔‘‘

❁ حضرت ابو سعید المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اِس دوران رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گذرے، آپ ﷺ نے مجھے بلایا لیکن میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا یہاں تک کہ میں نے نماز مکمل کر لی، پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا:

«مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟» ’’تمہیں کس بات نے میرے پاس آنے سے منع کیا؟‘‘

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نماز پڑھ رہا تھا۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ﴾» [1]

’’کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہو۔‘‘

❁ نیز فرمایا: ﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [2]

’’اور جو کچھ تمہیں رسول دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔‘‘

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان شرعی حجت اور واجب الاتباع ہے۔

❁ اسی طرح یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوْتَشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ، وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، اَلْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ »

’’اللہ تعالیٰ نے گودنے والی اور گدوانے والی، خوبصورتی کیلئے چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور دانتوں کو جدا کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے جو اس کی خلقت کو بدلتی ہیں۔‘‘

یہ حدیث بنی اَسد کی ایک عورت کو پہنچی' جسے ام یعقوب کہا جاتا تھا تو وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فلاں فلاں عورت پر لعنت بھیجی ہے؟

انھوں نے کہا: میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی اور جس پر اللہ کی کتاب

---

[1] صحیح البخاری: 4647، 470 [2] الحشر 59: 7

میں بھی لعنت بھیجی گئی ہے؟

اُم یعقوب نے کہا: میں نے پورا قرآن مجید پڑھ ڈالا ہے لیکن مجھے تو وہ بات نہیں ملی جو آپ نے کہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا تو تمہیں یہ بات ضرور مل جاتی۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''پیغمبر تمہیں جس بات کا حکم دیں تم اس پر عمل کرو اور جس سے منع کر دیں اس سے باز آجاؤ؟''

ام یعقوب نے کہا: کیوں نہیں!

انھوں نے کہا: بس اللہ کے رسول ﷺ نے ان کاموں سے منع کر دیا ہے.

ام یعقوب نے کہا: آپ کی بیوی تو یہ کام کرتی ہے!

انھوں نے کہا: جا کر دیکھو تو؟

چنانچہ وہ گئیں تو انھیں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

اگر وہ ایسا کام کرتی تو میں اس کے قریب تک نہ جاتا۔ [1]

❀ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَنْ يَأْبٰى؟ قَالَ:مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى) [2]

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہونگے سوائے اس کے جس نے انکار کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ انکار کون کرتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا انکار کر دیا۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اطاعتِ رسول ﷺ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں رسول اکرم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اِس ضمن میں کچھ واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی

---

① صحيح البخاري:4886، صحيح مسلم:2125
② صحيح البخاري :7280

انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے اس کے ہاتھ سے اتارا اور پھینک دیا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا:

(يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ)

''کیا تم میں سے کوئی شخص جہنم کا ایک انگارہ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے!''

پھر جب رسول اللہ ﷺ چلے گئے تو اس آدمی سے کہا گیا: اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

اس نے کہا: لَا وَاللّٰهِ، لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ! ①

اب جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے میرے ہاتھ سے اتار کر پھینک دیا ہے تو اللہ کی قسم! میں اسے کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ»

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم اٹھاؤ۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں:

فَوَاللّٰهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْهَا ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا②

یعنی میں نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ آپ نے اس سے منع کر دیا ہے، تب سے میں نے کبھی ایسی قسم نہیں اٹھائی، نہ اپنی طرف سے اور نہ کسی کی طرف سے نقل کرتے ہوئے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ (سرغ) مقام پر پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ»

''جب تم وبا کے بارے میں سنو کہ وہ کسی ملک میں پھیل چکی ہے تو اس میں مت جاؤ اور جب تم کسی ملک میں موجود ہو اور وہاں وبا پھیل جائے تو راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے مت نکلو۔''

یہ حدیث سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ (سرغ) سے ہی واپس لوٹ آئے۔③

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی کسی رائے کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنتے تو فوراً اپنی رائے

---

① صحیح مسلم:2090 ② صحیح البخاری:6647، صحیح مسلم:1646

③ صحیح البخاری:5730، 6973، صحیح مسلم:2219

سے رجوع فرما لیتے اور حدیثِ رسول ﷺ کے مطابق ہی فیصلہ کرتے۔

جیسا کہ یحییٰ بن سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ، اس کے ساتھ والی انگلی اور اسی طرح درمیان والی انگلی کی دیت دس اونٹ اور اس کے ساتھ والی انگلی کی نو اونٹ اور سب سے چھوٹی انگلی کی چھ اونٹ ہے لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ آل عمر بن حزم کی کتاب میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انگلیوں کی دیت دس دس اونٹ مقرر فرمائی ہے تو انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔①

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حجر اسود کو بوسہ دیا تو فرمایا:

(أَمَا وَاللّٰهِ، إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)

''خبردار! مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم ایک پتھر ہو اور نہ تم نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ نفع۔ اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ ﷺ نے تمہارا بوسہ لیا ہے تو میں کبھی تمہارا بوسہ نہ لیتا۔''

پھر فرمانے لگے: (مَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ، إِنَّمَا كُنَّا رَاءَ يْنَا الْمُشْرِكِيْنَ، وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: شَيْءٌ صَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ)②

یعنی ''اب ہم رمل کیوں کریں! وہ تو دراصل ہم مشرکین کے سامنے (اپنی طاقت) کے اظہار کیلئے ہی کرتے تھے اور اب تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا ہے! پھر کہنے لگے: جو عمل رسول اللہ ﷺ نے کیا، ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ اسے چھوڑ دیں۔''

❻ اختلافی مسائل میں فیصل

رسول اکرم ﷺ کا امت پر چھٹا حق یہ ہے کہ تمام اختلافی مسائل میں آپ ﷺ کو اور آپ کی احادیثِ مبارکہ کو فیصل تصور کرتے ہوئے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے اور ان کے مقابلے میں کسی کی رائے یا کسی کے مسلک کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

---

① الرسالة للإمام الشافعي: ص422　② صحيح البخاري: 1605، صحيح مسلم: 1270

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾①

"پس قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم (فیصل) نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں اس سے وہ دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی محسوس نہ کریں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔"

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے باپ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی کے درمیان حرہ میں واقع پانی کی ایک نالی پر جھگڑا ہو گیا جس کے ذریعے وہ کھجوروں تک پانی پہنچاتے تھے۔ چنانچہ انصاری نے کہا: پانی چھوڑ دو اور اسے آگے جانے دو، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ اب وہ دونوں اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« اِسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ »

"اے زبیر! تم (اپنے درختوں کو) پانی پلا لو اور پھر اسے اپنے پڑوسی کے باغ میں چھوڑ دو۔"

تو انصاری صحابی کو سخت غصہ آیا اور وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں آخر وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا جو ہوا!

اس پر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجُدُرِ »

"زبیر! اپنے کھیت کو پانی پلاؤ اور جب تک پانی منڈیروں تک نہ پہنچ جائے اسے اس کیلئے مت چھوڑو۔"

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اسی کیس میں نازل ہوئی:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾②

اور صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کے استلام کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: (رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ)

"میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے اس کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔"

اس آدمی نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں ازدحام میں پھنس جاؤں (تو کیا پھر بھی میں استلام کروں؟) اور آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر لوگ مجھ پر غالب آ جائیں (تو کیا پھر بھی مجھے استلام کرنا ہو گا؟)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

① النساء4: 65 ② صحیح البخاری :2359، 2360، صحیح مسلم :2357

(اِجْعَلْ "أَرَأَيْتَ" بِالْيَمَنِ، رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ)①

یعنی "یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ "آپ کا کیا خیال ہے" اسے یمن میں چھوڑ آؤ، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپ نے اس کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا علم ہو جائے تو پھر کسی کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی چاہے وہ رائے کسی صحابی کی کیوں نہ ہو لیکن بصد افسوس ! اس دور میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنتوں کے بارے میں صحیح احادیث سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے مقابلے میں اپنے علماء یا ائمہ کرام کی آراء پیش کرتے ہیں ! حالانکہ یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ جس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا۔

جیسا کہ امام ابن عبد البرؒ نے عروۃ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اللہ سے نہیں ڈرتے کہ آپ حجِ تمتع کی رخصت دیتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اے عروۃ! تم اپنی والدہ سے پوچھ لو، عروۃ کہنے لگے: ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) نے تو تمتع نہیں کیا! یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(وَاللّٰهِ مَا أُرَاكُمْ مُنْتَهِيْنَ حَتّٰى يُعَذِّبَكُمُ اللّٰهُ، نُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَتُحَدِّثُوْنَا عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ)

"اللہ کی قسم ! میں نہیں سمجھتا کہ تم باز آؤ گے یہاں تک کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو، ہم تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں اور تم اس کے مقابلے میں ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کی بات کرتے ہو"؟

اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(أُرَاهُمْ سَيَهْلِكُوْنَ، أَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَيَقُوْلُوْنَ: قَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ؟)②

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ عنقریب ہلاک ہو جائیں گے، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے (یوں) فرمایا اور یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) نے (یوں) کہا؟"

حدیثِ رسول ﷺ کی مخالفت پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا شدید ردِ عمل

(۱) سالم بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ

---

① صحيح البخاري:1611

② صحيح جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، أبو الأشبال: ص525

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ کُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّکُمْ إِلَیْهَا»

''اگر تمہاری خواتین تم سے مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو تم انھیں ان میں جانے سے منع نہ کیا کرو۔''

یہ حدیث سن کر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے بلال بن عبد اللہ کہنے لگے: (وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ) اللہ کی قسم ! ہم انھیں ضرور منع کریں گے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں شدید برا بھلا کہا ، اتنا برا بھلا کہ میں نے آج تک انھیں کسی کو اتنا برا بھلا کہتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور انھوں نے فرمایا: (أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ) میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو: اللہ کی قسم ! ہم انھیں ضرور منع کریں گے ![1]

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی:

«اِءْذَنُوْا لِلنِّسَاءِ بِاللَّیْلِ إِلَی الْمَسَاجِدِ»

''عورتوں کو رات کے وقت مساجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو''

تو ان کے ایک بیٹے نے، جس کا نام واقد تھا کہا: تب تو وہ اسے خرابی کا ذریعہ بنالیں گی ! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر مارا اور فرمایا:

(أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُ: لَا)

''میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو: نہیں۔'' [حوالہ مذکور]

اس حدیث کے فوائد میں امام نوویؒ کہتے ہیں: (فیه تعزیر المعترض علی السنة والمعارض لها برأیه، وفیه تعزیر الوالد ولده وإن کان کبیرا) ''اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آدمی سنت پر اعتراض کرے اور اپنی رائے سے اس کے برعکس کوئی بات کرے تو اسے سزا دی جاسکتی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ والد اپنے بیٹے کو سزا دے سکتا ہے چاہے وہ بڑا کیوں نہ ہو۔''[2]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ انتہائی سخت مزاج تھے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی عشاء اور فجر کی نمازیں مسجد میں جاکر باجماعت پڑھتی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ مسجد میں آکر کیوں نماز پڑھتی ہیں جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ناپسند کرتے ہیں اور بڑے ہی باغیرت

---

[1] صحیح مسلم: 442
[2] شرح النووی لمسلم

ہیں؟ وہ کہنے لگیں: پھر وہ مجھے منع کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا: انھیں صرف رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہی آپ کو مسجد میں جانے سے منع کرنے نہیں دیتا: «لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ»

''تم اللہ کی بندیوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو۔''①

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنی بیویوں کا مسجد میں جانا ناپسند کرتے تھے لیکن وہ انھیں منع نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ صرف یہ کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سن رکھی تھی کہ ''تم اللہ کی بندیوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو۔'' اسی بناء پر وہ انھیں مساجد میں جانے سے منع نہیں کرتے تھے۔

(۲) عبد اللہ بن بریدۃ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک (رشتہ دار) کو دیکھا کہ وہ پتھر یا کنکریاں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو انھوں نے کہا: ایسا مت کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے (یا انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے) اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّهُ لَا يُصَادُ بِهِ صَيْدٌ، وَلَا يُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ، وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ»

''اس طرح نہ شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے دشمن پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کے دانت توڑ دیں اور کسی کی آنکھ پھوڑ دیں۔''

اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسی آدمی کو پھر دیکھا کہ وہ اسی طرح کنکریاں یا پتھر اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو وہ کہنے لگے: (أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ أَوْ كَرِهَ الْخَذْفَ وَأَنْتَ تَخْذِفُ؟ لَا أُكَلِّمُكَ كَذَا وَكَذَا)

''میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے یا اسے ناپسند کیا ہے اور تم پھر بھی اسی طرح کنکریاں پھینک رہے ہو! میں تم سے اتنا عرصہ بات نہیں کرونگا۔''

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: (لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا)

''میں تم سے کبھی بات نہیں کرونگا۔''②

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حدیثِ رسول ﷺ کا احترام کرنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔ آمین

---

① صحيح البخاری:900

② صحيح البخاری:5479 ، صحيح مسلم :1954

دوسرا خطبہ

❼ قرآن وحدیث پرعمل کرنا

رسول اللہ ﷺ کا امت پر ساتواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کے وقت جو دو چیزیں امت کیلئے چھوڑ کر گئے انھیں خوب پڑھا جائے اور انہی دو چیزوں سے اسلامی تعلیمات اخذ کی جائیں۔ اور وہ ہیں: قرآن مجید اور صحیح اور ثابت شدہ سنتِ مبارکہ۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ، وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ» ①

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ان کے بعد (یعنی اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھام لیا تو) کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک ہے کتاب اللہ (قرآن مجید) اور دوسری ہے میری سنت۔ اور یہ دونوں کبھی جدا جدا نہیں ہونگی یہاں تک کہ حوض پر میرے پاس آئیں گی۔''

لہٰذا ہر عام وخاص پر واجب ہے کہ وہ دین کے احکام براہِ راست قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے حاصل کرے، یوں وہ گمراہی سے بچ جائے گا اور صراطِ مستقیم پر چلتا رہے گا.

❽ کثرت سے درود شریف

امت پر آنحضور ﷺ کا آٹھواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ②

''بے شک اللہ تعالیٰ (فرشتوں کے سامنے) نبی کی تعریف کرتا ہے اور اس کے فرشتے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو۔''

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں، ہم درود کیسے بھیجیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ

① صحيح الجامع:2937
② الأحزاب 33:56

إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ، إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ» ①

سب سے افضل درود یہی درود ابراہیمی ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلایا تھا۔ صحیح احادیث میں اِس درود شریف کے جو بھی الفاظ روایت کئے گئے ہیں ان میں سے جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اور درود کے سب سے زیادہ بابرکت الفاظ بھی وہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اپنی زبانِ مبارک سے نکلے کیونکہ آپ ﷺ وحی کے بغیر نہیں بولتے تھے۔ جہاں تک مصنوعی درودوں کا تعلق ہے مثلا درود ہزارہ اور درود تاج وغیرہ تو ایسے درود نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے درود سے قطعا افضل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مصنوعی درودوں میں وہ الفاظ ہیں جو یقینی طور پر شرکیہ ہیں۔ لہٰذا ان سے احتراز کرنا از حد ضروری ہے۔

اور درود بھیجنے کی فضیلت میں کئی احادیث ثابت ہیں، یہاں ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں:

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا» ②

’’جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔‘‘

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ خَطِيْئَاتٍ، وَرَفَعَ لَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ» ③

’’جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اس کے دس گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے دس درجات بلند کرتا ہے۔‘‘

③ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا، وَحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا، أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ④

’’جو آدمی صبح کے وقت دس مرتبہ اور شام کے وقت بھی دس مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔‘‘

---

① صحيح البخاري: 3370
② صحيح مسلم: 409
③ صحيح الجامع: 6359
④ صحيح الجامع: 6357

لہٰذا درود شریف جس قدر ہو سکے زیادہ پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر زیادہ درود پڑھتا ہوں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ میں آپ پر کتنا درود پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ» ''جتنا چاہو'' میں نے کہا: چوتھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ''جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے'' میں نے کہا: آدھا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ''جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔'' میں نے کہا: دو تہائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ''جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ پڑھو گے تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔''

میں نے کہا: میں آپ پر درود ہی پڑھتا رہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ ، وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ» [1]

''تب آپ کی پریشانی دور کرنے کیلئے یہ کافی ہوگا اور آپ کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے تمام حقوق ادا کرنے، آپ کی اطاعت کرنے اور آپ سے سچی محبت کرنے کی توفیق دے۔ اور روزِ قیامت ہمیں آپ ﷺ کی شفاعت اور آپ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی نصیب کرے۔ آمین

---

[1] سنن الترمذی:2457، وصححه الألبانی

رسول اکرم ﷺ کا اعلی اخلاق

اہم عناصر خطبہ:

① نبی کریم ﷺ کے اعلی اخلاق پر قرآن مجید اور تورات کی شہادت

② مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق گواہی

③ اعلی اخلاق کے مختلف پہلو

برادران اسلام !

آج کے خطبۂ جمعہ کا موضوع ہے ''رسول اکرم ﷺ کا اعلی اخلاق''

اور ہم جب نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ذہنوں میں یہ بات رہنی چاہئے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں بلکہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے امام ہیں ۔ اور رسول کی تربیت خود اللہ تعالی کرتا ہے اور اِس انداز سے اس کا تزکیہ کرتا ہے کہ وہ اخلاق وکردار میں سب سے اعلی نمونہ اور سب سے افضل سانچہ بن جاتا ہے ۔ اور چونکہ رسول کا مربی اللہ تعالی ہوتا ہے اس لئے اس نے قرآن مجید میں دو چیزوں کی قسم کھا کر سید الرسل حضرت محمد ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی گواہی دی ہے ۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُونَ،مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ، وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ، وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾[1]

'' ن ۔قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے (فرشتے) لکھتے ہیں ۔آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں ۔اور یقیناً آپ کیلئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے ۔اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں ۔''

اور چونکہ رسول ہمیشہ وحی کی اتباع کرتا ہے اس لئے وحیِ الٰہی ہی اس کا اخلاق ہوتا ہے ۔ اِسی لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

« كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن »[2]

'' آپ ﷺ کا اخلاق قرآن مجید تھا'' یعنی آپ ﷺ قرآن مجید کی عملی تصویر تھے۔

---

① القلم68:1-4 ② مسند أحمد ـ وصححه الأرناؤط

یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی صرف قرآن مجید میں ہی نہیں بلکہ اس سے پہلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

عطاء بن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملا تو میں نے ان سے سوال کیا کہ مجھے تورات میں نبی کریم ﷺ کی صفات کے بارے میں بتلائیے۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم تورات میں بھی آپ کی وہ بعض صفات ذکر کی گئی ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴾

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اسی طرح تورات میں بھی یہ صفات ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی ہے کہ

'' آپ عرب لوگوں کیلئے قلعہ ہونگے، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے۔''

نیز اس میں آپ کی یہ صفات بھی ہیں: «لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ..»[1]

'' آپ نہ بد اخلاق ہیں اور نہ سخت مزاج ہیں۔ اور نہ ہی بازاروں میں اونچی آواز سے بات کرتے ہیں۔ اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف اور درگذر کردیتے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں قرآن کریم اور تورات کی شہادت کے بعد اب آیئے اسی کے متعلق کچھ اور شہادتیں بھی سماعت فرمایئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شہادت

جب نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ نہایت پریشانی کے عالم میں اپنے گھر پہنچے حتی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا بھی خطرہ ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے (آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے) کہا:

(كَلَّا، أَبْشِرْ، فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ)[2]

یعنی'' ہرگز نہیں، آپ کو تو بشارت ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اللہ کی قسم! آپ تو

---

① صحيح البخاری:4838

② صحيح البخاری، كتاب بدء الوحی، باب بدء الوحی :3 ، صحيح مسلم، الإيمان:160

صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بوجھ برداشت کرتے ہیں، تہی دست کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور حق کے واقعات (تمام خصالِ خیر) میں مدد کرتے ہیں۔''

کفارِ قریش کی گواہی

نبوت ملنے سے پہلے ہی آنحضور ﷺ لوگوں میں " الصادق الأمين " کے لقب سے مشہور تھے۔ یعنی وہ اس بات کے معترف تھے کہ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور امانت میں خیانت نہیں کرتے۔

پھر نبوت ملنے کے بعد جب آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ تو آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا:

''اگر میں تمھیں اس بات کی خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے گھوڑسواروں کی ایک فوج تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟''

سب نے بیک آواز کہا: « مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا »[1]

''ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے ہوئے ہی پایا ہے۔''

اور صلح حدیبیہ کے دوران جب نبی کریم ﷺ نے بادشاہ روم (ہرقل) کو ایک خط بھیجا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی طرف دعوت دی گئی تو اس وقت قریش کا ایک قافلہ جس کے سربراہ ابوسفیان بن حرب تھے، روم میں تھا۔ ہرقل نے آنحضور ﷺ کا خط پڑھنے سے پہلے ابوسفیان اور ان کے قافلے میں دیگر لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں چند سوالات کیے۔ ابوسفیان بن حرب اس وقت تک مسلمان نہ تھے لیکن انھوں نے ہرقل کو دیانتداری کے ساتھ جوابات دیے۔ اس کے سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ کیا نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے کبھی تم نے محمد ﷺ پر جھوٹ کی تہمت لگائی تھی؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ تمھیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے کہا:

«يَقُوْلُ: اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ»

''وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ تم اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔ اور تم اپنے آباؤ اجداد کی باتوں کو چھوڑ دو۔ نیز وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامن رہنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔''

---

① صحيح البخاري: 4770

ہرقل نے تمام سوالات کے جوابات سننے کے بعد ان کی توجیہات بھی بیان کیں، چنانچہ اس نے کہا کہ تم نے یہ جو کہا کہ وہ نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے جھوٹ نہیں بولتے تھے تو مجھے یقین ہے کہ جب وہ لوگوں پر جھوٹ نہیں گھڑتے تھے تو وہ اللہ پر بھی جھوٹ نہیں گھڑ سکتے۔

اور تم نے یہ جو کہا کہ وہ تمھیں اکیلئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتے اور اس کا شریک بنانے سے منع کرتے ہیں۔ نیز وہ تمھیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں تو تم نے جو کچھ کہا ہے اگر یہ برحق ہے تو عنقریب وہ میرے اس تختِ بادشاہت کے بھی مالک بن جائیں گے۔ اور مجھے یقین تھا کہ وہ تشریف لانے والے ہیں لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہونگے۔ پس اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں آپ تک پہنچ سکوں گا تو میں ضرور آپ سے ملنے کی کوشش کرتا۔ اور اگر میں آپ کے پاس پہنچ جاتا تو میں آپ کے قدم دھوتا...''[1]

اسی طرح سائب المخزومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو لوگ میری تعریفیں کرنے اور میرا ذکر کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِهِ» ''میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں'' میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ آپ (جاہلیت میں) میرے ساتھ (کاروبار) میں شریک تھے۔ پس آپ بہت اچھے شریک تھے، آپ میری مخالفت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی مجھ سے جھگڑا کرتے تھے۔''[2]

امام خطابی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سائب رضی اللہ عنہ معاملات میں آسانی اور آپ ﷺ کے اعلی اخلاق کو بیان کررہے ہیں۔[3]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی گواہی

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق آپ ﷺ لوگوں کو ارشاد فرما رہے تھے:

« أَفْشُوا السَّلَامَ ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ »[4]

---

① صحیح البخاری:7، صحیح مسلم:1773

② سنن أبی داؤد:4836، سنن ابن ماجه:2278، وصححه الألبانی ③ معالم السنن

④ سنن الترمذی:2485، سنن ابن ماجه:1334، وصححه الألبانی

”تم سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے خوشگوار تعلقات قائم کرو اور رات کو اس وقت نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اِس طرح تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو عرصہ دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتے رہے وہ بیان کرتے ہیں کہ

« لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبَّابًا ، وَلَا فَحَّاشًا ، وَلَا لَعَّانًا ، كَانَ يَقُوْلُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ : مَا لَهُ تَرِبَ جَبِيْنُهُ »①

”نبی کریم ﷺ نہ برا بھلا کہتے تھے، نہ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے اور نہ لعنت بھیجتے تھے۔ اور آپ ہم میں سے کسی کو ڈانٹنا چاہتے تو زیادہ سے زیادہ یہی فرماتے: اسے کیا ہو گیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔“

اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق کے حامل تھے، آپ نے ایک دن مجھے کسی کام کیلئے بھیجا تو میں نے زبان سے کہا کہ میں نہیں جاؤں گا لیکن میرے دل میں یہ تھا کہ میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق جاؤں گا۔ چنانچہ میں روانہ ہو گیا۔ میں کچھ بچوں کے پاس سے گذرا جو بازار میں کھیل رہے تھے (تو میں بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگ گیا۔) اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے پیچھے سے میری گردن کو پکڑ لیا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: « يَا أُنَيْسُ ، أَذَهَبْتَ حَيْثُ أَمَرْتُكَ؟» ”اے پیارے انس! تم وہاں گئے تھے جہاں میں نے تمھیں جانے کا حکم دیا تھا؟“ میں نے کہا: جی اللہ کے رسول! میں ابھی جا رہا ہوں۔②

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی گواہی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا ، وَإِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا »③

”بے ہودہ گفتگو رسول اکرم ﷺ کی نہ عادت تھی اور نہ ہی آپ اس کی کوشش کرتے تھے۔ اور آپ فرمایا

① صحيح البخاري:6031

② صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، باب كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقا

③ صحيح البخاري:6035 ، صحيح مسلم:2321

کرتے تھے: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔“

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کی گواہی

آپ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور مومنوں کی ماؤں (رضی اللہ عنھن) میں سے ایک ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ «مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ خُلُقًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ» ①

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اچھے اخلاق والا کوئی نہیں دیکھا۔“

قرآن مجید اور تورات کی شہادت کے علاوہ ہم نے جو مختلف لوگوں کی شہادتیں ذکر کی ہیں ان میں آپ کے ماننے والے بھی ہیں اور آپ کے دشمن بھی ہیں، ان میں آپ کے گھر والے بھی ہیں اور خادم بھی ہیں۔ گویا اپنوں اور غیروں، سب نے یہ گواہی دی کہ حضرت محمد ﷺ اخلاق حسنہ کے اعلی منصب پر فائز ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اعلی اخلاق کے بعض پہلو

① جود وسخاوت

☆ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ : لَا » ②

”رسول اکرم ﷺ سے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا گیا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے سائل کو ’نہیں‘ کہا ہو۔“

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے اسلام قبول کرنے کی شرط پر جس چیز کا بھی سوال کیا جاتا آپ عطا کر دیتے، حتی کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اسے اتنی زیادہ بکریاں عطا کیں کہ جو دو پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ کو بھر سکتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹا اور اس نے کہا:

« يَا قَوْمِ ، أَسْلِمُوْا فَإِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِي عَطَاءَ مَنْ لَّا يَخْشَى الْفَقْرَ » ③

”اے میری قوم! تم سب کے سب اسلام قبول کر لو کیونکہ محمد ﷺ تو اتنا عطا کرتے ہیں کہ جیسے انھیں فقر وفاقہ کا اندیشہ ہی نہیں ہے۔“

☆ اسی طرح ان کا بیان ہے کہ

---

① قال الحافظ فی الفتح:575/6: أخرجه الطبرانی فی الأوسط بإسناد حسن

② صحیح البخاری:6034، صحیح مسلم:2311 ③ صحیح مسلم:2312

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَسْأَلُ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ أَوْ سَكَتَ »①

''رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کا سوال کیا جاتا آپ، وہ عطا کردیتے یا خاموش ہوجاتے۔''

☆ صحیح مسلم میں ابن شہاب الزہری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے بعد اپنے ساتھی مسلمانوں کے ہمراہ حنین میں پہنچے جہاں کفار سے جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب فرمایا۔ اُس دن آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو ایک سو چوپائے جانور دیئے، پھر ایک سو دیئے اور پھر ایک سو دیئے۔

ابن شہاب کا بیان ہے کہ انھیں سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے کہ صفوان نے کہا:

« وَاللّٰهِ لَقَدْ أَعْطَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا أَعْطَانِي ، وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَيَّ ، فَمَا بَرِحَ يُعْطِيْنِي حَتّٰى إِنَّهُ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ »②

''اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ نے اُس وقت عطا کیا جو کچھ عطا کیا جب آپ ﷺ مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھے۔ پھر آپ مجھے بار بار دیتے رہے یہاں تک، کہ آپ ﷺ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے۔''

☆ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چادر لے کر آئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے پہننے کیلئے ہے۔ آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا اور چونکہ آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی اس لئے آپ نے اسے فوراً پہن لیا۔ اس کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے آپ کو وہ چادر پہنے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ چادر تو بہت اچھی ہے، یہ آپ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ بعد ازاں جب نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ملامت کی اور کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ تمھیں معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ کو اس چادر کی ضرورت تھی اور اسی بناء پر آپ نے اسے قبول کیا تھا، پھر تم نے اس کا سوال کر ڈالا! اور تم یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا ہے تو آپ اسے اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ سائل کو دے دیتے ہیں!

اس نے کہا: « رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَعَلِّيْ أُكَفَّنُ فِيْهَا »③

''جب نبی کریم ﷺ نے اسے پہنا تھا تو میں نے اس کی برکت کی امید رکھتے ہوئے اس کا سوال کیا تھا، شاید مجھے اسی میں کفن پہنایا جائے۔''

---

① رواه أحمد وابن حبان وغيرهما وهو صحيح
② صحيح مسلم :2313
③ صحيح البخاري :6036

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ صرف ضرورت سے بچی ہوئی چیزیں ہی نہیں بلکہ اپنی ضرورت کی اشیاء بھی دوسرے لوگوں کو عطا کر دیتے تھے۔ یہ اخلاق ہے امام الأنبیاء حضرت محمد ﷺ کا۔ جبکہ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ضرورت کی اشیاء تو درکنار ضرورت سے بچی ہوئی چیزیں بھی ہم کسی کو دینے کیلئے تیار نہیں!

④ عاجزی وانکساری

نبی کریم ﷺ سید البشر اور امام الأنبیاء ہیں۔ لیکن اتنے بڑے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ ﷺ نہایت منکسر المزاج اور متواضع انسان تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں گھل مل جاتے تھے، ہمیشہ ان کے قریب رہتے تھے، آپ ﷺ اور ان کے درمیان کوئی نہ تھا کہ جس کے ذریعے وہ آپ تک پہنچتے بلکہ ہر شخص جب چاہتا اور جہاں چاہتا آپ سے ملاقات کر لیتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران انھوں نے آسمان سے ایک فرشتے کو آتے ہوئے دیکھا، پھر انھوں نے کہا: یہ فرشتہ جب سے پیدا ہوا ہے اِس سے قبل وہ کبھی نازل نہیں ہوا۔ جب وہ آ گیا تو اس نے کہا: اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ 'بادشاہ نبی' بننا چاہتے ہیں یا ایک 'بندہ نبی' بننا چاہتے ہیں؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا:

«تَوَاضَعْ لِرَبِّكَ» ''اپنے رب کیلئے تواضع اختیار کیجئے۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا بَلْ عَبْدًا رَسُوْلًا» ''نہیں، میں بندہ رسول ہی بننا چاہتا ہوں۔''[①]

اور نبی کریم ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِيْنًا وَأَمِتْنِي مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''اے اللہ! مجھے اس حال میں زندہ رکھ کہ میں مسکین رہوں اور اسی حال میں مجھے موت دینا اور قیامت کے روز مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھانا۔''

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تو کہا: اللہ کے رسول! یہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا»

''بے شک وہ مالداروں سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہونگے۔''

---

① الصحیحہ للألبانی:1002، وصحیح الترغیب والترھیب:3280

پھر آپ نے فرمایا: ''عائشہ! مسکین کو خالی نہ لوٹایا کرو، اگرچہ آدھی کھجور ہی دو۔ عائشہ! تم مسکینوں سے محبت کرو اور انھیں اپنے قریب کرو، اس طرح اللہ تمھیں روز قیامت اپنا قرب نصیب کرے گا۔''①

اِس بناء پر آپ ﷺ نہایت متواضع مزاج تھے۔

تو آیئے آپ ﷺ کی تواضع کے چند نمونے دیکھتے ہیں۔

☆ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِي ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ وَيَزُوْرُهُمْ وَيَعُوْدُ مَرْضَاهُمْ وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ »②

''رسول اکرم ﷺ کمزور مسلمانوں کے پاس آتے، ان سے ملاقات کرتے، ان میں سے جو بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتے اور جو فوت ہو جاتا اس کی نماز جنازہ پڑھاتے اور تدفین میں شرکت کرتے تھے۔''

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب بچوں کے پاس سے گذرتے تو انھیں سلام کہتے اور وہ کہا کرتے تھے:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُهُ »③

''رسول اللہ ﷺ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزُوْرُ الْأَنْصَارَ وَيُسَلِّمُ عَلٰى صِبْيَانِهِمْ وَيَمْسَحُ رُؤُسَهُمْ»④

''رسول اللہ ﷺ انصار سے ملنے کیلئے تشریف لے جاتے تھے، ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔''

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ الْمَدِيْنَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَ تْ »⑤

''مدینہ منورہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی آتی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی (اور آپ سے گفتگو کرتی۔)''

☆ اسی طرح وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت جس کا دماغی توازن درست نہ تھا وہ آئی اور کہنے لگی: اے

---

① الترمذی:2352، وصححه الألبانی

② المستدرك، صححه الحاكم والذهبی، وصححه الألبانی فی الصحيحة :2112

③ صحيح البخاري :6247 ④ صحيح الجامع:4947 ⑤ صحيح البخاري:6072

اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ایک کام ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أُمَّ فُلاَنَ ، أَنْظُرِي أَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ حَتّٰى أَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ» ①

''اے ام فلان! دیکھو تم جس گلی میں چاہو مجھے لے چلو تا کہ میں تمھاری ضرورت کو پورا کر سکوں۔''

پھر آپ ﷺ اس کے ساتھ گئے یہاں تک کہ اس کا کام ہو گیا۔

سنن ابی داوٗد میں یہ الفاظ ہیں:

«يَا أُمَّ فُلاَنَ ، اِجْلِسِيْ فِي أَيِّ نَوَاحِي السِّكَكِ حَيْثُ شِئْتِ حَتّٰى أَجْلِسَ إِلَيْكِ» ②

''اے ام فلان! تم گلی کے جس کونے میں بیٹھنا چاہو بیٹھ جاؤ تا کہ میں تمھارے پاس بیٹھ کر تمھاری بات سن سکوں۔'' پھر وہ بیٹھ گئی۔ آپ بھی اس کے ساتھ تشریف فرما ہوئے یہاں تک کہ اس نے اپنی ضرورت کے متعلق آپ کو آگاہ کر دیا۔

غور کیجئے! اس خاتون کا دماغی توازن درست نہ تھا اور ظاہر ہے کہ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، لیکن اسے جب ضرورت پڑی تو وہ سیدھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، کسی دربان یا سیکرٹری وغیرہ کی منت سماجت کر کے ملاقات کیلئے ٹائم لئے بغیر آپ کے پاس جا پہنچی۔ پھر آپ نے اس کا پورا احترام کیا اور اسے 'ام فلان' کہہ کر خلوت میں گفتگو کرنے کا پورا موقعہ دیا تا کہ وہ بلا خوف وجھجک اپنی ضرورت کے متعلق آپ کو آگاہ کر سکے۔ یہ ہے تواضع اور عاجزی وانکساری امام الأنبیاء حضرت محمد ﷺ کی۔ جبکہ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص جب کسی معمولی عہدے پر فائز ہوتو وہ اپنے اور ضرورتمندوں کے درمیان سیکرٹری وغیرہ کو بٹھا دیتا ہے جو انھیں اس سے ملاقات کا موقعہ ہی نہیں دیتا، یا انھیں گھنٹوں اور بعض اوقات دنوں تک خوار کرنے کے بعد ملنے کا موقعہ دیتا ہے، اور بسا اوقات رشوت دیئے بغیر 'صاحب' سے ملنے کی امید ہی نہیں ہوتی۔ ضرورتمندوں کی تو بات چھوڑیئے اس کے ماتحت ملازمین بھی اس کے سامنے بات کرنے سے خوف کھاتے ہیں!

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ منورہ کے خادم اپنے برتن لے کر آجاتے جن میں پانی بھرا ہوتا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہر برتن میں (برکت کیلئے) اپنا ہاتھ ڈبوتے۔ اور بعض اوقات سردیوں کے موسم میں پانی ٹھنڈا ہوتا، تب بھی آپ ﷺ برتنوں میں اپنا ہاتھ ضرور ڈبوتے۔ ③

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

① صحيح مسلم:2326　② سنن أبي داؤد : 4818　③ صحيح مسلم:2324

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ ، وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ ، وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ عَلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ » ①

''رسول اللہ ﷺ زمین پر بیٹھتے اور زمین پر ہی کھانا کھاتے تھے۔ اور بکری کو باندھتے تھے اور جو کی روٹی پر ایک غلام کی دعوت کو قبول فرماتے تھے۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَلِكَ » ②

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اکرم ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا، اِس کے باوجود وہ جب آپ ﷺ کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ آپ کو ناپسند ہے۔''

یہ اخلاق ہے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کا کہ آپ کو دیکھ کر لوگوں کا کھڑا ہونا آپ کو ناپسند تھا جبکہ آج آپ ﷺ کے ماننے والوں میں سے کسی افسر کے سامنے اس کے ماتحت ملازمین یا کسی ٹیچر کے سامنے اس کے شاگرد کھڑے نہ ہوں تو 'صاحب' کا مزاج خراب ہو جاتا ہے اور ملازموں اور طالب علموں کی شامت آجاتی ہے! گویا انھیں یہ بات پسند ہوتی ہے کہ انھیں دیکھ کر لوگ کھڑے ہو جائیں اور سلیوٹ ماریں۔ برا ہو اِس رذیل صفت کا کہ اس نے کتنے لوگوں کے اخلاق کو بگاڑ دیا ہے! جبکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَذَقْنُهُ عَلٰى رَحْلِهِ مُتَخَشِّعًا » ③

''رسول اللہ ﷺ فتحِ مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو عاجزی وانکساری کا عالم یہ تھا کہ (آپ جھکے ہوئے تھے اور سواری پر بیٹھے ہوئے) آپ کی ٹھوڑی کجاوے کو لگ رہی تھی۔''

یعنی اُس روز آپ متکبرانہ اور فاتحانہ انداز میں نہیں بلکہ نہایت تواضع اور عاجزی کے انداز میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

---

① رواه الطبراني في المعجم الكبير ، وصححه الألباني في الصحيحة:2125

② سنن الترمذي:2754وصححه الألباني

③ مستدرك ـ صححه الحاكم وقال عنه الذهبي:على شرط مسلم

③ رحمدلی

نبی کریم ﷺ نہایت رحمدل، نرم مزاج اور ترس کھانے والے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ①

''آپ محض اللہ کی رحمت سے ان کیلئے نرم مزاج ہیں۔ اور اگر آپ تند مزاج، سنگدل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔ لہٰذا آپ انھیں معاف کر دیجئے، ان کیلئے مغفرت طلب کیجئے اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے۔''

آپ ﷺ کے اِس اخلاق کے بھی متعدد نمونے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

☆ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے بیس راتیں آپ کے پاس قیام کیا۔ پھر آپ کو یہ گمان ہوا کہ جیسے ہم اپنے گھر والوں سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے ہم سے ہمارے گھر والوں کے بارے میں معلومات لیں۔ ہم نے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ اور چونکہ آپ بڑے نرم مزاج اور رحمدل تھے اس لئے آپ نے فرمایا:

«اِرْجِعُوا إِلٰى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ» ②

''تم اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ، پھر انھیں بھی تعلیم دو اور میرے احکامات ان تک پہنچاؤ۔ اور تم نماز اسی طرح پڑھنا جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی شخص اذان کہے، پھر تم میں جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔''

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے مسجد کے کونے میں پیشاب کرنا شروع کیا تو لوگ اس کی طرف لپکے تاکہ اسے ماریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« دَعُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلٰى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَّاءٍ أَوْ سَجْلًا مِنْ مَّاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ» ③

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی کا بہا دو۔ بے شک تمھیں آسانی پیدا کرنے والے بنا

① آل عمران 3:159 ② صحیح البخاری:6008، صحیح مسلم:674
③ صحیح البخاری:6128

کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے بنا کر۔“

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« إِنِّيْ لَأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ أُطِيْلُهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ وَجْدِ أُمِّهِ عَلَيْهِ مِنْ بُكَائِهِ » ①

”میں نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور میری نیت یہ ہوتی ہے کہ میں اسے لمبا کرونگا لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے رونے کیوجہ سے اس کی ماں اس پر ترس کھاتی ہے۔“

☆ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں صبح کی نماز کیلئے تاخیر سے جاتا ہوں کیونکہ 'فلاں' امام ہمیں بڑی لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ تو میں نے نبی کریم ﷺ کو وعظ ونصیحت میں کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا۔ آپ نے فرمایا:

« أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ فِيكُمْ مُنَفِّرِيْنَ ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيْرَ وَالْمَرِيْضَ وَذَا الْحَاجَةِ » ②

”لوگو! بے شک تم میں کچھ ایسے ہیں جو نفرت دلاتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص نماز پڑھائے وہ اختصار کرے (ہلکی پھلکی نماز پڑھائے) کیونکہ نمازیوں میں عمر رسیدہ بھی ہوتے ہیں، مریض بھی ہوتے ہیں اور ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں اپنے کام کاج کیلئے جلدی جانا ہوتا ہے۔“

☆ معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص کو چھینک آئی۔ تو میں نے کہا: (یَرْحَمُكَ اللّٰهُ) اِس پر لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ میں نے کہا: میری ماں مجھے گم پائے! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ مجھے اِس طرح دیکھتے ہو! چنانچہ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کر دیئے۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا۔

جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں:

«مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ، فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي»

① صحیح البخاری:709، صحیح مسلم:470

② صحیح البخاری:702، 6110، صحیح مسلم:466

میں نے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد آپ سے بہتر تعلیم دینے والا کبھی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ »①

''بے شک یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ اس میں لوگوں کی بات چیت درست نہیں ہے۔ اس میں تو بس تسبیح وتکبیر اور قراءتِ قرآن ہی ہے۔''

④ عفو ودرگذر اور برد باری

پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نہایت برد بار اور متحمل مزاج تھے اور کسی شخص سے آپ ﷺ کو اذیت پہنچتی تو آپ اسے برداشت کرتے اور اذیت پہنچانے والے کو معاف کردیتے۔ اِس کے بھی متعدد نمونے موجود ہیں۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نے ایک نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی جس کے کنارے موٹے تھے۔ اچانک ایک دیہاتی بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر اس قدر شدت سے کھینچا کہ میں نے آپ کی گردن پر اس کے نشانات دیکھے۔ پھر اس نے کہا:

(يَا مُحَمَّدُ، مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ)②

''اے محمد ﷺ! مجھے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے'' آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات فرمایا، پھر ہنس دیئے اور اسے مال دینے کا حکم جاری کیا۔

☆ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت شروع کی اور دس سال کرتا رہا، اِس دوران آپ نے مجھے میرے ہاتھوں کسی چیز کے تلف ہونے پر کبھی ملامت نہیں کی۔ اور اگر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو آپ فرماتے:

«دَعُوهُ، فَإِنَّهُ لَوْ قُضِيَ شَيْءٌ كَانَ »③

''اسے چھوڑ دو کیونکہ جس چیز کا فیصلہ ہو چکا وہ ہر حال میں ہونی ہے۔''

---

① صحيح مسلم:537

② صحيح البخاري:3149، صحيح مسلم:1057

③ رواه عبد الرزاق في مصنفه وابو نعيم في الحلية: وصححه الألباني في الاحتجاج بالقدر لابن تيمية

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نجد کی جانب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنگ کیلئے نکلے، پھر آپ ﷺ سے ہماری ملاقات ایسی جگہ پر ہوئی جہاں کانٹے دار درخت بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے اپنی سواری سے اترے اور اپنی تلوار اس کی ایک ٹہنی سے لٹکا کر سو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اِدھر اُدھر بکھر گئے اور جہاں جس کو سایہ ملا وہ وہیں آرام کرنے لگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیان فرمایا کہ

«إِنَّ رَجُلاً أَتَانِي وَأَنَا نَائِمٌ ، فَأَخَذَ السَّيْفَ ، فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِيْ ، فَلَمْ أَشْعُرْ إِلَّا وَالسَّيْفُ صَلْتًا فِي يَدِهِ ، فَقَالَ لِيْ : مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟ قُلْتُ : اللّٰهُ ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ : مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قُلْتُ:اللّٰهُ، قَالَ: فَشَامَ السَّيْفَ ، فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ» ثُمَّ لَمْ يُعَاقِبْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ . ①

"میں جب سویا ہوا تھا تو ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس نے میری تلوار اٹھائی، میں بیدار ہوا تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ننگی تلوار سونتے ہوئے میرے سر پر کھڑا ہے، اس نے مجھ سے کہا: (مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟) آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ اس نے پھر کہا:(مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟) آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟

میں نے پھر بھی یہی کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ ہی بچائے گا۔ پھر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔

اور دیکھو! یہ ہے وہ شخص۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ یعنی اسے معاف کر دیا۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ یہودی آئے اور کہا:(اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ) "آپ پر موت ہو" میں ان کے یہ الفاظ سمجھ گئی۔

چنانچہ میں نے کہا:(عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ) "تم پر موت بھی ہو اور لعنت بھی" نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ»②

"عائشہ! ٹھہر جاؤ (نرم رویہ اختیار کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سنا نہیں، انھوں نے کیا کہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے نہیں سنا کہ میں نے (وَعَلَيْكُم) کہہ کر ان کی بات کو انہی پر لوٹا دیا ہے۔

---

① صحيح البخاري:2910 ، 2913، 4139، صحيح مسلم:843

② صحيح البخاري:6256 ، صحيح مسلم:2165

اس حدیث میں غور کیجیے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کی بدگوئی کو برداشت کیا اور ان کی بات کا اتنا ہی جواب دیا جتنی انھوں نے کی تھی، اس سے زیادہ ایک لفظ بھی آپ نے نہیں بولا۔ یہ ہے بردباری اور تحمل مزاجی نبی کریم ﷺ کی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب یہودیوں کے بارے میں یہ رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو مسلمان بھائی اِس رویہ کے زیادہ مستحق ہیں۔

⑤ لوگوں کے ساتھ حسن تعامل اور خندہ پیشانی

☆ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي »[1]

''میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے تب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے گھر میں آنے سے منع نہیں کیا اور آپ ﷺ نے مجھے جب بھی دیکھا میرے سامنے مسکرا دیئے۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی اِس طرح نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے نبی کریم ﷺ کے کان میں بات شروع کی ہو اور آپ نے اس کے پیچھے ہٹنے سے پہلے اپنا سر پیچھے ہٹا لیا ہو۔ اور نہ ہی میں نے کبھی یوں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا ہو، پھر آپ نے اس کا ہاتھ اُس سے پہلے چھوڑ دیا ہو۔[2]

یہ انداز تھا رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے اور باہم ملاقات کرنے کا کہ کسی کو آپ اپنے ہاں آنے سے منع نہیں کرتے تھے، اپنے ساتھیوں سے قریب رہتے، بوقتِ ملاقات انھیں اپنائیت کا احساس دلاتے اور ان کی ضرورتوں میں ان کا ساتھ دیتے۔

☆ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد (عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ) فوت ہوئے تو ان پر بہت زیادہ قرض تھا۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے گذارش کی کہ آپ قرض خواہوں سے بات کریں کہ وہ کچھ قرض معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے ان سے بات کی تو انھوں نے قرض معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کھجور کے باغ میں جاؤں اور پھل اتار کر انواع واقسام کی کھجوروں میں سے ہر قسم کو الگ الگ رکھوں۔ میں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہی کیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا

---

① صحيح البخاري:3035، صحيح مسلم:2475

② سنن أبي داؤد:4794۔ حسنه الألباني

تو آپ تشریف لے آئے ، باغ کے درمیان بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا:

اب تم قرض خواہوں میں سے ہر ایک کو اس کے قرض کے بقدر کھجور کا پھل دینا شروع کرو۔

میں نے انھیں پھل دینا شروع کیا یہاں تک کہ سب کا قرض ادا ہو گیا اور کھجوروں کا پھل اتنا باقی رہ گیا کہ جیسے اس میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا (یا جیسے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا۔)[1]

بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد اُحد کے دن شہید ہوئے تو ان پر قرض تھا۔ قرض خواہوں نے شدت سے مطالبہ کیا کہ انھیں ان کا حق دیا جائے ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گذارش کی کہ آپ قرض خواہوں سے کہیں کہ وہ میرے باغ کا پھل جتنا ہو اسے قبول کر لیں اور باقی قرض میرے والد کو معاف کر دیں ۔ آپ ﷺ نے ان سے بات کی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم صبح کو اپنے باغ میں میرا انتظار کرنا''

اگلے دن صبح ہی کے وقت نبی کریم ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے گئے ، باغ میں ایک چکر لگایا اور اس کے پھل میں برکت کی دعا کی ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد انھوں نے پھل اتارا اور اسے قرض خواہوں میں ان کے قرض کے بقدر تقسیم کیا، اس کے بعد بھی بہت سارا پھل بچ گیا۔[2]

⑨ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک

نبی کریم ﷺ گھر سے باہر بھی عام لوگوں سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے اور اسی طرح گھر کے اندر بھی اپنے گھر والوں سے بہت اچھا سلوک کرتے ۔ ان سے اظہارِ محبت کرتے ، ان کے حقوق کا بھرپور خیال رکھتے اور حتی کہ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بھی بٹاتے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟

تو انھوں نے فرمایا:

«كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ »[3]

'' آپ ﷺ اپنے گھر والوں کی خدمت کرتے تھے ۔ پھر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ اس کیلئے کھڑے

---

① صحيح البخاری:2127 ، 2405
② صحيح البخاری:2395
③ صحيح البخاری:6039

ہو جاتے۔‘‘

اور ایک روایت میں ہے کہ

«كَانَ يَخِيْطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَعْمَلُ مَا يَعْمَلُ الرِّجَالُ فِي بُيُوْتِهِمْ »①

’’آپ اپنا (پھٹا ہوا) کپڑا سیتے تھے، جوتے کو پیوند لگاتے تھے اور ہر وہ کام کرتے تھے جو دوسرے لوگ اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔‘‘

⑦ خادم کے ساتھ حسنِ سلوک

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ، وَلَا لِمَ صَنَعْتَ؟ وَلَا أَلَا صَنَعْتَ؟»②

’’میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی، اس دوران آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ اور نہ یہ کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ یہ کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟‘‘

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ «مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ، إِلَّا أَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ »③

’’رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو نہیں مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو مارا۔ الا یہ کہ آپ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔ اور آپ کو جب کبھی ایذاء پہنچائی گئی اس پر آپ نے ایذاء پہنچانے والے سے بدلہ نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ کی حرمات میں سے کسی کا ارتکاب کیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ضرور بدلہ لیا۔‘‘

⑧ بچوں پر شفقت

نبی کریم ﷺ بچوں کیلئے نہایت مشفق تھے، ان کے ساتھ بہت پیار کرتے تھے، انھیں اپنی گود میں بٹھاتے اور انھیں بوسے دیتے تھے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

« مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ»

① رواه أحمد وابن حبان وهو صحيح

② صحيح البخاري:6038، صحيح مسلم:2309 ③ صحيح مسلم:2328

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ بچوں پر شفقت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

نیز ان کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم مدینہ منورہ کے ایک محلّہ (عوالی) میں کسی عورت کے ہاں دودھ پیتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس سے ملنے کیلئے جایا کرتے تھے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔ دودھ پلانے والی عورت کا خاوند لوہار تھا، اس لئے اس کے گھر میں دھواں رہتا تھا۔ پھر بھی آپ ﷺ اس کے گھر میں جاتے، بچے کو اٹھاتے، اسے بوسہ دیتے اور پھر واپس لوٹ آتے۔

اور جب وہ فوت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ ابْنِي، وَإِنَّهُ مَاتَ فِي الثَّدْيِ، وَإِنَّ لَهُ لَظِئْرَيْنِ تُكَمِّلَانِ رَضَاعَهُ فِي الْجَنَّةِ» ①

''بے شک ابراہیم میرا بیٹا تھا اور وہ مدتِ رضاعت میں فوت ہو گیا ہے۔ اب اس کیلئے جنت میں دو دودھ پلانے والیاں ہیں جو اس کی رضاعت مکمل کریں گی۔''

جبکہ صحیحین کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابراہیم کی وفات کے موقعہ پر یوں فرمایا:

« تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ، وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَاللّٰهِ يَا إِبْرَاهِيْمُ إِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ » ②

''آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور دل غمزدہ ہے۔ پھر بھی ہم صرف وہی بات کہہ سکتے ہیں جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ اللہ کی قسم! اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی پر غمگین ہیں۔''

☆ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ نے اپنے کندھے پر (اپنی نواسی) امامہ بنت ابی العاص کو اٹھا رکھا تھا۔ پھر آپ نے اسی حال میں نماز شروع کر دی، پس جب آپ رکوع میں جاتے تو اسے اتار کر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔ ③

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ اُس وقت آپ کے پاس حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے تو ان میں سے کسی کو کبھی بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا:

« مَنْ لَّا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ » ④ ''جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

---

① صحيح مسلم:2316 ② صحيح البخاري:1303، صحيح مسلم: 2315

③ صحيح البخاري:5996، صحيح مسلم:543

④ صحيح البخاري 5997، صحيح مسلم:2318

⑨ ادائیگی حقوق

رسول اکرم ﷺ لوگوں کے حقوق انھیں ادا کرتے تھے۔ اگر کسی سے کوئی چیز بطور قرض لیتے تو ادائیگی کے وقت اُس سے بہتر چیز ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں دعا بھی فرماتے۔ اور بعض اوقات کسی سے کوئی چیز خرید کر اس کی قیمت بھی ادا کر دیتے اور وہ چیز بھی اسے واپس کر دیتے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ سے اپنے قرض کا (جو ایک اونٹ تھا) تقاضا کرنے آیا تو اس نے آپ سے سخت کلامی کی۔ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس کی طرف بڑھے لیکن آپ نے فرمایا: «دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا»

''اسے چھوڑ دو کیونکہ حق والا (سختی سے) بات کرسکتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا «أَعْطُوْهُ سِنًّا مِثْلَ سِنِّهِ»

''اسے اِس کے اونٹ جیسا اونٹ دے دو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں اس سے بہتر اونٹ ہی ملا ہے، اُس جیسا نہیں ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: « أَعْطُوْهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً » ①

''اسے وہی دے دو کیونکہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر ہو۔''

☆ حضرت عبد اللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے قرض لیا جو چالیس ہزار تھا۔ پھر آپ کے پاس مال آیا تو آپ نے مجھے قرض ادا کر دیا اور فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ ، إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ »②

''اللہ تعالیٰ تمھارے گھر والوں میں اور تمھارے مال میں برکت دے۔ بے شک قرضے کا بدلہ یہ ہے کہ قرض دار قرض دینے والے کا شکر ادا کرے اور قرض واپس کر دے۔''

☆ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ واپس لوٹتے ہوئے میں ایک اونٹ پر سوار تھا جو انتہائی تھک چکا تھا، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ اسے چھوڑ دوں لیکن رسول اللہ ﷺ میرے پیچھے سے آئے، میرے لئے دعا فرمائی اور اسے مارا۔ پھر وہ ایسا چلا کہ اُس جیسا کبھی نہ چلا تھا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے پوچھا: اب تمھارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے کہا: اب بخیر ہے اور آپ کی برکت کا اُس پر اثر ہوا ہے۔ آپ ﷺ

---

① صحیح البخاری:2306، صحیح مسلم:1601

② سنن النسائی:4683 حسنه الألبانی

نے فرمایا: یہ مجھے بیچ دو۔ میں نے کہا: نہیں، یہ آپ کیلئے (ہدیہ) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ مجھے بیچ دو۔ میں نے پھر یہی جواب دیا کہ یہ آپ کیلئے (ہدیہ) ہے۔ آپ نے تیسری بار پھر فرمایا: نہیں، یہ مجھے بیچ دو۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، میں نے ایک آدمی کے چند درہم دینے ہیں وہ آپ اپنے ذمے لے لیں اور یہ اونٹ خرید لیں، ہاں یہ اونٹ میں آپ کو مدینہ پہنچ کر دونگا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ مدینہ منورہ میں پہنچے تو میں نے اونٹ آپ کو دے دیا اور آپ نے مجھے اس کی قیمت ادا کردی۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے سونے کا ایک اوقیہ دے دو اور کچھ مزید بھی، چنانچہ انھوں نے ایک اوقیہ اور ایک قیراط مجھے دے دیا) پھر جب میں چلا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے واپس بلوا کر فرمایا:

«لَكَ الثَّمَنُ وَلَكَ الْجَمَلُ» ''قیمت بھی تمھاری اور اونٹ بھی تمھارا ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: «خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ فَهُوَ لَكَ» ①

''اپنا اونٹ بھی لے لو اور درہم بھی لے لو، دونوں چیزیں تمھاری ہیں۔''

⑩ مزاح اور خوش طبعی

نبی کریم ﷺ بسا اوقات خوش طبعی کیلئے مزاح بھی کرتے تھے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں «يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ» ② ''اے دو کانوں والے'' کہہ کر پکارا۔ یعنی ان سے مزاح کیا۔

☆ نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتی لوگوں میں سے ایک آدمی جس کا نام 'زاہر' تھا وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات سے کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا تھا اور جب وہ واپس لوٹنے لگتا تو آپ ﷺ اسے کچھ ساز وسامان دے دیا کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے: «إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ»

''بے شک زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کو اس سے محبت تھی حالانکہ وہ پست قامت تھا اور بہت زیادہ خوبصورت نہ تھا۔ ایک دن آپ ﷺ اس کے پاس آئے، وہ اُس وقت آپ کا کچھ سامان بیچ رہا تھا۔ آپ نے اس کے پیچھے سے جا کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ آپ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑو، یہ کون ہے؟ پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ کا سینہ مبارک اس کی پیٹھ کو

---

① صحيح البخاري :2718، صحيح مسلم : 715 باب بيع البعير واستثناء ركوبه

② سنن أبي داؤد : 5002، سنن الترمذي :1992، 3828- وصححه الألباني

لگ رہا ہے تو اس نے اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ سے چھڑانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اور آپ ﷺ فرمانے لگے:

« مَنْ يَّشْتَرِي الْعَبْدَ ؟ » ''اس غلام کو کون خریدے گا؟''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! تب تو آپ مجھے بہت سستا پائیں گے!

آپ ﷺ نے فرمایا: « لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ ؟ »

''لیکن تم اللہ کے ہاں سستے نہیں ہو''

یا آپ نے فرمایا: « لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْتَ غَالٍ » ①

''لیکن تم اللہ کے ہاں بہت مہنگے ہو۔''

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے گذارش کی کہ اسے سواری فراہم کی جائے۔ آپ نے فرمایا: میں تمھیں اونٹنی کا بچہ دونگا۔

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کرونگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: « وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ » ②

''اونٹ کو بھی اونٹنی ہی جنم دیتی ہے۔''

یہ نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کے بعض پہلو تھے۔ ہم سب کو کوشش کرنی چاہئے کہ ہم آنحضور ﷺ کے اخلاق حسنہ کو اپنائیں اور اُن عادات وخصائل حمیدہ کو اختیار کریں جو آپ ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں عقائد واعمال کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار کی پاکیزگی کا بھی اہتمام کرے کیونکہ قیامت کے روز جب انسان کے اعمال کا وزن ہوگا تو ترازو کے نیکیوں والے پلڑے میں سب سے زیادہ وزنی چیز عقیدۂ توحید کے بعد حسن اخلاق ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: « أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْخُلُقُ الْحَسَنُ » ③

''قیامت کے دن ترازو میں سب سے زیادہ بھاری حسن خلق ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کو اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین

---

① رواه أحمد وهو صحيح

② سنن أبي داؤد: 4998، سنن الترمذي: 1991، صححه الألباني

③ رواه أحمد وابن حبان وهو صحيح

ماہِ رجب کی بدعات

اہم عناصر خطبہ:

① ماہِ رجب حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے

② رجب کی بعض بدعات ③ صلاۃ الرغائب

④ رجب کے مخصوص روزے ⑤ رجب کی ستائیسویں رات کی عبادت یا اگلے دن کا روزہ

⑥ کیا رجب میں عمرہ کرنا افضل ہے؟ ⑦ رجب کے کونڈے

برادرانِ اسلام!

رجب کا مہینہ حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾[1]

''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ ہے۔ اور یہ اس دن سے ہے جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے حرمت وادب کے ہیں۔ یہی مضبوط دین ہے، لہٰذا تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

یعنی ابتدائے آفرینش سے ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

حرمت والے چار مہینے کونسے ہیں؟

اس کی وضاحت صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یوں کی گئی ہے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ: ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ، وَذُوالْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ»[2]

''سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار حرمت والے ہیں، تین پے در پے ہیں اور وہ ہیں: ذوالقعدۃ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب مضر ہے جو کہ جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔''

---

① التوبة 36:9 ② البخاری ۔ التفسیر باب سورۃ التوبۃ

اِس حدیثِ مبارک میں رجب کی نسبت 'مضر' قبیلہ کی طرف اس لئے کی گئی ہے کہ اِس قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت رجب کی تعظیم میں نہایت مبالغہ کرتے تھے۔

عزیزانِ گرامی! اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبۃ کی آیت میں جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے، حرمت والے چار مہینوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ﴾

یعنی ''ان میں (خصوصی طور پر) تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

ظلم تو سال کے بارہ مہینوں میں ممنوع ہے لیکن ان چار مہینوں کی عزت وحرمت اور ان کے تقدس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے منع فرمادیا۔

اس ظلم سے مراد کیا ہے؟

اس سے ایک تو یہ مراد ہے کہ ان مہینوں میں جنگ وجدال اور قتال نہ کیا کرو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ﴾ [1]

''لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔''

زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان چار مہینوں کی حرمت کا خیال رکھتے تھے اور آپس کی جنگ اور لڑائی کو ان میں روک دیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں لفظ 'رجب' ترجیب سے ہے اور اس کا معنی بھی تعظیم ہے۔ اور اس مہینے کو اسی لئے 'رجب' کہا گیا کہ عرب لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس میں بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور اس رسم کو 'عتیرہ' کا نام دیتے تھے۔ پھر جب اسلام آیا تو اس نے بھی ان حرمت والے مہینوں کے احترام وتقدس کو برقرار رکھا اور ان میں لڑائی کو کبیرہ گناہ قرار دیا تاہم رجب کے مہینے میں ادا کی جانے والی رسم 'عتیرہ' کو حرام قرار دے دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ» [2] ''اسلام میں نہ 'فرع' ہے اور نہ 'عتیرہ' ہے۔''

'فرع' سے مراد اونٹ، گائے اور بکری کا وہ پہلا بچہ ہے جس کو جاہلیت میں لوگ اپنے بتوں کیلئے ذبح کرتے تھے۔ اور 'عتیرہ' سے مراد وہ جانور ہے جس کو لوگ رجب کے مہینہ میں بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

---

(1) البقرة 217:2 (2) صحيح البخاري:5473، صحيح مسلم:1976

اِس رسم کو رجبیہ بھی کہا جاتا تھا۔

عزیز بھائیو! اِس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام اور شرک اکبر ہے جو انسان کو ملتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ [1]

''تم پر مردہ جانور، (بہتا ہوا) لہو، سؤر کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں۔ اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔ اور وہ جانور بھی جسے آستانوں پر ذبح کیا جائے۔ اور یہ بھی (حرام ہے کہ) تم پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔''

اِس آیت کریمہ میں ﴿مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ فرما کر ہر اُس جانور کو حرام قرار دیا گیا جس کو غیر اللہ کیلئے ذبح کیا جائے۔ اور ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ فرما کر ہر اس جانور کو حرام قرار دیا گیا جس کو آستانوں یا ان درباروں اور مزاروں پر ذبح کیا جائے جن میں شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہو۔

بلکہ اسلام میں تو وہ جانور بھی حرام ہے جس کو کسی ایسے مقام پر ذبح کیا جائے جہاں شرک کیا جاتا ہو خواہ اس کو ذبح کرتے ہوئے اُس پر اللہ کا نام کیوں نہ پکارا گیا ہو۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا: کیا میں اپنی نذر پوری کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟»

''کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کسی بت کی پوجا کی جاتی تھی؟''

انھوں نے کہا: نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟»

---

[1] المائدة 5:3

''کیا وہ لوگ وہاں کوئی جشن یا عرس مناتے تھے ؟''

انھوں نے کہا: نہیں

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»[1]

''تم اپنی نذر پوری کرلو کیونکہ اللہ کی نافرمانی میں نذر پوری نہیں کی جاتی اور نہ ہی ایسی نذر جس کو پورا کرنے کا انسان اختیار نہ رکھتا ہو۔''

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ جہاں کوئی عرس وغیرہ منایا جاتا ہو یا غیر اللہ کی پوجا کی جاتی ہو وہاں اللہ کے نام پر بھی کوئی جانور ذبح نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی وہاں جا کر کوئی نذر پوری کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جس صحابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ وہ 'بوانہ' مقام پر جا کر اپنی نذر پوری کرنے کیلئے اونٹ ذبح کرسکتا ہے یا نہیں، یقیناً وہ اللہ کے نام پر ہی اسے ذبح کرنے والا تھا، لیکن آپ ﷺ نے جب تک اس سے یہ پوچھ نہیں لیا کہ وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں کی جاتی تھی اور وہاں کوئی عرس/ میلہ تو نہیں لگتا تھا' اس وقت تک آپ ﷺ نے اسے وہاں جا کر نذر پوری کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یعنی اگر وہاں غیر اللہ کی پوجا کی جاتی ہوتی یا وہاں کوئی عرس وغیرہ منایا جاتا ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ اسے اجازت نہ دیتے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے مقام پر اللہ کے نام سے بھی کوئی جانور ذبح نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس سے قطعی طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔

برادرانِ اسلام!

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ میں ظلم سے مراد یہ بھی ہے کہ تم ان چار مہینوں میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو، کیونکہ ان میں نافرمانی کرنے کا گناہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو سال کے بارہ مہینوں میں حرام قرار دیا ہے، پھر ان میں سے چار مہینوں کو خاص کردیا ہے کیونکہ ان میں برائی اور نافرمانی کا گناہ زیادہ ہوجاتا ہے اور نیکی اور عمل صالح کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے۔

اور امام قتادۃ رحمہ اللہ ﴿ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں:

''حرمت والے مہینوں میں ظلم کا گناہ اور بوجھ دوسرے مہینوں کی نسبت کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور ظلم کا گناہ

[1] سنن أبي داؤد: 3313 وصححه الألباني

اگر چہ ہر وقت بڑا ہوتا ہے لیکن اللہ جس مہینے کو چاہے اس میں ظلم کا گناہ اور بڑا کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے پیامبر فرشتوں کو چن لیا۔ کلام میں سے قرآن مجید کو چن لیا۔ پوری سرزمین میں سے مساجد کو چن لیا۔ اسی طرح مہینوں میں سے ماہ رمضان اور حرمت والے چار مہینوں کو چن لیا، دنوں میں سے یوم جمعہ کو چن لیا اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو چن لیا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عظمت دے دے، لہٰذا تم بھی اسے عظیم سمجھو جسے اللہ تعالیٰ عظیم قرار دے۔"[1]

اِس مختصر سی تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ رجب حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے لہٰذا اس کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے خاص طور پر اس میں گناہوں سے بچنا چاہیے۔ جبکہ اِس دور میں بعض مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ انھوں نے اِس مہینہ میں کئی بدعات ایجاد کر لی ہیں جنھیں وہ کارِ خیر اور دین کا حصہ سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اکرم ﷺ اپنے ہر خطبۂ حاجت میں ارشاد فرماتے تھے: «أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »[2]

"حمد وثناء کے بعد! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور سب سے برے امور وہ ہیں جنھیں دین میں نیا ایجاد کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»[3]

"جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں تھا، وہ مردود ہے۔"

مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

"جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مردود ہے۔"

اِن احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین میں ہر نیا کام بدعت اور ہر نیا طریقہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔

اب ہم رجب میں ایجاد کی گئی بعض بدعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

---

① تفسیر ابن کثیر:468/2 ② صحیح مسلم:867

③ صحیح البخاری:2697، صحیح مسلم:1718

① صلاۃ الرغائب

رجب کے مہینے میں ایک بدعت "صلاۃ الرغائب" کے نام سے لوگوں میں م ـ ـ ئ ہے۔سب سے پہلے اس کی کیفیت جس کو لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہم اسے ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بارے میں محدثینؒ کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

جو حدیث ''صلاۃ الرغائب'' کے بارے میں بیان کی جاتی ہے اس کے شروع میں ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:«رَجَبُ شَهْرُ اللّٰهِ وَشَعْبَانُ شَهْرِيْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ أُمَّتِي»

''رجب اللہ کا مہینہ ہے،شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔''

اِس کے بعد حدیث میں رجب کے کچھ جھوٹے فضائل ذکر کئے گئے ہیں، پھر آپ ﷺ کی طرف آپ کا یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ

''جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کے دن کا روزہ رکھے، پھر جمعہ کی رات کو مغرب وعشاء کے درمیان بارہ رکعات دو دو کر کے اِس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۃ القدر اور بارہ مرتبہ سورۃ الاخلاص کی تلاوت کرے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو مجھ پر ستر مرتبہ یہ درود شریف پڑھے :(اللهم صل علی محمد النبی الأمي وعلی آله) پھر سجدہ میں چلا جائے اور یہ دعا ستر مرتبہ پڑھے:(سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ)اس کے بعد سر اٹھا کر یہ دعا ستر مرتبہ پڑھے :(رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْأَعْظَمُ) بعد ازاں وہ دوسرا سجدہ بھی اسی طرح کرے۔اس کے بعد وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا اس کی ہر حاجت پوری کی جائے گی۔''

اس جھوٹی حدیث کے بارے میں محدثین کے اقوال کچھ یوں ہیں :

① ابن الجوزی اس حدیث کو''الموضوعات''میں روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں :

''یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر گھڑی گئی ہے اور محدثین نے اس کا الزام ابن جهضم پر لگایا ہے جو ان کے نزدیک جھوٹ بولتا تھا۔اور میں نے اپنے شیخ عبد الوہاب الحافظ سے سنا تھا کہ اس کے رجال مجہول ہیں۔اور خود میں نے بھی تمام کتب میں تفتیش کی تو مجھے ان کے بارے میں کچھ نہ ملا۔''[1]

اور ذہبی ابن الجوزی کے مذکورہ قول پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:(لَعَلَّهُمْ لَمْ يُخْلَقُوْا) یعنی اس حدیث کو روایت کرنے والے رجال شاید پیدا ہی نہیں ہوئے۔[2]

① الموضوعات:438/2
② تلخیص الموضوعات، ص247

اسی طرح ابن الجوزی 'الصلاۃ الألفیۃ' کے بارے میں موضوع حدیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:
''اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِس کے زیادہ تر راوی مجہول ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو بالکل ضعیف ہیں اور اِس طرح کی حدیث کا نبی کریم ﷺ سے صادر ہونا ناممکن ہے۔ اور ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو یہ نماز پڑھتے ہیں، جب چھوٹی راتیں ہوتی ہیں تو وہ اِس کے بعد سو جاتے ہیں اور ان کی فجر کی نماز بھی فوت ہو جاتی ہے۔ جبکہ جاہل ائمۂ مساجد نے اِس نماز کو اور اسی طرح ''صلاۃ الرغائب'' کو لوگوں کو جمع کرنے اور کسی بڑے منصب تک پہنچنے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قصہ گو لوگ اپنی مجالس میں اسی نماز کا تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ یہ سب حق سے بہت دور ہیں۔''[1]

② ابن رجب کہتے ہیں: ''ماہِ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں صلاۃ الرغائب پڑھنے کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ سب کی سب جھوٹی، باطل اور غیر صحیح ہیں۔ اور یہ نماز جمہور علماء کے نزدیک بدعت ہے جو چوتھی صدی کے بعد ظاہر ہوئی۔''[2]

③ امام نووی کہتے ہیں: ''وہ نماز جو صلاۃ الرغائب کے نام سے معروف ہے اور جس کی بارہ رکعات رجب کی پہلی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہیں، وہ اور اسی طرح شعبان کی پندرھویں رات کی سو رکعات نماز یہ دونوں نمازیں بہت بری بدعت ہیں۔ لہٰذا 'قوت القلوب' اور 'احیاء علوم الدین' میں ان کے تذکرہ سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں روایت کی گئی حدیث سے دھوکہ کھانا چاہئے کیونکہ وہ پوری کی پوری باطل ہے۔''[3]

④ محمد بن طاہر الہندی کہتے ہیں: (صَلَاةُ الرَّغَائِبِ مَوضُوعٌ بِالْاِتِّفَاقِ) ''صلاۃ الرغائب بالاتفاق من گھڑت ہے۔''[4]

⑤ امام شوکانی کہتے ہیں: (قَدِ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰى أَنَّهَا مَوضُوعَةٌ ...وَوَضْعُهَا لَا يَمْتَرِيْ فِيهِ مَنْ لَهُ أَدْنٰى إِلْمَامٌ بِفَنِّ الْحَدِيثِ، وَقَالَ الْفَيْرُوزآبَادِي فِي الْمُخْتَصَرِ: إِنَّهَا مَوضُوعَةٌ بِالْاِتِّفَاقِ، وَكَذَا قَالَ الْمَقْدِسِيُّ)[5]

---

① الموضوعات: 440-443/2
② لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، ص123
③ المجموع للنووی: 379/3
④ تذکرۃ الموضوعات، ص44
⑤ الفوائد المجموعۃ ص50-51

یعنی تمام حفاظ حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نماز من گھڑت ہے۔ اور اس کے من گھڑت ہونے میں فن حدیث میں ادنیٰ سا علم رکھنے والے شخص کو بھی شک وشبہ نہیں۔ فیروز آبادی اور اسی طرح مقدسی نے بھی صراحتاً کہا ہے کہ یہ حدیث باتفاقِ محدثین موضوع ہے۔

⑥ مولانا عبد الحی لکھنوی کہتے ہیں: (إِنَّ حَدِيْثَ صَلَاةِ الرَّغَائِبِ مَوْضُوعٌ بِاتِّفَاقِ أَكْثَرِ الْمُحَدِّثِيْنَ أَوْ كُلِّهِمْ، وَلَا عِبْرَةَ بِمَنْ خَالَفَهُمْ كَائِنًا مَنْ كَانَ)

یعنی ''صلاۃ الرغائب'' والی حدیث من گھڑت ہے اور اس پر اکثر محدثین یا سب محدثین کا اتفاق ہے۔ اور ان کی مخالفت کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں چاہے وہ کوئی بھی ہو۔[1]

اس کے علاوہ سیوطی، ابن عراق اور الکرمی المقدسی نے بھی اس حدیث کوموضوعات میں شمار کیا ہے۔[2]

❷ رجب کے مخصوص روزے

ماہِ رجب کی بدعات میں سے ایک بدعت ہے اس میں روزے کی مخصوص فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے مخصوص روزے رکھنا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ سے اس مہینہ کے روزوں کے بارے میں کچھ بھی صحیح ثابت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ سکی ہے کہ آپ ﷺ خاص طور پر اس مہینے میں روزوں کا اہتمام کرتے تھے۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے امام الساجی الحافظؒ سے نقل کیا ہے کہ امام عبد اللہ الأنصاری رجب میں روزہ نہیں رکھتے تھے اور اس سے منع بھی کرتے تھے۔ نیز وہ کہتے تھے:

(مَا صَحَّ فِي فَضْلِ رَجَب وَفِي صِيَامِهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْءٌ)[3]

''رسول اللہ ﷺ سے رجب کی فضیلت یا اس میں روزوں کی فضیلت کے بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔''

اور حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں:

(لَمْ يَرِدْ فِي فَضْلِ شَهْرِ رَجَبِ وَلَا فِي صِيَامِهِ وَلَا فِي صِيَامِ شَيْءٍ مِنْهُ مُعَيَّنٍ وَلَا فِي قِيَامِ لَيْلَةٍ مَخْصُوصَةٍ فِيْهِ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ يَصْلُحُ لِلْحُجَّةِ، وَقَدْ سَبَقَنِي إِلَى الْجَزْمِ بِذَلِكَ الْإِمَامُ أَبُو إِسْمَاعِيلَ الْهَرَوِيُّ)[4]

---

① الآثار المرفوعة، ص74

② اللآلیء المصنوعة :47/2، تنزيه الشريعه، ص2/90، الفوائدالموضوعة، ص72

③ الموضوعات، 578/2-579

④ تبيين العجب بما ورد فی فضل رجب، ص71

’’ماہِ رجب کی فضیلت، یا اس کے روزوں کی فضیلت، یا اس میں کسی متعین دن کے روزہ کی فضیلت، یا اس کی کسی متعین رات کے قیام کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے جو قابلِ حجت ہو۔ اور مجھ سے پہلے یہی یقینی بات امام ابو اسماعیل الہروی نے بھی کہی ہے۔‘‘

اِس کے بعد کہتے ہیں: (وَأَمَّا الْأَحَادِيْثُ الْوَارِدَةُ فِي فَضْلِ رَجَبٍ أَوْ فِي فَضْلِ صِيَامِهِ أَوْ صِيَامِ شَيْءٍ مِنْهُ صَرِيْحَةً فَهِيَ عَلَى قِسْمَيْنِ : ضَعِيْفَةٌ وَمَوْضُوْعَةٌ)①

’’رجب کی فضیلت یا اس کی روزوں کی فضیلت یا اس کے کسی متعین دن کے روزہ کی فضیلت کے بارے میں جتنی صریح حدیثیں وارد ہیں وہ دو قسم کی ہیں: یا وہ ضعیف ہیں یا وہ موضوع (من گھڑت) ہیں۔‘‘

امام شوکانی نے علی بن ابراہیم العطار سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

(إِنَّ مَا رُوِيَ مِنْ فَضْلِ صِيَامِ رَجَبٍ فَكُلُّهُ مَوْضُوْعٌ وَضَعِيْفٌ لَا أَصْلَ لَهُ)②

’’رجب کے روزوں کے متعلق جو کچھ بھی روایت کیا گیا ہے وہ سب من گھڑت، ضعیف اور بے بنیاد ہے۔‘‘

لہٰذا جب ایک حدیث بھی صحیح سند سے ثابت نہیں تو پھر جھوٹی اور من گھڑت احادیث کی بناء پر یہ اعتقاد رکھنا سراسر غلط ہے کہ رجب میں مخصوص روزوں کی کوئی فضیلت ہے۔

ماہِ رجب میں روزوں کی فضیلت میں جو جھوٹی احادیث بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

(إِنَّ شَهْرَ رَجَبٍ شَهْرٌ عَظِيْمٌ ، مَنْ صَامَ مِنْهُ يَوْمًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ صَوْمَ أَلْفِ سَنَةٍ ، وَمَنْ صَامَ يَوْمَيْنِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ صِيَامَ أَلْفَي سَنَةٍ ، وَمَنْ صَامَ مِنْهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ كَتَبَ لَهُ ثَلَاثَةَ آلَافِ سَنَةٍ ، وَمَنْ صَامَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ أُغْلِقَتْ عَنْهُ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ ، وَمَنْ صَامَ مِنْهُ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ ، وَمَنْ صَامَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُهُ حَسَنَاتٍ ، وَنَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ:قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ، فَاسْتَأْنِفِ الْعَمَلَ ، وَمَنْ زَادَ زَادَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ)

’’بے شک رجب کا مہینہ عظمت والا مہینہ ہے، جو شخص اس میں ایک دن کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک ہزار سال کے روزے لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص دو دن کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کیلئے دو ہزار سال کے روزے لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص تین دن کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کیلئے تین ہزار سال کے روزے لکھ دیتا

---

① تبيين العجب بما ورد في فضل رجب، ص76

② الفوائد المجموعة : ص392

ہے۔ اور جو شخص سات دن کے روزے رکھے اس سے جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو شخص آٹھ دن کے روزے رکھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، وہ جس میں سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ اور جو شخص پندرہ دن کے روزے رکھے اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور ایک منادی آسمان سے اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کر دی ہے، اب تم نئے سرے سے عمل شروع کر دو۔ اور جو شخص اس سے زیادہ روزے رکھے اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔"

اس حدیث کو ابن الجوزی نے "الموضوعات" میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ذہبی نے بھی اس میں دو راویوں (علی بن یزید اور ہارون بن عنترۃ) کی نشاندہی کرتے ہوئے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور سیوطی نے بھی ان دونوں کی موافقت کی ہے۔ جبکہ ابن عراق نے ایک اور راوی (اسحاق بن ابراھیم الختلی) کی نشاندہی کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسی کو مورد الزام ٹھہرایا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے (هو موضوع بلا شك) "یہ بلاشبہ موضوع ہے۔"[1]

اسی طرح یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ صَامَ يَوْمًا مِنْ رَجَبٍ وَصَلّٰى فِيْهِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَقْرَأُ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ مِائَةَ مَرَّةٍ آيَةَ الْكُرْسِيِّ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ)

"جو آدمی رجب میں ایک دن کا روزہ رکھے اور اس میں چار رکعات اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سو مرتبہ آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں سو مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھے تو اس کی موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے۔"

اِس کے بارے میں ابن الجوزی کہتے ہیں:

(هٰذَا مَوْضُوعٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَكْثَرُ رُوَاتِهِ مَجَاهِيْلُ)[2]

"یہ رسول اللہ ﷺ پر گھڑی ہوئی حدیث ہے اور اس کے اکثر راوی مجہول ہیں۔"

اسی طرح ایک اور حدیث جو نبی کریم ﷺ کی طرف رجب کے روزوں کے حوالے سے منسوب کی جاتی ہے، یہ ہے: (مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ رَجَبٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ صِيَامَ شَهْرٍ . . . وَمَنْ صَامَ نِصْفَ

---

① الموضوعات، 2/578-79، تلخیص الموضوعات، 277، اللآلیء، 2/97-98، تنزیه الشریعه، 152/2

② الموضوعات: 435/2

رَجَبٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ رِضْوَانَهُ، وَمَنْ كَتَبَ لَهُ رِضْوَانَهُ لَمْ يُعَذِّبْهُ، وَمَنْ صَامَ رَجَبَ كُلَّهُ حَاسَبَهُ اللّٰهُ حِسَابًا يَّسِيْرًا)

''جوشخص رجب میں تین دن کے روزے رکھے گا اللہ اس کیلئے پورے مہینے کے روزوں کا ثواب لکھ دے گا اور جو پندرہ دن کے روزے رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کیلئے اپنی رضا مندی لکھ دے گا اور جس کیلئے رضامندی لکھ دے گا اسے عذاب نہ دے گا۔ اور جو پورے مہینے کے روزے رکھے گا اس سے اللہ تعالیٰ آسان حساب لے گا۔''

اِس کے بارے میں ابن الجوزی کہتے ہیں:

(هَذَا حَدِيْثٌ لاَ يَصِحُّ، فَفِي صَدْرِهِ أَبَانُ، قَالَ شُعْبَةُ:لَأَنْ أَزْنِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ أَبَانٍ)①

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کے شروع میں أبان نامی راوی ہے جس کے بارے میں شعبہ کہتے ہیں کہ میں اگر زنا کرلوں تو یہ میرے لئے اِس سے بہتر ہے کہ میں أبان سے روایت کروں۔''

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جنھیں رجب کے مہینے میں منبر ومحراب پر بیان کیا جاتا ہے یا قلم وقرطاس کے ذریعے ان کی نشر واشاعت کی جاتی ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»②

''جوشخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے تو وہ یقین کرلے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''

یہ حدیث متواتر ہے اور ابن الجوزی کا کہنا ہے کہ یہ ۹۸ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، جبکہ ابن الصلاح نے بعض محدثین کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسے ٦٢ صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن میں عشرۃ مبشرۃ بھی شامل ہیں۔ اور ملا علی قاری نے سیوطی سے نقل کیا ہے کہ یہ ایک سو سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اسی لئے امام نووی کہتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ پر جھوٹ گھڑنا حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں جو سب سے بڑے گناہ ہیں ان میں سے ایک ہے۔ اور بڑی برائیوں میں سے ایک برائی ہے، چاہے یہ افتراء پردازی احکام میں ہو یا ترغیب وترہیب میں ہو اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے سوائے کرامیہ کے جو ایک مبتدع گروہ ہے۔''③

① الموضوعات:2/579

② صحيح البخاري، كتاب الجنائز باب ما يكره من النياحة على الميت :1291، صحيح مسلم، مقدمه: باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ:ص4

③ شرح صحيح مسلم:1/67

رسول اللہ ﷺ نے وضعِ حدیث سے سختی سے منع فرمایا ہےاوراس پر جہنم کی وعید سنائی ہے۔

ارشاد ہے:«لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ»①

''تم مجھ پر جھوٹ نہ گھڑنا، کیونکہ جوشخص مجھ پر جھوٹ گھڑے گا وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔''

نیز فرمایا:«مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»②

''جو آدمی میری طرف وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو اس کا ٹھکانا یقیناً جہنم ہے۔''

موضوع حدیث کو روایت کرنا بھی حرام ہے

حدیثِ موضوع کو یہ تنبیہ کئے بغیر کہ یہ حدیث موضوع ہے'روایت کرنا ایسے ہی ہے جیسے اسے وضع کرنا ہے۔اور ایسا کرنے والے دونوں اشخاص (وضاع اور راویٔ حدیثِ موضوع) اُس وعید کی زد میں آتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے عمداً وضعِ حدیث کرنے والے شخص کو سنائی ہے ۔ اور اس سلسلے میں آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد بالکل واضح ہے:

«مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيْثٍ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ »

''جوشخص مجھ سے وہ حدیث روایت کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ جھوٹی ہے ،تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔''③

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرامؒ نے روایتِ حدیثِ موضوع کو بالاجماع حرام قرار دیا ہے ۔خواہ وہ حدیث احکام ومسائل میں ہو یا ترغیب وترہیب میں ہو۔ چنانچہ الخطیب البغدادی کہتے ہیں:(يَجِبُ عَلَى الْمُحَدِّثِ أَنْ لَّا يَرْوِيَ شَيْئًا مِنَ الْأَخْبَارِ الْمَصْنُوعَةِ وَالْأَحَادِيْثِ الْبَاطِلَةِ الْمَوضُوعَةِ ، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ بَاءَ بِالْإِثْمِ الْمُبِيْنِ ، وَدَخَلَ فِي جُمْلَةِ الْكَذَّابِيْنَ)④

یعنی'' محدث پر واجب ہے کہ وہ من گھڑت ، باطل اور موضوع احادیث میں سے کوئی حدیث روایت نہ کرے ۔اور جوشخص ایسا کرے وہ واضح گناہ کا مرتکب ہےاور کذابین کے گروہ میں داخل ہے۔''

امام نووی کہتے ہیں:(يَحْرُمُ رِوَايَةُ الْحَدِيْثِ الْمَوضُوعِ عَلَى مَنْ عَرَفَ كَوْنَهُ مَوضُوعًا أَوْ

---

① صحيح البخاري، كتاب العلم ، باب إثم من كذب على النبي ﷺ :106

② صحيح البخاري:109

③ صحيح مسلم، مقدمه باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذابين ، ص43

④ فتح المغيث السخاوي:275/1

غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ وَضْعُهُ، فَمَنْ رَوٰى حَدِيْثًا عَلِمَ أَوْ ظَنَّ وَضْعَهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ حَالَ رِوَايَتِهٖ وَضْعَهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي هٰذَا الْوَعِيْدِ، مُنْدَرِجٌ فِي جُمْلَةِ الْكَاذِبِيْنَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)[1]

''جس شخص کو یہ معلوم ہو یا اس کا ظن غالب ہو کہ یہ حدیث موضوع ہے، پھر وہ یہ بتائے بغیر اسے روایت کرے کہ یہ موضوع ہے تو یہ اس پر حرام ہے اور وہ اِس وعید کی زد میں آتا ہے۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والوں کے گروہ میں شامل ہے۔''

لہٰذا رجب کے متعلق یا دیگر مہینوں کے متعلق جھوٹی اور من گھڑت احادیث کو بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اِس طرح کی مروجہ احادیث کی حقیقت کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے۔

❹ رجب کی ستائیسویں رات کی عبادت اور اگلے دن کا روزہ

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اسراء ومعراج کا جو معجزہ ہے یہ رجب کی ستائیسویں رات کو پیش آیا تھا۔ اسی لئے وہ اِس رات میں خصوصی عبادت کے قائل ہیں اور اگلے دن روزہ رکھنا مستحب سمجھتے ہیں!

اِس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ واقعۂ اسراء ومعراج کی تاریخ کے بارے میں اہلِ علم کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال قبل (ماہ ربیع الاول ۱۲ نبوی) میں پیش آیا۔ یہ ابن سعد وغیرہ کا قول ہے اور یہی بات نوویؒ نے بھی بالیقین کہی ہے، جبکہ ابن حزمؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ اسکے علاوہ ابن ابی العز حنفیؒ نے بھی اسی تاریخ (ہجرت سے ایک سال قبل) کو بالجزم ذکر کیا ہے۔[2]

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہجرت سے آٹھ ماہ قبل (ماہ رجب ۱۲ نبوی) میں پیش آیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ہجرت سے چھ ماہ قبل اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ ہجرت سے گیارہ ماہ قبل پیش آیا۔ اور کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا۔[3]

مولانا صفی الرحمٰن مبارکفوریؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''الرحیق المختوم'' میں اہلِ سِیَر کے چھ اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک قول علامہ منصور پوریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو پیش آیا۔ پھر انھوں نے اسے اِس بناء پر صحیح ماننے سے انکار کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز

---

① شرح صحیح مسلم، 68/1
② شرح العقيدة الطحاويه، ص224
③ فتح الباری:257/7

پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے ہوئی ، یعنی نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں ۔ جبکہ نمازیں معراج کی رات فرض کی گئیں ۔ لہٰذا معراج کا زمانہ ان کے بقول اِس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں ۔ اسی طرح انھوں نے وہ دو اقوال بھی غیر صحیح قرار دیئے جو اِس سے بھی پہلے کی تاریخ بتاتے ہیں ۔ رہے باقی تین اقوال (نبوت کے بارہویں سال ماہ رمضان میں ، نبوت کے تیرہویں سال ماہ محرم میں اور نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الأول میں) تو ان کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کیلئے کوئی دلیل نہیں مل سکی ۔ تاہم ان کے بقول سورۃ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے ۔ ①

تاہم ہمیں جو بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عظیم الشان واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل یعنی ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲ نبوی میں پیش آیا ۔ اس کی دلیل امام زہریؒ اور حضرت عروۃ بن زبیرؒ کا یہ قول ہے کہ بیت المقدس کی طرف آپ ﷺ کو جو اسراء کرایا گیا یہ آپ کی مدینہ روانگی سے ایک سال قبل تھا ۔ ان کا یہ قول موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ذکر کیا ہے جو صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں اور ان کی اس کتاب کے بارے میں ابن معینؒ کہتے ہیں : (كِتَابُ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ مِنْ أَصَحِّ هَذِهِ الْكُتُبِ)

’’ سیرت کی کتابوں میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب جو انھوں نے زہری سے روایت کی ہے صحیح ترین کتابوں میں سے ہے ۔ ‘‘

اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے بھی ان کی کتاب کی توثیق کی ہے ۔ ②

اور اسی بات کو حافظ عبد الغنی المقدسیؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں ترجیح دی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے ۔ ③

اور شاید حافظ ابن القیمؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے ، کیونکہ انھوں نے زاد المعاد میں زہریؒ کا یہ قول سب سے پہلے نقل کیا ہے ۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابن عبد البرؒ وغیرہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ قبل پیش آیا ۔ ④

لہٰذا جو بات عام لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ واقعہ ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو پیش آیا ' درست نہیں کیونکہ کسی معتمد روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ۔

---

① الرحيق المختوم ، ص 197

② صحيح السيرة النبوية 274/1 ، السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية: 269/1

③ البداية والنهاية: 109/3　④ زاد المعاد: 37/3

دوسری بات یہ ہے کہ بالفرض اگر یہ بات درست بھی ہو کہ اِس رات میں نبی کریم ﷺ کو معراج کرایا گیا تھا تو اِس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اِس میں خصوصی طور پر عبادت کا اہتمام کیا جائے یا اس سے اگلے دن کا روزہ رکھا جائے ! اِس سلسلے میں ہمارا موقف بالکل واضح ہے کہ اگر خود ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اِس رات میں کوئی خاص عبادت کی تھی تو پھر ہمیں بھی کرنی چاہیئے ۔ اور اگر آپ ﷺ نے نہیں کی تو پھر ہمیں بھی نہیں کرنی چاہیئے ۔ یا اگر کسی کے پاس اِس بات کا ثبوت ہو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معراج کے واقعہ کے بعد اِس رات میں خصوصی طور پر عبادت کا اہتمام کرتے تھے تو وہ ثبوت پیش کرے تاکہ ہم بھی اُن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خصوصی طور پر اِس رات میں عبادت کریں ، لیکن اگر اِس کا کوئی ثبوت نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو پھر ہمیں من گھڑت خرافات کو ترک کر دینا چاہیئے اور خالص دین پر ہی عمل کرنا چاہیئے ۔

تیسری بات یہ ہے کہ ستائیسویں رات کی عبادت یا ستائیسویں دن کے روزہ کی فضیلت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔

مولانا عبد الحی لکھنوی کہتے ہیں:(وَمَا اشْتَهَرَ فِي بِلَادِ الْهِنْدِ وَغَيْرِهِ أَنَّ صَوْمَ صَبَاحِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ يَعْدِلُ أَلْفَ صَوْمٍ فَلاَ أَصْلَ لَهُ)[1]

یعنی یہ جو بلادِ ہند وغیرہ میں مشہور ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو روزہ رکھنا ایک ہزار روزوں کے برابر ہے تو یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں دینِ خالص پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ اسی دین پر فرمائے ۔ اور ہمیں بدعات ایجاد کرنے یا ایجاد شدہ بدعات پر عمل کرنے سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

رجب کی بدعات کے حوالے سے مزید یہ بھی سن لیجئے کہ بعض لوگ اِس مہینے میں عمرہ کرنا افضل گردانتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتقاد اِس لئے درست نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس ماہ میں عمرہ کرنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ۔ اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس میں عمرہ کیا ہو۔

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس بیٹھے تھے ، میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے رجب میں عمرہ کیا تھا؟ تو انھوں نے کہا : ہاں۔

---

[1] الآثار المرفوعة ، ص77

پھر میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتائی تو انھوں نے کہا:

''اللہ تعالیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت کرے، اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے کبھی رجب کے مہینے میں عمرہ نہیں کیا تھا اور آپ ﷺ جب بھی عمرہ کیلئے گئے ہر مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہی ہوتے تھے۔ (پھر بھی وہ یہ بات بھول گئے ہیں!)

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کی یہ بات سن رہے تھے۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے۔[1]

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے اور وہ سب ذوالقعدہ کے مہینہ میں تھے سوائے اس عمرہ کے جو آپ ﷺ نے حج کے ساتھ کیا تھا۔ پہلا عمرہ حدیبیہ سے ماہِ ذوالقعدہ میں، دوسرا عمرہ اگلے سال، وہ بھی ذوالقعدہ میں، تیسرا 'جعرانہ' سے جہاں آپ نے حنین کی غنیمت کو تقسیم کیا تھا اور وہ بھی ذوالقعدہ کے مہینہ میں ہی تھا۔ جبکہ چوتھا عمرہ حج کے ساتھ تھا۔[2]

اِس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے رجب کے مہینہ میں قطعاً عمرہ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا یہ اعتقاد رکھنا غلط ہے کہ اس میں عمرہ کرنا افضل ہے۔

رجب کے کونڈے

ایک اور بدعت جس پر رجب کے مہینہ میں عمل کیا جاتا ہے وہ ہے امام جعفر صادقؒ کے نام پر 'رجب کے کونڈے' کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے ایک شخص نے ''داستان عجیب'' کے نام سے ایک کہانی شائع کی جس میں حضرت جعفر صادقؒ کے حوالے سے لکھا کہ انھوں نے کہا: جو شخص ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر 'کونڈے' کرے اور میرے ذریعے اپنی حاجت مانگے تو ضرور پوری ہو گی اور اگر پوری نہ ہوئی تو قیامت کے روز میرا دامن ہو گا اور اس کا ہاتھ۔

غور کیجئے' وہ رسم جس کو نبی کریم ﷺ کی وفات کے چودہ سو سال بعد ایجاد کیا گیا وہ کیسے دین کا حصہ ہو سکتی ہے؟ اور کیا امام جعفر صادقؒ کی اِس وصیت کا انکشاف چودہ سو سال بعد ہی ہونا تھا، پہلے کیوں نہ ہوا؟ اور کیا یہ ہو سکتا ہے کہ امام جعفر صادقؒ جیسی عظیم شخصیت نے اپنے نام کی نذر کے طور پر کونڈے کرنے کی وصیت کی ہو جبکہ

---

① صحيح مسلم:1255، السنن الكبرى للنسائي:4222، سنن ابن ماجه:2998 وصححه الألباني

② صحيح البخاري:1778، 1780، صحيح مسلم:1253

غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا حرام ہے! کیونکہ نذر ایک عبادت ہے اور ہر عبادت کو اللہ کیلئے خاص کرنا ضروری ہے۔ اور کسی بھی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کیا جائے تو وہ شرک اکبر ہوتا ہے۔ لہٰذا امام جعفر صادقؒ جیسی عظیم شخصیت کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایسا کام کرنے کی وصیت کریں جس میں شرک پایا جاتا ہو.

پھر ذرا سوچیں کہ ۲۲ رجب کا امام جعفر صادقؒ سے کیا تعلق ہے؟ اس روز نہ ان کی ولادت ہوئی اور نہ وفات! اصل بات یہ ہے کہ اس روز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور جو لوگ انھیں برا بھلا کہتے ہیں انھوں نے یہ خود ساختہ بات امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب کردی کہ اس روز کونڈے کئے جائیں۔ بہر حال یہ ایک جھوٹی کہانی ہے اور قطعا قابل اعتماد نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اِس رسم سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی توحید پر قائم ودائم رکھے اور مشرکانہ عقائد ونظریات، سے دور رہنے کی توفیق دے۔ آمین

اسراء ومعراج

اہم عناصر خطبہ:

① اہمیتِ اسراء ومعراج ② تاریخ اسراء ومعراج ③ واقعاتِ اسراء ومعراج

④ مقاصدِ اسراء ومعراج

برادران اسلام!

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو متعدد معجزات سے نوازا، ان میں سے ایک اہم معجزہ ''اسراء ومعراج'' ہے۔ اس معجزہ کے دو حصے ہیں، ایک کا تعلق مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر سے ہے جسے ''اسراء'' کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے کا تعلق مسجد اقصیٰ سے آسمانوں سے اوپر تک' جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا' سے ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو جنت ودوزخ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی متعدد نشانیاں دکھلائی گئیں، کئی انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات کرائی گئی اور آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ اسے ''معراج'' کہا جاتا ہے.

واقعۂ اسراء ومعراج کے متعلق أہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسمانی طور پر اسراء ومعراج کرایا گیا، نہ کہ نیند کی حالت میں روحانی طور پر۔

امام طحاویؒ کہتے ہیں: (وَالْمِعْرَاجُ حَقٌّ، وَقَدْ أُسْرِیَ بِالنَّبِیِّ ﷺ وَعُرِجَ بِشَخْصِهِ فِی الْیَقْظَةِ إِلَی السَّمَاءِ، ثُمَّ إِلٰی حَیْثُ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الْعُلَا، وَأَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِمَا شَاءَ، وَأَوْحٰی إِلَیْهِ مَا أَوْحٰی)①

یعنی ''معراج برحق ہے، نبی کریم ﷺ کو جسمانی طور پر بیداری کی حالت میں سیر کرائی گئی اور آسمان تک بلکہ وہاں سے بھی اوپر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کو لے جایا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حسبِ منشا آپ کی تکریم کی اور جو کچھ اس نے چاہا آپ کی طرف وحی کی۔''

''اسراء'' کے بارے میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾②

① العقیدة الطحاویة: ص223 ② الإسراء17: 1

’’پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس کے آس پاس کو ہم نے بابرکت بنایا ہے، اس لئے کہ ہم انھیں اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے، دیکھنے والا ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ کا آغاز اللہ تعالیٰ نے ﴿سُبْحَانَ﴾ سے کیا ہے۔ اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، تاہم عربی زبان میں یہ لفظ حیرت وتعجب کے اظہار کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے کہ اس نے اپنے بندے کو وہ طویل مسافت راتوں رات طے کرا دی جو اُس وقت چالیس راتوں میں طے کی جاتی تھی۔ اور یہ اسلوبِ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو ’’اسراء ومعراج‘‘ بیداری کی حالت میں جسمانی طور پر کرایا گیا، ورنہ اگر یہ خواب کی حالت میں روحانی طور پر ہوتا تو اس پر لفظ ﴿سُبْحَانَ﴾ کے ساتھ اظہار تعجب نہ کیا جاتا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس میں لفظ ’’عبد‘‘ فرمایا ہے، یعنی اس نے اپنے ’’بندے‘‘ کو سیر کرائی۔ تو یہ لفظ بھی جسم اور روح دونوں پر بولا جاتا ہے، نہ کہ صرف روح پر۔ یہ دوسری دلیل ہے اس بات پر کہ آنحضور ﷺ کو خواب میں نہیں' بلکہ بیداری میں ’’اسراء ومعراج‘‘ کے شرف سے نوازا گیا۔

اور اس کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر ’’اسراء ومعراج‘‘ کا واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا اور آپ نے لوگوں کو اپنا خواب ہی سنایا ہوتا تو وہ آپ ﷺ کو نہ جھٹلاتے اور نہ اس کا انکار کرتے۔ لہٰذا کفارِ مکہ کی تکذیب اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان نہ کیا تھا بلکہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ آپ کو جسمانی طور پر بیداری کی حالت میں اسراء ومعراج کرایا گیا ہے، تبھی تو انھوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ سے ایلیا (بیت المقدس) تک کا سفر چالیس راتوں میں طے کرتے ہیں اور آپ راتوں رات وہاں سے ہو کر واپس بھی پہنچ گئے!

حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: (وَهٰذَا مَذْهَبُ جُمْهُوْرِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ مِنْ أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ بِبَدَنِهِ وَرُوْحِهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ كَمَا دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ ظَاهِرُ السِّيَاقَاتِ مِنْ رُكُوْبِهِ وَصُعُوْدِهِ فِي الْمِعْرَاجِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ)[1]

’’اگلے پچھلے بیشتر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو جسم وروح دونوں کے ساتھ اسراء کرایا گیا، جیسا کہ قصۂ معراج میں آپ ﷺ کا سواری پر سوار ہونا، اوپر جانا وغیرہ جیسے امور سے یہ بات بالکل واضح ہے۔‘‘

---

[1] البداية والنهاية للحافظ ابن كثير 3/113-114

اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے یہ بھی جان لیجئے کہ منکرین حدیث' جو معجزۂ اسراء ومعراج کو ایک کہانی قرار دیتے ہیں' ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں مسجد اقصی سے مراد مسجد نبوی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے!

اور یہ ان کی جہالت کا بین ثبوت ہے کیونکہ واقعۂ ہجرت رات کے کچھ حصے میں مکمل نہیں ہوا تھا بلکہ اس پر کئی دن لگے تھے۔ اور اس کا آغاز رات کے وقت نہیں بلکہ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں ہوا تھا۔ اور ویسے بھی اُس وقت مسجد نبوی موجود نہیں تھی جب آنحضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تھے، اسے تو وہاں پہنچنے کے بعد تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ سورت مکیہ ہے، مدنیہ نہیں، لہٰذا اس میں مکی زندگی میں پیش آنے والا واقعہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے، مدنی زندگی میں بنائے جانے والی مسجد کا ذکر مکی سورت میں کیسے آ سکتا ہے!! ①

اب سوال یہ ہے کہ اسراء ومعراج کا واقعہ کب پیش آیا؟

اس بارے میں اہلِ علم کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں دس سے زیادہ اقوال نقل کئے ہیں۔ کسی نے کہا: ہجرت سے ایک سال قبل (ماہ ربیع الاول ۱۲ نبوی میں) اور یہ ابن سعد وغیرہ کا قول ہے۔ اور یہی بات نوویؒ نے بھی بالیقین کہی ہے۔ جبکہ ابن حزمؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ابن ابی العز حنفیؒ نے بھی اسی تاریخ (ہجرت سے ایک سال قبل) کو بالجزم ذکر کیا ہے۔ ②

اور کسی نے کہا: ہجرت سے آٹھ ماہ قبل (ماہ رجب ۱۲ نبوی میں) کسی نے کہا: چھ ماہ قبل۔ کسی نے کہا: گیارہ ماہ قبل اور کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا۔ ③

لیکن جو بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عظیم الشان واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل یعنی ماہ ربیع الاول ۱۲ نبوی میں پیش آیا۔ اس کی دلیل امام زہریؒ اور حضرت عروۃ بن زبیرؒ کا یہ قول ہے کہ بیت المقدس کی طرف آپ ﷺ کو جو اسراء کرایا گیا یہ آپ کی مدینہ روانگی سے ایک سال قبل تھا۔ ان کا یہ قول موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں ذکر کیا ہے جو صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں اور ان کی اس کتاب کے بارے میں ابن معینؒ کہتے ہیں: (كِتَابُ مُوسَى بْنِ عَقَبَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ مِنْ أَصَحِّ هَذِهِ الْكُتُبِ)

''سیرت کی کتابوں میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب جو انھوں نے زہری سے روایت کی ہے صحیح ترین کتابوں

---

① تیسیر القرآن مولانا عبد الرحمن کیلانی ② شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص224

③ فتح الباری: 257/7

میں سے ہے۔'' اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے بھی ان کی کتاب کی توثیق کی ہے۔ ①

اور اسی بات کو حافظ عبدالغنی المقدسیؒ نے اپنی سیرت کی کتاب میں ترجیح دی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ ②

اور شاید حافظ ابن القیمؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے، کیونکہ انھوں نے زاد المعاد میں زھریؒ کا یہ قول سب سے پہلے نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابن عبد البرؒ وغیرہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ قبل پیش آیا۔ ③

بنا بریں جو بات عام لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ واقعہ ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو پیش آیا' درست نہیں کیونکہ کسی معتمد روایت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ واللہ اعلم

مولانا صفی الرحمٰن مبارکفوریؒ نے ''الرحیق المختوم'' میں اہلِ سِیَر کے چھ اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قول علامہ منصور پوریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو پیش آیا۔ پھر انھوں نے اسے اِس بناء پر صحیح ماننے سے انکار کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے ہوئی، یعنی نبوت کے دسویں سال ماہِ رمضان میں۔ جبکہ نمازیں معراج کی رات فرض کی گئیں۔ لہٰذا معراج کا زمانہ ان کے بقول اِس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں۔ اسی طرح انھوں نے وہ دو اقوال بھی غیر صحیح قرار دیئے جو اِس سے بھی پہلے کی تاریخ بتاتے ہیں۔ رہے باقی تین اقوال (نبوت کے بارہویں سال ماہ رمضان میں، نبوت کے تیرہویں سال ماہ محرم میں اور نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الأول میں) تو ان کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کیلئے کوئی دلیل نہیں مل سکی۔ تاہم ان کے بقول سورۂ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ ④

معجزۂ اسراء ومعراج کے متعلق چند تمہیدی گذارشات عرض کرنے کے بعد اب ہم اصل واقعہ کی جانب آتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم الشان واقعہ کے متعلق صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں متعدد روایات موجود ہیں جو تقریبا پچیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، اگر کوئی شخص ان میں سے صرف ایک دو روایات کو سامنے رکھ لے تو وہ یقینی طور پر اس پورے واقعہ کا احاطہ نہیں کر سکے گا کیونکہ کسی ایک روایت میں اس کی پوری تفصیلات

---

① صحيح السيرة النبوية:274/1، السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية:269/1

② البداية والنهاية:109/3 ③ زاد المعاد:37/3

④ الرحيق المختوم، ص 197

بیان نہیں کی گئیں۔ اور پھر ان میں صحیح روایات بھی ہیں اور ضعیف اور ناقابل اعتبار بھی۔ لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ صحیح روایات کی روشنی میں اس معجزہ کی تفصیلات ذکر کریں۔ واللہ ولي التوفيق

شق صدر

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں مکہ مکرمہ میں اپنے گھر میں سویا ہوا تھا۔ (ایک روایت' جسے حافظ ابن حجر نے بحوالہ طبرانی ذکر کیا ہے' اس میں ہے کہ آپ ﷺ اُس رات کو حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ ان کے گھر کو آپ ﷺ نے اپنا گھر کیوں کہا؟ اس لئے کہ آپ ﷺ اُس میں رہائش پذیر تھے) گھر کی چھت کو کھولا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، مجھے خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں لے آئے (جہاں میں نے کچھ دیر آرام کیا۔) مجھ پر اونگھ طاری تھی، نہ میں مکمل طور پر سویا ہوا تھا اور نہ اچھی طرح بیدار تھا، اسی حالت میں ایک کہنے والے نے کہا: تین میں سے ایک' جو دو آدمیوں (حمزہ اور جعفر) کے درمیان ہے (یہی محمد ﷺ ہیں۔) پھر مجھے اٹھا کر (زمزم کی جانب) لے جایا گیا، وہاں سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، پھر میرا سینہ زیرِ ناف بالوں تک چیرا گیا اور میرا دل نکال کر اسے زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا گیا، پھر اسے ایمان وحکمت سے بھر کر اس کی اصلی جگہ پر لوٹا دیا گیا، بعد ازاں میرا سینہ بند کر دیا گیا۔''[1]

شقِ صدر کا یہ واقعہ صحیح ترین روایات میں موجود ہے۔ اس لئے اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ پہلی مرتبہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی کم از کم دو مرتبہ ایسا ہو چکا تھا۔ پہلی مرتبہ بچپن میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر میں زیرِ پرورش تھے اور دوسری مرتبہ بعثت کے وقت۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ اور شاید اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ کو بعد میں پیش آنے والے بڑے بڑے واقعات کیلئے تیار کیا جائے۔ واللہ اعلم

ابتدائے اسراء

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

« ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ يُقَالُ لَهُ الْبُرَاقُ، فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ، يَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ أَقْصٰى طَرْفِهِ، فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ »[2]

---

[1] صحيح البخاري: 349، 3207، 3887، صحيح مسلم: 164
[2] صحيح مسلم: 164

’’ پھر میرے پاس ایک سفید رنگ کا جانور لایا گیا جسے براق کہا جاتا ہے، یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا اور اس کا ایک قدم اس کی حدِ نگاہ تک جاتا تھا، مجھے اس پر بٹھایا گیا۔‘‘

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسراء کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ’’براق‘‘ کو اس حالت میں لایا گیا کہ اسے نکیل ڈالی گئی تھی اور اس پر زین کسی ہوئی تھی، اس نے کچھ شوخی دکھائی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شوخی دکھاتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ معزز سوار تمھارے لئے کوئی نہیں۔ اس نے جب یہ بات سنی تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ ①

بیت المقدس میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

«فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، قَالَ: فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ» ②

’’ پھر میں براق پر سوار ہوا یہاں تک کہ بیت المقدس میں پہنچ گیا۔ (چنانچہ میں نیچے اترا اور) اپنی سواری کو اس جگہ پر باندھا جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد کے اندر چلا گیا اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی۔‘‘

ابن جریر کی روایت میں، جسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، یہ الفاظ ہیں کہ ’’میں نے انبیاء و رسل علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔‘‘ ③

یہاں دو تین باتیں انتہائی توجہ کے قابل ہیں:

پہلی یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصی میں لایا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی جو اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد اقصی فضیلت والی مسجد ہے جس میں نماز پڑھنے کی نیت سے اس کی طرف باقاعدہ سفر بھی کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، وَمَسْجِدِي هٰذَا» ④

---

① سنن الترمذی:3131 وصححه الألبانی ② صحیح مسلم:162

③ الإسراء والمعراج:14 ④ صحیح البخاری:1188، صحیح مسلم:1397

’’ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے، اور وہ ہیں: مسجد الحرام، مسجد اقصی اور میری یہ مسجد۔‘‘

اور یہ وہ مسجد ہے جس کا اردگرد بھی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق با برکت ہے ﴿ اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ ﴾ تو اس کی اپنی برکت کا کیا کہنا!

اور یہی وہ مسجد ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول رہی اور نبی کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت مدینہ کے سولہ یا سترہ ماہ بعد تک اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے ......سو یہ مسجد انتہائی عظمت والی ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج یہ مسجد یہودیوں کے قبضے میں ہے جو ہر آئے دن اس کی حرمت کو پامال کرتے رہتے ہیں۔ اور خود مسلمانانِ بیت المقدس اور اہلِ فلسطین کو بھی اس مسجد میں نماز ادا کرنے کیلئے کئی پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔ مختلف قیود وحدود سے گزرنے اور ناپاک یہودیوں کی خودساختہ شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہی انھیں مسجد اقصی کی دہلیز کو عبور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ چہ جائیکہ کسی دوسرے اسلامی ملک کے باشندگان اس میں نماز ادا کرنے کا تصور کریں... ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس مسجد کو ظالم اور غاصب یہودیوں کے قبضے سے آزاد فرمائے اور ہمیں بھی اس میں نماز ادا کرنے کا موقع دے۔ آمین

دوسری بات یہ ہے کہ مسجد اقصی میں نبی کریم ﷺ کی امامت میں انبیاء ورسل علیہم السلام کا نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام سے افضل ہیں، تبھی تو ان کی موجودگی میں کوئی اور نہیں بلکہ وہی امام بنے۔

اور اس میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہے اور وہ ہے دین اسلام۔ اور یہی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ﴾[1]

’’جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔‘‘

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد وہی امام اعظم ہیں اور انہی کی شریعت واجب الاتباع ہے۔ اور ان پر نازل کی گئی کتاب ہی منبعِ ہدایت ہے۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب مثلا تورات وانجیل کو منبعِ ہدایت تصور کرنا گمراہی ہے۔

---

[1] آل عمران3:85

اور تیسری بات یہ ہے کہ بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا جو واقعہ ہے اس کے بارے میں اہلِ علم کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ معراج سے قبل تھا یا اس کے بعد؟

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور اسی طرح اپنی مشہور زمانہ کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ آنحضور ﷺ جب معراج سے واپس لوٹے تو انبیاء کرام علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ آئے اور انھوں نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز ادا کی جو ہوسکتا ہے کہ اُس دن کی فجر کی نماز ہو۔ جبکہ دیگر کئی محققین کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ کو معراج کیلئے جاتے ہوئے امامتِ انبیاء علیہم السلام کے شرف سے نوازا گیا۔ ان میں حافظ ابن القیمؒ، حافظ ابن حجرؒ اور ابن ابی العز حنفیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور ہم نے ابن جریر کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہے وہ اسی موقف کو تقویت پہنچاتی ہے۔[1] واللہ اعلم

مہمان نوازی

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَنِي جِبْرِيْلُ عليه السلام بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ ، فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ ، فَقَالَ جِبْرِيْلُ: اخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ »[2]

''پھر میں (مسجد اقصی سے) باہر آیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے دو برتن پیش کیے جن میں سے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔''

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام دین فطرت ہے کیونکہ دودھ خالص ہوتا ہے جبکہ شراب انگور وغیرہ میں تبدیلی لا کر بنایا جاتا ہے۔اس کے علاوہ شراب انسان کے مزاج کو بھی تبدیل کر دیتا ہے اور اس کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے جبکہ دودھ تو انسان کے یوم پیدائش سے ہی اس کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔

معراج

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا»[3]

---

[1] زاد المعاد:30/3، فتح الباری:256/7، شرح العقیدۃ الطحاویہ ص 224

[2] صحیح مسلم:162

[3] صحیح مسلم:164

''پھر (میں اور جبریل علیہ السلام) چل پڑے یہاں تک، کہ ہم آسمانِ دنیا پر پہنچ گئے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ ''پھر جبریل علیہ السلام مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے۔''①

ایک اور روایت میں ہے کہ « ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا »

''پھر جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے۔''②

یہ تینوں روایات صحیح ہیں اور ان سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر جانے کا ذریعہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ تاہم حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بعض روایات ذکر کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہایت خوبصورت سیڑھی نصب کی گئی جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر کو تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم ③

پہلے آسمان پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت جبریل علیہ السلام نے دستک دی، پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: جبریل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہا گیا: کیا آپ کو بلایا گیا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں انھیں بلایا گیا ہے۔ کہا گیا: « مَرْحَبًا بِهِ، وَلَنِعْمَ الْمَجِيْئُ جَاءَ » انھیں خوش آمدید اور ان کا آنا مبارک ہو۔

پھر آسمان کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہم پہلے آسمان کے اوپر گئے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سے گذرے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انھیں سلام کیجئے۔ میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: « مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ »

''نیک بیٹے اور صالح نبی کو خوش آمدید۔''

پھر انھوں نے میرے لئے دعائے خیر کی۔ اور میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ سائے ہیں، وہ جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو دیتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ ان کی دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ دائیں جانب اہلِ جنت کی اور بائیں جانب اہلِ جہنم کی، چنانچہ وہ جب اپنی دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو غم اور صدمے کی وجہ سے رو دیتے ہیں۔''④

---

① صحیح مسلم: 162
② صحیح البخاری: 349، صحیح مسلم: 163
③ فتح الباری: 264/7
④ صحیح البخاری: 349، صحیح مسلم: 163

دوسرے آسمان پر

نبی کریم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی پہلے آسمان کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے دستک دی ، سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا اور آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا گیا ۔ یہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی جو خالہ زاد بھائی تھے ۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کہا ۔ انھوں نے جواب دیا ، آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور آپ کیلئے دعائے خیر کی ۔

تیسرے آسمان پر

پھر آپ ﷺ تیسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی پہلے آسمان کی طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے دستک دی اور آسمان کے دربانوں کے ساتھ ان کے سوال وجواب کے بعد دروازہ کھولا گیا اور آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا ، اِس آسمان پر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے کرائی ، آپ ﷺ نے انھیں سلام کہا ۔ انھوں نے جواب دینے کے بعد آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور آپ کیلئے دعائے خیر کی ۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں : «وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ » ’’میں نے دیکھا کہ آدھا حسن صرف حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا ہے ۔‘‘[1]

چوتھے آسمان پر

پھر چوتھے آسمان پر بھی آپ ﷺ کا استقبال اسی طرح کیا گیا جیسا کہ پہلے آسمانوں پر کیا گیا ، اِس آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے کرائی گئی جنھوں نے اپنے نیک بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید کہا اور ان کیلئے دعائے خیر کی ۔

پانچویں آسمان پر

پھر پانچویں آسمان پر بھی مسرت وشادمانی کے ساتھ آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا اور یہاں آپ کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے کرائی گئی ۔ انھوں نے بھی آپ کو مرحبا کہا اور نیک بھائی اور صالح نبی کا استقبال کرتے ہوئے ان کیلئے دعائے خیر کی ۔

---

[1] صحیح مسلم:162

چھٹے آسمان پر

پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے گئے ۔ یہاں بھی آپ ﷺ کا استقبال پہلے آسمانوں کی طرح گرمجوشی سے کیا گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کرائی گئی جنھوں نے دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ ﷺ کا بھرپور استقبال کیا اور آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے آپ کیلئے دعائے خیر کی۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''میں جب آگے بڑھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگ گئے، پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: «يَا رَبِّ، هٰذَا الْغُلَامُ الَّذِيْ بَعَثْتَهُ بَعْدِيْ يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ وَأَفْضَلُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِيْ »①

''اے میرے رب! یہ خوبرو نوجوان جس کو تو نے میرے بعد مبعوث کیا' اس کی امت کے لوگ میری امت کے لوگوں سے کہیں زیادہ جنت میں داخل ہونگے!''

ساتویں آسمان پر

پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو ساتویں آسمان پر لے گئے جہاں پہلے آسمانوں کی طرح آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا گیا اور آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرائی گئی، انھوں نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ ﷺ کا بھرپور استقبال کیا اور اپنے نیک بیٹے اور صالح نبی کو خوش آمدید کہا۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: (فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيْمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ إِلَيْهِ)②

''حضرت ابراہیم علیہ السلام ''البیت المعمور'' کا سہارا لئے ہوئے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے (اور وہ جب اس سے نکلتے ہیں تو) پھر کبھی اس میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔''

جبکہ صحیح بخاری میں ہے: (هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ يُصَلِّي فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوْا لَمْ يَعُوْدُوْا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ)③

''البیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے ہر روز نماز ادا کرتے ہیں، جب وہ چلے جاتے ہیں تو وہ آخر تک اس میں

---

① صحیح البخاری:3207، صحیح مسلم:164
② صحیح مسلم:162
③ صحیح البخاری:3207

نہیں لوٹ سکیں گے۔''

قتادۃ کہتے ہیں:(ذُكِرَ لَنَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ مَسْجِدٌ فِي السَّمَاءِ بِحِذَاءِ الْكَعْبَةِ، لَوْ خَرَّ لَخَرَّ عَلَيْهَا)

''ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: البیت المعمور خانہ کعبہ کے برابر آسمان میں ایک مسجد ہے، اگر وہ گر جائے تو سیدھی خانہ کعبہ پر گرے گی۔''

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے البیت المعمور کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

(بَيْتٌ فِي السَّمَاءِ بِحِيَالِ الْبَيْتِ، حُرْمَتُهُ فِي السَّمَاءِ كَحُرْمَةِ هٰذَا فِي الْأَرْضِ)

''وہ بیت اللہ (کعبہ) کے برابر آسمان میں اللہ کا گھر ہے اور آسمان میں اس کی حرمت ایسے ہی ہے جیسا کہ زمین میں خانہ کعبہ کی حرمت ہے۔''①

مہمان نوازی

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«ثُمَّ أُتِيْتُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِّن لَّبَنٍ وَإِنَاءٍ مِّنْ عَسَلٍ فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ ، فَقَالَ:هِيَ الْفِطْرَةُ الَّتِي أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ»②

''پھر مجھے تین برتن پیش کیے گئے، ایک میں شراب، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔ میں نے دودھ والا برتن اٹھایا اور دودھ نوش کیا۔ چنانچہ جبریل نے کہا: آپ اور آپ کی امت کے لوگ فطرت پر قائم ہیں۔''

صحیحین کی ایک اور روایت میں صرف دودھ اور شراب کا ذکر ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: (أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ)③

''خبردار! اگر آپ شراب والا برتن اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔''

سدرۃ المنتہی

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

---

① یہ دونوں روایات حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کی ہیں: كتاب بدء الخلق باب ذكر الملائكة: 379/6

② صحيح البخاري: 3887، 5610

③ صحيح البخاري: 3394، صحيح مسلم: 168

''پھر مجھے اوراوپر''سدرۃ المنتھی'' کی جانب لے جایا گیا۔ (میں نے اسے بغور دیکھا تو) اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل ایسے تھے جیسے ''ہجر'' کے مٹکے ہوں۔ پھر جب اللہ کے حکم سے اسے کسی چیز نے ڈھانپ دیا تو وہ اس قدر خوبصورت ہوگیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی شخص اس کا حسن بیان نہیں کرسکتا۔ (اور میں نے دیکھا کہ) اس کی جڑ میں چار نہریں ہیں، دو باطنی اور دو ظاہری، میں نے جبریل سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ دو باطنی نہریں جنت میں ہیں اور ظاہری نہریں ''فرات'' اور ''نیل'' ہیں۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ (إِلَيْهَا يَنْتَهِيْ مَا يُعْرَجُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا، وَإِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا يُهْبَطُ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا، فَيُقْبَضُ مِنْهَا)

''سدرۃ المنتھی وہ مقام ہے جہاں زمین سے اوپر کو اٹھائی جانے والی چیز پہنچائی جاتی ہے اور وہاں سے وصول کرلیا جاتا ہے، اسی طرح اوپر سے جو چیز نیچے لائی جاتی ہے وہ بھی اسی مقام پر پہنچائی جاتی ہے اور وہاں اسے وصول کرلیا جاتا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے ﴿ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے سونے کی تتلیاں ڈھانپ لیتی ہیں۔''[2]

رؤیتِ جبریل امین علیہ السلام

''سدرۃ المنتھی'' کے پاس ہی نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى، إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى، لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ﴾[3]

''اور انھوں نے اُس (فرشتہ) کو دوسری بار دیکھا سدرۃ المنتھی کے پاس، جس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے، جب اُس سدرۃ کو وہ چیز ڈھانپ رہی تھی جو اسے ڈھانپ رہی تھی، نہ ان کی نگاہ نے خطا کی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی، انھوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:((رَأَيْتُ جِبْرِيْلَ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عَلَيْهِ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ))[4]

---

[1] صحیح البخاری:3207، 3887، صحیح مسلم:162، 164

[2] صحیح مسلم:173 [3] النجم53:13-18

[4] رواه أحمد وابن جرير، وقال الألبانی : إسناده حسن

”میں نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا جن پر چھ سو پر تھے۔“

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیت کریمہ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ کی یہی تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد رؤیتِ جبریل امین علیہ السلام ہے۔[1]

جبکہ پہلی مرتبہ بعثت کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ نے انھیں ان کی اصل شکل میں دیکھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى﴾

”پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا، پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ پر رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔“

ان آیات کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جب ان پر چھ سو پر تھے۔[2]

ان آیات کی تفسیر جب ایک صحابی سے صحیحین میں ثابت ہے تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ دو کمانوں کے بقدر یہ فاصلہ نبی کریم ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رہ گیا تھا۔

جنت کی سیر

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ»[3]

”پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا، (میں نے دیکھا کہ) اس میں انتہائی عمدہ موتیوں کے قبے ہیں اور اس کی مٹی کستوری ہے۔“

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ أَتَيْتُ عَلَى نَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ ، فَقُلْتُ : مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ ؟قَالَ: هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ ، قَالَ : فَضَرَبْتُ بِيَدِي فِيهِ فَإِذَا طِينُهُ الْمِسْكُ»[4]

---

[1] صحیح مسلم:175، 176
[2] صحیح البخاری:3232، صحیح مسلم:174
[3] صحیح البخاری:349، صحیح مسلم:163
[4] صحیح البخاری:6581وأحمد واللفظ له

"میں جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اسی دوران میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر عمدہ موتیوں کے قبے تھے، میں نے کہا: جبریل! یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: یہ وہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے اس میں اپنا ہاتھ مارا تو اس کی مٹی کستوری تھی۔"

قلم چلنے کی آواز

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوَى أَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْأَقْلَامِ» ①

"پھر مجھے اور اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں میں نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی۔"

یعنی جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کے احکامات لکھ رہے تھے مجھے وہاں تک لے جایا گیا۔

کیا نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات اللہ رب العزت کو دیکھا تھا؟

ابن ابی العز حنفیؒ کہتے ہیں: (وَاتَّفَقَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَرَاهُ أَحَدٌ فِي الدُّنْيَا بِعَيْنِهِ ، وَلَمْ يَتَنَازَعُوْا فِي ذٰلِكَ إِلَّا فِي نَبِيِّنَا ﷺ خَاصَّةً ، مِنْهُمْ مَّنْ نَفٰى رُؤْيَتَهُ بِالْعَيْنِ ، وَمِنْهُمْ مَّنْ أَثْبَتَهَا لَهُ ﷺ) ②

"امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں اپنی آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور اس بارے میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں، ہاں صرف ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور کچھ اس کا اثبات کرتے ہیں۔"

پھر انھوں نے قاضی عیاض کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی اختلاف تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نفیِ رؤیت کے قائل تھے جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اثباتِ رؤیت کے قائل تھے۔ اور بقول قاضی عیاض اثباتِ رؤیت کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے سوائے سورۃ النجم کی دو آیات کے۔ اور ان کی تفسیر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

---

① صحیح البخاری: 349، صحیح مسلم: 163

② شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص 196

عزیزان گرامی ! یہ نزاع اپنی جگہ پر، لیکن صریح اور قطعی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ان میں سے چند نصوص یہ ہیں :

① مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کہنے لگیں : اے ابو عائشہ (مسروق کی کنیت) ! تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں کلام کرے تو اُس نے گویا اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے کہا: وہ کونسی ہیں؟

فرمانے لگیں : جو شخص یہ دعوی کرے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔

مسروق کہتے ہیں : میں تکیے کا سہارا لے کر بیٹھا ہوا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر سیدھا بیٹھ گیا اور میں نے کہا: ام المؤمنین ! مجھے بات کرنے کی اجازت دیں ، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا :﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ﴾ '' انھوں نے اس کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے''[①] اور فرمایا ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴾ ''اور انھوں نے اُس کو دوسری بار دیکھا''؟[②]

تو انھوں نے فرمایا: میں نے سب سے پہلے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: وہ جبریل ہیں جنھیں میں نے ان کی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔اسی کا ذکر ان دونوں آیات میں کیا گیا ہے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾[③]

'' آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا پورا ادراک کرتا ہے۔اور وہی انتہائی باریک بین اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

اور تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی نہیں سنا:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴾[④]

''اور کسی انسان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے اللہ بات کرے، سوائے اس کے کہ اس پر وحی نازل کرے یا

① التکویر 23:81 ② النجم 13:53
③ الأنعام 6: 103 ④ الشوری 51:42

کسی پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے، پھر وہ اس کے حکم سے جو چاہے وحی کرے، بے شک وہ سب سے اونچا، بڑی حکمت والا ہے۔''......الخ①

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: امی جان! کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو انھوں نے کہا: تم نے جو سوال کیا ہے اسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں، میں تمھیں تین باتیں بتا رہی ہوں' جو بھی تمھیں ان کے بارے میں بیان کرے وہ جھوٹا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص تمھیں یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ یقیناً جھوٹا ہے...الخ②

② حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(نُوْرٌ أَنّٰی أَرَاهُ) ''وہ تو نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔''③

③ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں بیان فرمائیں: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّوْرُ، لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ»④

''بے شک اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آتی اور نہ ہی اس کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے، وہ ترازو کو نیچے کرتا اور بلند کرتا ہے، اُس کی طرف رات کا عمل (آنے والے) دن کے عمل سے پہلے اٹھایا جاتا ہے اور دن کا عمل (آنے والی) رات کے عمل سے پہلے اوپر لے جایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے نور حائل ہے، اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار تمام مخلوقات کو جلا کر راکھ بنا دیں۔''

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ اس دنیا میں کسی شخص کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے خواہ وہ نبی کیوں نہ ہوں۔

اس کی ایک اور دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا

---

① صحيح مسلم:177　② صحيح البخاری:4855

③ صحيح مسلم:178　④ صحيح مسلم : 179

أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ①

''اور جب موسی (علیہ السلام) ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کا رب ان سے ہمکلام ہوا تو انھوں نے کہا : اے میرے رب ! مجھے اپنا دیدار نصیب فرما ، اللہ تعالیٰ نے کہا: تم مجھے نہیں دیکھ سکتے ، لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہے تو تم مجھے دیکھ لو گے ۔ پھر جب اس پہاڑ پر اُس کے رب کی تجلی کا ظہور ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسی (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے ، پھر جب ہوش ہو آیا تو کہنے لگے : اے اللہ ! تو ہر عیب سے پاک ہے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں پہلا مومن ہوں۔''

اور جہاں تک سورۃ النجم کی آیات ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ، فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَا أَوْحٰى ﴾ کا تعلق ہے تو ان کی تفسیر صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا ہے۔ ②

تاہم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اپنا دیدار نصیب فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ، إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ ③

''اُس دن بہت سارے چہرے شاداب ہونگے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے ۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رب کو دیکھ سکیں گے ؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟» ''کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں تمھیں کسی مزاحمت یا مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟''

انھوں نے کہا: نہیں ۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ ؟»

''کیا تمہیں سورج کو دیکھنے میں کسی مزاحمت یا مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب اس کے سامنے بادل نہ ہوں؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذٰلِكَ»

''اسی طرح تم اپنے رب کو بھی دیکھو گے ۔'' ④

① الأعراف 143:7
② صحیح البخاری:3232 ، 3235 ، صحیح مسلم:174 ، 177
③ القيامة 75:22-23
④ صحیح البخاری:806 ، صحیح مسلم:182

اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ ، قَالَ : يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا ؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ ؟ قَالَ : فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ ، فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ »①

''جب اہلِ جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا تمھیں کوئی اور چیز چاہیے؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہروں کو رونق نہیں بخشی ؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل کر کے جہنم سے نجات نہیں دی؟ تو اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا، پھر انھیں اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ جنت میں شامل فرما کر ہمیں بھی اپنی رؤیت نصیب فرمائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہی سے آگے اُس مقام تک لے گئے جہاں آپ نے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور اس کے احکامات کو لکھنے والے قلموں کی آوازیں سنیں۔

تحفۂ معراج

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيَّ مَا أَوْحٰى ، وَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ»②

''پھر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وحی کرنا چاہا میری طرف وحی کیا اور مجھ پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''میں واپس لوٹا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا، انھوں نے کہا: آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: دن اور رات میں پچاس نمازیں۔ انھوں نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور ان سے تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں بنو اسرائیل کو آزما چکا ہوں۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف واپس آیا اور میں نے کہا: اے میرے رب! میری امت پر تخفیف کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔

پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم

① صحیح مسلم:181

② صحیح البخاری:349، صحیح مسلم:162 واللفظ له

کردی ہیں ۔انھوں نے کہا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی ، لہٰذا آپ واپس جائیں اور مزید تخفیف کا سوال کریں ۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں : میں بار بار اپنے رب اور موسی علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ ہر مرتبہ پانچ پانچ نمازیں کم کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا: (يَا مُحَمَّدُ ، إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ، لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ ، فَذَلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً)[1]

''اے محمد (ﷺ) ! اب ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں ہی ہیں اور ہر نماز دس نمازوں کے برابر ہے ۔ سو یہ (گنتی میں پانچ ہیں لیکن اجر وثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازیں ہیں ۔''

ایک روایت میں ہے کہ '' اللہ تعالیٰ نے دس دس' اور آخری مرتبہ پانچ نمازیں کم کیں اور جب پانچ نمازیں باقی رہ گئیں تو حضرت موسی علیہ السلام نے پھر بھی یہی کہا کہ آپ واپس جائیں اور مزید تخفیف کا سوال کریں ، لیکن میں نے کہا: اب تو مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے ۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں ۔ چنانچہ ایک منادی نے پکار کر کہا: میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا ہے اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی ہے اور میں ایک نیکی کے بدلے میں اس جیسی دس نیکیاں دیتا ہوں ۔''[2]

برادرانِ اسلام ! دن اور رات میں پانچ نمازیں تحفۂ معراج ہیں ۔ اور اس پورے معجزے سے جہاں نبی کریم ﷺ کے فضائل ثابت ہوتے ہیں وہاں اس سے ان نمازوں کی اہمیت وفرضیت بھی ثابت ہوتی ہے ۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اہلِ ایمان کو بار بار تاکید کی ہے کہ وہ نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہیں ۔ اور نمازیں ضائع کرنے یا ان میں سستی کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ذکر کیا ہے ۔ (نسأل الله العفو والعافية)

اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ ' جن پر باقی سارے احکام کی فرضیت زمین پر نازل ہوئی جبکہ نمازیں آپ پر آپ کو آسمانوں سے اوپر بلا کر فرض کی گئیں' آپ خود بھی ساری زندگی پابندی کے ساتھ ان نمازوں کو ادا کرتے رہے اور آپ نے اپنی امت کو بھی اسی بات کی آخری وصیت فرمائی کہ (اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) ''نماز کی پابندی کرنا اور اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہنا ۔''

لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جہاں قصۂ معراج سے اپنے ایمان کو تروتازہ کرے وہاں اس تحفۂ معراج کی اہمیت وفرضیت کا بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرے اور عملی طور پر اسے ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے کیونکہ اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت ہے اور یہ باری تعالیٰ سے مناجات کا بڑا ذریعہ

---

[1] صحيح مسلم:162
[2] صحيح البخاري:3207

ہے۔اسی لئے اسے ''ام العبادات'' اور مومن کی معراج کہا گیا ہے۔

اللہ رب العزت کا ایک اور احسان

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَاحِدَةً »①

''نمازوں کی فرضیت کے علاوہ یہ بات بھی میری طرف وحی کی گئی کہ جو نیکی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی طور پر انجام نہ دے تو وہ اس کیلئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔اور اگر وہ اسے عملی طور پر کر لے تو اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے، پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔اور اگر وہ اس پر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے۔''

تین انعامات

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(أُعْطِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلَاثًا: أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ)②

رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں:

۱۔ پانچ نمازیں ۲۔سورۃ البقرۃ کی آخری آیات

۳۔آپ کی امت کے ہر اس فرد کے بڑے گناہ معاف کر دئے گئے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا۔

پہلا انعام پانچ نمازیں ہیں جن کے متعلق ہم مختصر سی گفتگو پہلے ہی کر چکے ہیں۔اور دوسرا انعام سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات ہیں جن کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

«اَلْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ»③

''جو شخص سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات کسی رات میں پڑھ لے تو وہ اسے کافی ہو جاتی ہیں۔''

اور تیسرا انعام کبیرہ گناہوں کی مغفرت ہے ہر اس شخص کیلئے جس کی موت عقیدۂ توحید پر آئے۔اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے بغیر سزا و عذاب کے معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اسے اس کے کبیرہ

① صحیح مسلم :162 ② صحیح مسلم:173 ③ متفق علیه

گناہوں کی سزا دے کر جہنم سے نکال دے گا اور پھر اسے جنت میں داخل کر دے گا، جیسا کہ بعض نافرمان موحدین کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے اور اس کے متعلق واضح دلائل بھی موجود ہیں۔ ①

چند اہم واقعات

① نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

جس رات میں مجھے سیر کرائی گئی مجھے عمدہ خوشبو محسوس ہوئی، میں نے کہا: جبریل! یہ عمدہ خوشبو کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی خاتون اور اس کے بچوں کی خوشبو ہے۔ میں نے کہا: اس کا کیا قصہ ہے؟

انھوں نے کہا: وہ ایک دن بنتِ فرعون کو کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی، تب اس نے کہا: بسم اللہ

بنتِ فرعون نے پوچھا: میرا باپ؟

اس نے کہا: نہیں، یہ وہ اللہ ہے جو تیرے باپ کا بھی رب ہے۔

بنتِ فرعون نے کہا: کیا میں اپنے باپ کو خبر دوں؟ اس نے کہا: ہاں، دے دو

چنانچہ بنتِ فرعون نے اپنے باپ فرعون کو اس واقعہ کی خبر دی۔ اس نے اسے بلایا اور کہا: کیا میرے علاوہ بھی تمھارا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ تعالیٰ جو میرا اور تیرا بھی رب ہے۔

تو اس نے تانبے کے ایک بڑے برتن میں تیل گرم کرنے کا حکم دیا، پھر اس نے کہا: اِسے اور اس کے بچوں کو اس میں پھینک دیا جائے.

اُس خاتون نے کہا: میں تم سے ایک مطالبہ کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا: کیا ہے؟ تو اس نے کہا: میں یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے بچوں کی ہڈیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر ہم سب کو ایک ہی قبر میں دفن کر دینا۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے۔

پھر اُس کے حکم کے مطابق اُس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اُبلتے تیل میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ اس کا ایک دودھ پیتا بچہ باقی رہ گیا۔ اُس کی وجہ سے ایسے لگا جیسے وہ پیچھے ہٹ رہی ہے، تب وہ دودھ پیتا بچہ بول اٹھا اور کہنے لگا: (يَا أُمَّهْ ، اِقْتَحِمِيْ ، فَإِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ)

''امی جان! کود جائیں، کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔''

---

① شرح النووی لصحیح مسلم: 3/2

چنانچہ اس نے بھی اس میں چھلانگ لگا دی۔[1]

② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي ، فَقَالَ:يَا مُحَمَّدُ ، أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ ، عَذْبَةُ الْمَاءِ ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ ، غِرَاسُهَا : سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ»[2]

''اسراء ومعراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انھوں نے کہا: اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پہنچا دینا، اور انھیں آگاہ کرنا کہ جنت کی مٹی بہت اچھی ہے، اس کا پانی انتہائی میٹھا ہے اور اس کی زمین بالکل ہموار ہے اور (سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) کے ساتھ اس میں شجر کاری کی جا سکتی ہے۔''

③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''جب میرے رب عز وجل نے مجھے معراج کرایا تو میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرا جنھیں تانبے کے ناخن دیئے گئے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے کہا: جبریل! یہ کون ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

(هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ)[3]

''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں اور ان کی عزتوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔''

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں نے شبِ معراج میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا: جبریل! یہ کون ہیں؟ انھوں نے عرض کیا:

---

① أحمد، ابن حبان، الألباني في الإسراء والمعراج:إسناده قوي، وكذا الأرناؤط في تحقيق ابن حبان:2903، وصححه حسين سليم أسدفي تحقيق مسند أبي يعلى:2517، وأحمد شاكر في مسند أحمد:295/4

② سنن الترمذي:3462وصححه الألباني

③ الألباني في الإسراء والمعراج : أخرجه أحمد وغيره بسند صحيح

(هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ، يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ، أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ؟)

"یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہیں حالانکہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہیں تو کیا انھیں عقل نہیں ہے؟"[1]

یہ معجزۂ اسراء ومعراج کے وہ واقعات تھے جو صحیح اسانید کے ساتھ روایت کئے گئے ہیں۔ہم نے انھیں جوں کا توں بیان کردیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اس عظیم الشان معجزہ پر اور اس میں ذکر کی گئی تمام غیبی باتوں پر ایمان لانے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے۔آمین

دوسرا خطبہ

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اوپر سے نیچے اترے تو انبیائے کرام علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ بیت المقدس میں آئے جہاں آپ نے انھیں نماز پڑھائی جو ہوسکتا ہے کہ اُس دن کی صبح کی نماز ہو ... پھر آپ ﷺ بیت المقدس سے نکلے، براق پر سوار ہوئے اور صبح کے اندھیرے میں ہی مکہ میں پہنچ گئے۔[2]

شاید ان کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

« وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَإِذَا مُوسٰى قَائِمٌ يُصَلِّي، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةِ وَإِذَا عِيْسٰى ابْنُ مَرْيَمَ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدِ الثَّقَفِي، وَإِذَا إِبْرَاهِيْمُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ (يَعْنِي نَفْسَهُ) فَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَأَمَمْتُهُمْ »[3]

"میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں ہوں۔میں نے اچانک دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔(میں نے انھیں بغور دیکھا تو) وہ دبلے پتلے اور گھنگریالے بالوں والے تھے،جیسا کہ وہ شنوءۃ قبیلہ کے لوگوں میں سے ہوں۔میں نے پھر دیکھا تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور ان سے سب سے زیادہ ملتے جلتے عروہ بن مسعود الثقفی ہیں۔پھر دیکھا تو وہاں ابراہیم علیہ السلام بھی

---

[1] الألباني:أخرجه أحمد والبغوي، وقال البغوي:حديث حسن وهو كما قال أو أعلى

[2] تفسير ابن كثير:32/3

[3] صحيح مسلم:172

کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور ان سے سب سے زیادہ ملتے جلتے تمھارے ساتھی (یعنی نبی کریم ﷺ) ہیں۔ پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے انھیں نماز پڑھائی۔''

نبی کریم ﷺ اسراء ومعراج کے بعد جب مکہ مکرمہ کو واپس لوٹ رہے تھے تو آپ قریش کے ایک قافلے کے پاس سے بھی گذرے جس کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے کفار مکہ کو اُس کے بارے میں اور اس کی آمد کے وقت کے متعلق آگاہ کیا تو جو کچھ آپ نے بتایا تھا ویسا ہی ثابت ہوا۔ لیکن کفار نے پھر بھی اِس عظیم الشان واقعہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''جس رات مجھے سیر کرائی گئی اُس کی صبح میں نے مکہ مکرمہ میں کی اور مجھے اِس سلسلے میں پریشانی لاحق ہوئی کہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔ چنانچہ میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر غمزدہ حالت میں بیٹھ گیا، اسی دوران اللہ کا دشمن ابوجہل میرے پاس سے گذرا، اُس نے مجھے دیکھا تو میری طرف چلا آیا اور میرے پاس بیٹھ کر استہزاء کے انداز میں کہنے لگا:

آج کوئی نئی بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں

اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔

اس نے کہا: کہاں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس کی۔

اس نے کہا: سیر کر کے آپ صبح سویرے ہمارے پاس بھی پہنچ گئے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں

تو اُس نے اِس اندیشے کے پیش نظر آپ ﷺ کو نہ جھٹلایا کہ جب وہ آپ کی قوم کے لوگوں کو بلا کر آپ کے پاس لے آئے تو کہیں آپ یہ بات ان کے سامنے بیان کرنے سے انکار ہی نہ کر دیں۔ اس لئے اس نے کہا:

آپ کا کیا خیال ہے اگر میں آپ کی قوم کو بلا لاؤں تو آپ انھیں بھی یہ قصہ بیان کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ اُس نے بنو کعب بن لؤی کو پکارا، جب سب لوگ آپ ﷺ کے پاس اکٹھے ہو گئے تو ابوجہل نے کہا:

اب آپ اپنی قوم کے لوگوں کو بھی وہی واقعہ سنائیں جو آپ نے مجھے سنایا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔

لوگوں نے کہا: کہاں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس کی۔

لوگوں نے کہا: پھر آپ نے صبح بھی ہمارے درمیان کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں

آپ ﷺ فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیا اور کچھ نے اظہارِ حیرت کے طور پر اپنے سر پکڑ لئے۔

پھر انھوں نے کہا: کیا آپ مسجد اقصی کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ وہ کیسی ہے؟ یاد رہے کہ ان میں سے کچھ لوگ بیت المقدس کی طرف سفر کر چکے تھے اور وہ مسجد دیکھ چکے تھے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں جب مسجد اقصی کے بارے میں بتانے لگا کہ وہ ایسی ہے تو اُس کی کچھ چیزوں کے بارے میں مجھے التباس سا ہو گیا، پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد اقصی کو عقیل کے گھر کے قریب لا کھڑا کیا گیا ہے، میں اسے اپنی نظروں سے دیکھتا رہا اور اس کے بارے میں لوگوں کو بتاتا رہا کہ وہ کیسی ہے۔''

چنانچہ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جہاں تک مسجد اقصی کا وصف بیان کرنے کی بات ہے تو اللہ کی قسم! اس میں محمد (ﷺ) نے کوئی غلطی نہیں کی۔ ①

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِيْ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكَرَبْتُ كُرْبَةً مَا كَرَبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ، قَالَ: فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُوْنِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ» ②

''میں نے دیکھا کہ میں حطیمِ کعبہ میں ہوں اور قریش مجھ سے واقعۂ اسراء کے متعلق سوالات کر رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں مجھ سے ایسی باتیں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں رہی تھیں۔ لہٰذا میں اُس دن اتنا پریشان ہوا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ بعد ازاں وہ جو سوال کرتے میں بیت المقدس کو دیکھ کر انھیں جواب دے دیتا۔''

یہ تو تھا قریش کا حال۔ لیکن جہاں تک آپ ﷺ کے ماننے والوں کا تعلق ہے تو انھوں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ سن کر آپ کی فوراً تصدیق کی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم اپنے ساتھی کی بات مانو گے، وہ دعوی کرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس گیا اور مکہ کو واپس

① أخرجه أحمد والنسائي في السنن الكبرى وغيرهما۔ وصححه الألباني في الصحيحة: 3021

② صحيح مسلم: 172

لوٹ آیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: انھوں نے واقعتاً ایسی بات کی ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، بالکل کی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تب انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ جواب دیا کہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اِس سے بھی دور کے معاملے میں کرتا ہوں جب وہ آسمان سے وحی نازل ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں: اسی لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' کہا گیا۔ [①]

برادرانِ اسلام!

آخر میں مختصراً یہ بھی جان لیجئے کہ اس عظیم معجزہ کے کئی مقاصد تھے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

① نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزہ اُس وقت عطا کیا گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال اور اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد انتہائی غمزدہ تھے۔ اور اُدھر اہلِ طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً اس کا بھی صدمہ تھا۔ ایسے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء ومعراج کے ذریعے تسلی دی گئی اور آپ کو آگاہ کیا گیا کہ اگر اہلِ زمین آپ سے بدسلوکی کرتے ہیں تو اہلِ آسمان آپ کا گرمجوشی سے استقبال کرتے ہیں۔

② بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا کر کے آپ کی افضلیت ثابت کی گئی

③ شقِ صدر کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کو اور پختہ کیا گیا اور اسے مزید تر و تازگی بخشی گئی

④ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر لے جا کر اللہ تعالیٰ کی متعدد عظیم نشانیاں دکھلائی گئیں، جنت کی سیر کرائی گئی، جہنم کے عذاب میں مبتلا کئی لوگوں کو دکھلایا گیا اور سدرۃ المنتہی وغیرہ کی زیارت کرائی گئی۔ یقیناً اس طرح کے غیبی امور کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین الیقین نصیب ہوا۔

⑤ اس عظیم سفر میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کیں جو اِس فریضۂ اسلام کی عظمت اور اہمیت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات پر ایمان لانے کی توفیق دے اور قیامت کے روز ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور آپ کے ہاتھوں حوض کوثر کا پانی نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

---

① دلائل النبوة للبيهقي-وصححه الألباني في الإسراء والمعراج:ص60-61

تحفۂ معراج......نماز

آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون

اہم عناصرِ خطبہ:

① فرضیت نماز ② اہمیتِ نماز

③ فضائل نماز ④ تارکِ نماز کی سزا اور اس کا حکم

برادرانِ اسلام!

آج کے خطبۂ جمعہ میں (ان شاء اللہ تعالیٰ) ایک ایسے عمل کے بارے میں بات ہوگی جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے اور کوئی مسلمان جب دنیا کی پریشانیوں اور اس کے غموں سے نڈھال ہوکر اُس عمل کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو جائے تو پریشانیوں اور غموں کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور اسے حقیقی اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اسے دین کا ستون قرار دیا گیا ہے.....اور وہ عمل ہے نماز جسے اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف مسلمان پر فرض کیا ہے اور اس کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ باقی (فرض) اعمال اللہ تعالیٰ نے زمین پر فرض کئے جبکہ نماز اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اپنے ہاں بلا کر، آسمانوں سے اوپر، جہاں تک اللہ نے چاہا وہاں فرض کی۔

جیسا کہ قصۂ معراج میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« ..... فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحٰى ، فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ، فَنَزَلْتُ إِلٰى مُوْسٰى ، فَقَالَ:مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟قُلْتُ:خَمْسِيْنَ صَلَاةً ، قَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ ، فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لاَ يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ ، فَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيْلَ وَخَبَرْتُهُمْ ، قَالَ:فَرَجَعْتُ إِلٰى رَبِّي ، فَقُلْتُ: يَا رَبِّ ، خَفِّفْ عَلٰى أُمَّتِي ، فَحَطَّ عَنِّي خَمْسًا ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوْسٰى ، فَقُلْتُ: حَطَّ عَنِّيْ خَمْسًا ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لاَ يُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ ، قَالَ:فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَبَيْنَ مُوْسٰى عليه السلام حَتّٰى قَالَ:يَا مُحَمَّدُ ، إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ، لِكُلِّ

صَلَاةٍ عَشْرٌ، فَذَلِكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً ....» ①

''پھر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وحی کرنا چاہا میری طرف وحی کیا، چنانچہ اس نے مجھ پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اترا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کے رب نے آپ پر کیا فرض کیا ہے؟

میں نے کہا: پچاس نمازیں

انھوں نے کہا: آپ اپنے رب کی طرف واپس لوٹ جایئے اور ان سے تخفیف کا سوال کیجئے کیونکہ آپ کی امت پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں بنو اسرائیل کو آزما چکا ہوں اور ان کا امتحان لے چکا ہوں!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چنانچہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹ گیا اور میں نے کہا: اے میرے رب! میری امت پر تخفیف کر دیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ اس کے بعد میں دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹا اور انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دی ہیں تو انھوں نے کہا: آپ کی امت اب بھی طاقت نہیں رکھتی، اس لئے آپ دوبارہ اپنے رب کے پاس لوٹ جایئے اور ان سے تخفیف کی التجا کیجئے!

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چنانچہ میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بار بار آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے محمد! یہ دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کیلئے دس (نمازوں کا ثواب) ہے۔ یوں (اجر کے لحاظ سے) یہ پچاس ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت پر خصوصی فضل وکرم فرمایا اور فرض نمازوں کی تعداد پچاس سے پانچ کر دی۔ تاہم اجر وثواب کے اعتبار سے وہ پچاس ہی کے برابر ہیں۔ اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم پر شکر گذار ہونا چاہئے اور اس کا شکر اس طرح ادا ہوگا کہ ہم پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہیں اور ان کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔

اہمیت نماز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کا ذکر بار بار اور مختلف انداز سے فرمایا ہے۔

❁ کہیں اللہ تعالیٰ اس کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

① صحیح البخاری، کتاب التوحید باب ما جاء فی قوله عزّ وجل﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾:7517، صحیح مسلم:162 واللفظ له

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴾ ①

''نماز قائم کرو اور زکاۃ دیتے رہو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔''

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴾ ②

''انہیں محض اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک وغیرہ سے منہ موڑتے ہوئے اس کے لئے دین کو خالص رکھیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں۔ اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ پانچوں نمازیں ہمیشہ پابندی کے ساتھ اور نماز کی شروط اور ارکان و واجبات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرتے رہو اور بغیر عذر شرعی کے ایک نماز بھی نہ چھوڑو۔

✿ اور کہیں اللہ تعالیٰ تمام نمازوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ ③

''اپنی سب نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہوا کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی حفاظت کرنے یعنی انھیں ہمیشہ پڑھتے رہنے کی تلقین کی ہے، خاص طور پر درمیانی یعنی عصر کی نماز کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو تمام نمازیں ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھتے رہنا چاہئے!

✿ اور کہیں اللہ تعالیٰ نمازیں ہمیشہ پڑھتے رہنے اور گھر والوں کو بھی اس کا حکم دیتے رہنے کا فرمان جاری فرماتا ہے: ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾ ④

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر ڈٹ جایئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، وہ تو ہم خود آپ کو دیتے ہیں اور انجام (اہلِ) تقوی ہی کیلئے ہے۔''

✿ اللہ تعالیٰ نے نمازیں ہمیشہ پڑھنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ اس حکم پر عمل کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ جنت میں انہی لوگوں کی عزت افزائی کی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ☆ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ .... وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ☆

① البقرۃ 43:2 ② البیّنۃ 5:98
③ البقرۃ 238:2 ④ طٰہٰ 132:20

أُولٰئِكَ فِي جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴾①

''مگر نماز ادا کرنے والے جو ہمیشہ اپنی نماز پر قائم رہتے ہیں ...اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ عزت واکرام کے ساتھ جنتوں میں رہیں گے۔''

❁ اور کہیں اللہ تعالیٰ نمازیں ہمیشہ ادا کرنے والے مومنوں کو جنت الفردوس کے وارث قرار دیتے ہوئے یوں فرماتا ہے:﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۞ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۞وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۞وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۞ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۞ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۞ أُولٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ﴾②

''ایمان والے لوگ کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔ جو زکاۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضہ میں ہوں کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں، البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ تلاش کرے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ایسے ہیں جو فردوس کے وارث بنیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

❁ اور کہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نماز قائم کرنے والوں کو یوں بشارت سناتا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾③

''البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے، نماز قائم کرتے رہے اور زکاۃ ادا کرتے رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

❁ اور کہیں اللہ تعالیٰ سچے مومنوں کی صفات کے ضمن میں اقامتِ نماز کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمٰنًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۞ اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾④

① المعارج 70:22-35 ② المؤمنون 23:1-11 ③ البقرة 2:277 ④ الأنفال 8:2-4

''سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب انھیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں (اور) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو مال و دولت انھیں دے رکھا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں جن کیلئے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں، بخشش اور عزت کی روزی ہے۔''

❁ کہیں وہ متقین کی صفات کے ضمن میں نماز قائم کرنے والوں کو ہدایت یافتہ اور کامیابی پانے والے قرار دیتے ہوئے یوں ارشاد فرماتا ہے: ﴿الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۞ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۞ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۞ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[①]

''الٓمّٓ۞ یہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں متقین کیلئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو دیا اس سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ نیز وہ آپ کی طرف نازل شدہ (وحی) پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اپنے رب کی طرف سے (نازل شدہ) ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

❁ اور کہیں اللہ تعالیٰ عاجزی کرنے والوں کی صفات کے ضمن میں نماز قائم کرنے والوں کا ذکر فرماتے ہوئے انھیں یوں بشارت دیتا ہے:

﴿فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۞ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلٰى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾[②]

''تمہارا معبود (برحق) صرف ایک ہے، لہٰذا اسی کے فرمانبردار بنو۔ اور آپ عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجئے جو کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور کوئی مصیبت پہنچے تو اس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عاجزی وانکساری کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پانچوں نمازیں ہمیشہ پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے، ورنہ اگر وہ نمازوں سے غافل رہتا ہو یا ان میں سستی کرتا ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ گویا وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑا سمجھتا ہے۔ اور یہ بھی تکبر ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم

① البقرۃ 2:1-5 ② الحج 22:34-35

کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے بجائے من مانی کرے اور مرضی کے مطابق نماز پڑھے۔ اور اس طرح کا تکبر اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کے دل میں ہو تو وہ ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا۔

❁ نماز اللہ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ اس نے نماز کو ایمان کہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ①

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور وہ تو لوگوں کے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

جن لوگوں نے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نمازیں پڑھی تھیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہارے ایمان یعنی تمہاری ان نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا جو تم نے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی جانب منہ کر کے پڑھی تھیں۔ تو اس میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان قرار دیا جو اس کی عظمت واہمیت کی دلیل ہے۔

ہم نے نماز کی اہمیت کے متعلق قرآن مجید کی بعض آیات ذکر کی ہیں، ورنہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشادات بہت زیادہ ہیں بلکہ ارکان اسلام میں سے نماز ہی وہ رکن ہے کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں سب سے زیادہ کیا گیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اس فریضۂ اسلام کا سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے اور کسی بھی حالت میں اسے چھوڑنا نہیں چاہئے۔

رسول اکرم ﷺ نے بھی بار بار نماز کی اہمیت کو اجاگر فرمایا بلکہ نماز قائم کرنے، یعنی اسے ہمیشہ پڑھتے رہنے کو اسلام کا بنیادی رکن اور فریضہ قرار دیا۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ بَيْتِ اللّٰهِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ» ②

''دینِ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد کریم (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حجِ بیت اللہ کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

① البقرة 2:143 ② متفق علیه

اسی لئے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی بیعت کرتے تو آپ ان سے اس بات کا عہد لیتے کہ وہ پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ ہمیشہ ادا کرتے رہیں۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ)[1]

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ میں ہمیشہ نماز قائم رکھوں گا، زکاۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرتا رہوں گا۔

اور نماز کی عظیم قدر ومنزلت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو سب سے آخری وصیت بھی نماز کے متعلق ہی فرمائی۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنی اُس مرض میں جس میں آپ ﷺ کا انتقال ہوا بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے:

«اَلصَّلَاةَ، وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''نماز ہمیشہ پڑھتے رہنا اور اپنے غلاموں کے حقوق ادا کرتے رہنا۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ یہ الفاظ برابر کہتے رہے یہاں تک کہ (شدت مرض کی وجہ سے) آپ کی زبان پر ان کا جاری ہونا مشکل ہو گیا۔[2]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(كَانَ آخِرَ كَلَامِ النَّبِيِّ ﷺ: اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ)[3]

یعنی نبی کریم ﷺ کا آخری کلام یہ تھا: ''نماز کا خیال رکھنا اور غلاموں کے حقوق ادا کرتے رہنا۔''

لہٰذا نبی کریم ﷺ کی آخری وصیت پر عمل کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو پانچوں نمازوں کی پابندی کرنی چاہئے اور ان میں کسی قسم کی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔

اور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو انہیں چند ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُوْلُ

[1] صحیح البخاری:524، صحیح مسلم56

[2] سنن ابن ماجه:1625 وصححه الألبانی

[3] سنن ابن ماجه:2698 وصححه الألبانی

اللّٰهِ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُم أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذَلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذَلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ)[1]

''تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لئے تم انھیں (سب سے پہلے) اس بات کی طرف دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں تو انھیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ تمھاری یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو انھیں خبردار کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان میں سے مالداروں سے وصول کر کے انہی میں سے جو فقراء ہیں ان میں لوٹا دی جائے گی اور اگر وہ اس میں بھی تمھاری فرمانبرداری کریں تو ان کے نفیس مالوں سے بچنا اور مظلوم کی بد دعا سے بھی بچنا، کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ نجد میں سے ایک شخص' جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کی گنگناہٹ تو سنی جا سکتی تھی لیکن وہ جو کچھ کہتا تھا اسے سمجھنا مشکل تھا' وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب قریب آیا تو اچانک اس نے اسلام کے بارے میں سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ»

''دن اور رات میں پانچ نمازیں ادا کرنی ہیں۔''

اس نے کہا: ان کے علاوہ کوئی اور نماز بھی فرض ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» ''نہیں، مگر یہ کہ تم نفل نماز پڑھو۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور رمضان کے روزے بھی رکھنے ہیں۔''

اس نے کہا: کیا ان کے علاوہ بھی کوئی روزے فرض ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» ''نہیں، مگر یہ کہ تم نفلی روزے رکھو۔''

پھر آپ ﷺ نے اسے زکاۃ کی فرضیت سے آگاہ کیا تو اس نے کہا: کیا اس کے علاوہ کوئی اور چیز بھی (مال میں) فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» ''نہیں، مگر یہ کہ تم نفلی صدقہ کرو۔''

---

[1] صحيح البخاري:1496، صحيح مسلم:19

بعد ازاں وہ آدمی جاتے ہوئے کہنے لگا:(وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ)''اللہ کی قسم! میں اس پر نہ اضافہ کرونگا اور نہ اس میں کمی کرونگا'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:«أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ» ''اگر یہ واقعتاً ایسا ہی کرتا رہا تو کامیاب ہو جائے گا۔''①

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سچے دین کا سب سے اہم فریضہ دن اور رات کی پانچ نمازیں ہیں، لیکن افسوس ہے کہ آج بہت سارے لوگ' جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں وہ اس پہلے اور سب سے اہم فریضے سے ہی غافل ہیں، نہ خود اس کی پروا کرتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کو اس کا پابند بناتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے دس سال کے بچے کو' اگر وہ نماز نہ پڑھے تو سزا دینے کا حکم دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ، وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ» ②

''تمھارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انھیں اس پر سزا دو۔''

سو ہمیں خود بھی پابندِ نماز ہونا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی بچپن سے ہی اس کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر بھی اسلام کے اس سب سے اہم فریضہ پر کاربند رہ سکیں.

ایک حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ نے تمام نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھنے والے مسلمان کو اس بات کی بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا۔

جیسا کہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ عَلَى الْعِبَادِ، فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اِسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَّمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ» ③

''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہیں، لہٰذا جو شخص انھیں اس طرح ادا کرے گا کہ اس نے ان میں سے کسی نماز کو ہلکا سمجھتے ہوئے ضائع نہ کیا تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو شخص انھیں ادا نہیں کرے گا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اگر وہ چاہے گا تو اسے

① صحيح البخاري:46، صحيح مسلم 11

② أحمد، سنن أبي داؤد، صحيح الجامع للألباني:5868

③ سنن أبي داؤد:1420 وصححه الألباني

عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔"

ایک اور حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا۔ اور جب ستون نہ رہے تو کوئی عمارت قائم نہیں رہ سکتی، اسی طرح نماز نہ پڑھی جائے تو دین بھی باقی نہیں رہتا!

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«... رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ ، وَعَمُوْدُهُ الصَّلَاةُ ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ» ①

"معاملے کی جڑ اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے اسی نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر بندہ اس کے حساب میں کامیاب ہو گیا تو وہ باقی اعمال میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے حساب میں ناکام ہو گیا تو باقی اعمال میں بھی ناکام ہو جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«... أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الصَّلَاةُ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ» "قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔"

دوسری روایت میں فرمایا: «يُنْظَرُ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ» ② "اس کی نماز میں دیکھا جائے گا، اگر وہ ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو وہ ذلیل وخوار اور خسارے والا ہوگا۔"

نماز کے فضائل

① نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ﴾ ③

---

① سنن الترمذی:2616، سنن ابن ماجہ:3973 وحسنہ الألبانی

② رواہ الطبرانی فی الأوسط، السلسلة الصحیحة:1358

③ العنکبوت45:29

"(اے نبی!) اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ اور نماز قائم کیجئے، نماز یقیناً بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔"

② نماز شہادتین کے بعد سب سے افضل عمل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ (أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟) اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کونسا عمل محبوب ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا» "بروقت نماز ادا کرنا۔"

میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» "والدین سے نیکی کرنا۔"

میں نے کہا: پھر کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ»

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"①

③ نماز صغیرہ گناہوں کو دھو دیتی ہے اور اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو پانچ نمازیں درمیان والے صغیرہ گناہوں کیلئے کفارہ ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوْا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَكَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا»②

"بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کر لیا کرے تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟ لوگوں نے کہا: نہیں، ذرا بھی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ»③

---

① صحیح البخاری:5970، صحیح مسلم:85 ② متفق علیہ ③ صحیح مسلم:233

''پانچ نمازیں ، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک ماہِ رمضان دوسرے ماہِ رمضان تک درمیان والے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔''

❀ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ ، فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ، فَيُصَلِّيْ صَلَاةً إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا» ①

''کوئی مسلمان آدمی جب اچھی طرح سے وضو کرے ، پھر کوئی نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ان گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو اس کے اور بعد میں آنے والی نماز کے درمیان ہوتے ہیں۔''

❀ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنِ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوْبَةٌ ، فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا ، إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ ، مَا لَمْ يَأْتِ كَبِيْرَةً ، وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ» ②

''جب کسی فرض نماز کا وقت شروع ہو جائے اور مسلمان آدمی اس کیلئے اچھی طرح سے وضو کرے ، پھر اس میں انتہائی خشوع وخضوع اختیار کرے اور اس میں رکوع مکمل اطمینان سے کرے تو وہ نماز اس کیلئے پہلے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ اور یہ فضیلت قیامت تک کیلئے ہے۔''

❀ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«تَحْتَرِقُوْنَ تَحْتَرِقُوْنَ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الصُّبْحَ غَسَلَتْهَا ، ثُمَّ تَحْتَرِقُوْنَ تَحْتَرِقُوْنَ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الظُّهْرَ غَسَلَتْهَا ، ثُمَّ تَحْتَرِقُوْنَ تَحْتَرِقُوْنَ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ غَسَلَتْهَا ، ثُمَّ تَحْتَرِقُوْنَ تَحْتَرِقُوْنَ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْمَغْرِبَ غَسَلَتْهَا ، ثُمَّ تَحْتَرِقُوْنَ تَحْتَرِقُوْنَ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْعِشَاءَ غَسَلَتْهَا ، ثُمَّ تَنَامُوْنَ فَلَا يُكْتَبُ عَلَيْكُمْ حَتّٰى تَسْتَيْقِظُوْا» ③

''تم (گناہوں میں) جل رہے ہو، تم (گناہوں میں) جل رہے ہو، پھر جب تم فجر کی نماز پڑھتے ہو تو وہ انھیں (یعنی تمہارے گناہوں کو) دھو دیتی ہے۔ پھر تم (گناہوں میں) جلتے ہو، تم (گناہوں میں) جلتے ہو، پھر جب تم نماز ظہر ادا کرتے ہو تو وہ انھیں دھو دیتی ہے۔ پھر تم (گناہوں میں) جلتے ہو، تم (گناہوں میں) جلتے ہو، پھر جب تم نماز عصر ادا کرتے ہو تو وہ انھیں دھو دیتی ہے۔ پھر تم (گناہوں میں) جلتے ہو، تم (گناہوں میں) جلتے

① صحیح مسلم:227 ② صحیح مسلم:228

③ رواه الطبراني وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:357

ہو، پھر جب تم نماز مغرب ادا کرتے ہو تو وہ انھیں دھو دیتی ہے۔ پھر تم (گناہوں میں) جلتے ہو، تم (گناہوں میں) جلتے ہو، پھر جب تم نماز عشاء ادا کرتے ہو تو وہ انھیں دھو دیتی ہے۔ پھر جب تم سو جاتے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، یہاں تک کہ تم بیدار ہو جاؤ۔''

❁ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الْمُسْلِمَ يُصَلِّيْ وَخَطَايَاهُ مَرْفُوْعَةٌ عَلٰى رَأْسِهِ، كُلَّمَا سَجَدَ تَحَاتَّ عَنْهُ، فَيَفْرُغُ مِنْ صَلَاتِهِ وَقَدْ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ» ①

''بے شک ایک مسلمان جب نماز پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کے گناہ اس کے سر پر بلند کر دیئے جاتے ہیں، پھر جب وہ سجدہ کرتا ہے تو ہر سجدے کے ساتھ اس کے گناہ اس سے گرتے ہیں۔ اور جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے تمام گناہ گر چکے ہوتے ہیں۔''

❁ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے، لہٰذا آپ مجھ پر وہ حد نافذ کریں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی کہ کونسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور کیسے کیا ہے۔ اس کے بعد جب نماز کا وقت ہوا تو اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دوبارہ وہی بات کی، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا؟» ''کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟'' اس نے کہا: جی پڑھی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ» ②

''جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارا گناہ معاف کر دیا ہے۔''

④ نماز' نمازی کیلئے دنیا و آخرت میں نور کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهُ نُوْرٌ، وَلَا بُرْهَانٌ، وَلَا نَجَاةٌ، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ

① رواه الطبراني وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:362

② صحيح البخاري:6823، صحيح مسلم:2765

بْنِ خَلَفٍ» ①

”جو شخص نماز ہمیشہ پڑھتا رہے تو نماز اس کیلئے نور، دلیل اور روزِ قیامت باعثِ نجات ہوگی ۔ اور جو شخص اسے ہمیشہ نہ پڑھے وہ اس کیلئے نہ نور ہوتی ہے اور نہ دلیل بنے گی اور نہ ہی اس کیلئے باعثِ نجات ہوگی ۔ اور وہ قیامت کے روز قارون ،فرعون ، ہامان اور ابی بن خلف (جیسے بدنصیبوں) کے ساتھ ہوگا ۔“

اور حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ » ②

”اندھیروں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو بشارت دے دیجئے کہ انھیں قیامت کے روز مکمل نور نصیب ہوگا ۔“

⑤ نماز کیلئے چل کر جانے سے ایک ایک قدم پر گناہ معاف اور درجات بلند ہوتے ہیں ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشٰى إِلٰى بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ ، لِيَقْضِيَ فَرِيْضَةً مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ ، كَانَتْ خُطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيْئَةً وَالْأُخْرٰى تَرْفَعُ دَرَجَةً» ③

”جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے ، پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف روانہ ہو جائے اور اس کا مقصد صرف اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو ادا کرنا ہو تو اس کے دو قدموں میں سے ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا ایک درجہ بلند کرتا ہے ۔“

دوسری روایت میں یوں ارشاد فرمایا:«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَمْ يَرْفَعْ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ حَسَنَةً ، وَلَمْ يَضَعْ قَدَمَهُ الْيُسْرٰى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ سَيِّئَةً ....» ④

”جب تم میں سے کوئی شخص اچھی طرح سے وضو کرے ، پھر وہ مسجد کی طرف چلا جائے تو دایاں قدم اٹھانے پر اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور بایاں قدم رکھنے پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ مٹا دیتا ہے ۔“

---

① رواه أحمد: 2/169 والدارمي: 2/301 وصححه الألباني في تخريج المشكاة: 578 والثمر المستطاب: 1/53

② سنن أبي داؤد: 561 ، سنن الترمذي: 223 وصححه الألباني

③ صحيح مسلم: 666 ④ سنن أبي داؤد: 563

⑥ نمازی جب بھی مسجد میں جاتا ہے تو اس کیلئے جنت میں مہمان نوازی تیار کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلًا ، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ »①

''جو شخص صبح کے وقت یا شام کے وقت مسجد میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں مہمان نوازی تیار کرتا ہے، وہ جب بھی جائے، صبح کو یا شام کو۔''

⑦ نمازی کیلئے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَصَلَاتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ بِضْعًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ، وَذٰلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ ، لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ ، لَا يُرِيْدُ إِلَّا الصَّلَاةَ ، فَلَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ ، فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلَاةِ مَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ ، يَقُوْلُوْنَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ»②

'' آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز کا ثواب اس نماز سے بیس سے زیادہ گنا بڑھ جاتا ہے جسے وہ گھر میں یا بازار میں اکیلے پڑھے اور یہ اس طرح کہ جب کوئی شخص اچھی طرح سے وضو کرے، پھر مسجد میں صرف نماز پڑھنے کی نیت سے آئے، نماز کے علاوہ اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو اس کے ایک ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے، پھر جب وہ مسجد میں پہنچ جاتا ہے تو جب تک وہ نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ ایسے ہے جیسے نماز پڑھ رہا ہو۔ اور وہ جب تک اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ وہ بدستور اسی طرح دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اذیت نہ دے یا اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے۔''

⑧ نمازی کو اس حاجی کا ثواب ملتا ہے جس نے احرام باندھا ہوا ہو۔

---

① صحیح البخاری:662، صحیح مسلم:669

② صحیح البخاری:2119، صحیح مسلم:649

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلٰى صَلَاةٍ مَّكْتُوْبَةٍ ، فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ...» ①

''جو آدمی اپنے گھر سے باوضو ہو کر فرض نماز کیلئے جاتا ہے تو اس کا ثواب اس حاجی کا سا ہوتا ہے جس نے احرام باندھا ہوا ہو۔''

⑨ نماز گناہوں کی آگ کو بجھاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا يُنَادِي عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ : يَا بَنِي آدَمَ ! قُوْمُوْا إِلٰى نِيْرَانِكُمُ الَّتِي أَوْقَدْتُمُوْهَا فَأَطْفِئُوْهَا» ②

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو ہر نماز کے وقت پکار کر کہتا ہے: اے بنو آدم! کھڑے ہو جاؤ اور اپنی اس آگ کو بجھا دو جو تم نے (اپنے گناہوں کے ذریعے) جلائی ہے۔''

⑩ پانچوں نمازیں پابندی کے ساتھ پڑھنے والا شخص صدیقین اور شہداء میں سے ہے۔

حضرت عمرو بن مرۃ الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کا کیا خیال ہے، اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے علاوہ میں پانچوں نمازیں پڑھتا رہوں، زکاۃ ادا کرتا رہوں اور رمضان المبارک کے روزے بھی رکھتا رہوں اور اس کا قیام بھی کرتا رہوں تو میں کن لوگوں میں سے ہونگا؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ» ③

''تم صدیقین اور شہداء میں سے ہوگے۔''

⑪ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ» ④

---

① سنن أبي داؤد:558وحسنه الألباني

② رواه الطبراني وحسنه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:358

③ رواه البزار وابن خزيمه وابن حبان وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:361

④ رواه أحمد والنسائي وحسنه الألباني

''مجھے دنیا کی دو چیزیں محبوب ہیں: عورتیں اور خوشبو۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

اور آپ ﷺ اقامتِ نماز کیلئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرماتے:

«يَا بِلَالُ ، أَقِمِ الصَّلَاةَ ، أَرِحْنَا بِهَا»①

''اے بلال! نماز کی اقامت کہو اور اس کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ۔''

جان بوجھ کر نماز چھوڑنا کفر ہے، اور اس کا عذاب انتہائی سنگین ہے

آیئے اب نمازیں ضائع کرنے والوں، ان کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں، انھیں بے وقت ادا کرنے والوں اور انھیں بالکل ترک کرنے والوں کے انجام کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کے ارشادات سن لیجئے۔

❁ اللہ تعالیٰ نمازیں ضائع کرنے والوں کو یوں جہنم کی وعید سناتا ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾②

''پھر ان کے بعد ان کی نالائق اولاد ان کی جانشین بنی، جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے، وہ عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے (یا جہنم کی ایک وادی غیّ میں جگہ پائیں گے۔)''

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (غیّ) کے بارے میں کہتے ہیں:

(هُوَ نَهْرٌ فِيْ جَهَنَّمَ خَبِيْثُ الطَّعْمِ بَعِيْدُ الْقَعْرِ)③

''وہ جہنم میں ایک دریا ہے جس کا ذائقہ انتہائی گندا اور اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔''

❁ نمازوں کے مقرر کردہ اوقات کی پروا کئے بغیر انھیں اپنی مرضی کے مطابق پڑھنے والوں کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ، الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾④

''پھر ایسے نمازیوں کیلئے بھی ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نمازیوں کو ہلاکت وبربادی (یا جہنم کی ایک وادی) کی وعید سنائی ہے جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اس کے مقرر کردہ وقت کی پروا نہیں کرتے اور جب دل چاہتا ہے اسے ادا کرتے ہیں، کبھی وقت پر پڑھ لیتے ہیں اور کبھی بے وقت پڑھتے ہیں۔ لہٰذا ان آیات مبارکہ سے ان لوگوں کو درسِ عبرت لینا چاہئے جن کی عادت ہی ہمیشہ تاخیر سے نماز پڑھنا ہے، خصوصا فجر، ظہر اور عصر کی نمازیں کہ جنہیں ہمیشہ آخری وقت میں، یا

① سنن أبي داؤد:4985
② مريم59:19
③ كتاب الصلاة لابن القيم، ص40
④ الماعون107:4-5

کبھی کبھی وقت گذر جانے کے بعد پڑھتے ہیں !!

❁ قیامت کے روز بے نمازوں کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۞ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۞ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۞ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ﴾ ①

'' وہ جنتوں میں پوچھیں گے مجرموں سے، تمہیں جہنم میں کونسی چیز لے گئی ؟ وہ کہیں گے : ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب اہلِ جنت اہلِ جہنم سے سوال کریں گے کہ تمہیں جہنم میں کونسا عمل لے گیا؟ تو وہ اپنا سب سے پہلا جرم یہ بتائیں گے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔اس سے ثابت ہوا کہ نماز نہ پڑھنا جہنم میں لے جانے والا عمل ہے، والعیاذ باللہ

❁ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نمازوں کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کو منافقوں کی بعض صفات کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ②

'' یہ منافق اللہ سے دھوکہ بازی کرتے ہیں ، جبکہ اللہ ہی انہیں دھوکے کا (بدلہ دینے والا) ہے۔اور جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں ،صرف لوگوں کو دکھلانے کیلئے (نماز ادا کرتے ہیں) اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں ۔''

جو آیات مبارکہ ہم نے ابھی ذکر کی ہیں ان میں بے نماز کو، یا نمازوں کی ادائیگی میں سستی کرنے والے شخص کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنا کفر اور بہت بڑا گناہ ہے۔جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ » ③

'' آدمی اور کفر کے درمیان فرق نماز کو چھوڑنا ہے ۔''

سنن ترمذی کی روایت میں اس کے الفاظ یوں ہیں :

« بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْإِيْمَانِ تَرْكُ الصَّلَاةِ » ④

① المدثر 74:40-43　② النساء 4:142　③ رواہ احمد ومسلم

④ سنن الترمذی:2618 وصححه الألباني

''کفر اور ایمان کے درمیان فرق نماز کو چھوڑنا ہے۔''

حضرت ابوموسی الأشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »[1]

''ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان عہد نماز ہے، لہٰذا جو شخص اسے چھوڑ دے اس نے یقیناً کفر کیا۔''

امام ابوعبداللہ المروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ترکِ نماز پر سخت وعید سنائی ہے اور اپنے نبی ﷺ کی زبانی اس بات کی تاکید کی ہے کہ تارکِ نماز ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ نیز کفر اور ایمان کے درمیان سوائے نماز کے بندوں کے اعمال میں سے کسی عمل کو علامت کے طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ یعنی نماز ہی کو نشانی بنایا گیا ہے ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کیلئے۔''[2]

اور حضرت عبد اللہ بن شقیق العقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ، غَيْرَ الصَّلَاةِ)[3]

''حضرت محمد ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے، سوائے نماز کے۔''

امام منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے سلف صالحین کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ ایک نماز کو جان بوجھ کر چھوڑنے والا شخص یہاں تک کہ اس کا وقت چلا جائے کافر ہے، ان میں حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ ائمۂ کرام رحمہم اللہ میں سے احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبد اللہ بن مبارک، نخعی، حکم بن عتیبہ، ایوب سختیانی، ابو داؤد طیالسی، ابوبکر بن ابی شیبہ اور زہیر بن حرب وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[4]

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنا کفر ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے کفر ہی تصور کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے چھوڑنے والے کو انتہائی سنگین عذاب کی وعید سنائی ہے جیسا کہ ہم

---

① سنن الترمذی:2621، سنن ابن ماجہ:1079 وصححہ الألبانی

② تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی:132/1

③ رواہ الترمذی والحاکم وصححہ الألبانی فی صحیح الترغیب والترہیب:565

④ الترغیب والترہیب:386/1

پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اس پر عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں؟ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَإِنْ عُذِّبْتَ وَحُرِّقْتَ، أَطِعْ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَخْرَجَاكَ مِنْ مَّالِكَ، وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ هُوَ لَكَ، وَ لَاتَتْرُكِ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا، فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ ...»①

”تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا اگرچہ تمہیں عذاب دیا جائے اور تمہیں جلا دیا جائے۔ اور اپنے والدین کی فرمانبرداری کرتے رہنا اگرچہ وہ تمہیں تمہارے مال سے اور تمہاری ہر چیز سے نکال دیں۔ اور کبھی جان بوجھ کر نماز مت چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔“

یہی تاکیدی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو بھی دیا تھا۔ فرض نماز سے سوئے رہنے والے شخص کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں جس عذاب میں مبتلا دیکھا اسے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں سنیئے۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر پوچھتے کہ آج رات تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اسے بیان کر دیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر کر دیتے۔ پھر ایک دن آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول یہی سوال کیا تو ہم نے جواب دیا: نہیں، ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لیکن میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ دو آدمی میرے پاس آئے، انھوں نے مجھے اٹھایا اور کہنے لگے: چلیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ چل دیا۔ ہم ایک آدمی کے پاس آئے جو اپنی گدی کے بل سیدھا لیٹا ہوا تھا اور ایک آدمی اس کے قریب کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور وہ اس کے ساتھ اس کے سر کو کچل رہا تھا۔ وہ جیسے ہی پتھر اس کے سر پر مارتا پتھر لڑھک جاتا۔ اور جب تک وہ اسے اٹھا کر واپس آتا اس کا سر پھر جڑ چکا ہوتا اور اپنی اصلی حالت میں واپس آ چکا ہوتا۔ تو یہ پھر اس کے ساتھ پہلے کی طرح کرتا۔ میں نے ان دونوں سے کہا: سبحان اللہ! یہ دونوں آدمی کیا ہیں؟ انھوں نے کہا: آگے چلیں۔ تو ہم آگے چلے گئے.... انھوں نے کہا: «أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِيْ أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ، فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ

① رواہ الطبرانی وصححہ الألبانی فی صحیح الترغیب والترهیب: 5691

فَيَرْفُضُهُ، وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ»①

یعنی ''رہا وہ پہلا شخص جس کا سر کچلا جا رہا تھا تو وہ وہ شخص تھا جو قرآن پڑھتا تو تھا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور فرض نماز سے سویا رہتا تھا۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں :

''مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ جان بوجھ کر فرض نماز کو چھوڑنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس کا گناہ اللہ کے نزدیک قتل کرنے ، مال لوٹنے ، بدکاری اور شراب نوشی سے بھی بڑا ہے۔ اور تارکِ نماز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ، سزا اور دنیا اور آخرت میں رسوائی کی زد میں ہے ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے تمام عمال کو لکھا کرتے تھے کہ میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز ہے ، کیونکہ جو شخص اس کی حفاظت کرتا رہے وہ اپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے ۔ اور جو اسے ضائع کردے وہ اس کے علاوہ باقی فرائضِ اسلام کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ اور وہ شخص جو نماز چھوڑ دے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ۔''②

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دینِ اسلام کے اس سب سے اہم فریضہ پر کاربند رہنے اور اسے ہمیشہ پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق دے. آمین

دوسرا خطبہ

عزیزانِ گرامی ! پہلے خطبہ میں آپ نے تحفۂ معراج یعنی پانچ نمازوں کی فرضیت ، اہمیت اور فضائل کے بارے میں چند گذارشات قرآن وحدیث کی روشنی میں سماعت کیں ، اسی طرح آپ نے یہ بھی سنا کہ عمداً نماز چھوڑنا کتنا بڑا گناہ ہے اور تارکِ نماز کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔ اور جب ہم عام مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سارے مسلمان یا تو اس فریضۂ دین سے بالکل غافل ہیں .....اور ایسے لوگ یقیناً انتہائی خطرناک راہ پر چل رہے ہیں اور انھیں اس سے فوری طور پر توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہئے .... یا پھر اس سے بالکل غافل تو نہیں ، تاہم وہ اسے اپنی منشاء کے مطابق ادا کرتے ہیں ، کبھی تمام نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور کبھی کوئی نماز پڑھ لیتے ہیں اور کوئی چھوڑ دیتے ہیں اور کبھی وقت پر پڑھتے ہیں اور کبھی بے وقت پڑھتے ہیں ، کبھی مساجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھتے ہیں اور کبھی بغیر کسی شرعی عذر کے اپنے گھر میں ہی پڑھ

---

① صحیح البخاری:کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح:7047

② کتاب الصلاۃ لا بن القیم ، ص 21-22

لیتے ہیں۔تو ایسے لوگوں کو بھی اپنا یہ طرزِ عمل فوری طور پر تبدیل کرنا چاہئے اور ان پر لازم ہے کہ وہ تمام نمازیں ان کے اول وقت میں باجماعت ادا کریں۔

یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سارے مسلمان باقی نمازیں تو بروقت ادا کرتے ہیں لیکن ان کی فجر کی نماز بستر پر ہی ضائع ہو جاتی ہے، اسی طرح عصر کی نماز بھی۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر ان دونوں نمازوں کو ہمیشہ بروقت ادا کرنے والے آدمی کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ » ①

''جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں (فجر وعصر) پڑھتا رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

نیز فرمایا:«لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا) يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ» ②

''وہ شخص جہنم میں ہرگز داخل نہ ہوگا جو طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے نماز پڑھتا رہے''

یعنی فجر وعصر کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے۔

اور جو شخص فجر کی نماز کے وقت سویا رہے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ایک خواب ہم پہلے خطبہ میں بیان کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے اسے اس حالت میں دیکھا کہ اس کے سر کو کچلا جا رہا تھا' والعیاذ باللہ۔

اور جہاں تک نمازِ عصر کا تعلق ہے تو اس کے تارک کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :«اَلَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ» ③

''جس آدمی کی نمازِ عصر فوت ہو جائے ، گویا اس سے اس کے گھر والوں اور اس کے مال کو سلب کر لیا گیا۔''

ایک روایت میں ہے:

«مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ» ④

''جو شخص نمازِ عصر چھوڑ دے اس کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔''

اور بعض لوگ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر سے غفلت کرتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ ان پر یہ دونوں نمازیں انتہائی بھاری ہیں۔

---

① صحیح البخاری:574، صحیح مسلم:635
② صحیح مسلم:634
③ صحیح البخاری:552، صحیح مسلم :1626
④ صحیح البخاری:553

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ أَثْقَلَ صَلاَةٍ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ صَلاَةُ الْعِشَاءِ وَصَلاَةُ الْفَجْرِ ، وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا ....)①

''بے شک منافقوں پر سب سے بھاری نماز' نمازِ عشاء اور نمازِ فجر ہے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کتنا اجر ہے تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر بھی یہ نمازیں ادا کرنے کیلئے ضرور حاضر ہوتے ......''

لہٰذا مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ ان نمازوں کو اپنے لئے بوجھل تصور کرتے ہوئے ان میں سستی کرے، بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور اپنے لئے باعثِ نجات سمجھتے ہوئے ان پر مداومت کرے۔

* ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوْا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾②

''اور تم صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور بلا شبہ یہ نماز بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

اللہ رب العزت سے دعا ہے وہ ہمیں ان عاجزی کرنے والوں میں ہی شامل فرمائے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر یقین رکھتے ہوئے توحید کے بعد سب سے اہم فریضۂ اسلام (نماز) کی ادائیگی کا مکمل اہتمام کرتے اور اسے ہمیشہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ آمین

---

① صحیح البخاری:644، صحیح مسلم:651

② البقرۃ 2 :45-46

ماہِ شعبان...فضائل واحکام

اہم عناصر خطبہ:

① کسی ایک رات کو عبادت کیلئے خاص کرنا درست نہیں ہے
② ماہِ شعبان کے روزوں کے فضائل
③ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت
④ شب برات کے متعلق جھوٹی اور من گھڑت احادیث
⑤ شبِ برات میں کیا کرنا چاہئے؟
⑥ کیا شعبان کی پندرھویں رات فیصلوں کی رات ہے؟

پہلا خطبہ

برادران اسلام! اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادگرامی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[①]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

لیکن عبادت کیلئے زندگی کا کوئی خاص زمانہ یا سال کا کوئی خاص مہینہ یا ہفتے کا کوئی خاص دن یا کوئی خاص رات متعین نہیں ہے کہ بس اسی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور باقی زمانہ عبادت سے غفلت میں گذار دیا جائے۔ بلکہ جب انسان کی خلقت کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو سنِ بلوغ سے لے کر زندگی کے آخری دم تک اسے ہر لحہ عبادت میں گذارنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾[②]

''پس آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ پر موت آجائے۔''

اور کامیاب انسان بھی وہی ہے جو عبادت ہی کو اپنی زندگی کا اصل مقصد تصور کرے ورنہ وہ انسان جو اللہ کی

---

① الذاریات 56:51
② الحجر 15:98-99

عبادت سے غافل رہے اور دنیا کی ہر آسائش اپنے اور اپنے بال بچوں کیلئے مہیا کرنے کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لے تو وہ قطعا کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اِس وقت ایک تو مسلمانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہے اوراس پر ستم یہ کہ بعض لوگوں نے اِن کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح سے بٹھا رکھی ہے کہ سال میں دو تین بار شب بیداری کر لی جائے اور دو چار روزے رکھ لئے جائیں تو صرف یہی عبادت انسان کی نجات اور اس کی دنیوی واخروی فلاح کیلئے کافی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک رات کو عبادت کیلئے خاص کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ ، وَلَا تَخُصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ »[1]

’’راتوں میں سے صرف جمعہ کی رات کو قیام کیلئے اور دنوں میں سے صرف جمعہ کے دن کو روزہ کیلئے خاص نہ کرو۔ہاں اگر جمعہ کا دن ان دنوں میں آجائے جن میں تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھنے کا عادی ہوتو اس کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

لہٰذا اگر کسی ایک رات کو عبادت کیلئے خاص کرنا درست ہوتا تو آپ ﷺ جمعہ کی رات کو اِس کیلئے خاص کرنے کی اجازت دے دیتے کیونکہ یومِ جمعہ ہفتہ کے تمام ایام میں سب سے افضل ہے،لیکن آپ ﷺ کا اِس سے منع کرنا اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ سال بھر میں کسی ایک یا دو راتوں میں عبادت کرنا اور باقی پورے سال میں اللہ کی عبادت سے غافل رہنا درست نہیں ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ بھی یہی تھی کہ آپ ﷺ سال بھر کی راتوں میں عبادت کرتے تھے بلکہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ ہی کی عبادت میں گذرتا تھا۔لہٰذا ہمیشہ اِس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ زندگی کا ہر لمحہ اللہ کی عبادت بن جائے اور یہ اُس وقت ہوسکتا ہے جب ہم ہر قدم اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اٹھائیں اور ہر کام اس کی رضا کیلئے کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو (اتنا طویل) قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پھٹنے لگتے۔میں عرض کرتی: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرمادی ہیں؟ تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے:«اَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا»[2]

---

[1] صحیح مسلم:1144

[2] صحیح البخاری:4837، صحیح مسلم:2820

''کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟''

اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا لمبا قیام فرمایا کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم ہو گیا۔ آپ سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں، پھر بھی آپ اتنا لمبا قیام کرتے ہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا» ''کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟''[1]

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ آپ اتنا لمبا قیام کرتے کہ پاؤں مبارک پھٹنے لگتے یا ان پر ورم ہو جاتا، یہ نہیں کہ بس سال میں دو یا تین مرتبہ ایسا کرتے اور زندگی گذارنے کا سب سے بہتر طریقہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ میں یوں ارشاد فرماتے:

« أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »[2]

''حمد وثناء کے بعد تم سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور کاموں میں سب سے برا کام وہ ہے جو (دین میں) نیا ایجاد کیا جائے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہی اصل دین ہیں اور جو کام کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر دین میں نیا ایجاد کیا جائے وہ سب سے برا کام ہے اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں کتنا اچھا کیوں نہ ہو اور اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کام کا ثبوت کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملتا ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور کوئی بدعت ایسی نہیں کہ جسے دین میں بدعتِ حسنہ قرار دیا جائے۔ بدعات سب کی سب گمراہی ہیں اور جو لوگ ان پر عمل کرتے ہیں انھیں گمراہ کرنے والی ہیں۔

ماہِ شعبان کے روزوں کے فضائل

ماہِ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کو چھوڑ کر باقی سب مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے اور

---

(۱) صحیح البخاری:4836، صحیح مسلم:2819

(۲) صحیح مسلم:867

آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اِس مہینے میں نیک اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں اوپر اٹھائے جائیں.

تاہم یہ درست نہیں کہ شعبان کا مہینہ اُن چار مہینوں میں شمار کیا جائے جو حرمت والے مہینے کہلاتے ہیں اور جن میں جنگ و جدل اور کشت وخون حرام ہو جاتا ہے۔ تمام مفسرین ومحدثین علماء کا اتفاق ہے کہ یہ چار مہینے ذو القعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ شعبان کو کسی مفسر نے اِن چار مہینوں میں شمار نہیں کیا۔

اِس پورے مہینے میں آپ ﷺ نے جس عبادت کا خاص طور پر اہتمام کیا وہ ہے روزہ اور اِس کا اہتمام بھی پورے مہینے میں کیا، کسی ایک دن کے ساتھ اِس کو خاص نہیں کیا اور نہ ہی اِس مہینے کے کسی ایک دن کے روزے کی کوئی فضیلت بیان کی.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں چھوڑتے۔ پھر روزہ چھوڑتے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ روزہ نہیں رکھتے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی مہینے کے مکمل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے رمضان المبارک کے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ①

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

«كَانَ أَحَبَّ الشُّهُوْرِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّصُوْمَهُ شَعْبَانُ، ثُمَّ يَصِلُهُ بِرَمَضَانَ» ②

"رسول اللہ ﷺ کو روزوں کیلئے سب سے محبوب مہینہ شعبان تھا، پھر آپ ﷺ اس کے بعد رمضان کے روزے رکھتے۔"

اسی طرح ان کا بیان ہے کہ «مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ، كَانَ يَصُوْمُهُ إِلَّا قَلِيْلاً، بَلْ كَانَ يَصُوْمُهُ كُلَّهُ» ③

"میں نے نبی کریم ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ اس میں روزے رکھتے تھے سوائے چند ایام کے۔ بلکہ آپ پورے مہینے میں ہی روزے رکھتے تھے۔"

جبکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ

① متفق علیه
② سنن أبي داؤد: 2431 وصححه الألباني
③ سنن الترمذی: 736 وصححه الألباني

« مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ » ①

''میں نے نبی کریم ﷺ کو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے شعبان ورمضان کے۔''

شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کی حکمت

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو کسی مہینے میں اتنے روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا جتنے آپ شعبان میں رکھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« ذَاكَ شَهْرٌ تَغْفَلُ النَّاسُ فِيهِ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ، وَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ » ②

''یہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگ رجب اور رمضان کے درمیان روزے سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں اوپر کو اٹھائے جائیں۔''

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ اِس ماہ میں کثرت سے روزے رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

شب برات کے بارے میں کیا صحیح اور کیا غلط ہے؟

ماہِ شعبان کے روزوں کے فضائل جاننے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ اِس ماہ کی پندرھویں رات کی کیا اہمیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جن دو چار راتوں کی فضیلت خاص طور پر بیان کی جاتی ہے اور اُس میں صحیح اور غلط کی تمیز نہیں کی جاتی اُن میں سے ایک شعبان کی پندرھویں رات بھی ہے جسے عام طور پر شب برات کہا جاتا ہے۔

اِس رات کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد صحیح سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ

« يَطَّلِعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ » ③

''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (بنظرِ رحمت) دیکھتا ہے، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کر دیتا ہے۔''

---

① سنن الترمذی:736 وصححه الألبانی
② سنن النسائی:2357وحسنه الألبانی
③ طبرانی، ابن حبان، بیہقی

محدث العصر شیخ البانیؒ اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(وَجُمْلَةُ الْقَولِ أَنَّ الْحَدِيْثَ بِمَجْمُوعِ هٰذِهِ الطُّرُقِ صَحِيْحٌ بِلاَ رَيْبٍ)

''خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ان تمام طرق کے ساتھ بلا شک صحیح ہے۔''[1]

جبکہ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:«إِنَّ اللّٰهَ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهِ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيُمْلِيْ لِلْكَافِرِيْنَ ، وَيَدَعُ أَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰى يَدَعُوْهُ »[2]

''بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنے بندوں پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے، پھر مومنوں کو معاف کر دیتا اور کافروں کو ڈھیل دے دیتا ہے اور کینہ پرور لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کر دیں۔''

عزیزان گرامی! یہی وہ حدیث ہے جو شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے، اِسکے علاوہ جتنی احادیث عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اور جنھیں اخبارات اور محفلوں کی زینت بنایا جاتا ہے وہ سب کی سب سنداً انتہائی کمزور بلکہ من گھڑت ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت ایسی خرافات سے پاک ہے۔

شبِ برات کی نسبت سے جو کمزور اور من گھڑت حدیثیں عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اُن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) « شَعْبَانُ شَهْرِيْ وَرَمَضَانُ شَهْرُ اللّٰهِ»[3]

''شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا۔'' اسے البانیؒ نے موضوع قرار دیا ہے۔

(۲) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے، آپ اچانک وہاں سے نکلے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ بقیع میں ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ''کیا تمھیں اِس بات کا اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم پر ظلم کریں گے؟''

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ شک ہوا تھا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔

تو آپ نے فرمایا:« إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ »[4]

---

[1] السلسلة الصحيحة للألباني:1144
[2] صحيح الجامع للألباني:1898
[3] ضعيف الجامع للألباني:3402:موضوع
[4] سنن الترمذي:739 ، سنن ابن ماجه:1389 ضعفه الألباني

''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ شعبان کی پندھوریں رات کو آسمانِ دنیا پر آتا ہے، پھر بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت کرتا ہے۔''

دیگر ائمہ کے علاوہ خود امام ترمذی نے بھی اِس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے بلکہ انھوں نے امام بخاری سے بھی نقل کیا ہے کہ وہ اسے ضعیف کہتے تھے۔

واضح رہے کہ قصہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کے بقیع میں جانے اور اہلِ بقیع کیلئے دعاء کرنے کے متعلق ہے وہ صحیح ہے اور صحیح مسلم وغیرہ میں تفصیلا موجود ہے لیکن اس میں شعبان کی پندرھویں رات کا کوئی ذکر نہیں۔ وہ مکمل واقعہ کچھ یوں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک رات میرے پاس تھے، آپ نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی اسے اور اپنے جوتوں کو اتارا اور انھیں اپنے سر کے قریب رکھ دیا اور جو چادر آپ نے پہن رکھی تھی اس کا ایک کونہ آپ نے اپنے بستر پر بچھایا اور اس پر لیٹ گئے۔ ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی جس میں آپ نے یہ سمجھا کہ میں سوگئی ہوں، آپ نے آہستہ سے اپنی چادر کو اٹھایا، جوتا پہنا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ پھر دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔ میں اٹھی، اپنی زرہ سر پر پہن لی، دوپٹہ اوڑھا اور اپنی چادر لپیٹ کر میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دی۔ آپ ﷺ بقیع میں پہنچے، کافی دیر تک کھڑے رہے اور اِس دوران تین مرتبہ آپ نے اپنے ہاتھ (دعا کیلیے) بلند کیے۔ پھر آپ ﷺ واپس پلٹے تو میں بھی واپس پلٹی، آپ تیز چلے تو میں بھی تیز تیز چلنے لگی، پھر آپ ہلکے ہلکے دوڑے تو میں بھی ہلکا ہلکا دوڑنے لگی، پھر آپ تیز دوڑے تو میں بھی تیز دوڑنے لگی۔ میں آپ سے پہلے گھر میں داخل ہوئی اور ابھی میں لیٹی ہی تھی کہ آپ بھی پہنچ گئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! تمھیں کیا ہو گیا ہے، سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟''

میں نے کہا: کچھ نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:((لَتُخْبِرِیْنِیْ أَوْ لَیُخْبِرَنِّی اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ))

''یا تو تم خود ہی مجھے بتا دو یا پھر مجھے وہ اللہ بتا دے گا جو بڑا باریک بین اور نہایت باخبر ہے۔''

میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو سب کچھ بتا دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا وہ تمھارا سایہ تھا جو میں نے اپنے سامنے دیکھا تھا؟''

میں نے کہا: جی ہاں۔

پھر آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنی ہتھیلی کو اس طرح مارا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہوئی۔ اس کے

بعد آپ نے فرمایا: « أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ »

''تمھارا خیال تھا کہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ تم پر ظلم کریں گے؟''

میں نے (دل میں) کہا: لوگ چاہے جتنا چھپائیں اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔ ہاں واقعتاً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِي حِيْنَ رَأَيْتِ، فَنَادَانِي فَأَخْفَاهُ مِنْكِ ، فَأَجَبْتُهُ، فَأَخْفَيْتُهُ مِنْكِ، وَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ وَضَعْتِ ثِيَابَكِ وَظَنَنْتُ أَنْ قَدْ رَقَدْتِّ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوْقِظَكِ، وَخَشِيْتُ أَنْ تَسْتَوْحِشِي، فَقَالَ:إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ»

''جب تم نے دیکھا تو اس وقت میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے۔ انھوں نے تم سے چھپاتے ہوئے آہستہ سے مجھے پکارا، تو میں نے بھی تم سے چھپاتے ہوئے انھیں آہستہ سے جواب دیا اور وہ اِس حال میں اندر نہیں آسکتے تھے کہ تم نے اپنے (اضافی) کپڑے اتارے ہوئے تھے۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ تم سوگئی ہو اسلئے میں نے تمھیں جگانا پسند نہ کیا اور مجھے یہ خوف بھی تھا کہ کہیں تم میرے بغیر خوف ووحشت میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ کے رب کا حکم ہے کہ آپ اہلِ بقیع کے پاس آئیں اور ان کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔''

میں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے کہا: میں ان کیلئے کیسے دعا کروں؟

تو آپ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو:

«اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ»[1]

لہٰذا ثابت ہوا کہ قصۂ بقیع کا شعبان کی پندرھویں رات سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا صحیح حدیث میں ذکر ہے۔ اس لئے ایک ضعیف حدیث کو حجت بنا کر یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں کہ اِس رات یا اس سے اگلے روز قبرستان میں جانا مسنون ہے۔

(۳) « إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَتَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ:أَلَا مُسْتَغْفِرٌ فَأَغْفِرَ لَهُ، أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ، أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ، أَلَا سَائِلٌ فَأُعْطِيَهُ، أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا، حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ »[2]

---

[1] صحيح مسلم:974

[2] ضعيف الجامع للألباني:652:موضوع

''جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو تم اس میں قیام کیا کرو اور اگلے روز کا روزہ رکھا کرو ، کیونکہ اُس رات کی شام سے ہی اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر آ کر فرماتا ہے: کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کردوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں؟ کیا کوئی بیمار ہے کہ میں اسے عافیت دے دوں؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ کیا کوئی ...کیا کوئی .... یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔''

یہ حدیث بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اس کی بجائے وہ صحیح حدیث ذکر کرنی چاہئے جس میں نبی کریم ﷺ نے ذکر کیا ہے کہ (يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ، فَيَقُوْلُ: مَنْ يَدْعُوْنِي فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ) وفي رواية لمسلم: (فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُضِيْءَ الْفَجْرُ)[①]

''ہمارا رب جو بابرکت اور بلند و بالا ہے ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو وہ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، پھر کہتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ اور کون ہے، جو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟'' مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ''پھر وہ بدستور اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جائے۔''

اِس صحیح حدیث کے مطابق یہ فضیلت ہر رات نصیب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اسے شعبان کی پندرھویں رات کے ساتھ خاص کرنا یقیناً غلط اور آپ ﷺ پر بہت بڑا جھوٹ ہے۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی پندرھویں رات میں چودہ رکعات پڑھیں، اس کے بعد کچھ سورتوں کی تلاوت کی، پھر فرمایا: ''جو شخص اس طرح کرے جیسا کہ میں نے کیا ہے تو اسے بیس مقبول حجوں اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ملتا ہے۔''

ابن الجوزی اس حدیث کو ''الموضوعات'' میں روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''یہ حدیث بھی من گھڑت ہے اور اس کی سند نہایت تاریک ہے۔''[②]

امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ عین

---

① صحيح البخاري:1145، 6321، 7494، صحيح مسلم:758

② الموضوعات:445/2

ممکن ہے کہ یہ موضوع (من گھڑت) ہو۔[1]

(۵) الصلاة الألفية یعنی وہ نماز جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ

''جو شخص اس رات میں سو رکعات نماز اِس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص دس بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے، اگر وہ لوح محفوظ میں بد بخت لکھا گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مٹا کر اسے خوش نصیب لکھ دیتا ہے......اور اس کے آئندہ ایک سال کے گناہ نہیں لکھے جاتے۔''

''الموضوعات'' میں ابن الجوزی اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِس کے زیادہ تر راوی مجہول ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو بالکل ضعیف ہیں اور اِس طرح کی حدیث کا نبی کریم ﷺ سے صادر ہونا ناممکن ہے اور ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو یہ نماز پڑھتے ہیں، جب چھوٹی راتیں ہوتی ہیں تو وہ اِس کے بعد سو جاتے ہیں اور ان کی فجر کی نماز بھی فوت ہو جاتی ہے۔ جبکہ جاہل ائمۂ مساجد نے اِس نماز کو اور اسی طرح ''صلاۃ الرغائب'' کو لوگوں کو جمع کرنے اور کسی بڑے منصب تک پہنچنے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور قصہ گو لوگ اپنی مجالس میں اسی نماز کا تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ یہ سب حق سے بہت دور ہیں۔''[2]

امام نووی کہتے ہیں کہ

''وہ نماز جو صلاۃ الرغائب کے نام سے معروف ہے اور جس کی بارہ رکعات رجب کی پہلی رات کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہیں، وہ اور اسی طرح شعبان کی پندرھویں رات کی سو رکعات نماز یہ دونوں نمازیں بہت بری بدعت ہیں۔ لہٰذا 'قوت القلوب' اور 'احیاء علوم الدین' میں ان کے تذکرہ سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے اور نہ ہی ان کے بارے میں روایت کی گئی حدیث سے دھوکہ کھانا چاہئے کیونکہ وہ پوری کی پوری باطل ہے۔''[3]

اور امام شوکانی کہتے ہیں کہ (هُوَ مَوضُوعٌ، وَفِي أَلْفَاظِهِ الْمُصَرَّحَةِ بِمَا يَنَالُهُ فَاعِلُهَا مِنَ الثَّوَابِ مَا لاَ يَمْتَرِيْ إِنْسَانٌ لَهُ تَمْيِيزٌ فِي وَضْعِهِ، وَرِجَالُهُ مَجْهُولُونَ)

''یہ موضوع ہے اور اس کے بعض الفاظ جن میں اِس کے پڑھنے والے کو جو ثواب ملتا ہے اسکی تصریح کی گئی

---

[1] تنزیه الشریعه لابن عراق:94/2
[2] الموضوعات:440/2-443
[3] المجموع للنووی:379/3

ہے، ان کے من گھڑت ہونے کے بارے میں کوئی سمجھ دار انسان شک نہیں کر سکتا اور اسکے راوی مجہول ہیں۔"

وہ مزید کہتے ہیں: (وَقَدِ اغْتَرَّ بِهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الْفُقَهَاءِ كَصَاحِبِ الإِحْيَاءِ وَغَيْرِهِ وَكَذَا مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ وَقَدْ رُوِيَتْ صَلَاةُ هَذِهِ اللَّيْلَةِ أَعْنِي لَيلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ عَلَىٰ أَنْحَاءِ مُخْتَلِفَةٍ كُلُّهَا بَاطِلَةٌ مَوضُوعَةٌ)[1]

"فقہاء اور مفسرین کی ایک جماعت مثلا صاحبِ احیاء وغیرہ کو اِس حدیث سے دھوکہ لگا ہے حالانکہ شعبان کی پندرھویں رات کی نماز کے بارے میں جو حدیث مختلف طرق سے روایت کی گئی ہے وہ اپنے تمام طرق کے ساتھ باطل اور من گھڑت ہے۔"

جبکہ ملا علی قاریؒ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ (لَمْ يَأْتِ بِهَا خَبَرٌ وَلَا أَثَرٌ إِلَّا ضَعِيفٌ أَوْ مَوْضُوعٌ، وَلَا تَغْتَرَّ بِذِكْرِ صَاحِبِ الْقُوتِ وَالإِحْيَاءِ وَغَيْرِهِمَا)

"اس نماز کے بارے میں ضعیف یا موضوع احادیث کے علاوہ کچھ بھی وارد نہیں۔ اس لئے آپ کو اِس بات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ اسے قوت القلوب اور إحیاء علوم الدین کے مولفین وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔"

نیز ملا علی قاری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ بدعت نماز پہلی مرتبہ ۴۴۸ھ میں بیت المقدس میں ایجاد کی گئی جب بعض آگ کے پجاری لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ جب مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تو اپنے سامنے آگ جلا لیا کرتے تھے۔ یوں وہ مسلمانوں کو بھی راضی کر لیتے تھے اور اپنے توہمات اور باطل عقائد پر بھی عمل کر لیتے تھے اور انہی لوگوں نے ہی الصلاۃ الألفیۃ کو ایجاد کیا تھا، چنانچہ جب شعبان کی پندرھویں رات آتی تو وہ یہ نماز پڑھتے اور اپنے سامنے آگ جلا لیتے تھے۔ اِس سے ان کا مقصود یہ ہوتا کہ رات کو زیادہ دیر تک وہ آگ کے سامنے تعظیما کھڑے رہیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اِس آگ کی آڑ میں بہت سی برائیوں کا ارتکاب بھی کرتے تھے حتی کہ اُس وقت کے اولیائے کرام کو یہ خوف ہوا کہ کہیں انھیں زمین کے اندر دھنسا نہ دیا جائے۔ اِس لئے وہ ان علاقوں سے دور چلے جاتے تھے جن میں اس بدعت پر عمل کیا جاتا تھا اور اس کی آڑ میں کئی محرمات کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔[2]

نہایت دکھ کی بات ہے کہ جو نماز آگ کے پجاریوں نے پانچویں صدی میں ایجاد کی اور اس کی فضیلت میں جھوٹی احادیث بھی گھڑ ڈالیں آج مسلمان اسی نماز کا شعبان کی پندرھویں رات کو خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور

---

① الفوائد المجموعۃ:53/

② تحفۃ الأحوذی:163/3، طبعۃ دار الحدیث القاہرۃ

پورے زور شور سے ان جھوٹی احادیث کو بیان کرتے ہیں !!

یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث بالاتفاق ضعیف اور من گھڑت ہیں ۔ ائمۂ کرام مثلاً شوکانی ، ابن الجوزی ، ابن حبان ، قرطبی، سیوطی وغیرھم نے ان روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ تفصیلات کیلئے الفوائد المجموعة ، الموضوعات الکبری ، تفسیر القرطبی ، اللآلئی المصنوعة وغیرہ دیکھی جاسکتی ہیں۔

لہٰذا میدانِ دعوت کے کارکنوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اُن روایات کو بیان کرنے اور ان کی نشر واشاعت سے پرہیز کریں جو سند کے اعتبار سے ثابت نہ ہوں ۔ یقینی طور پر یہ حدیثِ نبوی کی بہت بڑی خدمت ہوگی اگر وہ کسی حدیث کو بیان کرنے سے پہلے اُس کی سند کے متعلق تحقیق کرلیں ، ورنہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ

«مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» [1]

''جس نے میری طرف وہ بات منسوب کی جو میں نے نہیں کہی' اُسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہئے۔''

شبِ برات میں کیا کرنا چاہئے؟

اب سوال یہ ہے کہ جو حدیث شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں صحیح سند کے ساتھ آئی ہے اور وہ ہے: (''اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو اپنی پوری مخلوق کی طرف (بنظرِ رحمت) دیکھتا ہے ، پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کی بخشش کردیتا ہے۔'')

کیا اِس میں کسی محفل کے جمانے کا ذکر ہے یا کسی خاص عبادت کا ؟ یا اس حدیث میں چراغاں اور آتش بازی کرنے کا ذکر کیا گیا ہے ؟ اِس سوال کا درست جواب ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو خرافات اور من گھڑت روایات پر اعتماد کرنے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی صاف ستھری شریعت پر ایمان رکھتا ہو۔ چنانچہ اِس حدیث کا اگر بنظرِ انصاف مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اِس میں کسی محفل کا ذکر کیا ہے نہ کسی خاص عبادت کا اور نہ چراغاں کی بات کی گئی ہے نہ آتش بازی کی ، بلکہ جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عام مغفرت جس کا مستحق آپ ﷺ نے ہر ایسے شخص کو قرار دیا جس کے عقیدے میں شرک کی ملاوٹ نہ ہو اور اُس کے دل میں کسی مسلمان کے متعلق ذاتی دشمنی کی بناء پر بغض وکینہ نہ ہو۔

---

[1] صحیح البخاری:109

لہٰذا اِس رات کو ہونے والی عام بخشش کا مستحق بننے کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنا عقیدہ درست کرے۔ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے، مشکل کشا بھی صرف اللہ تعالیٰ کو تصور کرے، بھروسہ اللہ پر ہی کرے، اپنی تمام تر امیدوں کا مرکز درباروں اور مزاروں کی بجائے صرف اللہ کو بنائے، خوف پیروں بزرگوں کی بجائے صرف اللہ سے ہو، نذر و نیاز اللہ کیلئے مانے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو مدد کیلئے مت پکارے ..... اِس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متعلق اپنا دل صاف رکھے اور کسی سے حسد، بغض اور کینہ نہ رکھے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کی نجات کیلئے انتہائی ضروری ہیں۔ رہی بات چراغاں اور آتش بازی کرنے کی تو یہ محض فضول خرچی ہے جس سے ہمارے دین میں منع کیا گیا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں جو بات رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر بیان کی کہ اللہ تعالیٰ مشرک اور کینہ پرور کی مغفرت نہیں کرتا اور باقی سب لوگوں کی مغفرت کر دیتا ہے تو آج بہت سے لوگ اِس رات کو بطورِ خاص مناتے ہیں، شبِ برات کی نسبت سے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں اِس رات کے حوالے سے جھوٹی اور من گھڑت احادیث بیان کرنے کے علاوہ نعت خوان اور مقررین رسول اکرم ﷺ سے استغاثہ کرتے ہیں اور آپ کو مدد کیلئے پکارتے ہیں۔ یعنی دوسرے لفظوں میں کھلم کھلا شرک بھی کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید بھی رکھی جاتی ہے! نبی کریم ﷺ کی اُس حدیث کا عملی طور پر مذاق بھی اڑایا جاتا ہے جس میں آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ اِس رات میں مشرک کی مغفرت نہیں کی جاتی اور اِس کے ساتھ ساتھ یہ امید بھی لگائی جاتی ہے کہ آج رات جہنم سے آزادی کا پروانہ مل جائے گا!

کیسی ستم ظریفی ہے کہ شرک سے مکمل طور پر براءت اور توبہ کرنے کی بجائے اُس کا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے اور لوگوں کو اُس کی طرف دعوت دی جاتی ہے!

شبِ برات مغفرت کی رات ہے تو پھر عبادت کیوں نہ کی جائے؟

کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ جب آپ نے خود یہ ثابت کر دیا کہ یہ رات مغفرت کی رات ہے تو پھر اس میں خصوصی طور پر عبادت کرنے میں کیا حرج ہے؟

ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر میدان میں رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پہ چلیں اور ہر عمل میں آپ ﷺ کی پیروی کریں۔ نیز یہ دیکھیں کہ کس موقعہ پر آپ ﷺ نے کونسی عبادت کی؟ چنانچہ جب ہم احادیث اور سیرت کی کتابوں کا مطالعہ

کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اِس رات میں خصوصی طور پر کسی عبادت کا اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے یہ رات خود خصوصی طور پر منائی اور نہ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دلائی ، لہٰذا جب ہمارے پیارے نبی ﷺ نے اِس کا اہتمام نہیں کیا تو ہمیں بھی نہیں کرنا چاہیے ۔ جب آپ نے یہ رات نہیں منائی تو ہمیں بھی نہیں منانی چاہیے ۔

حافظ ابن رجب کہتے ہیں :

(قِيَامُ لَيْلَةِ النِّصْفِ لَمْ يَثْبُتْ فِيهِ شَيْءٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا عَنْ أَصْحَابِهِ......)[1]

''شعبان کی پندرھویں رات کے قیام کی فضیلت میں نہ نبی کریم ﷺ سے کچھ ثابت ہے اور نہ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ۔''

اور امام ابو بکر طرطوشی نے زید بن اسلم سے (جو ایک تابعی ہیں) نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: (مَا أَدْرَكْنَا أَحَدًا مِنْ مَشْيَخَتِنَا وَلَا فُقَهَائِنَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، وَلَا يَلْتَفِتُونَ إِلَى حَدِيثِ مَكْحُولٍ ، وَلَا يَرَوْنَ لَهَا فَضْلًا عَلَى مَا سِوَاهَا ، وَقِيلَ لِابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: إِنَّ زِيَادًا يَقُولُ: إِنَّ أَجْرَ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ كَأَجْرِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ، فَقَالَ: لَوْ سَمِعْتُهُ وَبِيَدِي عَصًا لَضَرَبْتُهُ)[2]

''ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو شعبان کی پندرھویں رات کی طرف اور نہ ہی حدیثِ مکحول کی طرف التفات کرتے ہوئے دیکھا اور نہ ہی وہ اس رات کی دوسری راتوں پر فضیلت کے قائل تھے اور جب ابن ابی ملیکہ کو بتایا گیا کہ زیاد جو ایک قصہ گو تھا وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ اِس رات کا اجر لیلۃ القدر کے اجر کے برابر ہے تو انھوں نے کہا: اگر میں اس سے یہ بات سن لوں اور میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو میں اسے سزا دوں ۔''

خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کی عبادت کی فضیلت میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ سب جھوٹ اور من گھڑت ہے ۔

پھر ایک اور غور طلب بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی پندرھویں رات کی جو فضیلت بیان کی کہ اس میں اللہ تعالیٰ بطور خاص اپنے بندوں کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ باقی تمام بندوں کی مغفرت کر دیتا ہے تو یہ فضیلت صرف اسی رات کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ یہ تو ہر سوموار اور جمعرات کے بارے میں بھی ہے ۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :« تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ

---

① لطائف المعارف ② الحوادث والبدع

فَيُقَالُ:أَنْظِرُوْا هَذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، أَنْظِرُوْا هَذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، أَنْظِرُوْا هَذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا »①

''ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں ، پھر ہر اس آدمی کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو، سوائے اُس آدمی کے جو اپنے بھائی سے بغض وعداوت رکھتا ہو، چنانچہ ان دونوں کے بارے میں تین مرتبہ کہا جاتا ہے: ان کو مہلت دے دو یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں ۔''

لہٰذا شعبان کی پندرھویں رات میں مغفرت والی حدیث کو اِس بات کیلئے دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ اِس رات کو بطور خاص منایا جائے ، محفلیں منعقد کی جائیں اور خصوصی عبادت کی جائے ۔ ورنہ اگر اُس کو اِس سب کیلئے دلیل بنایا جا سکتا ہے تو پھر سوموار اور جمعرات کو بھی یہی فضیلت حاصل ہوتی ہے ،تو کیا شبِ برات منانے والے ان دو دنوں کو بھی بطور خاص منائیں گے اور ان میں بھی محفلیں منعقد کریں گے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی مغفرت فرمائے ۔ ہمیں حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور باطل سے بچنے اور اس سے پرہیز کرنے کی توفیق دے ۔ آمین

دوسرا خطبہ

کیا شعبان کی پندرھویں رات فیصلوں کی رات ہے؟

شبِ برات منانے والے لوگوں کا نظریہ ہے کہ یہ رات فیصلوں کی رات ہے ۔ ان کی دلیل یہ آیات مبارکہ ہیں: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۞ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾②

''یقیناً ہم نے اِسے بابرکت رات میں اتارا ہے ۔ بے شک ہم ڈرانے والے ہیں ۔ اس رات میں ہر مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔''

اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان میں ''بابرکت رات'' کا ذکر آیا ہے جس میں قرآن مجید کو اتارا گیا اور جس میں سال بھر میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ اِس رات سے کونسی رات مراد ہے؟

اگر ہم اپنی منشاء کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے کے بجائے خود قرآن مجید میں ہی اس کی تفسیر تلاش کریں تو اِس سوال کا جواب ہمیں مل جاتا ہے ۔

① صحیح مسلم:2565　② الدخان44:3-4

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾
''بے شک ہم نے اِسے لیلۃ القدر میں اتارا۔''

یعنی ''بابرکت رات'' سے مراد لیلۃ القدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں آتی ہے اور اسی میں انسان کی زندگی، موت، رزق اور دیگر تمام حادثات ووقائع کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

''بابرکت رات'' کی یہی تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ، مجاہد، حسن وغیرھم نے کی ہے اور اِسی تفسیر کو جمہور مفسرین نے درست قرار دیا ہے۔ ①

امام ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں:

''جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اِس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ جبکہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد شعبان کی پندرھویں رات ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ) ''وہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن کو اتارا گیا'' پھر اس نے ماہِ رمضان کی ایک رات ﴿لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ﴾ کو متعین کر دیا کہ اس میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا۔ لہٰذا جو شخص یہ دعوی کرے کہ 'بابرکت رات' سے مراد کوئی اور رات ہے تو وہ اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھتا ہے اور شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت میں یا یہ کہ یہ رات فیصلوں کی رات ہے اِس کے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں وہ سب کمزور ہیں، لہٰذا ان کی طرف مت دیکھو۔'' ②

اور امام ابن کثیر کہتے ہیں: ''اِس 'بابرکت رات' اور 'فیصلوں والی رات' سے مراد لیلۃ القدر ہے اور جس نے یہ کہا کہ اس سے مراد شعبان کی پندرھویں رات ہے جیسا کہ عکرمہ سے یہ بات روایت کی گئی ہے تو اس کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ خود نصِ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رات رمضان کے مہینے میں آتی ہے۔'' ③

لہٰذا شعبان کی پندرھویں رات کو فیصلوں کی رات قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری پر قائم رہنے اور اپنی نافرمانی سے بچنے کی توفیق دے اور ہمارا خاتمہ توحید اور عمل صالح پر فرمائے۔ آمین

---

① تفسیر القرطبی: 8/432-433، طبعة دار الحديث
② أحكام القرآن، ابن العربی: 4/106
③ تفسیر ابن کثیر: 4/163

انفاق فی سبیل اللہ

اہم عناصر خطبہ:

① قرآن وسنت میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت

② انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل اور فوائد

③ انفاق فی سبیل اللہ کے بعض عمدہ نمونے

④ انفاق فی سبیل اللہ کے بعض آداب

⑤ انفاق فی سبیل اللہ کی بعض صورتیں

⑥ صدقات کے اجر وثواب کو ضائع کرنے والے بعض امور

⑦ زکاۃ کی فرضیت اور اس کے بعض مسائل

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام !اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کو مال عطا کرتا ہے، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ، پھر انھیں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلاتا ہے اور بخل اور کنجوسی سے منع کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنۢبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضَاعِفُ لِمَن یَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴾ [1]

’’ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن (کے مال) کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر آپ اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کریں گے تو وہ ایسے ہے جیسے آپ نے سات سو روپے خرچ کئے ۔یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا ثواب سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا۔

اگر ایک مالدار آدمی کسی شخص کو کہے کہ آج تم فلاں آدمی کو ایک سو روپے دے دو، میں کل تمھیں اس کے

---

① البقرة 261:2

بدلے میں سات سو روپے دونگا۔ تو کیا وہ شخص اسے سو روپے دینے سے ہچکچائے گا، یا حیل وحجت پیش کرے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں کیونکہ اسے معلوم ہے کہ کل مجھے اس کے بدلے میں ایک سو نہیں بلکہ سات سو روپے مل جائیں گے۔ تو آپ کا کیا خیال ہے اس ذات بابرکات کے بارے میں جس کے پاس تمام خزانوں کی چابیاں ہیں اور وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور بڑے کرم والا ہے، وہ اپنے وعدے میں سچا ہے اور وہ یہ فرماتا ہے کہ تم میری راہ میں خرچ کرو میں تمھیں سات سو گنا زیادہ اجر وثواب دونگا تو کیا وہ اس پر قادر نہیں؟ اور کیا ہمیں اس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ نہیں کرنا چاہئے! جبکہ اس کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا﴾ ①

''اور جو کارِ خیر بھی آپ اپنے لئے آگے بھیجیں گے اسے اللہ کے ہاں اس حال میں پائیں گے کہ وہ (اصل عمل) سے بہتر اور اجر کے لحاظ سے بہت بڑا ہوگا۔''

ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دن رات خرچ کرنے والے لوگوں کو یوں بشارت دی ہے:

﴿ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ②

''جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے رہتے ہیں، دن رات، خفیہ طور پر اور ظاہری طور پر، اُن کا صلہ اللہ کے پاس ہے۔ اور اُن کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر واضح طور پر فرمایا ہے کہ کوئی شخص اُس وقت تک نیکی نہیں پا سکتا جب تک وہ اپنا محبوب مال خرچ نہ کرے۔ ارشاد باری ہے:

﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ ③

''تم اس وقت تک نیکی ہرگز نہیں پا سکتے جب تک اس چیز میں سے خرچ نہ کرو جو تمھیں محبوب ہو اور تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انفاق فی سبیل اللہ کی کیا عمدہ مثالیں قائم کیں اس کا اندازہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے قصہ سے کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور انھیں اپنے اموال میں سے سب سے زیادہ محبوب مال ایک باغ تھا جو مسجد کے سامنے واقع تھا اور اس میں

① المزمل 20:73 ② البقرۃ 274:2 ③ آل عمران 92:3

رسول اکرم ﷺ جایا کرتے تھے اور اس سے نکلنے والا عمدہ پانی نوش کیا کرتے تھے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ اور میرا سب سے محبوب مال یہ باغ ہے، سو میں نے یہ اللہ کیلئے صدقہ کر دیا ہے اور اس پر میں اللہ تعالیٰ سے ہی اجر وثواب کا طلبگار رہوں اور اسے اس کے پاس ذخیرہ کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا آپ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔

تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: « بَخٍ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ »

''بہت خوب، یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھاری بات سن لی ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ تم اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو، چنانچہ انھوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچیرے بھائیوں میں بانٹ دیا۔ ①

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے سخت تنبیہ کی ہے کہ اگر تم بخل کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے تو ہم تمھیں ختم کرکے دوسرے لوگ لے آئیں گے جو تمھاری طرح بخیل نہیں بلکہ خرچ کرنے والے ہونگے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هَا أَنتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴾ ②

''دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو، تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے ہی بخل کرتا ہے۔ اور اللہ تو بے نیاز ہے تم ہی اس کے محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

اور سورۃ سبا میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ تم لوگ جو کچھ بھی خرچ کرو، زیادہ یا کم، اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے وہ اس کی جگہ تمھیں اور مال عطا کر دیتا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ③

''اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ تمھیں اور دے دیتا ہے۔ اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

لہٰذا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں خرچ کرونگا تو میرا مال کم

① صحیح البخاری:2318، صحیح مسلم:998 ② محمد 38:47 ③ سبا 39:34

پڑ جائے گا ، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر مکمل یقین رکھتے ہوئے خرچ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی جگہ اور عطا کردے گا۔

ان تمام آیات کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس کا اجر وثواب ذکر کر کے اس کے بعض فوائد کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے۔

اسی بناء پر رسول اکرم ﷺ خود بھی مال بہت زیادہ خرچ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاتے اور بخل کی مذمت کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا وَمَلَكَانِ يَنْزِلَانِ يَقُوْلُ أَحَدُهُمَا:اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ، وَيَقُوْلُ الْآخَرُ:اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»①

’’ ہر دن صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ، ان میں سے ایک دعا کرتے ہوئے کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور مال عطا کر اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال تباہ کردے۔‘‘

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»②

’’ دو آدمیوں کا عمل قابل رشک ہے، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ قرآن دے اور وہ اسے دن رات پڑھتا رہے۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اسے دن رات خرچ کرتا رہے۔‘‘

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا قابلِ رشک عمل ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ:يَا ابْنَ آدَمَ ! أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ»③

’’ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! تم خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہونگا۔‘‘

① صحیح البخاری:1442 ، صحیح مسلم:1010

② صحیح البخاری:5025 ، صحیح مسلم:815

③ صحیح البخاری:4684 ، صحیح مسلم:993

انفاق فی سبیل اللہ ایک نفع بخش تجارت ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ [1]

''بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس سے وہ خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امید وار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہ ہوگا۔ تاکہ اللہ انھیں ان کا پورا پورا اجر دے اور اپنے فضل وکرم سے مزید عطا کرے، یقیناً وہ معاف کرنے والا اور بڑا قدر دان ہے۔''

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایک ایسی تجارت ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا، منافع ہی منافع حاصل ہوتے ہیں، یعنی موجودہ مال میں برکت آتی ہے اور مزید رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ [2]

''اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو تو وہ اسے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمھیں معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان اور نہایت بردبار ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کو قرض حسنہ قرار دیا ہے حالانکہ مال کا اصل مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جس کو چاہے کم دے اور جس کو چاہے زیادہ عطا کرے۔ اور اصل مالک کو مال لوٹا دینا قرض نہیں کہلاتا لیکن یہ درحقیقت اُس مالک کا کرم ہے کہ وہ اسے قرض حسنہ قرار دیتا ہے اور اسے کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾ [3]

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کی پرورش کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ناشکرے اور بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ صدقات کی پرورش کیسے کرتا ہے اس کی وضاحت ہمیں نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی

---

[1] فاطر 35:29-30 [2] التغابن 64: 317 [3] البقرة 2: 276

ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعِدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»①

''جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ حلال کمائی کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کیلئے اس کی پرورش ایسے کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ) ایک پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔''

اللہ اکبر، کتنا کریم ہے ہمارا خالق و مالک، کھجور کے برابر صدقے کو اتنا بڑھاتا اور اس کی اتنی پرورش کرتا ہے کہ وہ ایک پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے! سبحان اللہ وبحمدہ

ان تمام آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے مال بڑھتا ہے اور بے انتہا منافع حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے انسان کو اس بات کا اندیشہ قطعا نہیں ہونا چاہئے کہ اس کے مال میں کمی واقع ہو جائے گی یا بنک بیلنس کم ہو جائے گا، بلکہ اسے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پر یقین کامل ہونا چاہئے کہ «مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَّالٍ» ②

''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔'' بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے۔

اور آنحضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«أَنْفِقْ بِلَالُ ، وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا»③

''بلال! تم خرچ کرو اور عرش والے کی طرف سے کمی کا خوف نہ کرو۔''

صدقہ قیامت کے روز انسان پر سایہ کرے گا

قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ تمام بنو آدم کو اکٹھا کرے گا تو یہ سورج جو اب کروڑوں میل کی مسافت پر ہے اُس دن انسانوں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا، تب لوگوں کو ان کے اعمال کے بقدر پسینہ آئے گا، کسی کا پسینہ اس کے ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا پسینہ اس کے گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا پسینہ اس کی کوکھ تک ہوگا اور کسی کا پسینہ اس کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔ اُس دن صدقہ کرنے والا انسان اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

① صحیح البخاری:1410، صحیح مسلم:1014
② صحیح مسلم:2588
③ الصحیحۃ للألبانی:2661

«كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ»①

''ہر شخص اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔''

اور جو انسان انتہائی خفیہ انداز سے صدقہ کرے وہ عرش الٰہی کے سائے تلے ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ ...... وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ»②

''سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے تلے جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا......ان میں سے ایک شخص وہ ہے جس نے اس طرح خفیہ طور پر صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔''

اور اگر ہم بھی روزِ قیامت کی گرمی اور اس دن کے پسینے سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں کثرت سے صدقہ کرنا ہوگا۔ خاص طور پر خفیہ صدقہ کہ جس کا کسی کو پتہ نہ چلے، کیونکہ اس کی جزاء عرش الٰہی کا سایہ ہے۔

فرشتے آبیاری کرتے ہیں

جی ہاں! صدقہ کرنے والے شخص کا مال بابرکت ہوتا ہے اور اس کے باغات کی آبیاری فرشتے کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک آدمی ایک صحراء سے گذر رہا تھا کہ اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی (اِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ) ''فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ۔'' چنانچہ وہ بادل ایک طرف چلا گیا اور ایک کالے پتھروں والی زمین پر پانی برسا دیا، پھر وہاں موجود نالیوں میں سے ایک نالی نے وہ سارا پانی اپنے اندر لے لیا، یہ آدمی پانی کے پیچھے پیچھے چل دیا، اس نے اچانک دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور وہ اپنے بیلچے کے ساتھ اِس پانی کا رخ اُس باغ کی طرف موڑ رہا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! آپ کا نام کیا ہے؟ تو اس نے اپنا وہی نام بتایا جسے یہ آدمی بادل میں سے سن چکا تھا۔ پھر اُس نے پوچھا: اے اللہ کے بندے! آپ نے میرا نام کیوں وچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے بادل میں سے ایک آواز سنی تھی جس سے یہ پانی نکل کر یہاں پہنچا ہے، وہ آواز کہہ رہی تھی: فلاں آدمی کے باغ کو پانی پلاؤ اور اس نے آپ ہی کا نام لیا تھا۔ تو کیا آپ بتائیں گے کہ آپ اس باغ میں کیا کرتے ہیں؟

---

① صحيح الجامع للألباني:4510

② صحيح البخاري:1423، صحيح مسلم:1031

اس نے کہا: (أَمَّا إِذَا قُلْتَ هَذَا فَإِنِّي أَنْظُرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا، وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ)① ''جب آپ نے مجھے یہ بات بتائی ہے تو میں بھی آپ کو بتا دیتا ہوں! اصل بات یہ ہے کہ میں اس باغ سے نکلنے والا پھل تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ صدقہ کر دیتا ہوں، دوسرا حصہ میں اور میرے بچے کھاتے ہیں اور تیسرا حصہ میں اسی میں واپس لوٹا دیتا ہوں۔''

انفاق فی سبیل اللہ سے خیر کے دروازے کھل جاتے اور تمام امور آسان ہو جاتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ۝ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى﴾②

''لہٰذا جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا اور بھلی باتوں کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی کرتا رہا اور بھلی باتوں کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے۔ اور جب وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔''

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے 'خرچ کرنے والے کے سامنے خیر کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کے تمام امور' خواہ دنیوی ہوں یا اخروی آسان ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر انسان بخل کرے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے تو اس کے سامنے خیر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور تمام امور مشکل ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾③

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، اس طرح آپ انھیں پاک کر دیں گے اور صدقہ کے ذریعے ان کا تزکیہ کریں گے۔ اور آپ ان کیلئے دعا کیجئے، بلا شبہ آپ کی دعا ان کیلئے باعث تسکین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

پہلا یہ کہ انسان گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

---

① صحيح مسلم:2984 ② الليل92:5-11 ③ التوبة9:103

دوسرا یہ کہ صدقہ کرنے کے بعد باقی ماندہ مال بھی پاکیزہ ہو جاتا ہے۔
اور تیسرا یہ کہ خرچ کرنے والے کا نفس مال و دولت کی محبت، حرص، لالچ اور بخل جیسی امراض سے پاک ہوتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ قبر کی آگ کو بجھا دے گا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِیءُ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ الْقُبُوْرِ، وَإِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ»①

''بے شک صدقہ کرنے والوں سے صدقہ قبروں کی گرمی کو بجھائے گا۔ اور مومن قیامت کے روز اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا۔''

انفاق فی سبیل اللہ کے بعض عمدہ نمونے

انفاق فی سبیل اللہ کے بعض فضائل اور فوائد وثمرات ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس کے بعض عمدہ نمونے ذکر کرتے ہیں اور جب ہم ''عمدہ نمونوں'' کی بات کرتے ہیں تو اس سلسلے میں ہمارے سامنے سب سے پہلے امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا نام گرامی آتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نہایت کریم اور بہت زیادہ سخی تھے۔

❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ بھیڑ بکریوں کا سوال کیا جو دو پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ کو بھر دیتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے وہ سب کی سب اسے عطا کر دیں، پھر وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس لوٹا اور کہنے لگا:
(أَيْ قَوْمِ، أَسْلِمُوْا، فَوَاللّٰهِ إِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِي عَطَاءَ مَنْ لَّا يَخَافُ الْفَقْرَ)②

''اے میری قوم! تم سب اسلام قبول کر لو کیونکہ اللہ کی قسم! حضرت محمد ﷺ تو اُس شخص کی طرح عطا کرتے ہیں جسے کسی فقر وفاقہ کا خوف نہیں ہوتا۔''

❁ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز ادا کی، آپ ﷺ نے ابھی سلام پھیرا ہی تھا کہ آپ فوراً اٹھے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے حجرے میں چلے گئے، لوگ آپ کی جلد بازی کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

---

① الصحیحة للألبانی:4384 ② صحیح مسلم:2312

پھر آپ ﷺ باہر آئے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ آپ کی جلد بازی کی وجہ سے حیران ہیں ۔ تو آپ نے فرمایا:

''مجھے نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ڈھیلا' جو صدقے کا تھا موجود ہے، تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں رات ہونے تک وہ ہمارے گھر میں ہی نہ پڑا رہ جائے ، اس لئے میں جلدی سے اندر گیا اور اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔''[1]

اور جہاں تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے تو وہ بھی نبی کریم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔

❁ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اتفاق سے اُس دن میرے پاس مال موجود تھا ۔ میں نے دل میں کہا: آج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جانے کا بہترین موقع ہے ، لہٰذا میں اپنا آدھا مال لے آیا اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے کہا: جتنا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اتنا ہی گھر والوں کیلئے چھوڑ آیا ہوں۔

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا پورا مال لے آئے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ نے پوچھا: اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انھوں نے کہا: میں ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر آیا ہوں ۔تب میں نے کہا: میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔[2]

❁ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے (جیش العسرۃ) یعنی انتہائی تنگی کے عالم میں فوج کو جنگ تبوک کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے ایک کپڑے میں ایک ہزار دینار لے آئے اور انھیں رسول اکرم ﷺ کی جھولی میں انڈیل دیا۔ آنحضور ﷺ انھیں اپنے ہاتھوں سے اوپر نیچے کرتے ہوئے بار بار فرمارہے تھے: «مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»[3]

''آج کے بعد عثمان بن عفان جو کچھ بھی کریں انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

❁ اُم درۃ کا بیان ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم لے کر آئی ، وہ اُس دن روزے کی حالت میں تھیں ، چنانچہ انھوں نے وہ تمام درہم تقسیم کردیئے ۔تو میں نے ان سے کہا: آپ نے پورا مال تقسیم کردیا، اگر آپ چاہتیں تو کم از کم ایک درہم رکھ لیتیں جس سے آپ گوشت خرید لیتیں اور اسی سے افطاری

---

[1] صحيح البخاري: 851، 1221، 1430
[2] سنن أبي داؤد: 1678 وحسنه الألباني
[3] مسند أحمد: 231/34 قال الأرناؤط: إسناده حسن، ورواه الترمذي: 3701 وحسنه الألباني

کے وقت کھانا کھا لیتیں! انھوں نے کہا: اگر تم مجھے یاد کرا دیتی تو میں ایسے ہی کر لیتی۔ ①

اِس طرح کے واقعات بے شمار ہیں، ہم نے صرف تین واقعات ذکر کئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم انفاق فی سبیل اللہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے اور اس طرح دل کھول کر خرچ کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو بھی بھول جاتے تھے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مختلف اقسام

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ان میں سے چند اہم طریقے یہ ہیں:

① تعمیر مساجد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسَى أُولٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ ②

"اللہ کی مساجد کو تعمیر (اور آباد) کرنا تو بس اُس کا کام ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، نماز قائم کی اور زکاۃ دیتا رہا اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ پس قریب ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہونگے۔"

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا يَبْتَغِيْ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ ، بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ» ③

"جو شخص اللہ کیلئے مسجد بنائے، محض اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرتے ہوئے تو اللہ اس کیلئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔"

② علم نافع کی نشر واشاعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ» ④

---

① طبقات ابن سعد: 53/8 ② التوبة9: 18

③ صحيح البخاري: 450، صحيح مسلم: 533

④ صحيح مسلم ، الوصية ، باب ما يلحق الإنسان من الثواب: 1631

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ، علمِ نافع اور صالح اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے۔''

علم نافع کی نشر واشاعت میں کسی طرح سے بھی حصہ ڈالا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن وحدیث کی تعلیم دینا، دروس اور خطبِ جمعہ کے ذریعے لوگوں کو احکام شرعیہ اور آداب اسلامیہ سے روشناس کرانا، دینی کتب کو چھپوانا، قرآن وحدیث کے ریکارڈ شدہ لیکچرز کو تقسیم کرنا، طالب علموں کو کتب مہیا کرنا اور مساجد میں قرآن مجید وقف کرنا وغیرہ۔

③ کفالتِ ایتام

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا» وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى»[1]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہونگے جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔'' یعنی انگلی شہادت اور درمیانی انگلی۔

④ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا»[2]

''جو شخص ایک مجاہد کو مالی طور پر تیار کر کے جنگ کیلئے روانہ کرے وہ ایسے ہے جیسے اس نے خود جنگ میں حصہ لیا۔ اور جو آدمی کسی مجاہد کے گھر والوں میں رہے اور خیر وبھلائی کے ساتھ ان کی رکھوالی کرے تو وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود جنگ میں شرکت کی۔''

⑤ فقراء ومساکین کو کھانا کھلانا یا ان کی مدد کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾[3]

''خود کھانے کی محبت کے باوجود وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

① صحیح البخاری:6005 ② صحیح البخاری:2843، صحیح مسلم:1895

③ الدھر 8:76

اور بیوگان اور محتاجوں کی مدد کرنے والا اور ان پر خرچ کرنے والا شخص ایسے ہے جیسے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہو۔

حضرت صفوان بن سُلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَلسَّاعِیْ عَلَی الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، أَوْ كَالَّذِیْ یَصُوْمُ النَّهَارَ وَیَقُوْمُ اللَّیْلَ» ①

''بیوگان اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا آدمی (اجر وثواب کے اعتبار سے) ایسے ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا دن کو روزہ رکھنے والا اور رات کو قیام کرنے والا ہو۔''

⑥ روزہ داروں کا روزہ افطار کرانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهٖ غَیْرَ أَنَّهُ لَا یَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَیْءٌ» ②

''جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلواتا ہے تو اسے بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا روزہ دار کو ملتا ہے۔ اور خود روزہ دار کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔''

انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب ضائع کرنے والے امور

① ریا کاری اور ② احسان جتلانا

جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ نہ کرے بلکہ صرف لوگوں کو دکھلانے یا اپنی تعریف سننے کیلئے خرچ کرے تو اس کی یہ نیت اس کے اجر وثواب کو ضائع کر دیتی ہے۔

اسی طرح وہ شخص جو کسی کو صدقہ دینے یا اس پر خرچ کرنے کے بعد اسے اپنا احسان جتلائے یا لوگوں کے سامنے اسے رسوا کر کے اذیت پہنچائے تو اس کا صدقہ بھی برباد ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰی كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا

---

① صحیح البخاری، 6006

② سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجه، صحیح الترغیب والترهیب:1078

يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۞ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ①

''مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر اُس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ تو اُس (کے مال) کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برسے اور وہ اُسے صاف کر ڈالے۔ (اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔ (جب) اُس پر مینہ پڑے تو دُگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے احسان جتلا کر اور جس پر خرچ کیا جائے اسے اذیت پہنچا کر اپنے صدقات کو برباد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں چیزوں سے صدقات کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ریاکاری کی نیت سے خرچ کرنے والے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے خرچ کرنے والے کی الگ الگ مثالیں ذکر کی ہیں، دکھلاوا کرتے ہوئے خرچ کرنے والے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کی طرح قرار دیا ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو، پھر اس پر موسلا دھار بارش برسے تو اُس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ مٹی بالکل صاف ہو جائے گی، اسی طرح لوگوں کو دکھانے یا ان سے تعریف سننے کی خاطر خرچ کرنے والے شخص کو بھی کچھ نہیں ملتا۔ اور اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرنے والے کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس باغ کی مانند قرار دیا ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو، اگر اس پر بارش برسے تو وہ دوگنا پھل دیتا ہے۔ اور اگر بارش نہ برسے تو صرف پھوار ہی کافی ہوتی ہے اور وہ پھر بھی کچھ نہ کچھ پھل ضرور دیتا ہے، اسی طرح صدقات میں اگر اخلاص نیت اور صرف رضائے الٰہی کی طلب ہو تو ان کا اجر وثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

اسی لئے جو صدقہ خفیہ طور پر کیا جائے وہ اُس صدقے سے بہتر ہے جو ظاہری طور پر کیا جائے کیونکہ خفیہ طور پر صدقہ کرنے میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور ریاکاری سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

---

① البقرۃ 2:264-265

ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿إِن تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾①

”اگر تم خیرات ظاہراً دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہلِ حاجت کو تو وہ خوب تر ہے۔ اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔“

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِيءُ غَضَبَ الرَّبِّ»②

”خفیہ طور پر صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔“

نیز خرچ کرنے کے بعض آداب سکھلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾③

”اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اُس کا فائدہ تمہی کو ہے۔ اور تم تو جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کیلئے کرو گے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا۔ (اور ہاں تم جو خرچ کرو گے تو) اُن حاجتمندوں کیلئے جو اللہ کی راہ میں رُکے بیٹھے ہیں اور زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے (اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص اُن کو غنی خیال کرتا ہے۔ اور تم چہرے سے اُن کو صاف پہچان لو گے (کہ حاجتمند ہیں اور شرم کے سبب) لوگوں سے (منہ پھوڑ کر اور) لپٹ کر نہیں مانگ سکتے۔ اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اُس کو جانتا ہے۔“

جہاں تک احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے صرف ان خرچ کرنے والوں سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے جو خرچ کرنے کے بعد ان دونوں چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔

ارشاد ہے:﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾④

”جو لوگ اپنا مال اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں پھر اُس کے بعد نہ اُس خرچ کا (کسی پر) احسان

① البقرة 2:271 ② السلسلة الصحيحة للألباني:1908
③ البقرة 2:272-273 ④ البقرة 2:262

رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں اُن کا صلہ اُن کے رب کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

احسان جتلانا کتنا بڑا گناہ ہے' اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاثَةٌ لا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَالْمَنَّانُ عَطَاءَهُ، وَثَلاثَةٌ لا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالدَّيُّوْثُ، وَالرَّجِلَةُ »[۱]

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کی طرف دیکھنا تک گوارہ نہیں کرے گا: والدین کا نافرمان (اور ان سے بدسلوکی کرنے والا)، ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا اور احسان جتلانے والا۔ اور تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہونگے: والدین کا نافرمان اور انھیں اذیت پہنچانے والا، دیوث (جس کے گھر میں بدکاری ہورہی ہو اور وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہے۔) اور وہ عورت جو مردوں جیسی وضع قطع بناتی اور ان سے مشابہت اختیار کرتی ہو۔"

۳ گھٹیا چیز کا صدقہ کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾[۲]

"مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو اُن کو کبھی نہ لو۔ اور جان لو کہ اللہ بے پروا اور قابلِ ستائش ہے۔"

۴ صدقہ واپس لینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ عَطِيَّتِهِ كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ، ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ »[۳]

---

[۱] سنن النسائي والبزار والحاكم: صحيح الترغيب والترهيب: 2511

[۲] البقرة 2: 267

[۳] الصحيحة للألباني: 1699
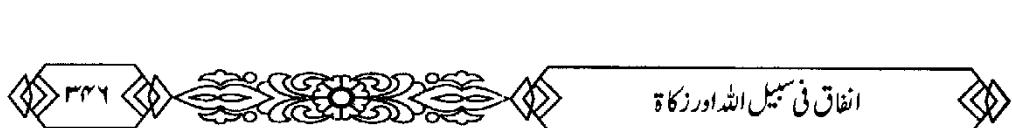
''بے شک وہ آدمی جو اپنے صدقے کو واپس لے لے اُس کی مثال اُس کتے کی سی ہے جو سیر ہو کر کھائے، پھر قے کر دے اور پھر اسی کو چاٹنا شروع کر دے۔''

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کیلئے ایک گھوڑا دیا تو اس نے اس کی غذا وغیرہ کا اہتمام نہ کیا جس سے وہ کمزور پڑ گیا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ (اگر وہ مل جائے تو) میں اسے خرید لوں۔ میرا خیال یہ تھا کہ وہ آدمی اسے سستے داموں بیچ دے گا۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَشْتَرِهِ، وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ، فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ»[1]

''اسے مت خریدو اور اپنا صدقہ مت واپس لو اگرچہ وہ تمھیں ایک ہی درہم میں کیوں نہ دے، کیونکہ اپنا صدقہ واپس لینے والا شخص اس کتے کی مانند ہے جو اپنی قے کو دوبارہ چاٹنا شروع کر دے۔''

لہٰذا انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کو ان تمام امور سے اجتناب کرنا چاہئے جو ان کے صدقات کو ضائع کر دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق دے اور ہمارے صدقات کو قبول فرمائے۔

دوسرا خطبہ

پہلے خطبہ میں ہم نے صدقات کے فضائل وفوائد اور ان کے بعض احکام بیان کئے۔ اب یہ بھی جان لیجئے کہ صدقات میں سب سے اہم صدقہ فریضۂ زکاۃ کی ادائیگی ہے۔

زکاۃ کی تعریف

عربی زبان میں لفظ ''زکاۃ'' پاکیزگی، بڑھوتری اور برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ شریعت میں ''زکاۃ'' ایک مخصوص مال کے مخصوص حصے کو کہا جاتا ہے جو مخصوص لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اسے ''زکاۃ'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے دینے والے کا تزکیۂ نفس ہوتا ہے اور اس کا مال پاک اور بابرکت ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ ''زکاۃ'' کیلئے قرآن وسنت میں ''صدقہ'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾[2]

---

[1] صحیح البخاری:2623، صحیح مسلم:1620
[2] التوبة9:103

''(اے پیغمبر) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے۔''

زکاۃ کی اہمیت

(1) زکاۃ دین اسلام کے ان پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے جن پر دین اسلام قائم ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:« بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ......الخ»①

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا.....''

(2) زکاۃ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ ....﴾②

''اور میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، پس میں اپنی رحمت ان لوگوں کے نام لکھ دوں گا جو (گناہ اور شرک سے) بچے رہتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں۔''

(3) زکاۃ دینی بھائی چارے کی شروط میں سے ایک شرط ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾③

''پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔''

(4) مسلم معاشرے میں جن عادات کو عام ہونا چاہئے ان میں سے ایک زکاۃ ہے۔

فرمان الٰہی ہے:﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ ... الخ ﴾④

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں...''

(5) جنت الفردوس کے وارث بننے والے مومنوں کی جو صفات اللہ نے بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک زکاۃ ادا کرنا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

---

① متفق علیه ② الأعراف7:165 ③ التوبة9:11 ④ التوبة9:71

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُوْنَ﴾ ①

''اور جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں۔''

(6) حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے ایسا عمل بتایئے جسے کرنے سے میں جنت میں چلا جاؤں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ» ②

''اللہ ہی کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔ فرض نماز پابندی سے ادا کرتے رہو، زکاۃ ادا کرتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو۔''

(7) زکاۃ کی ادائیگی سے مال بڑھتا اور بابرکت ہو جاتا ہے اور آفتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ ③

''اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہوتا رہے تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکاۃ دو گے اللہ کی خوشنودی پانے کی خاطر تو ایسے لوگ ہی کئی گنا زیادہ پانے والے ہیں۔''

زکاۃ کے فوائد

(1) اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی ہے، جسے چاہے زیادہ دے اور جسے چاہے تھوڑا دے، لیکن مالدار کو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ دینے، صدقہ کرنے اور خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ جسے اللہ نے تھوڑا دیا ہے اسے بغیر سوال کے ملتا رہے اور اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ اور فقیر کو اللہ تعالیٰ نے سوال سے بچنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے اندر صبر و شکر جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوں۔ اس طرح معاشرے کے یہ دونوں فرد اللہ کے اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں، مالدار خرچ کر کے اور فقیر صبر و شکر کر کے۔

(2) اسلام کے مالیاتی نظام کی ایک خوبی یہ ہے کہ اگر پورے اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے تو دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں منحصر ہونے کی بجائے معاشرے کے تمام افراد میں گردش کرتی رہتی ہے۔ اسکے برعکس دیگر مالیاتی نظاموں میں یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے چند افراد تو عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور انہی

---

① المؤمنون 23:4 ② متفق علیہ ③ الروم 30:39

کے قرب وجوار میں رہنے والے دوسرے لوگ غربت کی چکی میں پستے رہتے ہیں جو بہت بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ معاشرے میں مالیاتی توازن برقرار رکھنے اور اس معاشرتی ظلم کا سد باب کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو فرض کیا اور صدقات اور انفاق کی طرف ترغیب دلائی تاکہ معاشرے کے تمام افراد مال ودولت سے مستفید ہوتے رہیں۔

(3) زکاۃ کی ادائیگی سے مالدار اور فقیر کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے اور یوں معاشرہ بغض، نفرت اور خود غرضی جیسی بیماریوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ زکاۃ دینے والے میں سخاوت، شفقت اور ہمدردی اور زکاۃ لینے والے میں احسانمندی، تواضع اور انکساری جیسی صفات حمیدہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ گویا نظامِ زکاۃ معاشرے میں اخلاقی قدروں کو پروان چڑھاتا ہے۔

(4) تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں جب زکاۃ کو حکومتی سطح پر جمع اور اسے فقراء میں تقسیم کیا جاتا تھا تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب تلاش کرنے کے باوجود بھی معاشرے میں فقراء نہیں ملتے تھے، چنانچہ زکاۃ بیت المال میں جمع کرادی جاتی تھی اور پھر اسے مسلمانوں کے مفادات عامہ میں خرچ کر دیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ زکاۃ سے معاشرے میں غربت ختم ہوتی ہے بشرطیکہ اسے پورے اخلاص اور مکمل دیانتداری کے ساتھ نافذ کیا جائے۔

(5) مالدار لوگ اگر زکاۃ ادا نہ کریں تو معاشرے میں موجود فقراء احساسِ کمتری کا شکار ہو جائیں اور ان کے دلوں میں مالداروں کے خلاف شدید عداوت پیدا ہو جائے۔ اور پھر وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے چوری اور ڈاکہ زنی جیسے جرائم کا ارتکاب شروع کردیں۔ یوں معاشرہ بدامنی اور لاقانونیت کی بھیانک تصویر بن جائے، گویا اسلامی نظامِ زکاۃ ان اخلاقی جرائم کا سد باب کرتا اور معاشرے کو امن وسکون کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

(6) مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور اس کی واحد شکل یہ ہے کہ اس کی زکاۃ ادا کی جائے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جب اللہ کی نعمتوں پر شکریہ ادا کیا جائے تو اللہ کی عنایات میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ ①

''اگر تم شکر ادا کروگے تو میں ضرور بالضرور تمھیں اور زیادہ دوں گا۔''

---

① إبراهيم 7:14

زکاۃ نہ دینے والے کا انجام

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ زکاۃ فرض ہے اور اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کی فرضیت سے انکار کرے وہ یقیناً کافر اور واجب القتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد جن لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کردیا تھا آپ نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

(وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهٗ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهٖ)[1]

''اللہ کی قسم! جو لوگ ایک رسی بھی آنحضرت ﷺ کو دیا کرتے تھے، اگر مجھے نہیں دیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔''

اور جو شخص زکاۃ کی فرضیت کا تو قائل ہو لیکن اسے ادا نہ کرتا ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے متعلق ایک آیت اور ایک حدیث سماعت فرمائیے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾[2]

''اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے، جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا:) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:«مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ، يُطَوِّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ»[3]

''اللہ نے جس کو مال سے نوازا، پھر اس نے زکاۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل

---

[1] صحیح البخاری:7284، 7285، صحیح مسلم: 20

[2] التوبۃ9:34-35

[3] صحیح البخاری:1403

میں آئے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہونگے ، یہ سانپ اس کے گلے کا طوق ہوگا اور اس کے جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرا مال ، میں ہوں تیرا خزانہ ...''

کن چیزوں میں زکاۃ فرض ہے؟

اسلام میں جن چیزوں پر زکاۃ فرض ہے وہ اور ان کے متعلقہ کچھ مسائل کچھ اس طرح ہیں:

① سونا/ چاندی اور نقدی پیسے

سونا / چاندی میں زکاۃ فرض ہے بشرطیکہ ان کی مقدار مقررہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور اس کی ملکیت پر ایک سال گذر چکا ہو۔ سونے کا نصاب 85 گرام جبکہ چاندی کا نصاب 595 گرام ہے۔ اس طرح اگر سونا 85 گرام سے اور چاندی 595 گرام سے کم ہو تو زکاۃ فرض نہیں ہوگی اور اگر یہ دونوں اپنے مقررہ وزن کے برابر یا اس سے زیادہ ہوں لیکن ان پر سال نہ گذرا ہو تو تب بھی زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ دونوں شرطیں اگر موجود ہوں تو سونے چاندی کی زکاۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کا وزن دیکھ لیں ، پھر مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق اس وزن کی قیمت کی تحدید کر لیں ، اس کے بعد اس کا اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ زکاۃ کی نیت سے ادا کر دیں۔

مسئلہ (1): سونا / چاندی چاہے ڈھیلے کی شکل میں ہو یا زیورات کی شکل میں ، دونوں صورتوں میں زکاۃ فرض ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے ، آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم ان کی زکاۃ دیتی ہو؟'' اس نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ»①

''کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں ان دونوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟'' تو اس نے انھیں زمین پر پھینک دیا اور کہا: یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہیں۔

مسئلہ (2): کاغذی کرنسی چاہے ریال ہو یا دینار ، روپیہ ہو یا ڈالر...... وہ بھی سونے چاندی کے حکم میں

---

① سنن أبي داؤد:1563 ، سنن النسائي:2479 وصححه الألباني

آتی ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ کرنسی موجود ہو اور اس پر سال گذر چکا ہو تو اس میں زکاۃ فرض ہوگی۔

مسئلہ (3): قرض کی زکاۃ کی دو صورتیں ذہیں: پہلی یہ کہ مقروض قرضہ تسلیم کرتا ہو اور اسے جلد یا بدیر واپس کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو، یا مقروض تو قرضے سے انکاری ہو لیکن عدالت میں کیس کرکے اس سے قرضہ واپس لینے کا یقین ہو تو اس صورت میں قرض کی رقم کی زکاۃ قرض خواہ کو ادا کرنی ہوگی۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سال کے اختتام پر جب موجودہ مال کا حساب کیا جارہا ہو اس کے ساتھ قرض کی رقم کو بھی ملا لیا جائے اور ٹوٹل مبلغ کا اڑھائی فیصد بطور زکاۃ ادا کردیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض قرضے سے انکاری ہو اور عدالت کے ذریعے اسے واپس لینے کا امکان بھی نہ ہو، یا وہ قرضے کو تسلیم تو کرتا ہو لیکن ہر آئے دن واپسی کا وعدہ کرکے وعدہ خلافی کرتا ہو، یا اس کے حالات ہی ایسے ہوں کہ وہ قرضہ واپس کرنے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں قرض کی رقم پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، ہاں جب مقروض قرضہ واپس کردے تو گذشتہ ایک سال کی زکاۃ ادا کردی جائے۔

مسئلہ(4): ایک شخص کے پاس زکاۃ کا نصاب تو موجود ہو، چاہے سونا / چاندی کی شکل میں یا نقدی کرنسی کی شکل میں یا کسی اور شکل میں، لیکن وہ خود دوسروں کا مقروض ہو اور اگر زکاۃ ادا کرے تو مزید بوجھ تلے دب جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی، ہاں اگر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی اس کے پاس زکاۃ کے نصاب کے برابر مال موجود ہو اور اس پر سال گذر چکا ہو تو اس کا اڑھائی فیصد زکاۃ کی نیت سے ادا کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ(5): کمپنی کے حصص (شیئرز) اگر تجارتی مقصد سے خریدے گئے ہوں اور ان پر سال گذر چکا ہو تو ان کی زکاۃ ادا کرنا لازمی ہوگا۔ اگر خود کمپنی تمام پارٹنرز کے حصص کی زکاۃ ادا کردیتی ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ ہر پارٹنر اپنے حصص کی زکاۃ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

مسئلہ(6): زکاۃ خالص سونے / چاندی پر فرض ہوتی ہے، لہٰذا ملاوٹ کو وزن میں شمار نہیں کیا جائے گا، اس طرح اگر ملاوٹ کا وزن نکال کر خالص سونے / چاندی کا وزن مقررہ نصاب سے کم ہو جائے تو اس پر زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔

② تجارتی سامان

دوسری چیز جس پر زکاۃ فرض ہوتی ہے وہ ہے ''تجارتی سامان'' اور اس سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں جنھیں تجارت کی نیت سے خریدا جائے، چاہے مقامی مارکیٹ سے یا باہر سے درآمد کرکے۔ اس طرح وہ تمام چیزیں اس حکم سے نکل جاتی ہیں جنھیں کسی نے اپنے ذاتی استعمال کیلئے خریدا ہو، مثلاً گھر، گاڑی اور زمین وغیرہ تو ایسی اشیاء پر زکاۃ فرض نہیں اور اسی طرح صنعتی مشینری، آلات، سٹورز اور ان میں پڑی الماریاں، دفاتر اور ان کے لوازمات پر بھی زکاۃ فرض نہیں کیونکہ ایسی تمام اشیاء ایک جگہ برقرار رہتی ہیں اور انھیں بیچ کر تجارت کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

تجارتی سامان کی زکاۃ نکالنے کا طریقہ

سال کے اختتام پر تاجر (چاہے فرد ہو یا کمپنی) کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام تجارتی سامان کی مارکیٹ کے موجودہ ریٹ کے مطابق قیمت لگائے، پھر اس کے پاس سال بھر جو نقدی کرنسی رہی ہو اسے اس میں شامل کرلے۔ اسی طرح اس کا جو قرضہ قابل واپسی ہو اسے بھی حساب میں شامل کرلے اور اگر وہ خود مقروض ہو تو قرضے کی رقم نکال کر باقی تمام رقم کا اڑھائی فیصد یا چالیسواں حصہ بطورِ زکاۃ ادا کردے۔

مسئلہ: صنعتی آلات اور مشینری کی اصل قیمت پر تو زکاۃ فرض نہیں، البتہ ان کی آمدنی اگر زکاۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس سے زکاۃ نکالنا ضروری ہوگا۔ اور یہی حکم کرائے پر دیے ہوئے مکانوں، دوکانوں اور گاڑیوں وغیرہ کا بھی ہے کہ ان کی اصل قیمت پر زکاۃ نہیں، کرائے پر ہے بشرطیکہ کرایہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گذر جائے تو اس کا اڑھائی فیصد ادا کرنا ہوگا۔ البتہ ان اشیاء پر ادا کیا جانے والا ٹیکس اور ان کی دیکھ بھال پر آنے والے دیگر اخراجات ان چیزوں کی آمدنی سے نکال لیے جائیں۔ اسی طرح اگر مالک کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تو وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے جائز اخراجات بھی آمدنی سے نکال لے، پھر جو رقم باقی ہو اس سے زکاۃ ادا کردے۔

③ حیوانات

جن مویشیوں پر زکاۃ فرض ہے وہ یہ ہیں: اونٹ، گائے/بھینس اور بھیڑ بکریاں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا مِنْ رَجُلٍ تَكُوْنُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا إِلَّا أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَأَسْمَنَهُ، تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا، كُلَّمَا

جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُوْلاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ»①

’’جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور اس نے ان کی زکاۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن انھیں بہت بڑا اور بہت موٹا کرکے لایا جائے گا، پھر وہ اسے اپنے ٹاپوں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب سب اس کے اوپر سے گذر جائیں گے تو پہلے کو پھر لوٹایا جائے گا اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک اس کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہے گا۔‘‘

مویشیوں میں زکاۃ کی فرضیت کیلئے چار شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے مقررہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ اونٹوں کا کم از کم نصاب پانچ، گائے/بھینس کا تیس اور بھیڑ بکریوں کا چالیس ہے۔ دوسری شرط یہ کہ ان کی ملکیت پر سال گذر جائے۔ تیسری یہ کہ سال کا اکثر حصہ یہ مویشی چرتے رہے ہوں اور مالک کو سال بھر یا سال کا بیشتر حصہ ان کی خوراک خریدنا نہ پڑی ہو۔ اور چوتھی شرط یہ کہ یہ جانور کھیتی باڑی یا بوجھ برداری کیلئے نہ ہوں۔ یہاں یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ مویشیوں کو اگر تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو تو ان کی زکاۃ دوسرے سامانِ تجارت کی زکاۃ کی طرح نکالی جائے گی، چنانچہ ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا نہ کہ تعداد کا۔

تنبیہ: مویشیوں کے نصاب کی دیگر تفاصیل حدیث اور فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

④ زرعی پیداوار

فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ﴾②

’’اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور ہم نے تمھارے لئے زمین سے جن چیزوں کو نکالا ہے، ان میں سے خرچ کرو۔‘‘

اس آیت سے ثابت ہوا کہ زمینی پیداوار مثلا گیہوں، جَو، چاول، کھجور، انگور اور زیتون وغیرہ میں زکاۃ فرض ہے اور اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے۔

زرعی پیداوار کا نصابِ زکاۃ

فرمانِ رسول ﷺ ہے: «لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ»③

---

① صحیح البخاری:1460 ② البقرۃ2:267

③ صحیح البخاری:1405، صحیح مسلم:979

"پانچ وسق سے کم میں زکاۃ نہیں۔"

پانچ وسق کی مقدار موجودہ حساب کے اعتبار سے 653 کیلوگرام بنتی ہے، اس طرح زرعی پیداوار اگر اس وزن سے کم ہو تو اس میں زکاۃ فرض نہیں ہوگی۔ بعض علماء نے اس کا وزن 630 کیلوگرام لکھا ہے۔

زرعی پیداوار کا کتنا حصہ زکاۃ میں دیا جائے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا: اَلْعُشْرُ، وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ : نِصْفُ الْعُشْرِ»[1]

"جس کو بارش اور چشموں کے پانی نے سیراب کیا ہو یا وہ خود بخود زمینی پانی سے سیراب ہوا ہو اُس میں دسواں حصہ ہے۔ اور جس کو آلات کے ذریعے یا محنت کرکے سیراب کیا گیا ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو پیداوار بارشی پانی یا نہری پانی یا چشموں کے پانی سے حاصل ہوئی ہو اس کا دسواں حصہ اور جسے مشینوں کے ذریعے سیراب کرکے حاصل کیا گیا ہو اس کا بیسواں حصہ بطورِ زکاۃ ادا کرنا ہوگا۔

مسئلہ(1) : زرعی پیداوار پر سال گذرنا ضروری نہیں بلکہ وہ جیسے ہی حاصل ہوگی اس کی زکاۃ فوراً ادا کرنی ہوگی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ﴾[2]

"اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کردو۔"

مسئلہ(2) : تازہ استعمال ہونے والے پھلوں اور سبزیوں پر زکاۃ نہیں ہے الّا یہ کہ ان کی تجارت کی جائے۔ تجارت کی صورت میں اگر ان کی قیمت نصابِ زکاۃ کو پہنچ جائے اور وہ سال بھر اس کے پاس رہے تو اس کا اڑھائی فیصد ادا کرنا ہوگا۔

مصارفِ زکاۃ

زکاۃ کے مسائل میں یہ بھی جان لیجئے کہ مصارفِ زکاۃ کیا ہیں یعنی کون لوگ زکاۃ لینے کے مستحق ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ﴾[3]

[1] صحيح البخاري:1483 [2] الأنعام6:141 [3] التوبة9:60

’’ صدقات صرف فقیروں ، مسکینوں اور ان کے وصول کرنے والوں کیلئے ہیں ۔ اور ان کیلئے جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو۔ اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کیلئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کیلئے ۔ یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے۔‘‘

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکاۃ لینے کے مستحق یہی آٹھ ہیں، ان کو چھوڑ کر کسی اور مصرف پر زکاۃ خرچ نہیں کی جاسکتی ۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ زکاۃ کی رقم ان آٹھوں پر خرچ کی جائے بلکہ ان میں سے جو زیادہ مناسب اور زیادہ ضرورتمند ہو اس پر اسے خرچ کردیا جائے۔

(1) و(2) فقراء اور مساکین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورتمند ہوں اور جن کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جس سے وہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کرسکیں ۔ انھیں زکاۃ کی رقم سے اتنا پیسہ دیا جائے کہ جو زیادہ سے زیادہ ایک سال تک ان کی ضروریات کیلئے کافی ہو۔

(3) ’’**العاملین علیھا**‘‘ سے مراد زکاۃ اکٹھی کرنے والے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے والے لوگ ہیں ۔ انھیں زکاۃ کی رقم سے ان کے کام کے بقدر تنخواہ یا وظیفہ دیا جاسکتا ہے خواہ وہ مالدار کیوں نہ ہوں ۔

(4) ’’**المؤلفة قلوبھم**‘‘ سے مراد کمزور ایمان والے نومسلم لوگ ہیں ، یا وہ لوگ جن کے مسلمان ہونے کی امید ہو ، یا وہ کفار جن کو مال دینے سے توقع ہو کہ وہ اپنے قبیلے یا علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے سے روکیں گے۔

(5) ’’**وفی الرقاب**‘‘ سے مراد ہے غلاموں کو ان کے آقاؤں سے چھڑا کر آزاد کردینا۔

(6) مقروض جو قرض واپس کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے زکاۃ کی رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ اس نے قرضہ جائز مقصد کیلئے لیا ہو ۔ اسی طرح وہ لوگ جن پر چٹی پڑ جائے یا ان کا کاروبار شدید خسارے کا شکار ہو جائے تو انھیں بھی زکاۃ دی جاسکتی ہے۔

(7) ’’ **فی سبیل اللہ** ‘‘ سے مراد جہاد اور دیگر تمام دینی مقاصد ہیں جو اللہ کی رضا کے موجب بنتے ہیں ، مثلاً دینی مدارس میں زیرِ تعلیم طلبہ میں زکاۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے ۔

(8) وہ مسافر جس کا سفر جائز مقصد کیلئے ہو اور اس کا زادِ راہ دورانِ سفر ختم ہو جائے اور وہ سفری ضروریات کو پورا کرنے کیلئے پیسے کا محتاج ہو تو اسے بھی بقدرِ ضرورت زکاۃ دی جاسکتی ہے ۔

تنبیہ(1): یہ مستحقین زکاۃ اگر اپنے قریبی رشتہ داروں میں مل جائیں تو انھیں زکاۃ دینے سے دوگنا اجر ملتا ہے۔

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَعَلٰى ذِيْ الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»[1]

''مسکین کو دیا جائے تو صدقہ ہوتا ہے اور اگر رشتہ دار کو دیا جائے تو صدقہ وصلہ رحمی دونوں ہوتے ہیں۔''

تنبیہ (2) : اپنے بیوی بچوں اور والدین کو زکاۃ نہیں دی جا سکتی۔ ہاں بہن بھائی اگر ضرورتمند ہوں تو انھیں زکاۃ دینے سے دوگنا اجر ملے گا۔ اسی طرح دولتمند، کمانے والے تندرست لوگ، فاسق وفاجر لوگ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زکاۃ نہیں دی جا سکتی۔ ہاں اگر فاسق وفاجر کے راہِ راست پر آنے کی امید ہو تو توبہ کی تلقین کرکے دے سکتے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو زکاۃ ادا کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق دے۔ آمین

---

[1] سنن النسائی:2582، سنن الترمذی:658۔ وصححه الألبانی

رمضان المبارک۔نیکیوں کا موسم بہار

اہم عناصر خطبہ:

① ماہِ رمضان المبارک کا پانا نعمت ہے

② رمضان المبارک کی خصوصیات

③ رمضان المبارک میں ضروری اعمال: ❀روزہ۔فضائل روزہ❀ قیام❀ صدقہ ❀ تلاوتِ قرآن ❀دعا، ذکر، استغفار

④ آدابِ روزہ

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ماہِ رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا ہے۔اس لئے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں زندگی میں ایک بار پھر یہ مبارک مہینہ نصیب فرمایا۔ایک ایسا مہینہ کہ جس میں اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیتا ہے،جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے اور شیطان کو جکڑ دیتا ہے تا کہ وہ اللہ کے بندوں کو اس طرح گمراہ نہ کر سکے جس طرح عام دنوں میں کرتا ہے۔ایسا مہینہ کہ جس میں اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی کا انعام عطا کرتا ہے،جس میں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت کرتا اور ان کی توبہ اور دعائیں قبول کرتا ہے ......تو ایسے عظیم الشان مہینے کا پانا یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کی قدر ومنزلت کا اندازہ آپ اسی بات سے کر سکتے ہیں کہ سلف صالحین رحمہم اللہ چھ ماہ تک یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ نصیب فرما، پھر جب رمضان المبارک کا مہینہ گذر جاتا تو وہ اس بات کی دعا کرتے کہ اے اللہ! ہم نے اس مہینے میں جو عبادات کیں تُو انھیں قبول فرما۔کیونکہ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ یہ مہینہ کس قدر اہم ہے![1]

لہٰذا ہمیں بھی اس مہینے کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کی برکات سے بھر پور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

---

① لطائف المعارف، ص:280

دونوں نے بیک وقت اسلام قبول کیا، اس کے بعد ان میں سے ایک آدمی زیادہ عبادت کرتا تھا اور وہ اللہ کی راہ میں شہید ہوا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ یہ دوسرا آدمی شہادت پانے والے آدمی سے پہلے جنت میں داخل ہوا ہے اور جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب لوگوں کو سنایا جس پر انھوں نے تعجب کا اظہار کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَلَيْسَ قَدْ مَكَثَ هٰذَا بَعْدَهُ سَنَةً فَأَدْرَكَ رَمَضَانَ فَصَامَهُ، وَصَلّٰى كَذَا وَكَذَا سَجْدَةً فِي السَّنَةِ، فَلَمَا بَيْنَهُمَا أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ» ①

''کیا یہ (دوسرا آدمی) پہلے آدمی کے بعد ایک سال تک زندہ نہیں رہا؟ جس میں اس نے رمضان کا مہینہ پایا، اس کے روزے رکھے اور سال بھر اتنی نمازیں پڑھیں؟ تو ان دونوں کے درمیان (جنت میں) اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین وآسمان کے درمیان ہے۔''

اس حدیث میں ذرا غور فرمائیں کہ دو آدمی اکٹھے مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک دوسرے کی نسبت زیادہ عبادت گذار تھا اور اسے شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ جبکہ دوسرا آدمی پہلے آدمی کی نسبت کم عبادت کرتا تھا اور اس کی موت عام موت تھی لیکن کیا وجہ ہے کہ یہ جنت میں پہلے داخل ہوا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پہلے آدمی کی شہادت کے بعد ایک سال تک زندہ رہا اور اس دوران اسے رمضان المبارک کا مہینہ نصیب ہوا جس میں اس نے روزے رکھے اور سال بھر نمازیں بھی پڑھتا رہا۔ تو روزوں اور نمازوں کی بدولت وہ شہادت پانے والے آدمی سے پہلے جنت میں چلا گیا...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان المبارک کا پانا اور اس کے روزے رکھنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اور آپ ذرا غور کریں کہ ہمارے کتنے رشتہ دار اور کتنے دوست احباب پچھلے سال رمضان المبارک میں ہمارے ساتھ تھے لیکن اس رمضان المبارک کے آنے سے پہلے ہی وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور انھیں یہ مبارک مہینہ نصیب نہ ہوا۔ جبکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے زندگی اور تندرستی دی اور یہ مبارک مہینہ نصیب فرما کر ہمیں ایک بار پھر موقعہ دیا کہ ہم تمام گناہوں سے سچی توبہ کر لیں اور اپنے خالق ومالک اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں ......تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت نہیں؟

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ رمضان المبارک ہماری زندگی کا آخری رمضان ہو اور آئندہ رمضان کے آنے سے پہلے ہی ہم بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جائیں! تو ہمیں یہ موقعہ غنیمت تصور کر کے اس کی برکات کو سمیٹنے کی

① سنن ابن ماجه:3925، صحيح ابن حبان:2982، صحيح الجامع الصغير للألباني: 1316

بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتا تو رسول اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے آنے کی بشارت سناتے اور انھیں مبارکباد دیتے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کی آمد کی بشارت سناتے ہوئے فرمایا:

«أَتَاكُمْ رَمَضَانُ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَحِيْمِ، وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ، لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ» ①

''تمھارے پاس ماہِ رمضان آچکا جو کہ بابرکت مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور اس میں سرکش شیطان جکڑ دیے جاتے ہیں اور اس میں اللہ کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس کی خیر سے محروم رہ جائے وہی دراصل محروم ہوتا ہے۔''

خصائص رمضان المبارک

اس مبارک مہینے کی متعدد خصوصیات ہیں جن کی بناء پر اسے دیگر مہینوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ان میں سے چند خصوصیات یہ ہیں:

(۱) نزولِ قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں سے سب سے افضل کتاب (قرآن مجید) کو مہینوں میں سے سب سے افضل مہینہ (رمضان المبارک) میں اتارا، بلکہ اس مبارک مہینے کی سب سے افضل رات (لیلۃ القدر) میں اسے لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی نازل فرمایا اور اسے بیت العزۃ میں رکھ دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ ②

''وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کیلئے باعثِ ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی اور (حق وباطل کے درمیان) فرق کرنے کی نشانیاں ہیں۔''

---

① سنن النسائی:2106، صحیح الجامع الصغیر للألبانی:55 ② البقرۃ 2: 185

اور فرمایا:﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾[1]

''ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا''

(۲) جہنم سے آزادی

اس مبارک مہینے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بہت سارے بندوں کو جہنم سے آزادی نصیب کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ ، وَذٰلِكَ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ»[2]

''بے شک اللہ تعالیٰ ہر افطاری کے وقت بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور ایسا ہر رات کرتا ہے۔''

اور حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى عُتَقَاءَ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ - يَعْنِي فِي رَمَضَانَ - وَإِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُسْتَجَابَةً »[3]

''بے شک اللہ تعالیٰ (رمضان المبارک میں) ہر دن اور ہر رات بہت سے لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور ہر دن اور ہر رات ہر مسلمان کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے۔''

ان احادیث کے پیشِ نظر ہمیں اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں بھی اپنے ان خوش نصیب بندوں میں شامل کرلے جنھیں وہ اس مہینے میں جہنم سے آزاد کرتا ہے کیونکہ یہی اصل کامیابی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴾[4]

''پھر جس شخص کو آگ سے دور کردیا گیا اور اسے جنت میں داخل کردیا گیا یقیناً وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

---

① القدر 97: 1

② سنن ابن ماجه:1643 ، صحيح الجامع الصغير للألباني:2170

③ البزار ۔صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1002

④ آل عمران3: 185

(۳) جنت کے دروازوں کا کھولا جانا

(۴) جہنم کے دروازوں کا بند کیا جانا

(۵) سرکش شیطانوں کا جکڑا جانا

یہ تینوں امور بھی رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ»[1]

''جب ماہِ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ بند نہیں چھوڑا جاتا اور ایک اعلان کرنے والا پکار کر کہتا ہے: ''اے خیر کے طلبگار! آگے بڑھ اور اے شر کے طلبگار! اب تو رک جا۔''

(۶) ایک رات ... ہزار مہینوں سے بہتر

ماہِ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴾[2]

''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔''

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ماہِ رمضان شروع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ ، وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ، مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ ، وَلاَ يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُوْمٌ»[3]

[1] سنن الترمذی وسنن ابن ماجه ، صحيح الترغيب والترهيب للألبانی:998
[2] القدر3:97
[3] سنن ابن ماجه:1644 ، صحيح الترغيب والترهيب:1000

''بے شک یہ مہینہ تمھارے پاس آ چکا ہے۔اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جو شخص اس سے محروم ہو جاتا ہے وہ مکمل خیر سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی خیر سے تو کوئی حقیقی محروم ہی محروم رہ سکتا ہے۔''

(۷) رمضان میں عمرہ حج کے برابر

اس عظیم الشان مہینے کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے۔جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری خاتون کو فرمایا:

«فَإِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فَاعْتَمِرِيْ ، فَإِنَّ عُمْرَةً فِيْهِ تَعْدِلُ حَجَّةً »①

''جب ماہِ رمضان آجائے تو تم اس میں عمرہ کر لینا کیونکہ اس میں عمرہ حج کے برابر ہوتا ہے۔''

ایک روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری خاتون سے' جسے ام سنان کہا جاتا تھا' کہا: تم نے ہمارے ساتھ حج کیوں نہیں کیا ؟ تو اس نے سواری کے نہ ہونے کا عذر پیش کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَإِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَقْضِيْ حَجَّةً مَّعِيْ »②

''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کی قضا ہے۔'' یعنی جو شخص میرے ساتھ حج نہیں کر سکا وہ اگر رمضان میں عمرہ کر لے تو گویا اس نے میرے ساتھ حج کر لیا۔

رمضان المبارک میں ضروری اعمال

رمضان المبارک کے چند خصائص ذکر کرنے کے بعد اب ہم وہ اعمال بیان کرتے ہیں جن کی خصوصی طور پر اس مہینے میں تاکید کی گئی ہے۔

(۱) روزہ

رمضان المبارک کے خصوصی اعمال میں سب سے اہم عمل روزہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے ہر مکلّف مسلمان پر فرض کیے ہیں۔فرمان الٰہی ہے:

① صحیح البخاری:1782 ، صحیح مسلم:1256

② صحیح البخاری:1863 ، صحیح مسلم:1256

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ①

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے ہیں ، ویسے ہی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ﴾ ②

''پس جو شخص بھی اس مہینہ کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کو اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن قرار دیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ:شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِیْتَاءِ الزَّکَاةِ ، وَحَجِّ بَیْتِ اللّٰهِ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ» ③

'' اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا ، حج بیت اللہ کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ رمضان المبارک کے روزے ہر مکلّف مسلمان پر فرض ہیں ، ہاں مریض اور مسافر کو اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے کہ وہ رمضان کے جن دنوں میں بسبب مرض یا سفر روزے نہ رکھ سکیں ان کے روزے بعد میں قضا کر لیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا أَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَیَّامٍ أُخَرَ ﴾ ④

''پس تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو،تو وہ اور دنوں میں گنتی کو پورا کر لے۔''

فضائلِ روزہ

قرآن وحدیث میں روزہ کے متعدد فضائل ذکر کئے گئے ہیں۔ تو لیجئے آپ بھی وہ فضائل سماعت فرمائیے:

(۱) مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ

اللہ تعالیٰ نے روزہ داروں سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

---

① البقرة2:183 ② البقرة3:185 ③ متفق علیه ④ البقرة2:184

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتَاتِ وَالصّٰدِقِينَ وَالصّٰدِقَاتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحٰفِظَاتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَّالذّٰكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

’’بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ،مومن مرد اور مومنہ عورتیں ،فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں ، راست باز مرد اور راست باز عورتیں ،صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں ، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں ،صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں ، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں ، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں ، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ، ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے ۔‘‘

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

« مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[2]

’’جس نے حالت ایمان میں اللہ سے حصول ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کردئے جاتے ہیں ۔‘‘

(إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا) کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نیتِ صادقہ اور یقینِ کامل کے ساتھ ،محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے اجر وثواب کو حاصل کرنے کی خاطر ، دل کی خوشی کے ساتھ اور روزوں کو بوجھ سمجھ کر نہیں بلکہ رمضان المبارک کے ایام کو غنیمت تصور کرتے ہوئے روزے رکھے ۔ اگر وہ اس کیفیت کے ساتھ روزے رکھے گا تو اس کے سابقہ گناہ معاف کردئے جائیں گے ۔

(۲) روزے کا اجر صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ»[3]

[1] الأحزاب 33:35 [2] متفق عليه [3] صحيح مسلم:1151

''ابن آدم کا ہر (نیک) عمل کئی گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے، ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر، حتی کہ سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزے کے جو کہ صرف میرے لئے ہوتا ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا کیونکہ وہ میری وجہ سے اپنی شہوت اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔''

(إِلَّا الصَّوْمُ فَإِنَّهُ لِيْ) ''سوائے روزے کے جو کہ صرف میرے لئے ہوتا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ مومن کے باقی نیک اعمال مثلا نماز، صدقہ اور ذکر وغیرہ تو ظاہری ہوتے ہیں اور فرشتے انھیں نوٹ کر لیتے ہیں، جبکہ روزہ ایسا عمل نہیں جو ظاہر ہو بلکہ صرف نیت کرنے سے ہی انسان روزے کی حالت میں چلا جاتا ہے اور نیت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہوتا حتی کہ فرشتے بھی نہیں جانتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزہ صرف میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ بھی میں ہی دونگا اور شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کو بے مثال عمل قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی حکم دیں جس پر میں عمل کروں (ایک روایت میں ہے کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیں جو مجھے جنت میں داخل کردے۔) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (عَلَيْكَ بِالصِّيَامِ فَإِنَّهُ لَا عِدْلَ لَهُ)

''تم روزہ رکھا کرو کیونکہ اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔''[1]

یعنی شہوت کو ختم کرنے اور نفس امارہ اور شیطان کا مقابلہ کرنے میں اور اجر وثواب میں روزے جیسا کوئی عمل نہیں۔

اور چونکہ روزے کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے اور اسکی مقدار کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس لئے روزہ دار جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملے گا اور اسے اللہ تعالیٰ روزے کا اجر وثواب دے گا تو اسے بے انتہا خوشی ہو گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ»[2]

''روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں، ایک افطاری کے وقت اور دوسری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت۔''

---

① سنن النسائی، الصیام، باب فضل الصیام:2220، وسنن ابن خزیمة:1893، وصحح إسناده الحافظ ابن حجر فی الفتح:126/4 والألبانی فی الصحیحة:1937

② صحیح البخاری:1904، صحیح مسلم:1151

(۳) روزہ ڈھال ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ، وَلَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ »①

''روزہ ڈھال ہے اور تم میں سے کوئی شخص جب روزے کی حالت میں ہو تو وہ ناشائستہ بات نہ کرے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرے اور اگر کوئی شخص اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑائی کرے تو وہ کہے: میں روزہ دار ہوں۔''

''روزہ ڈھال ہے'' سے مراد یہ ہے کہ روزہ شہوات اور گناہوں سے روکتا ہے اور اسی طرح جہنم سے بچاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ»②

''روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص جنگ سے بچنے کیلئے ڈھال لیتا ہے۔''

(۴) باب الریان

جنت کے ایک دروازے کا نام (باب الریان) ہے، یہ دروازہ صرف روزہ داروں کیلئے مخصوص ہوگا۔

جیسا کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ ، يُقَالُ : أَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ ، فَإِذَا دَخَلُوْا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ »③

''بے شک جنت میں ایک دروازہ ہے جسے باب الریان کہا جاتا ہے، اس سے قیامت کے دن صرف روزے دار ہی داخل ہونگے اور ان کے علاوہ کوئی اور اس سے داخل نہیں ہوگا اور پکار کر کہا جائے گا: کہاں ہیں روزے دار؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے علاوہ اور کوئی اس سے جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جب وہ

---

① صحيح البخاری:1904، صحيح مسلم:1151

② سنن النسائی:2231، سنن ابن ماجه:1639، وصححه الألبانی فی صحيح الترغيب والترهيب:982

③ صحيح البخاری:1896، صحيح مسلم:1152

سب کے سب جنت میں چلے جائیں گے تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ نُوْدِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ : يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ »

"جو شخص اللہ کے راستے میں جوڑا (ایک نہیں بلکہ دو) خرچ کرتا ہے اسے جنت کے دروازوں سے پکار کر کہا جائے گا: اے اللہ کے بندے! یہ (دروازہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ لہٰذا نمازی کو باب الصلاۃ سے پکارا جائے گا، مجاہد کو باب الجہاد سے پکارا جائے گا، روزہ دار کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور صدقہ کرنے والے کو باب الصدقۃ سے پکارا جائے گا۔"

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جس شخص کو ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا اسے تو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تو کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ ، وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ » [1]

"ہاں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔"

(۵) روزہ شفاعت کرے گا

قیامت کے دن روزہ' روزہ دار کے حق میں شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ : أَيْ رَبِّ ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ ، وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ:مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيْهِ ، قَالَ : فَيُشَفَّعَانِ »[2]

"روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں روزِ قیامت شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے

---

① صحیح البخاری:1897، صحیح مسلم:1027

② رواہ أحمد والحاکم وغیرهما وصححه الألبانی فی صحیح الترغیب والترهیب:984

رب ! میں نے اسے کھانے سے اور شہوت سے روکے رکھا، اس لئے تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر لے اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، لہٰذا تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول کر لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائے گی۔‘‘

(٦) روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے

جی ہاں ! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ»①

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے ! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ اچھی ہے۔‘‘

(٧) روزے کی حالت میں خاتمہ ہو جائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا

حضرت حذیفۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ صَامَ یَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، خُتِمَ لَهُ بِهَا، دَخَلَ الْجَنَّةَ»②

’’جس شخص نے لا إله إلا الله کہا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو گیا وہ سیدھا جنت میں جائے گا اور جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھا اور اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو گیا تو وہ بھی سیدھا جنت میں جائے گا، اور جس شخص نے اللہ کی رضا کی خاطر صدقہ کیا اور اسی وقت اس کا خاتمہ ہو گیا تو وہ بھی سیدھا جنت میں جائے گا۔‘‘

① صحیح البخاری:1904، صحیح مسلم:1151

② مسند أحمد:350/38: 23324 وهو حدیث صحیح لغیره كما قال محقق المسند، وصححه الألبانی فی صحیح الترغیب والترهیب :985

(۸) روزہ جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس پر میں عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ» ''تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بنا۔ فرض نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔''

یہ سن کر دیہاتی نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ہمیشہ نہ اس سے زیادہ کرونگا اور نہ اس سے کم۔ پھر جب وہ چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا»[1]

''جو آدمی اہلِ جنت میں سے کسی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اسے دیکھ لے۔''

روزہ خوروں کا انجام

ماہِ رمضان المبارک کی خصوصیات اور روزہ کے فضائل سماعت کرنے کے بعد آیئے اب یہ بھی جان لیجئے کہ رمضان المبارک میں بغیر عذر شرعی روزے نہ رکھنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس کی کیا سزا ہے؟

حضرت ابو اُمامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں میرے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے میرے بازوؤں کو پکڑ کر مجھے اٹھایا اور ایک دشوار چڑھائی والے پہاڑ تک لے جا کر مجھے اس پر چڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے کہا: میں اس پر چڑھ نہیں سکتا۔

انھوں نے کہا: ہم اسے آپ کیلئے آسان بنا دیں گے۔ چنانچہ میں نے اس پر چڑھنا شروع کیا حتی کہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گیا تو میں نے وہاں چیخنے اور چلانے کی آوازیں سنیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ چیخ وپکار کیسی ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ یہ جہنمیوں کی آہ وبکاء کا شور ہے۔ پھر مجھے اس سے آگے لے جایا گیا جہاں میں

---

[1] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ:1397، صحیح مسلم، الإیمان:14

نے کچھ لوگوں کو اُلٹا لٹکے ہوئے دیکھا جن کی باچھیں چیر دی گئی تھیں اوران سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزوں کے ایام میں کھایا پیا کرتے تھے۔''①

(۲) قیامِ رمضان (نماز تراویح)

رمضان المبارک کے خصوصی اعمال' جن کی اس مہینے میں زیادہ تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک عمل قیام رمضان یعنی نماز تراویح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیامِ رمضان کی ترغیب تو دلاتے تھے تاہم انھیں سختی سے اس کا حکم نہیں دیتے تھے اور آپ ﷺ ارشاد فرماتے :

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ »②

''جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور اللہ کی رضا کو طلب کرتے ہوئے رمضان کا قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت مسجد میں تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ چنانچہ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور جب صبح ہوئی تو لوگوں نے ایک دوسرے کو (اس نماز کے بارے میں) بتایا۔ پھر جب اگلی رات آئی تو پہلی رات کی نسبت زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر جب صبح ہوئی تو انھوں نے مزید لوگوں کو آگاہ کیا، اِس طرح جب تیسری رات آئی تو لوگوں کی تعداد اور زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔ پھر جب چوتھی رات آئی تو لوگ اتنے زیادہ تھے کہ مسجد چھوٹی پڑگئی لیکن نبی کریم ﷺ اس رات مسجد میں تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوگئی، پھر آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر آپ ﷺ نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور ارشاد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا»③

---

① ابن خزيمة وابن حبان وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:1005

② صحيح البخاري:37، 2008، صحيح مسلم:759

③ صحيح البخاري:2012، صحيح مسلم :761

''لوگو! آج رات مسجد میں تمہاری موجودگی مجھ سے مخفی نہیں تھی لیکن (میں مسجد میں اس لئے نہ آیا کہ) مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض ہی نہ ہو جائے اور پھر تم اس سے عاجز آ جاؤ۔''

اور جہاں تک رکعاتِ تراویح کی تعداد کا تعلق ہے تو اس کے متعلق بھی چند احادیث بغور سماعت فرمالیجئے۔

① صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی تھی؟ تو انھوں نے جواب دیا:

«مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً»①

''رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان اور دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''

② حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعات اور نمازِ وتر پڑھائی۔ پھر اگلی رات آئی تو ہم جمع ہو گئے اور ہمیں امید تھی کہ آپ ﷺ گھر سے باہر نکلیں گے لیکن ہم صبح تک انتظار کرتے رہ گئے۔ پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّيْ خَشِيْتُ ۔ أَوْ كَرِهْتُ ۔ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمُ الْوِتْرُ»②

مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ کر دیا جائے۔''

③ امام مالک نے السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا۔''③

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ

۱۔ رمضان اور دیگر مہینوں میں رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز گیارہ رکعات تھی۔

۲۔ اور یہی گیارہ رکعات ہی آپ ﷺ نے رمضان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی باجماعت پڑھائیں۔

۳۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو انھوں نے بھی دو صحابہ کرام ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات ہی پڑھانے کا حکم دیا۔

---

① صحيح البخاري:2013، صحيح مسلم :738

② صحيح ابن خزيمه:170، ابن حبان:2409، 2415، ابو يعلى: 336/3 وحسّن إسناده الشيخ الألباني في تخريج صحيح ابن خزيمة

③ الموطأ، باب ماجاء في قيام رمضان:73/1، ابن أبي شيبة:391/2

نماز تراویح ہی ماہِ رمضان میں نماز تہجد ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپ ﷺ نے اس دوران ہمیں قیام نہ کرایا یہاں تک کہ صرف سات روزے باقی رہ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ۲۳ کی رات کو ہمارے ساتھ قیام کیا اور اتنی لمبی قراءت کی کہ ایک تہائی رات گزر گئی۔ پھر چوبیسویں رات کو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ پھر پچیسویں رات کو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش آج آپ ساری رات ہی قیام کرتے!

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

«إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ»

"جو شخص امام کے ساتھ قیام کرے یہاں تک کہ امام قیام سے فارغ ہو جائے تو اس کیلئے پوری رات کے قیام کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔"

پھر چھبیسویں رات گذر گئی، آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ پھر ستائیسویں رات کو آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام کیا اور اپنے گھر والوں اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی بلا لیا اور اتنا لمبا قیام کیا کہ ہمیں سحری کے فوت ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں نماز تراویح پر ہی اکتفاء کیا اور اس کے بعد نماز تہجد نہیں پڑھی کیونکہ سحری تک تو آپ ﷺ نماز تراویح ہی پڑھاتے رہے اور اگر اس میں اور نماز تہجد میں کوئی فرق ہوتا یا دونوں الگ الگ نمازیں ہوتیں تو آپ ﷺ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے۔ لہٰذا رمضان میں تراویح ہی نماز تہجد ہے اور عام دنوں میں جسے نماز تہجد کہتے ہیں وہی نماز رمضان میں نماز تراویح کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی (پہلی) حدیث کو کتاب التراویح میں روایت کیا ہے، اس لئے اس سے نماز تہجد مراد لینا اور پھر اس میں اور نماز تراویح میں فرق کرنا قطعاً درست نہیں۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا؟

ہم نے مؤطا اور ابن ابی شیبہ کے حوالے سے السائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] سنن الترمذي: 806: حسن صحيح، سنن أبي داود: 1375، سنن النسائي: 1605، سنن ابن ماجه: 1327 وصححه الألباني

نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا، امام مالک نے جہاں یہ اثر روایت کیا ہے وہاں اس کے فوراً بعد ایک دوسرا اثر بھی لائے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

یزید بن رومان بیان کرتے ہیں کہ لوگ عہدِ عمر رضی اللہ عنہ میں رمضان کے دوران ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔ ①

لیکن یہ اثر منقطع یعنی ضعیف ہے کیونکہ اس کے راوی یزید بن رومان نے عہدِ عمر رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں اور اگر اسے بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو تب بھی پہلا اثر راجح ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا جبکہ دوسرے اثر میں یہ ہے کہ لوگ عہدِ عمر رضی اللہ عنہ میں ۲۳ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا جس کام کا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا وہی راجح ہوگا کیونکہ وہ سنت کے مطابق ہے۔

(۳) صدقہ کرنا اور دیگر نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا

رمضان المبارک میں صیام وقیام کے علاوہ حسبِ استطاعت صدقہ بھی کرنا چاہئے اور نیکی کے کام کثرت سے کرنے چاہئیں، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک مہینے میں خیر کے تمام کاموں کی طرف سبقت لے جاتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ جِبْرِيْلُ عليه السلام يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ حَتّٰى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ عليه السلام كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ» ②

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خیر کے کام کرتے تھے اور آپ سب سے زیادہ خیر کے کام رمضان المبارک میں کرتے جبکہ حضرت جبریل آپ سے ملتے اور حضرت جبریل آپ سے رمضان المبارک کی ہر رات کو ملتے اور دورانِ ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قرآن مجید سناتے۔ لہٰذا جب حضرت جبریل ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوا سے بھی زیادہ جلدی کرتے ہوئے خیر کے کاموں کی طرف سبقت لے جاتے۔“

خاص طور پر روزہ داروں کی افطاری کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْءٌ» ③

① المؤطأ إمام مالك: 73/1

② صحيح البخاری، الصوم، باب أجود ما كان النبی ﷺ يكون فی رمضان: 1902

③ سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجه، صحيح الترغيب والترهيب: 1078

’’جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے اسے بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا روزہ دار کو ملتا ہے اور خود روزہ دار کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔‘‘

(۴) تلاوتِ قرآن

رمضان المبارک میں جن اعمالِ صالحہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے ان میں سے ایک عمل تلاوت قرآن مجید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر کی ہے وہاں اس کے ساتھ ماہِ رمضان المبارک کی ایک خصوصیت یہ بھی ذکر فرمائی ہے کہ اس نے اس ماہ میں قرآن مجید کو نازل فرمایا جو کہ لوگوں کیلئے باعث ہدایت ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا رمضان المبارک سے گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مبارک مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس ماہ میں اس کا خاص اہتمام فرماتے اور رمضان المبارک کی ہر رات حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے تھے۔ جیسا کہ ہم صحیح بخاری کی حدیث کے حوالے سے پہلے عرض کر چکے ہیں۔

اور تلاوتِ قرآن مجید کے فضائل میں یہی فضیلت کافی ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ:أَلٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ»

’’جو آدمی کتاب اللہ (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ (أَلٓمٓ) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا اور میم تیسرا حرف ہے۔‘‘[1]

واضح رہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس میں تدبر اور غور وفکر بھی کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے کہ اسے پڑھا جائے، اس میں غور وفکر کیا جائے اور اسے اپنا دستورِ حیات بنایا جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾[2]

’’یہ کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کی آیتوں میں غور وفکر

---

[1] سنن الترمذی:2910:حسن صحیح غریب:وصححہ الألبانی
[2] ص 29:38

کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

(۵) دعا، ذکر اور استغفار

رمضان المبارک کے اہم اعمال میں سے ایک عمل روزے کے دوران زیادہ سے زیادہ دعا، استغفار اور ذکر الٰہی کرنا ہے کیونکہ روزہ دار کی دعا ان دعاؤں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ثَلاثُ دَعَوَاتٍ لَا تُرَدُّ:دَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ، وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ»①

''تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں۔اپنی اولاد کے لیے والد کی دعا، روزہ دار کی دعا اور مسافر کی دعا۔''

ایک روایت میں فرمایا:

«ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ:دَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ»②

''تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں: روزہ دار کی دعا، مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا۔''

خاص طور پر افطاری کے وقت ضرور دعا کرنی چاہئے کیونکہ وہ وقت قبولیت کے اوقات میں سے ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ»③

''بے شک روزہ دار کی افطاری کے وقت ایک دعا ایسی ہوتی ہے جسے رد نہیں کیا جاتا۔''

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس ماہِ مبارک کی برکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔آمین

دوسرا خطبہ

پہلے خطبہ میں ہم نے رمضان المبارک کی اہمیت وفضیلت اور رمضان المبارک کے خصوصی اعمال ذکر کئے، اب آیئے روزے کے چند ضروری آداب ومسائل بھی سن لیجئے۔

(۱) روزہ کی نیت:

فرض روزے کی نیت طلوع فجر سے پہلے کرنا ضروری ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

① صحیح الجامع الصغیر للألبانی:3032 ② أیضا:3030

③ ابن ماجہ:1753قال فی الزوائد : إسنادہ صحیح

«مَنْ لَّمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ ، فَلَا صِيَامَ لَهُ» ①

''جس نے طلوع فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے۔''

لیکن نفلی روزے کی نیت طلوع فجر کے بعد ظہر سے پہلے بھی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ طلوع فجر کے بعد کچھ نہ کھایا پیا ہو۔

واضح رہے کہ نیت کا تعلق دل سے ہے، لہٰذا دل ہی میں روزہ کی نیت کی جائے اور جہاں تک نیت کے مروجہ الفاظ (وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ) کا تعلق ہے تو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

(۲) سحری کھانا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً» ②

'سحری کھاؤ کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:(اَلسَّحُوْرُ كُلُّهُ بَرَكَةٌ ، فَلَا تَدَعُوْهُ ، وَلَوْ أَنْ يَّجْرَعَ أَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ» ③

''سحری پوری کی پوری برکت ہے، اس لئے اسے مت چھوڑا کرو اگرچہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سحری کرنے والوں پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے ان کیلئے دعا کرتے ہیں۔''

سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کھاتا، پھر جلدی جلدی آتا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔ ④

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف چلے جاتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: اذان اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا تھا؟ تو انھوں نے کہا: پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر۔'' ⑤

---

① صحيح الجامع الصغير للألباني:6534

② صحيح البخاري:1923 ، صحيح مسلم:1095

③ أحمد ، صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1070

④ صحيح البخاري:1920 ⑤ صحيح البخاري:1921

اور اگر رات کو روزے کی نیت کرکے سوئے اور صبح سحری کے لئے بیدار نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں بغیر کچھ کھائے پیئے روزہ مکمل کرلے تو روزہ صحیح ہوگا۔

اور اگر غسل واجب کی حاجت ہو اور سحری کا وقت کم ہو تو ایسی صورت میں وضو کرکے پہلے سحری کھالی جائے اور بعد میں غسل کرکے نماز ادا کرلیں۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت اس حالت میں بیدار ہوتے کہ آپ اپنے گھر والوں سے جنبی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے اور اس دن کا روزہ بھی رکھتے۔ [1]

(۳) جھوٹ' بہتان طرازی' غیبت' چغلی' گالی گلوچ اور طعن وتشنیع سے بچنا

روزے کے دوران ان تمام چیزوں سے بچنا ضروری ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ» [2]

''جو شخص جھوٹی بات اور اس پر عمل کو نہیں چھوڑتا تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ ، إِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ ، فَإِنْ سَابَّكَ أَحَدٌ أَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ:إِنِّيْ صَائِمٌ ، إِنِّيْ صَائِمٌ» [3]

''روزہ صرف کھانا پینا چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ بے ہودگی اور بے حیائی کو چھوڑنا بھی روزے میں شامل ہے۔ پس اگر تمھیں کوئی شخص گالی دے یا بدتمیزی کرے تو تم کہو: میں تو روزے کی حالت میں ہوں ، میں تو روزے کی حالت میں ہوں۔''

(۴) افطاری

آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ افطار کرلینا چاہئے اور اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

---

① صحیح البخاری:1925 ② صحیح البخاری:1903

③ ابن خزیمۃ وابن حبان ، صحیح الترغیب والترھیب:1082

«لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ» ①

''جب تک لوگ جلدی افطاری کرتے رہیں گے وہ خیر کے ساتھ رہیں گے۔''

بہتر یہ ہے کہ افطاری تازہ کھجور کے ساتھ کی جائے اور اگر تازہ کھجور میسر نہ ہوتو پرانی کھجور سے کر لی جائے اور اگر پرانی کھجور بھی نہ ہوتو پانی سے افطاری کی جا سکتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز (مغرب) سے پہلے تازہ کھجوروں سے افطاری کرتے ، اگر تازہ کھجور نہ ملتی تو پرانی کھجور سے کر لیتے اور اگر پرانی کھجور بھی نہ ملتی تو پانی کے چند گھونٹ پی کر افطاری کر لیتے۔ ②

افطاری کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

«ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ③

''پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر بھی ثابت ہوگیا۔''

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ اپنی عبادت کرنے کی توفیق دے اور ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل کردے جن کی وہ اس میں مغفرت کرے گا اور ان کی گردنیں جہنم سے آزاد کرے گا۔ آمین

---

① صحيح البخاري:1957 ، صحيح مسلم:1098

② سنن أبي داؤد:2356 وصححه الألباني ، صحيح الترغيب والترهيب:1077

③ سنن أبي داؤد:2357 وهو حسن عند الشيخ الألباني

فضائل قرآن مجید

اہم عناصرِ خطبہ:

① ماہِ رمضان اور قرآن مجید ② قرآن مجید کی قدر ومنزلت
③ قرآن مجید کے بعض فضائل ④ قرآن مجید کو کیوں نازل کیا گیا؟
⑤ قرآن مجید کی تاثیر ⑥ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام!

اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں سے سب سے افضل کتاب (قرآن مجید) کو مہینوں میں سے سب سے افضل مہینہ (رمضان المبارک) میں اتارا، بلکہ اس مبارک مہینے کی سب سے افضل رات (لیلۃ القدر) میں اسے لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی نازل فرمایا اور اسے بیت العزۃ میں رکھ دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ﴾[1]

''وہ رمضان کا مہینہ تھا جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کیلئے باعثِ ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی اور (حق وباطل کے درمیان) فرق کرنے کی نشانیاں ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾[2]

''ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا رمضان المبارک سے گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مبارک مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کرنی چاہئے۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس ماہ میں اس کا خاص اہتمام فرماتے اور رمضان المبارک کی ہر رات حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (کَانَ النَّبِیُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ ، وَکَانَ أَجْوَدَ مَا یَکُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ حِیْنَ یَلْقَاهُ جِبْرِیْلُ ، وَکَانَ جِبْرِیْلُ علیه السلام یَلْقَاهُ کُلَّ لَیْلَةٍ فِیْ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ ، یَعْرِضُ عَلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ الْقُرْآنَ ، فَإِذَا لَقِیَهُ جِبْرِیْلُ علیه السلام کَانَ أَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ

---

① البقرۃ185:2 ② القدر1:97

الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ)[1]

''نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خیر کے کام کرتے تھے آپ سب سے زیادہ خیر کے کام رمضان المبارک میں کرتے جبکہ حضرت جبریل آپ سے ملتے۔ اور حضرت جبریل آپ سے رمضان المبارک کی ہر رات کو ملتے اور دورانِ ملاقات نبی کریم ﷺ انھیں قرآن مجید سناتے۔ لہٰذا جب حضرت جبریل ملتے تو آپ ﷺ تیز ہوا سے بھی زیادہ جلدی کرتے ہوئے خیر کے کاموں کی طرف سبقت لے جاتے۔''

تو آیئے اللہ تعالیٰ کی اِس عظیم الشان کتاب کے فضائل سماعت کرکے اپنے ایمان کو تر وتازہ کیجئے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے

عزیزان گرامی! قرآن مجید انتہائی عظیم کتاب ہے اور اس کی عظمت کیلئے یہی بات کافی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلامِ مبین ہے اور اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ اس کی عظمت مختلف انداز سے بیان فرماتے ہیں:

کہیں یوں فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۞ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۞ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۞ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ﴾[2]

''یقیناً یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جس کو روح الامین نے آپ کے دل پر اتارا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلے صحیفوں میں بھی ہے۔''

اور کہیں یوں فرماتے ہیں:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾[3]

''بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر حق وباطل میں فرق کرنے والا (قرآن) اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کیلئے ڈرانے والا بن جائے۔''

اور کہیں اللہ تعالیٰ ستاروں کے محل وقوع کی قسم اٹھا کر اِس کتاب کو معزز کتاب قرار دیتے ہیں:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۞ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۞ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۞ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۞ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۞ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾[4]

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب أجود ما كان النبي ﷺ يكون في رمضان:1902

[2] الشعراء26: 192-196 [3] الفرقان25: 1 [4] الواقعة56: 75-80

’’میں ستاروں کے محل وقوع کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم جانو تو یقیناً یہ بہت بڑی قسم ہے! یہ قرآن ایک بلند پایہ (کتاب) ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے۔ جسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا۔ یہ رب العالمین کی نازل کردہ ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو کہیں ﴿ اَلْكِتَابُ الْمُبِيْنِ ﴾، کہیں ﴿ اَلْكِتَابُ الْحَكِيْمِ ﴾ ،کہیں ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴾ اور کہیں اس کی قسم کھا کر فرماتے ہیں: ﴿ حٰمٓ ۞ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۞ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ اور کہیں ﴿ يٰسٓ ۞ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ ﴾ اور کہیں ﴿ صٓ ۞ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ﴾ الغرض یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے مختلف اوصاف ذکر کرکے اور اس کی قسم کھا کر اس کی عظمت کو واضح فرماتے ہیں تا کہ اس کے ماننے والے بھی اپنے دل کی گہرائی سے اس کی قدر و منزلت کا اعتراف کریں اور اس کو اپنا دستور حیات بنائیں۔

قرآن مجید بے مثال کتاب ہے

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل کتاب ہے اور اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں بار بار یہ چیلنج فرمایا کہ تمام فصحاء وبلغاء اکٹھے مل کر اس جیسی ایک سورت بھی لا کے دکھائیں۔ پھر اس نے یہ کھلا اعلان کیا کہ تمام جن وانس مل کر بھی اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ ①

’’آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انس وجن مل کر اس قرآن جیسا لانا چاہیں تو اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔‘‘

قرآن مجید سیدھا راستہ دکھلاتا ہے

قرآن مجید دنیوی اور اخروی بھلائیوں کی طرف انسان کی راہنمائی کرتا ہیاور ایسا مضبوط اور سیدھا راستہ دکھلاتا ہے جو انسان کو جنت تک پہنچا دیتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

---

① الإسراء17: 88

الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ ①

’’یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

نیز فرمایا: ﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ۝يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ ②

’’تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور (ایسی) واضح کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھلاتا ہے جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں اور اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور صراط مستقیم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔‘‘

قرآن مجید باطل کی آمیزش سے بالکل پاک اور شک وشبہ سے بالاتر کتاب ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ ③

’’یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس ذکر (قرآن) آیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا حالانکہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ جس میں باطل نہ آگے سے راہ پا سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکمت والے اور لائقِ ستائش اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔‘‘

اسی طرح فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ④

’’یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔‘‘

قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ⑤

’’بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) کو اتارا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔‘‘

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے قرآن مجید کو اتارتے جو حضرت محمد ﷺ

① الإسراء10:17 ② المائدة5:15-16 ③ حم السجدة41:41-42
④ البقرة2:2 ⑤ الحجر15:9

کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو آیاتِ قرآنیہ پڑھ کر سناتے۔ آپ ﷺ اِس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں قرآن مجید کی نازل کی گئی آیات کو آپ بھول نہ جائیں، آپ جبریل امین علیہ السلام کی قراءت کے ساتھ قراءت کرنا شروع کر دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾ ①

''اور (اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔''

اِس طرح قرآن مجید نبی کریم ﷺ کے سینۂ اطہر میں محفوظ ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کا دور کرتے رہتے یعنی مسلسل اسے دہراتے رہتے جیسا کہ ہم نے اِس خطبہ کے آغاز میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ قرآنی آیات اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی سناتے جو سننے کے بعد انھیں اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔

اس کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن کو آپ ﷺ نے کاتبانِ وحی مقرر کیا تھا ان میں سے کسی کے ذریعے اتری ہوئی آیات یا سورتیں لکھوانے کا اہتمام کر دیتے۔

یوں قرآن مجید آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی لکھا ہوا بھی تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں بھی محفوظ تھا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے متفرق چیزوں پر لکھا ہوا قرآن مجید یکجا جمع کر دیا جو غیر مرتب صحیفوں کی شکل میں تھا۔ اِس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مختلف صحیفوں کو ایک ہی نسخہ میں مرتب کر دیا، پھر اس سے مختلف نسخے نقل کئے گئے اور انھیں پوری مملکت اسلامیہ میں پھیلا دیا گیا اور آج بھی دنیا کے ہر ہر کونے میں وہ مصحف موجود ہے، اور اگر اس کا ایک نسخہ مشرق سے اور دوسرا مغرب سے لے کر دونوں میں مقارنہ کیا جائے تو الفاظ کا فرق تو کجا ان میں زبر زیر کا فرق بھی نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ دنیا بھر میں قرآن مجید کے حفاظ موجود ہیں اور مسلمانوں میں حفظِ قرآن کا ایک ایسا جذبہ پایا جاتا ہے کہ اُس جیسا جذبہ دنیا کی کسی کتاب کو حفظ کرنے کے متعلق نہیں پایا جاتا۔ والدین اپنے بچوں کو قرآن حفظ کرانا اپنے اور اپنی اولاد کیلئے سعادت مندی تصور کرتے ہیں۔ مساجد میں حفظ قرآن کا ایک نظام پایا جاتا ہے

① القیامۃ 75:16-19

اور دن رات اللہ کے گھروں میں اللہ کے کلام کی تلاوت کی جاتی اور اسے حفظ کیا جاتا ہے۔ بچے تو بچے حتی کہ بڑی عمر کے لوگ بھی جو حافظ قرآن نہیں ہوتے ان میں یہ تمنا ضرور ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی قرآن حفظ کر لیتے! سو مسلمانوں کا قرآن مجید سے یہ لگاؤ اور اہتمام اِس بات کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور وہ اپنے بندوں کے ذریعے اس کی حفاظت کرتا رہے گا۔

قرآن مجید میں شفا ہے

جی ہاں! قرآن مجید دل کی اعتقادی بیماریوں مثلا کفر، شرک اور نفاق اور اخلاقی بیماریوں مثلا حسد، بغض، کینہ اور حرص ولالچ کیلئے شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ①

’’اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی، یہ دلوں کے امراض کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔‘‘

اسی طرح فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾ ②

’’کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے۔‘‘

نیز فرمایا: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ ③

’’اور ہم قرآن سے جو کچھ نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے خسارہ میں تو اضافہ ہی کرتا ہے۔‘‘

یاد رہے کہ قرآن مجید دل کی اعتقادی اور اخلاقی بیماریوں کیلئے بھی شفا ہے اور جسمانی بیماریوں کیلئے بھی شفا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكٰى يَقْرَأُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ ـ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهٖ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا) ④

’’رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو اپنے اوپر معوذات پڑھ کر دم کرتے۔ پھر جب آپ کی بیماری میں

---

① یونس57:10 ② حم السجدة44:41

③ الإسراء82:17 ④ صحيح البخاري:5016

شدت پیدا ہوئی تو میں آپ پر دم کرتی تھی لیکن آپ ہی کا ہاتھ پکڑ کر آپ پر پھیرتی تھی آپ کے ہاتھ کی برکت کی امید رکھتے ہوئے۔''

یہ حدیث دلیل ہے معوذات پڑھ کر دم کرنے کی۔ اسی طرح سورۃ الفاتحہ پڑھ کر بھی کسی بیمار پر دم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شفا دے دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے ہاں آئے تو اس نے ان کی کوئی مہمان نوازی نہ کی۔ پھر ہوا یہ کہ ان کے سردار کو ایک بچھو نے ڈس لیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کا ہر طرح سے علاج کیا لیکن اسے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں آئے اور کہا: ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے تو کیا آپ میں سے کسی کے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: ہاں میں اسے دم کر سکتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ تم لوگ تو وہ ہو کہ تم نے ہماری مہمان نوازی ہی نہیں کی۔ اس لئے میں اُس وقت تک دم نہیں کرونگا جب تک تم ہمیں اس کا معاوضہ نہ دو۔ ان لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے ہم آپ کو کچھ بکریاں بطور معاوضہ دیں گے۔

چنانچہ وہ صحابی گئے اور اس پر سورۃ الفاتحہ کو پڑھا اور جس جگہ پر اس کو بچھو نے ڈسا تھا وہاں اس نے ہلکا سا تھوک دیا۔ اِس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا انھوں نے جو بکریاں انھیں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ انھیں دے دیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا: یہ بکریاں تقسیم کرلیں تو جس صحابی نے دم کیا تھا اس نے کہا: نہیں، جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے اس وقت تک کچھ بھی نہ کریں۔ چنانچہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پورا واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھیں کیسے پتہ تھا کہ سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کرتے ہیں؟'' پھر آپ نے فرمایا: « قَدْ أَصَبْتُمْ ، اِقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِی مَعَکُمْ سَهْمًا »
''تم نے ٹھیک کیا۔ لہٰذا تم یہ بکریاں آپس میں تقسیم کرلو اور میرا حصہ بھی نکالو۔''[1]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مریض پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے تو اسے اللہ کے حکم سے شفا ہوگی۔ لہٰذا طب نبوی کے اس علاج سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ علامہ ابن القیمؒ نے ذکر کیا ہے کہ اگر بندہ فاتحہ کے ساتھ اپنا علاج کرے تو اسے اس کی عجیب تاثیر نظر آئے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ مقیم رہا، اِس دوران مجھ پر ایسی مختلف بیماریاں آئیں کہ مجھے ان کیلئے نہ کوئی طبیب ملا اور نہ علاج میسر آیا۔ چنانچہ میں اپنا علاج سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کرتا تھا جس کی مجھے عجیب تاثیر نظر آئی۔ پھر میں نے یہ علاج کئی لوگوں کو بتایا جنھیں

[1] صحيح البخاري: 2276، 5736

درد وغیرہ کی کوئی تکلیف ہوتی تو ان میں سے بیشتر لوگ شفایاب ہو گئے۔[1]

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ سورۃ الفاتحہ ہی قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت ہے۔

حضرت ابو سعید المعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوا یہاں تک کہ میں نے نماز مکمل کر لی۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ ؟» ''تمہیں کس بات نے میرے پاس آنے سے روکا؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نماز پڑھ رہا تھا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ ''کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: اے ایمان والو! اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانو جبکہ رسول تمھیں اُس چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ؟»

''کیا میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت کے بارے میں نہ بتلاؤں؟''

اس کے بعد جب ہم مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تمھیں قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت کے بارے میں بتلاؤں گا! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهُ»[2]

''وہ سورۃ الفاتحہ ہے اور یہ وہی سورت ہے جس کی سات آیات بار بار دھرائی جاتی ہیں اور یہی سورت وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''

تلاوتِ قرآن مجید کی فضیلت

قرآن مجید دنیا میں اللہ تعالیٰ کی واحد کتاب ہے جس کی تلاوت کی جائے تو اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

① الجواب الکافی، ص16
② صحیح البخاری: 4647، 5006

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ: أَلَمّ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ»①

''جو آدمی کتاب اللہ (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ (ألم) ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا اور میم تیسرا حرف ہے۔''

قرآن مجید اپنے پڑھنے والوں کیلئے شفاعت کرے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اِقْرَؤُا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ»②

''تم قرآن پڑھتے رہا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں (اور اس پر عمل کرنے والوں) کیلئے شفاعت کرے گا۔''

تلاوتِ قرآن سے شیطان گھر سے بھاگ جاتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ»③

''تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی جاتی رہے۔''

قرآن سیکھنے اور سکھلانے والے سب سے بہتر ہیں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»④

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا۔''

دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

① سنن الترمذی:2910:حسن صحیح غریب : وصححه الألبانی
② صحیح مسلم :1337
③ صحیح مسلم :780
④ صحیح البخاری:5027

«إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»①

''یقیناً تم میں سب سے افضل وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا۔''

اور نافع بن عبدالحارث بیان کرتے ہیں کہ 'عسفان' میں ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو انھیں مکہ مکرمہ کا ذمہ دار مقرر کیا کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اب آپ نے اہلِ وادی پر کس کو ذمہ دار مقرر کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ابن ابزی کو۔ انھوں نے کہا: وہ کون ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک ہے۔ انھوں نے کہا: تو کیا آپ نے آزاد کردہ غلام کو ذمہ دار بنا دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(إِنَّهُ قَارِیءٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ)

''بے شک وہ قاریٔ قرآن ہے اور وراثت کے احکام کا عالم بھی ہے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار! تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

« إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ »②

''بے شک اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندیاں نصیب کرتا ہے اور کچھ لوگوں کو نیچے گرا دیتا ہے۔''

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے اللہ کے خاص بندے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ »

''بے شک لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:« هُمْ أَهْلُ الْقُرْآن ، أَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ »③

''قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دوست اور اس کے خاص بندے ہیں۔''

---

① صحیح البخاری:5028 ② صحیح مسلم:817

③ سنن ابن ماجه:215 وصححه الألبانی

حافظِ قرآن کی فضیلت

قرآن مجید ایسی عظیم کتاب ہے کہ اِس کو حفظ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے شخص کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ : اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا ، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا»①

’’صاحبِ قرآن (حافظ قرآن اور اس پر عمل کرنے والے) کو کہا جائے گا: قراءت کرتے جاؤ اور (جنت کی سیڑھیوں پر) چڑھتے جاؤ، اور ترتیل کے ساتھ پڑھو جیسا کہ تم دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے، پس تمھاری منزل وہاں ہوگی جہاں تم آخری آیت ختم کروگے۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ»②

’’جو شخص قرآن مجید کا ماہر ہو (یعنی جس کا حفظ بہت اچھا ہو اور نہایت خوبصورت تلاوت کرتا ہو) وہ معزز اور مطیع فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ (یعنی قیامت کے روز وہ ان منازل پر فائز ہوگا جہاں معزز فرشتے اس کے ساتھ ہونگے۔) اور جو شخص قرآن پڑھتا ہو اور اس میں اسے تردد ہوتا ہو اور وہ مشقت محسوس کرتا ہو تو اس کیلئے دو اجر ہیں۔‘‘ یعنی ایک اجر تلاوت کا اور دوسرا بار بار اسے دہرانے کا۔

تاہم اِس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ جس کا حفظ کمزور ہو اس کو اچھے حفظ والے شخص سے زیادہ اجر ملے گا۔ بلکہ اس میں تو اچھے قاری اور حافظ کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے روز فرشتوں کے ساتھ ہوگا، رہا اس کا اجر وثواب تو وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس کو کتنے اجر وثواب سے نوازے گا۔

نماز میں قراءتِ قرآن کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ أَنْ يَجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟» کیا تم میں سے کوئی شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹے تو وہاں تین موٹی تازی

① سنن أبي داؤد:1464، سنن الترمذي:2914۔ قال الألباني : حسن صحيح ② متفق عليه

حاملہ اونٹنیاں پائے؟“

ہم نے کہا: جی ہاں

آپ ﷺ نے فرمایا: «فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ»①

”تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں تین آیات کی تلاوت کرے، یہ اس کیلئے تین موٹی تازی حاملہ اونٹنیوں سے بہتر ہے۔“

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم 'صفہ' میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

”تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ وہ ہر روز صبح سویرے 'بطحان' یا 'عقیق' میں جائے، پھر وہاں سے دو موٹی تازی اونٹنیاں بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے لے آئے؟

ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سب یہ پسند کرتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفَلَا يَغْدُو أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمَ أَوْ يَقْرَأَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ، وَثَلَاثٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ، وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ، وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ»②

”تو کیا تم میں سے کوئی شخص صبح سویرے مسجد میں نہیں جاتا جہاں وہ کتاب اللہ کی دو آیات کا علم حاصل کرے یا ان کی تلاوت کرے، یہ اس کیلئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اور تین آیات تین اونٹنیوں سے اور چار آیات چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ پھر اسی طرح ہر آیت ایک ایک اونٹ سے بہتر ہوگی۔“

نماز میں بکثرت قرآن مجید پڑھنے والا آدمی قابل رشک ہے

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ»③

---

① صحیح مسلم: 802
② صحیح مسلم: 803
③ صحیح البخاری: 5025، صحیح مسلم: 815

''صرف دو آدمی ہی قابلِ رشک ہیں۔ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا (اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) اور وہ اس کے ساتھ دن اور رات کے اوقات میں قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اسے دن اور رات کے اوقات میں خرچ کرتا ہے۔''

قراءتِ قرآن کے دوران رحمتِ باری تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورۃ الکہف کی تلاوت کر رہا تھا، اس کے پاس اس کا گھوڑا دو رسیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا، اچانک ایک بادل آیا اور اس شخص کے اوپر چھا گیا۔ پھر وہ گھومنے اور اس کے قریب ہونے لگا جس سے اس کا گھوڑا ڈر کے مارے اچھلنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنا یہ واقعہ ذکر کیا۔تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ»[1]

''یہ باری تعالیٰ کی رحمت تھی جو قرآن کیلئے نازل ہوئی تھی۔''

امام نوویؒ نے (السکینة) کے معنی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس میں کئی اقوال ہیں، سب سے بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ وہ چیز ہے جس میں اطمینان، رحمت اور فرشتے ہوتے ہیں۔یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے وقت فرشتے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جس سے تلاوت کرنے والے کو ایک عجیب سی راحت محسوس ہوتی ہے۔

اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رات کو (نماز میں) سورۃ البقرۃ پڑھ رہا تھا اور میرا گھوڑا قریب ہی بندھا ہوا تھا، اچانک گھوڑا بدکا تو میں خاموش ہوگیا۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ بھی پرسکون ہو گیا۔ میں نے پھر قراءت شروع کی تو وہ پھر بدکنے لگا۔ میں خاموش ہوا تو وہ بھی ٹھہر گیا۔میں نے پھر قراءت شروع کی تو وہ ایک بار پھر بدکا۔اُدھر میرا بیٹا 'یحیٰ' بھی تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اسے کچل نہ دے۔ چنانچہ میں سلام پھیر کر اس کے پاس آیا اور اسے اس سے دور کردیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چھتری سی ہے اور اس میں چراغ سے چمک رہے ہیں۔پھر یہ چھتری نما چیز آسمان کی طرف چلی گئی حتی کہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا پورا واقعہ سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اے

---

[1] صحيح البخاري:5011، صحيح مسلم :795

ابن حضیر! تمھیں اپنی قراءت جاری رکھنی چاہئے تھی!"

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے بیٹے پر ترس آ رہا تھا اس لئے میں نے سلام پھیر دیا، اس کے بعد میں نے ایک چھتری نما چیز دیکھی جس میں چراغ چمک رہے تھے، وہ اوپر کو چلی گئی اور میری نظروں سے غائب ہوگئی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ» ①

"یہ فرشتے تھے جو تمھاری آواز کے قریب آ گئے تھے اور اگر تم قراءت جاری رکھتے تو صبح کے وقت لوگ بھی اسے دیکھ لیتے اور وہ ان سے نہ چھپ سکتے۔"

یہ تھے قرآن مجید کے بعض فضائل۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس عظیم کتاب کو کیوں نازل کیا؟

قرآن مجید کو کیوں نازل کیا گیا؟

① اِس لئے کہ اس پر ایمان لانے والے اِس کی اُس طرح تلاوت کریں جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُوْنَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولٰئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهِ وَمَن يَّكْفُرْ بِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ﴾ ②

"وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی لوگ اِس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرے گا تو یقیناً ایسے ہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔"

حقِ تلاوت یہ ہے کہ قرآن مجید کو اُس طرح پڑھا جائے جس طرح یہ آسمان سے نازل ہوا، جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو سنایا، پھر جس طرح آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيْلًا﴾ ③

"اور قرآن کو ہم نے اجزاء میں نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو آہستہ آہستہ پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج اتارا ہے۔"

اسی طرح فرمایا: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا﴾ ④

---

① صحیح البخاری:5018، صحیح مسلم:796
② البقرۃ121:2
③ الإسراء17:106
④ المزمل5:73

”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کے پڑھئے۔“

لہٰذا قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کے اور اس کے حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرتے ہوئے پڑھنا چاہئے اور اس کے کلمات کا تلفظ بالکل درست ہونا چاہئے۔ کیونکہ مخارج کی تبدیلی سے یا تلفظ میں بگاڑ سے معانی میں تبدیلی آتی ہے اور یوں قرآن مجید کی معنوی تحریف ہوتی ہے۔

خصوصا نماز میں، خواہ فرض نماز ہو یا نفل، قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ پڑھنا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقَطِّعُ قِرَاءَ تَهُ ، يَقْرَأُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ثُمَّ يَقِفُ ﴿ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ثُمَّ يَقِفُ ، وَكَانَ يَقْرَؤُهَا ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ رسول اکرم ﷺ قراءت میں ایک ایک آیت الگ کرکے پڑھتے تھے۔ آپ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پڑھتے ، پھر وقفہ کرتے۔ اس کے بعد ﴿ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ پڑھتے اور پھر وقفہ کرتے اور آپ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پڑھتے تھے۔“[1]

اور قتادہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟ تو انھوں نے کہا : آپ ﷺ خوب کھینچ کر پڑھتے تھے۔ پھر انھوں نے ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ کو پڑھا تو (بسم الله) کو کھینچا، (الرحمن) کو بھی کھینچا اور (الرحيم) کو بھی کھینچا۔ یعنی ان کلمات میں حروف مدہ کو خوب لمبا کیا۔[2]

اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت پُر ترنم آواز کے ساتھ کرنی چاہئے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْئٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآن »[3]

”اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اُس طرح توجہ سے نہیں سنتا جیسا کہ اُس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتا ہے جو قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھتا ہے۔“

اِس کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نہایت خوش الحان تھے اور پر ترنم آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور اس حدیث میں اُس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو قرآن کو خوش الحانی سے پڑھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو

---

① سنن الترمذي:2927، سنن أبي داؤد:4001- وصححه الألباني

② صحيح البخاري:4046

③ صحيح البخاري:5023، صحيح مسلم:792

اپنے قریب کرتا ہے اور اس کو بڑا اجر وثواب عطا کرتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

« زَيِّنُوْا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ »①

''تم قرآن کو اپنی خوبصورت آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔''

بلکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ « لَيْسَ مِنَّا مَن لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ »②

یعنی'' وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو ترنم کے ساتھ نہ پڑھے۔''

لہٰذا اس سلسلہ میں انسان کو سستی نہیں کرنی چاہئے اور تلاوتِ قرآن مجید اچھی اور خوبصورت آواز میں کرنی چاہئے۔

④ قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس میں تدبر اور غور وفکر بھی کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے کہ اسے پڑھا جائے، اس میں غور وفکر کیا جائے اور اسے اپنا دستورِ حیات بنایا جائے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾③

''یہ کتاب بابرکت ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

اسی طرح فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾④

''کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے خود بھی سیکھیں اور اپنی اولاد کو بھی سکھلائیں۔ خود بھی اس میں غور فکر کریں اور اولاد کو بھی حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ وتفسیر بھی پڑھائیں تاکہ اس سے نصیحت حاصل ہو سکے، کیونکہ قرآن مجید کا معنی ومفہوم معلوم کئے بغیر اس سے نصیحت حاصل کرنا ناممکن ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب قرآن مجید کی تلاوت تدبر اور غور وفکر کے ساتھ کی جائے تو اُس سے

① سنن أبي داؤد:1468 وصححه الألباني
② صحيح البخاري:7527
③ ص 29:38
④ محمد 24:47

تلاوت کرنے والے پر اور اسی طرح سننے والوں پر بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ ①

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا جو ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلد اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے، اس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

اِس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ واقعتاً اللہ سے ڈرنے والے ہوں، خشوع کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرنے والے ہوں اور اس میں غور وفکر کرنے والے ہوں تلاوتِ قرآن سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر رقت طاری ہوتی ہے۔ پھر اُس سے ان کے دلوں میں اللہ کے ذکر کی طرف اور زیادہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ «اِقْرَأْ عَلَیَّ الْقُرْآنَ» ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔''

تو میں نے کہا: میں آپ کو پڑھ کر سناؤں جبکہ آپ پر ہی قرآن نازل ہوا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کسی اور سے سنوں۔

چنانچہ میں نے سورۃ النساء سے پڑھنا شروع کیا۔ جب میں اِس آیت پر پہنچا ﴿فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا﴾ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ②

قرآن مجید اِس قدر مؤثر ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ③

''اگر ہم اِس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ دبا جا رہا ہے اور اللہ کے خوف کی وجہ سے

① الزمر 23:39 ② صحیح البخاری:4582، صحیح مسلم:800 ③ الحشر 21:59

پھٹ رہا ہے اور یہ مثالیں ہم لوگوں کیلئے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور وفکر کریں۔''

لیکن لگتا ہے کہ ہمارے دل پتھر سے بھی سخت ہو گئے ہیں کہ ان پر رقت طاری نہیں ہوتی، تلاوت کرنے یا سننے کے بعد ان میں اللہ کے ذکر کی طرف اور زیادہ رغبت پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی ہم پر قرآن مجید کی تلاوت کا کوئی اثر ہوتا ہے کہ کئی کئی ختم ہو جاتے ہیں مگر ایمان میں اضافہ نہیں ہوتا۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر اس کی مقرر کردہ حدود پر ہم نہیں رکتے بلکہ ان سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر اُس میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کرتے۔ قرآن کے الفاظ کو پڑھتے ہیں مگر ان میں اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کو حرام قرار دیا ہے ہم ان سے اجتناب نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں مختلف قوموں کے قصے پڑھتے ہیں مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے!

جبکہ قرآن مجید کی تاثیر اس قدر شدید ہے کہ جو لوگ اِس کے دشمن تھے وہ بھی اِس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جیسا کہ کئی صحابۂ کرام کے واقعات ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے لیکن جب قرآن مجید کی تلاوت سنی تو ان کے دل نرم ہو گئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا وقعہ ہے کہ جو اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے حتی کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے کہ راستے میں نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے کہا: عمر! آج کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا: تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرة سے بچ جاؤ گے؟ جواب دیا کہ شاید تم بھی بے دین ہو گئے ہو؟ انھوں نے کہا: میں تمھیں اِس سے بھی زیادہ تعجب والی بات نہ بتلاؤں؟ تمھاری بہن اور تمھارے بہنوئی بھی بے دین ہو چکے ہیں اور تمھارے دین کو چھوڑ چکے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ سیدھے ان کے گھر گئے جہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو سورة طہ پڑھا رہے تھے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ پہلے اپنے بہنوئی کو مارا، پھر اپنی بہن کو بھی زخمی کیا۔ اِس کے بعد شرمندہ ہوئے اور کہا: یہ جو تم پڑھ رہے تھے مجھے دو تاکہ میں بھی پڑھوں۔ بہن نے کہا: تم ناپاک ہو پہلے غسل کرو۔ انھوں نے غسل کیا تو صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سورة طہ کو پڑھنا شروع کیا تو ابھی اس کی ابتدائی آیات ہی پڑھی تھیں کہ کہنے لگے: (مَا أَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامُ وَأَكْرَمَهُ!) ''یہ کتنا اچھا اور کتنا معزز کلام ہے!'' پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ [1]

یہ ہے قرآن مجید کی تاثیر۔

---

(1) الرحیق المختوم، ص 102-103

اسی طرح جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں دعوت کا آغاز کیا تو حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کے پاس گئے جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اِن دونوں نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اور حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی کہ وہ چلے جائیں ورنہ انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری بات سن لیں، اگر آپ کو پسند آئے تو قبول کر لینا ورنہ ہم چلے جائیں گے۔ وہ دونوں جب ان کی بات سننے پر راضی ہو گئے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کے بارے میں بتایا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ چنانچہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ نہ صرف وہ دونوں بلکہ ان کے قبیلوں کے تمام لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ ①

یہ اور اِس طرح کے دیگر کئی واقعات اِس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کے دشمن بھی اِس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ لٰہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اِس قرآن کی طرف راغب ہوں اور اسکی تلاوت کے ساتھ اِس میں غور وفکر بھی کریں تا کہ ان پر بھی اس کا اثر ہو۔ یاد رہے کہ قرآن کا اثر اسی شخص پر ہوتا ہے جو اسے حاضر دماغی سے پڑھے یا سنے اور پوری توجہ اس کی طرف رکھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ ②

''بے شک اس میں اُس شخص کیلئے نصیحت ہے جو (زندہ) دل رکھتا ہو، اور حضور قلب کے ساتھ متوجہ ہو کر سنتا ہو۔''

③ تلاوت اور تدبر کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پر عمل بھی کرنا چاہئے بلکہ اسے دستورِ حیات بناتے ہوئے اسی کی روشنی میں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے جو احکامات مذکور ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے اور جو اللہ تعالیٰ کی محرمات ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قرآن مجید میں جو پہلی قوموں کے عبرتناک واقعات مذکور ہیں ان سے سبق حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنا چاہئے۔ قرآن مجید میں اخلاق وکردار کے متعلق جو تعلیمات ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ ③

''یہ کتاب جو ہم نے نازل کی ہے یہ بڑی بابرکت ہے۔ لٰہذا تم اس کی اتباع کرو اور (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس کی توفیق دے اور قرآن مجید کو ہمارے لئے حجت بنائے۔

---

① الرحیق المختوم، ص 144-145　② ق 37:50　③ الأنعام 155:6

دوسرا خطبہ

کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

اللہ رب العزت نے ہمیں قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنے کی ترغیب دی ہے اور اسے مضبوطی سے تھامنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ وہ انھیں اپنی آغوشِ رحمت میں لیتے ہوئے ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے گا۔

فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ ①

''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف صاف راہ دکھلانے والا نور (قرآن مجید) نازل کیا۔ اب، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (قرآن) کو مضبوطی سے تھامے رہے انھیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل میں شامل کر لے گا اور اپنی طرف آنے کی سیدھی راہ انھیں دکھا دے گا۔''

جبکہ نبی کریم ﷺ نے میدانِ عرفات میں جو خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا تھا اس کی ایک اہم بات یہ تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین فرمائی کہ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لے، اس طرح وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

«وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ»

''(جان لو) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ۔''②

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«فَاعْقِلُوا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِي، فَإِنِّي قَدْ بَلَّغْتُ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ ﷺ»③

① النساء4: 174-175 ② صحیح مسلم:1218

③ السنة للمروزی:68من حدیث ابن عباس

’’اے لوگو! میری باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لو، میں نے یقیناً اللہ کا دین آپ تک پہنچا دیا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ ہے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ دونوں ہدایت کے چشمے ہیں اور انہی دو چیزوں کو مضبوطی سے تھام لیا جائے تو گمراہی سے بچا جا سکتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرَفُهُ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ ، فَتَمَسَّكُوْا فَإِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ أَبَدًا »①

’’یہ قرآن مجید ایک مضبوط رسی ہے جس کا ایک سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمھارے ہاتھوں میں۔ پس تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو، تم کبھی اس کے بعد ہلاک ہو گے اور نہ گمراہ ہو گے۔‘‘

اور طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ تو میں نے کہا: لوگوں پر تو وصیت فرض کی گئی اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ وصیت کریں جبکہ آپ ﷺ نے وصیت نہیں کی؟ انھوں نے کہا: (أَوْصٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ) ’’آپ ﷺ نے بس کتاب اللہ ہی کی وصیت کی تھی۔‘‘②

لیکن افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس تاکیدِ شدید کے باوجود آپ کی امت آج قرآن مجید سے دور ہو چکی ہے اور قرآن مجید محض الماریوں کی زینت بن کر رہ گیا ہے۔ بہت سارے مسلمان اسے پڑھنا تک نہیں جانتے اور جو پڑھنا جانتے ہیں ان میں سے اکثر کو پورا قرآن مجید تو کجا سورت فاتحہ تک کا معنی ومفہوم بھی معلوم نہیں، حفاظِ قرآن مجید تو ماشاء اللہ بہت ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے اور اسے اپنی زندگی کا دستور بنانے والے بہت کم ہیں!

مسلمانو! آج اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم قرآن مجید کے متعلق اپنے اِس طرزِ عمل کو بدلیں، اور قرآن مجید کو سیکھیں، پڑھیں، اس میں غور وفکر کریں اور اس پر عمل کریں۔ ورنہ اگر ہم یہ رویہ تبدیل نہیں کرتے تو پھر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے روز اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اللہ کے سامنے ہمارے بارے میں یوں شکایت کریں گے:

---

① السلسلة الصحيحة:713 ② صحيح البخاري:5022

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ ①

''اور رسول ﷺ کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

علامہ ابن القیمؒ ﴿مهجورا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''ھجر (قرآن کو چھوڑنے) کی کئی اقسام ہیں: پہلی یہ ہے کہ قرآن کو توجہ سے سننے اور اس پر ایمان لانے کو چھوڑ دیا جائے۔ دوسری یہ کہ اس کو پڑھا تو جائے اور اس پر ایمان بھی لایا جائے لیکن اس پر عمل کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے حلال وحرام کی پابندی نہ کی جائے۔ تیسری یہ کہ اسے فیصل تسلیم نہ کیا جائے اور دین کے اصول وفروع میں اس سے فیصلہ نہ کرایا جائے اور یہ نظریہ اپنا لیا جائے کہ اس کے دلائل محض لفظی ہیں جو قطعی یقین کا فائدہ نہیں دیتے۔ چوتھی یہ کہ اس میں غور وفکر کرنا چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ پانچویں یہ کہ دل کی تمام بیماریوں کا علاج اِس کے ساتھ نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ علاج کرنے کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ پانچوں اقسام اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان ﴿إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ میں شامل ہیں۔'' ②

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ہم سب کو تلاوتِ قرآن اور حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس میں تدبر اور غور وفکر کی بھی توفیق دے اور اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق دے۔

① الفرقان 30:25
② الفوائد ص:82

توبہ اور استغفار ....فوائد وثمرات

اہم عناصر خطبہ:

① بہترین خطا کار کون؟ ② گناہوں کے بوجھ کا احساس

③ مومنین کو توبہ کرنے کا حکم ④ توبہ کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے

⑤ وسعتِ رحمتِ الٰہی ⑥ قبولیتِ توبہ کی شرائط ⑦ ثمراتِ توبہ واستغفار

برادرانِ اسلام! ہم میں سے ہر شخص خطا کار اور گناہگار ہے لیکن خطا کاروں میں بہتر وہ ہے جو ہم میں سب سے زیادہ توبہ کرنے والا ، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اُس سے صدق دل کے ساتھ بار بار معافی طلب کرنے والا ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ»[1]

''حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد انتہائی خطا کار ہے اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو سب سے زیادہ توبہ کرنے والے ہوں۔''

اور خطا کار انسان اپنی خطاؤں سے توبہ تب کرتا ہے جب وہ ان کا بوجھ محسوس کرتا ہے بلکہ سچا مومن تو ہوتا ہی وہ ہے جو خالق کائنات کی نافرمانی کرنے کے بعد اسے راضی کرنے کیلئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچنے کیلئے فوراً اس سے معافی مانگ لیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوْبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوْبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هَكَذَا)قَالَ أَبُو شِهَابٍ: بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ[2]

''ایک مومن اپنے گناہوں کو یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ یہ ابھی مجھ پر گر پڑے گا (اور میں ہلاک ہو جاؤں گا) جبکہ ایک فاجر اپنے گناہوں کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے ایک مکھی اڑتے اڑتے اس کی ناک پر آ کر بیٹھی اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ اڑ کر چلی گئی۔''

---

① سنن الترمذي:2499 ، سنن ابن ماجه:4251- وحسنه الألباني

② صحيح البخاري:كتاب الدعوات ، باب التوبة:6308

جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم متعدد گناہ بار بار کرتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم اللہ ملک الملوک کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم اس سے معافی مانگ کر اسے راضی کر لیں اور اس کے عذاب سے بچ جائیں۔

اور بہت سارے مسلمان بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن ایسے لگتا ہے کہ جیسے انہیں ان گناہوں کے عذاب کا کوئی ڈر نہیں، مثلا درباروں مزاروں پر جا کر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، انہیں حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے ہوئے ان سے مانگتے ہیں، ان سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں یا انھیں اپنی حاجات کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بناتے ہیں اور مشکلات میں ان کو پکارتے ہیں..... یہ سب کچھ کرنے کے باوجود انہیں احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ ان شرکیہ افعال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے رہے ہیں اور اللہ نہ کرے اگر اسی حالت میں وہ مر جائیں تو سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ (والعیاذ باللہ) اِس کے برعکس وہ اپنے اس طرزِ عمل پر بالکل مطمئن دکھائی دیتے ہیں اور اگر کوئی موحد انھیں شرک سے ڈرائے اور عقیدۂ توحید کو اختیار کرنے کی نصیحت کرے تو وہ شرک سے براءت اور سچے دل سے توبہ کرنے کی بجائے اس کے گلے پڑ جاتے ہیں، یا کم از کم اسے مختلف القاب سے نوازتے ہوئے اس کی دعوت کو قابلِ اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔

اسی طرح آپ بہت سارے مسلمانوں کو کئی بدعات میں اِس طرح منہمک پائیں گے کہ وہ انھیں دین کا لازمی حصہ تصور کرتے ہیں اور اگر کوئی متبع سنت انھیں دین میں بدعات ایجاد کرنے کی سنگینی پر متنبہ کرے اور انھیں اس بات سے آگاہ کرے کہ دین میں ہر نیا کام جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہ ملتا ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تو وہ توبہ اور استغفار کی بجائے اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی برا کام تھوڑا ہے، یہ تو نیکی کا کام ہے۔ گویا وہ ان بدعات پر یوں مطمئن نظر آتے ہیں کہ انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی بجائے اس کو ناراض کر رہے ہیں اور قیامت کے روز جب یہ لوگ حوضِ کوثر کی طرف بڑھ رہے ہونگے تو انھیں دھکے دے کر پیچھے ہٹا دیا جائے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں کہیں گے کہ "وہ لوگ دور چلے جائیں جنھوں نے میرے دین کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔"

شرک وبدعت کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے جرائم ہیں جو آج مسلمانوں میں بری طرح رچ بس چکے ہیں اور مسلمان ان کے ایسے خوگر ہیں کہ انھیں گناہ ہی نہیں سمجھتے، مثلا پانچ فرض نمازوں کی عدم ادائیگی یا ان میں سستی اور غفلت کرنا، فرض روزے رکھنے اور زکاۃ دینے سے کنارہ کشی اختیار کرنا، استطاعت کے باوجود فریضۂ

حج کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا، والدین کی نافرمانی اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنا، لین دین کے معاملات میں جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا اور فراڈ کرنا، جوے بازی، رشوت خوری اور سودی لین دین کرنا، مسلمانوں سے حسد کرنا، ان کے بارے میں بغض اور کینہ رکھنا وغیرہ.... یہ ایسے گناہ ہیں کہ انھیں انتہائی معمولی سمجھ کر ان کا ارتکاب کیا جاتا ہے چہ جائیکہ ان کا ارتکاب کرنے والے اپنے اندر ان کی حرارت محسوس کریں یا اپنے اوپر پہاڑ جیسا بوجھ تصور کریں یا اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے خوف کھائیں اور پھر اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے مغفرت طلب کریں اور اسے راضی کر کے اپنی اصلاح شروع کر دیں!

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے دور کے لوگوں سے کہا کرتے تھے:

(إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِيْ أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ)[1]

''بے شک تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمھاری نظروں میں بال سے بھی باریک (یعنی معمولی) ہیں جبکہ ہم انھیں نبی کریم ﷺ کے عہد میں مہلک گناہوں میں شمار کرتے تھے۔''

یہ اُس دور کی بات ہے جب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت یافتہ لوگ (تابعین کرامؒ) موجود تھے اور یقیناً وہ دور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے بہتر دور تھا اور اس میں وہ بڑے بڑے گناہ یا تو بالکل ناپید تھے یا انتہائی کم تھے جنھیں آج کے دور میں یا تو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا یا انتہائی معمولی سمجھ کر ان کا سرعام ارتکاب کیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے دور میں لوگوں کو جن معمولی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم انھیں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مہلک گناہوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ آج کے دور میں ہوتے اور لوگوں کو شرک وبدعت، بدکاری، ڈاکہ زنی، قتل وغارت، سودی لین دین اور فحاشی وعریانی جیسے کبیرہ گناہوں میں مبتلا دیکھتے تو معلوم نہیں وہ کیا کہتے!

اور جہاں تک نبی کریم ﷺ کے عہد کا تعلق ہے تو اس میں اگر کسی مسلمان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھتا جب تک وہ سچی توبہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اُس گناہ کی سزا کیلئے پیش نہ کر دیتا۔ اِس سلسلے میں تین واقعات ذکر کیے جاتے ہیں۔

① حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جو زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔ اس نے کہا:

---

① صحیح البخاری:6492

اے اللہ کے رسول! میں نے اللہ کی حد کو پامال کیا ہے لہٰذا آپ مجھ پر وہ حد قائم کریں۔
تو نبی کریم ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ
(أَحْسِنْ إِلَيْهَا ، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا)
''اس سے اچھا سلوک کرو اور جب یہ بچہ جنم دے تو اسے میرے پاس لے آنا۔''
چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اُس پر کس دیئے جائیں اور اسے رجم کردیا جائے۔
جب اسے رجم کی سزا دے دی گئی تو آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی حالانکہ اس نے بدکاری کا ارتکاب کیا تھا!
تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ ، وَهَلْ وَجَدَتْ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى»[①]
''اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے اہلِ مدینہ کے ستر افراد میں تقسیم کیا جائے تو سب کیلئے کافی ہو جائے۔ اِس سے اچھی توبہ کیا ہوسکتی ہے کہ اُس نے اپنی جان ہی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے قربان کردی۔''
② حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:
(يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، طَهِّرْنِي) ''اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجئے۔''
آپ ﷺ نے فرمایا: «وَيْحَكَ ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ»
''تم پر افسوس ہے، جاؤ اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرلو۔''
ماعز رضی اللہ عنہ تھوڑی دور گئے اور پھر واپس لوٹ آئے، دوبارہ کہا:
(يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، طَهِّرْنِي) ''اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجئے۔''
آپ ﷺ نے انھیں پھر بھی وہی جواب دیا کہ جاؤ، اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرلو۔
وہ تھوڑی دور جا کر پھر واپس لوٹ آئے اور پھر بھی یہی عرض کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجئے۔
آپ ﷺ نے تیسری بار بھی انہیں وہی جواب دیا۔
اس کے بعد جب وہ چوتھی مرتبہ آئے اور وہی بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

① صحیح مسلم:1696

«فِيْمَ أُطَهِّرُكَ ؟» ”تمھیں کس چیز سے پاک کروں؟“ تو انھوں نے کہا: زنا سے۔

آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا کہ کیا ان کا دماغی توازن ٹھیک ہے؟ لوگوں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ہاں ان کا دماغی توازن بالکل ٹھیک ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ انھوں نے کہیں شراب تو نہیں پی رکھی؟ چنانچہ ایک آدمی ان کے پاس گیا اور ان کے منہ کو سونگھا۔ پھر آپ ﷺ کو آگاہ کیا کہ ان کے منہ سے شراب کی بو محسوس نہیں ہوتی۔ تب آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے واقعتاً زنا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

تو آپ ﷺ نے ان پر رجم کی سزا نافذ کرنے کا حکم صادر فرمادیا اور اُس کے مطابق ان پر یہ سزا نافذ کردی گئی۔

پھر لوگوں میں دو گروہ بن گئے۔ ایک نے کہا: ماعز ہلاک ہوگئے اور ان کے گناہوں نے انھیں گھیر لیا اور دوسرے نے کہا: ماعز کی توبہ سے اچھی توبہ کوئی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خود رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر گذارش کی کہ مجھے پتھر مار مار کر قتل کردیں.

بعد ازاں دو تین روز گذر گئے۔ پھر رسول اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف لائے، انہیں سلام کہا اور بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فرمایا:

«اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ» ”تم ماعز کیلئے مغفرت کی دعا کرو۔“

چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کو معاف کرے۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا: «لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ»

”انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے لوگوں کے ایک گروہ میں تقسیم کیا جائے تو ان سب کو کافی ہوجائے۔“

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ کے پاس ایک غامدیہ عورت آئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی پاک کیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «وَيْحَكِ اِرْجِعِيْ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوْبِي إِلَيْهِ»

”تم پر افسوس ہے، جاؤ اللہ سے معافی مانگو اور توبہ کرلو۔“

اس نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ آپ مجھے بھی اُسی طرح واپس لوٹا رہے ہیں جیسے آپ نے ماعز کو لوٹا دیا تھا!

آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے تمھارا کیا تعلق ہے؟

اس نے کہا: میں اسی سے ہی تو حاملہ ہوں.

آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا وہ تم ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ابھی نہیں، یہاں تک کہ تم بچے کو جنم دو۔''

حضرت بریدہ کہتے ہیں: ایک انصاری صحابی نے اُس خاتون کی کفالت کی یہاں تک کہ اس نے بچہ جنم دے دیا۔ پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطلاع دی کہ اس خاتون نے بچہ جنم دے دیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اسے ہم ابھی رجم نہیں کرتے کہ اس کے بچے کو اس طرح چھوڑ دیں اور اسے دودھ پلانے والا کوئی نہ ہو۔''

تو ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کی رضاعت میرے ذمے ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ بچہ جنم دینے کے فوراً بعد وہ خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس نے اپنے بچے کو کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ یہ دودھ پینا چھوڑ دے۔''

چنانچہ وہ عورت چلی گئی، پھر کچھ عرصہ بعد واپس لوٹی تو اس کے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس بچے نے دودھ چھوڑ دیا ہے اور اب کھانا کھانے کے قابل ہو گیا ہے۔

تب آپ ﷺ نے اس بچے کو ایک مسلمان کے سپرد کر دیا اور خاتون کے بارے میں حکم صادر فرمایا کہ اس کے سینے تک کھدائی کر کے اسے رجم کر دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے اسے رجم کیا۔ اسی دوران حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آئے، ایک پتھر اٹھایا اور اس کے سر پہ دے مارا جس سے اس کے خون کے کچھ چھینٹے ان کے چہرے پر بھی آ لگے۔ انھوں نے اسے برا بھلا کہا جسے نبی کریم ﷺ نے سن لیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَهْلًا يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ)) ①

''خالد! ٹھہر جاؤ، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اِس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایک ٹیکس لینے والا ظالم بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے بھی معاف کر دیا جاتا۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے دفن کر دیا گیا۔

ان تینوں واقعات سے ثابت ہوا کہ اِس امت کے اولیں دور میں' جو کہ سب سے بہتر دور تھا' اگر کسی مسلمان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ اپنے اوپر اس کے شدید بوجھ کو محسوس کرتا اور اس سے اپنے آپ کو

---

① صحیح مسلم:1695

پاک کرنے کیلئے بے تاب ہو جاتا اور یہی ایک سچے مومن کی شان ہے کہ وہ گناہ کرنے کے بعد سچی توبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے بے چین ہو جائے اور اس وقت تک اسے سکون حاصل نہ ہو جب تک وہ پے در پے حسنات کر کے اس گناہ کے داغ دھبوں کو صاف نہ کر لے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ ①

''بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔''

اور برائیوں کو اپنے نامۂ اعمال سے مٹانے کیلئے سب سے پہلی نیکی توبہ واستغفار ہے۔

مومنوں کو توبہ واستغفار کا حکم

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو استغفار کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ ②

''اور آپ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو بھی توبہ کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ③

''اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یعنی اگر مومنین سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے معافی طلب کر لیں تو دنیا وآخرت میں کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

نیز فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ④

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی اور خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ مٹا دے اور تمھیں ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اُس دن اللہ تعالیٰ نبی اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ یہ دعائیں کرتے ہونگے

① ہود11:114 ② النساء4:106 ③ النور24:31 ④ التحریم66:8

کہ اے ہمارے رب! ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کے چار فوائد ذکر فرمائے ہیں: پہلا گناہوں کی معافی، دوسرا ان جنتوں میں داخلہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، تیسرا روزِ قیامت کی رسوائی سے تحفظ اور چوتھا اُس روز ان کا نور جوان کے آگے اور دائیں دوڑ رہا ہوگا۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ سارے مومنین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اس سے معافی طلب کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی تعریف کرتا ہے جو اُس سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

ارشاد باری ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ الصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ﴾ [1]

’’جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے، اس لئے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔‘‘

اور رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ((يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا إِلَى رَبِّكُمْ، فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ)) [2]

’’اے لوگو! تم اپنے رب کی طرف توبہ کرتے رہا کرو۔ اللہ کی قسم! میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔‘‘

جب خود رسول اللہ ﷺ ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتے حالانکہ آپ امام الانبیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تمام اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دی تھیں تو آپ ﷺ کی امت کو اور زیادہ توبہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

توبہ کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے

جی ہاں! توبہ کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شیوہ ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حواء کو جب شیطان نے بہکایا اور وہ دونوں اس درخت کو چکھ بیٹھے جس کے قریب جانے سے انھیں منع کیا گیا تھا تو انھوں نے اعترافِ خطا کے ساتھ یوں توبہ کی: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

---

① آل عمران 3:16-17
② أحمد:17880، صحيح مسلم:2702

الْخَاسِرِيْنَ ﴾ ①

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

اور حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنے لختِ جگر کو طوفان کی موجوں میں ڈوبتے ہوئے دیکھا تو شفقتِ پدری سے متاثر ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کو پکار اٹھے کہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ بتاتے ہوئے کہ آپ کا بیٹا چونکہ آپ پر ایمان نہیں لایا اس لئے وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے' آپ کو تنبیہ کی کہ جس بات کا آپکو علم نہیں اس کا سوال مت کیجئے ورنہ آپ نادانوں میں سے ہو جائیں گے۔ اِس پر حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہوئے کہا:

﴿رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ ②

''اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور مجھے آغوشِ رحمت میں نہ لیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک آدمی کو مکا مارا اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یوں بخشش طلب کی:

﴿ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾ ③

''اے میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے لہٰذا تو مجھے معاف کر دے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔

اور جب حضرت داؤد علیہ السلام کو آزمایا گیا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ انھیں واقعتاً آزمائش میں ڈالا گیا ہے تو فوراً سجدے میں پڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس سے مغفرت طلب کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ﴾ ④

''اور داؤد (علیہ السلام) سمجھ گئے کہ ہم نے انھیں آزمایا ہے، پس وہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدے میں گر گئے اور ہماری طرف پوری طرح رجوع کیا۔''

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام نے بھی مچھلی کے پیٹ میں اپنی خطا کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے

① الأعراف 23:7 ② هود 47:11 ③ القصص 16:28 ④ ص 24:38

یوں معافی مانگی:

﴿ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾ [1]

”تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں سے تھا۔“

اور جہاں تک امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا تعلق ہے تو آپ اس قدر کثرت سے استغفار اور توبہ کرتے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صرف ایک مجلس میں آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ دعا سو مرتبہ سنتے تھے:

« رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ» [2]

”اے میرے رب! مجھے معاف کردے اور میری توبہ قبول فرما، یقینا تو ہی خوب توبہ قبول کرنے والا، بڑا معاف کرنے والا ہے۔“

اور آپ ﷺ نے اپنے پیارے صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو استغفار اور توبہ کیلئے ایک دعا سکھلائی اور انھیں ہر نماز میں اس کے پڑھنے کا حکم دیا جو یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ» [3]

”اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں، لہٰذا تو مجھے اپنے فضل وکرم سے معاف کردے اور مجھ پر رحم کر۔ یقینا تو ہی بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

یاد رہے کہ استغفار وتوبہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کا ہی شیوہ نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر عقلمند اور تمام اہلِ دانش کی ایک اہم صفت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ۝ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ [4]

---

[1] الانبیاء 87:21
[2] الصحیحة:556
[3] صحیح البخاری:834، صحیح مسلم:2705
[4] آل عمران 3:190-193

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل ونہار کی گردش میں ان عقل والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے انہیں بے کار نہیں پیدا کیا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! تو جس کو جہنم میں داخل کردے گا اس کو ذلیل ورسوا کردے گا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان لانے کیلئے پکار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! للہٰذا تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ فوت کرنا۔‘‘

اللہ تعالیٰ انتہائی معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے

جو چیز انسان کو بار بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے پر زیادہ آمادہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ’’غفور رحیم‘‘ ہے، توبہ قبول کرنے والا اور کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [1]

’’کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے! اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی انتہائی توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔‘‘

نیز فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ﴾ [2]

’’اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگذر کرتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے اور ایمان والوں اور نیکوکار لوگوں کی دعائیں قبول کرتا اور انھیں اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔‘‘

❁ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ومغفرت کا ذکر کرکے اپنے گناہگار بندوں کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ مجھ سے معافی

---

① التوبۃ 9:104 ② الشوری 42:25-26

مانگ لو، میں تمھارے سارے گناہ معاف کردوں گا۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾[1]

''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے (گناہوں کا ارتکاب کرکے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے! تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ یقیناً وہی تو ہے جو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین میں سے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے بہت زیادہ قتل وغارت اور بدکاری کی تھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ جس بات کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ اچھی ہے لیکن یہ فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری توبہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[2]

اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو مشرکین اور قتل وغارت کرنے والوں کو بھی امید دلاتا ہے کہ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرلیں تو وہ انھیں معاف کردے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا، چہ جائیکہ اس کی وحدانیت کو دل سے تسلیم کرنے والے اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے والے مسلمان اس کی طرف رجوع کریں اور اس سے معافی مانگیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی معاف کردے گا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ تو نصاری کو بھی' جو حضرت عیسی علیہ السلام کو اس کا بیٹا قرار دیتے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک تصور کرتے ہیں' توبہ واستغفار کی ترغیب دلاتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[3]

''بے شک ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین (معبودوں) میں سے ایک ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور اگر وہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا۔ کیا وہ اللہ کے حضور توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے؟ اور

---

① الزمر 39:53 ② تفسیر القرطبی:228/8، ط دار الحدیث القاهرة

③ المائدة5:73-74

اللہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو برائی کا ارتکاب کرے یقین دلاتا ہے کہ اگر وہ استغفار کر کے معافی مانگ لے تو میں "غفور رحیم" ہوں، اسے معاف کر دوں گا۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ①

''جو شخص کوئی برائی کرے یا (گناہ کا ارتکاب کر کے) اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو انتہائی بخشنے والا، بے حد مہربان پائے گا۔''

اور ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہے: «يَاابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ وَلَا أُبَالِي، يَاابْنَ آدَمَ ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِي، يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً» ②

''اے ابن آدم! اگر تو صرف مجھے پکارتا رہے اور تمام امیدیں مجھ سے وابستہ رکھے تو خواہ تم سے جو بھی گناہ سرزد ہوا ہو میں تمہیں معاف کرتا رہوں گا اور میں کوئی پرواہ نہیں کروں گا اور اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم مجھ سے معافی طلب کر لو تو میں تمہیں معاف کر دونگا اور میں کوئی پرواہ نہیں کرونگا اور اگر تو میرے پاس زمین کے برابر گناہ لیکر آئے، پھر تمھاری مجھ سے ملاقات اس حال میں ہو کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے تھے تو میں زمین کے برابر تجھے مغفرت سے نوازوں گا۔''

اور حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا» ③

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت رات کے وقت پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا شخص توبہ کر لے۔ اسی طرح دن کے وقت بھی اپنا دستِ رحمت پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا آدمی توبہ کر لے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔''

---

① النساء4:115 ② سنن الترمذی:3540 وصححه الألبانی

③ صحیح مسلم :2759

❁ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے بے حد خوش ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ، فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ»[1]

''اللہ کا بندہ جب توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی صحراء میں اپنی سواری پر جا رہا ہو، پھر وہ چپکے سے کہیں چلی جائے اور اس پر اُس آدمی کے کھانے پینے کا سامان بھی ہو، پھر وہ اسے تلاش کر کر کے مایوس ہو جائے اور ایک درخت کے سائے تلے آ کر لیٹ جائے اور وہ اپنی سواری سے بالکل مایوس ہو چکا ہو بلکہ اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا ہو] پھر اچانک وہ سواری اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہو جائے اور وہ اس کی نکیل کو تھام لے اور فرطِ مسرت میں اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل جائیں کہ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی شدید خوشی کے عالم میں وہ غلطی کر جائے۔''

یعنی جتنی خوشی اِس آدمی کو سواری کے ملنے پر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اُس وقت ہوتی ہے جب اس کا کوئی گناہگار بندہ توبہ کرتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا استغفار اتنا محبوب ہے کہ اگر وہ اسے ترک کر دیں تو وہ ان کی جگہ پر ایسے لوگوں کو لے آئے جو استغفار کریں اور وہ انھیں معاف کر دے۔

ارشاد نبوی ہے: «وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ، فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ، فَيَغْفِرُ لَهُمْ»[2]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرتے (اور اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگتے) تو اللہ تعالیٰ تمھیں ختم کر کے دوسرے لوگوں کو لے آتا جو گناہ کرتے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے تو وہ انھیں معاف کر دیتا۔''

❁ بسا اوقات اللہ تعالیٰ محض نیتِ توبۂ صادقہ پر ہی انسان کو معاف کر دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم:2747
[2] صحیح مسلم :2749

’’تم سے پہلی امتوں میں ایک شخص نے ننانوے افراد کو قتل کر دیا تھا، پھر اس نے دنیا میں سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو ایک پادری کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی، چنانچہ وہ اس کے پاس آیا اور اسے آگاہ کیا کہ وہ ننانوے افراد کا قاتل ہے تو کیا اس کی توبہ کی کوئی صورت ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

تو اس نے اسے بھی قتل کر ڈالا اور سو کی گنتی پوری کر دی۔

پھر اس نے لوگوں سے دنیا کے کسی اور بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو اسے ایک عالم کے پاس بھیجا گیا۔اس نے اسے بتایا کہ وہ سو افراد کو قتل کر چکا ہے تو کیا اس کی توبہ کی کوئی شکل ہے؟

عالم نے کہا: ہاں، توبہ اور تمھارے درمیان کون حائل ہوسکتا ہے! تم ایسا کرو کہ فلاں علاقے میں چلے جاؤ، وہاں لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرتے رہو اور دیکھنا اپنے علاقے کی طرف مت لوٹنا کیونکہ وہاں برے لوگ رہتے ہیں۔

چنانچہ وہ چل پڑا یہاں تک کہ جب درمیان میں پہنچا تو اس کو موت آگئی، اب اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ دلی طور پر توبہ کرنے کیلئے جا رہا تھا اور اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا: اِس نے تو کبھی خیر کا کوئی کام کیا ہی نہ تھا.

وہ بحث وتکرار کر رہے تھے کہ ایک اور فرشتہ آدمی کی شکل میں آ پہنچا۔ چنانچہ انھوں نے اسے اپنے درمیان فیصل تسلیم کر لیا۔اُس نے کہا:

(قِيْسُوْا مَا بَيْنَ الْأَرْضَيْنِ : فَإِلٰى أَيَّتِهِمَا كَانَ أَدْنٰى فَهُوَ لَهُ)

’’تم دونوں مسافتوں کو ناپ لو۔ (جو اس نے طے کر لی تھی اور جو ابھی طے کرنا تھی) پھر جس کے زیادہ قریب ہو اسی کے مطابق اس کے انجام کا فیصلہ کیا جائے۔‘‘

لہٰذا انھوں نے جب دونوں مسافتوں کو ناپا تو وہ اُس مسافت کے زیادہ قریب تھا جو اس نے ابھی طے کرنا تھی۔اس لئے اس کی روح کو رحمت کے فرشتے لے گئے۔‘‘[1]

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ

(فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى هٰذِهِ : أَنْ تَبَاعَدِيْ ، وَإِلٰى هٰذِهِ : أَنْ تَقَرَّبِي)

’’اللہ تعالیٰ نے اُس زمین کو حکم دیا جسے وہ طے کر چکا تھا کہ تم بڑھ جاؤ، اور جسے اس نے ابھی طے کرنا تھا اس

---

[1] صحیح البخاری:3470، صحیح مسلم :2766

کو حکم دیا کہ تم سمٹ جاؤ۔''

غور کیجئے کہ یہ آدمی سو افراد کا قاتل تھا اور اس نے کبھی خیر کا ایک عمل بھی نہ کیا تھا لیکن چونکہ سچی توبہ کے ارادے سے نکلا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نیت کے مطابق اس کی توبہ قبول کر لی اور اس کی روح کو رحمت کے فرشتوں کے سپرد کر دیا۔

❁ نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ محض توبۂ صادقہ کی نیت کرنے پر ہی اپنے بندے کو معاف کر دیتا ہے بلکہ اس کا بندہ جب ایک طرف اپنے گناہوں کو دیکھے اور دوسری طرف اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف پیدا ہو جائے تو وہ محض اسی بات پر ہی اسے معاف کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک آدمی نے بے انتہا گناہ کئے اور کبھی ایک نیک عمل بھی نہ کیا تھا، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں جب مر جاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ لے کر آدھی خشکی میں اڑا دینا اور آدھی سمندر میں پھینک دینا۔ پس اللہ کی قسم! اگر میرے رب کے پاس قدرت ہوئی تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو اس نے کبھی کسی کو نہ دیا ہو گا۔

چنانچہ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے خشک زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کی راکھ کو ایک جگہ پر جمع کر دے اور اسی طرح سمندر کو بھی یہی حکم دیا کہ وہ اس کی راکھ کو جمع کر دے، بعد ازاں اس نے اسے زندہ کر کے اس سے پوچھا: (لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟) ''تم نے ایسا کیوں کیا؟''

اس نے کہا: (مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ) ''اے میرے رب! محض تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو اس بات کو بخوبی جانتا ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''[1]

❁ اللہ تعالیٰ اس قدر غفور رحیم ہے کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر ہی اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ)[2]

---

① صحيح البخاری:7506 ، صحيح مسلم : 2755

② صحيح البخاری :652، صحيح مسلم :1914

''ایک آدمی ایک راستے پر چل کر جا رہا تھا کہ اس کو راستے پر ایک کانٹے دار ٹہنی ملی، اس نے اسے راستے پر سے ہٹا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس (چھوٹے سے عمل) کی قدر کی اور اس کی مغفرت کر دی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص ایک راستے پر چل کر جا رہا تھا کہ اسے شدید پیاس محسوس ہوئی، اسے ایک کنواں ملا، وہ اس میں اترا اور پانی نوش کر لیا۔

باہر نکلا تو اس نے ایک کتے کو ہانپتے ہوئے دیکھا جو شدید پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا تھا، وہ (اپنے دل میں) کہنے لگا: پیاس نے اس کتے کا برا حال کر رکھا ہے جیسا کہ میرا برا حال تھا۔

پھر وہ دوبارہ کنویں میں اترا، اپنے موزے میں پانی بھرا، اسے اپنے منہ کے ساتھ پکڑ کر اوپر کو چڑھا اور باہر آ کر کتے کو پانی پلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ) ''اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اسے معاف کر دیا۔''①

صحیحین کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک زانیہ عورت نے ایک کتے کو دیکھا جو سخت گرم دن میں ایک کنویں کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا اور شدید پیاس کے عالم میں ہانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا موزا اتارا اور اس کے ذریعے کنویں سے پانی کھینچا، پھر اسے پانی پلایا۔ چنانچہ اُس کے اسی عمل کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا۔②

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ انتہائی قدر دان، نہایت رحم کرنے والا اور بڑا ہی معاف کرنے والا ہے اور اپنے بندوں کے چھوٹے چھوٹے نیک اعمال پر بھی ان کی مغفرت کرنے والا ہے۔

اسی سلسلے کی مزید دو احادیث سماعت کیجئے۔

① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک بندے نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اس نے دعا کرتے ہوئے کہا:

(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي) ''اے اللہ! میرا گناہ معاف فرما۔''

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

(أَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا ، فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ)

''میرے بندے نے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا

---

① صحيح البخاري :2363، صحيح مسلم :2244

② صحيح البخاري:3467، صحيح مسلم:2244

ہے اور اس پر مؤاخذہ بھی کر سکتا ہے۔''

اس کے بعد اس نے ایک اور گناہ کیا، پھر توبہ کرتے ہوئے کہا:

(أَيْ رَبِّ ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي) ''اے میرے رب! میرا گناہ معاف فرما۔''

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا:

(أَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا ، فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ)

''میرے بندے نے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا ہے اور اس پر مؤاخذہ بھی کر سکتا ہے۔''

پھر اس نے ایک اور گناہ کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہوئے کہا:

(أَيْ رَبِّ ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي) ''اے میرے رب! میرا گناہ معاف فرما۔''

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا :(أَذْنَبَ عَبْدِيْ ذَنْبًا ، فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ ، اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ)

''میرے بندے نے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کر سکتا ہے اور اس پر مؤاخذہ بھی کر سکتا ہے، جاؤ اب جو چاہو کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا۔''[1]

اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر تم بار بار گناہ کرتے رہو اور ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرتا رہے گا، گویا اللہ تعالیٰ کی معافی توبہ اور استغفار سے مشروط ہے۔ لہٰذا مسلمان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے تاکہ جب اس کا خاتمہ ہو تو اس حالت میں ہو کہ اس کے رب نے اسے معاف کر دیا ہو۔

④ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ مومن کو روزِ قیامت اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ اس پر پردہ ڈال دے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اعتراف کروائے گا اور کہے گا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے فلاں گناہ کیا تھا؟ وہ کہے گا: ہاں میرے رب! مجھے معلوم ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

(فَإِنِّي قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَإِنِّي أَغْفِرُ هَا لَكَ الْيَوْم)

''میں نے دنیا میں بھی تم پر پردہ پوشی کی تھی اور آج بھی تمھیں معاف کر رہا ہوں۔''

① صحیح البخاری :7507 ، صحیح مسلم :2758

پھر اسے نیکیوں کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا۔اور رہے کفار اور منافقین تو ساری کائنات کے سامنے پکار کر کہا جائے گا: یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا تھا۔''①

شروطِ قبولیتِ توبہ

عزیزان گرامی! اب یہ بھی جان لیجئے کہ سچی توبہ کی کچھ شروط ہیں جن کے بغیر توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں، اور وہ کچھ یوں ہیں:

① اخلاص، جو تمام عبادات کی قبولیت کیلئے پہلی شرط ہے، چنانچہ تائب کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے توبہ کرنی چاہئے، کسی دنیاوی مفاد یا ذاتی مصلحت کے حصول کیلئے نہیں، کیونکہ اگر وہ دنیاوی اغراض ومقاصد کیلئے توبہ کرے گا تو ان کے پورا ہوتے ہی وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے اعراض کرلے گا اور یہ سچی توبہ نہیں بلکہ جھوٹی توبہ ہے۔

② ندامت وشرمندگی، یعنی تائب اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت وشرمندگی کا اظہار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے محبت کرتا ہے جو اعترافِ گناہ کے بعد اس کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ شرمندہ ہو اور اس سے معافی طلب کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا:

«يَا عَائِشَةُ، فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللّٰهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ» ②

''اے عائشہ! مجھے تمھارے بارے میں یہ یہ بات پہنچی ہے، پس اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری بے گناہی ثابت کردے گا۔اور اگر تم نے گناہ کرہی لیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اس کی جناب میں توبہ کرلو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرلیتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے۔''

③ ترکِ معاصی، یعنی تائب معاصی کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلبگار رہو، نہ یہ کہ وہ معاصی بھی کرتا رہے اور ساتھ ساتھ معافی بھی مانگتا رہے، مثلا ایک شخص اپنے سامنے جامِ شراب رکھ لے اور ایک ایک گھونٹ کرکے اس سے شراب نوشی بھی کرتا رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ''أستغفر اللہ'' کا ورد بھی جاری رکھے،

① صحیح البخاری:2441، صحیح مسلم :2768
② صحیح مسلم:2770

یا ایک شخص نے بنک یا کسی اور مالیاتی ادارے میں پیسے محدود منافع پر رکھے ہوئے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سودی لین دین پر اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگتا ہو! یا ایک آدمی بے نماز ہو اور ترکِ نماز پر اصرار کرتے ہوئے وہ اپنے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت بھی طلب کرتا ہو.....تو ایسے لوگوں کی توبہ نا قابل قبول ہے کیونکہ یہ تو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق ہے کہ زبان سے تو معافی مانگ رہے ہیں اور عمل سے انہی گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں جن پر وہ معافی کے طلبگار ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَلْمُسْتَغْفِرُ مِنَ الذَّنْبِ وَهُوَ مُقِيْمٌ عَلَيْهِ كَالْمُسْتَهْزِئِ بِرَبِّهِ»①

''گناہ پر قائم رہتے ہوئے اس سے معافی مانگنے والا شخص ایسے ہے جیسے ایک آدمی اپنے رب کے ساتھ مذاق کر رہا ہو۔''

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾②

''جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں پر معافی طلب کرتے ہیں اور فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔''

یعنی اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے' خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ' تو وہ بلا تاخیر اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب کو یاد کر کے اس سے مغفرت طلب کر لیتے ہیں کیونکہ اس کے سوا اور کوئی نہیں جس سے مغفرت طلب کی جائے اور وہ جان بوجھ کر اپنے گناہوں پر اڑے نہیں رہتے بلکہ انہیں ترک کر کے اپنی اصلاح شروع کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی جزاء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿أُولَئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ﴾③

''یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے۔''

---

① الضعیفة: 616　② آل عمران3: 135　③ آل عمران3: 136

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [1]

''جن لوگوں نے لاعلمی کی بناء پر گناہ کا ارتکاب کیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی، تو یقیناً آپ کا رب ان کیلئے ان کی توبہ کے بعد بڑا معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ ترکِ معاصی اور اصلاحِ نفس توبۂ صادقہ کی بنیادی شرط ہے۔ اسی لئے فضیل بن عیاضؒ ترکِ معاصی کے بغیر استغفار کو کذابین (جھوٹوں) کی توبہ قرار دیتے تھے اور کہا کرتے تھے :(اِسْتِغْفَارٌ بِلَا إِقْلَاعٍ تَوْبَةُ الْكَذَّابِيْنَ)

''گناہ چھوڑے بغیر استغفار کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔''

④ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا

یعنی تائب' توبہ کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں اس بات کا پختہ عہد کرے کہ وہ مستقبل میں ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ نہ صرف پختہ عہد کرے بلکہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے مدد بھی طلب کرے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر وہ کسی برائی سے بچ نہیں سکتا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے :

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي، وَإِذَا أَرَدتَّ فِتْنَةَ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُوْنٍ، أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي إِلَى حُبِّكَ» [2]

''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے نیکیاں کرنے، برائیاں چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق دے اور تو مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم کر۔ اور جب تو لوگوں کو کسی آزمائش میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے اس سے بچاتے ہوئے فوت کر دینا، میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں سے محبت اور تیری محبت کے قریب کرنے والے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔''

اسی طرح آپ ﷺ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے :

(اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَقِنِي سَيِّءَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّءَ الْأَخْلَاقِ، لَا يَقِي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ» [3]

---

① النحل16:119

② سنن الترمذی:3235۔ وصححہ الألبانی

③ سنن النسائی:896۔ وصححہ الألبانی

''اے اللہ! مجھے سب سے اچھے اعمال اورسب سے بہتر اخلاق کی توفیق دے کیونکہ تیرے سوا ان کی توفیق دینے والا کوئی نہیں اور مجھے برے اعمال اور بری صفات سے بچا کیونکہ تیرے سوا ان سے بچانے والا کوئی نہیں۔''

⑤ تائب' توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے توبہ کرے

ہم اِس خطبہ کے آغاز میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی مسلمان سے جیسے ہی گناہ سرزد ہوتو وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اس سے معافی طلب کرے اور توبہ کو مؤخر نہ کرے کیونکہ کسی انسان کے پاس کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ کب تک زندہ رہے گا اور چونکہ اس کی موت کسی بھی لمحے میں واقع ہوسکتی ہے اس لئے اسے موت سے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے فوراً توبہ کرنی چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اُس وقت توبہ کرے جب اس کا دروازہ ہی اس کیلئے بند ہو جائے اور تب اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو رد کردے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ»[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس کی روح حلق میں اٹکنے سے پہلے تک قبول کرتا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بندے کو موت کا فرشتہ نظر آرہا ہو اور اس کی آخری سانس حلق میں اٹکی ہوئی ہو تو اس وقت اس کی توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

بالکل یہی مفہوم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۝وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾[2]

''اللہ کے نزدیک صرف ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو نادانی میں گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، تو اللہ انہی کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا علم والا، بڑی حکمتوں والا ہے اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کر لی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالتِ کفر میں مر جاتے ہیں، انہی لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ جب فرعون نے ڈوبتے ہوئے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿

① الترمذی :3537- صححه الألبانی

② النساء4 :17-18

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴾[۱]

"تو اب ایمان لاتا ہے جبکہ تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کی قبولیت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ تائب' توبہ کا دروازہ بند ہونے سے قبل توبہ کرے اور اس کی ایک صورت تو یہی ہے کہ اس کی موت اس کی آنکھوں کے سامنے ہو اور اس کی روح اس کے حلق میں اٹکی ہوئی ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو، چنانچہ قیامت سے پہلے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس کے بعد کسی کی توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگی۔

ارشاد نبوی ہے:

«مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»[۲]

"جو شخص مغرب سے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔"

⑥ حقوق العباد کی ادائیگی

گناہوں کا تعلق اگر بندوں کے حقوق سے ہو تو ان کی معافی کیلئے شرط یہ ہے کہ انھیں ادا کیا جائے یا اصحاب الحقوق سے انھیں معاف کروالیا جائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو توبۂ صادقہ کی توفیق دے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے

دوسرا خطبہ

استغفار اور سچی توبہ کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان میں سے چند فوائد اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں:

① توبہ واستغفار سے گناہوں کے داغ دھبے دھل جاتے ہیں اور انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے

۔ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ، فَذَلِكَ الرَّيْنُ الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ:﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾»[۳]

"مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے، اس گناہ کو

---

① یونس10:90-91 ② صحیح مسلم:2703

③ سنن الترمذی:3334-حسن صحیح ، سنن ابن ماجة :4244-حسنه الألبانی

چھوڑ دیتا ہے اور معافی مانگ لیتا ہے تو اس کے دل کو دھو دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ گناہ پر گناہ کئے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ تو یہی وہ ''رَین'' (زنگ) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تذکرہ کیا ہے۔

② نہ صرف داغ دھبے دھل جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے شخص کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[1]

مگر جو شخص توبہ کرے، ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔''

③ کثرت سے توبہ کرنے والا آدمی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾[2]

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

④ چونکہ توبہ کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں اس لئے وہ انھیں خوشحال بنا دیتا ہے، انھیں اولاد اور مال عطا کرتا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش نازل کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾[3]

''پس میں (نوح علیہ السلام) نے کہا: تم سب اپنے رب سے معافی مانگ لو، بلا شبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، مال اور بیٹوں سے تمھاری مدد کرے گا، تمھارے لئے باغات پیدا کرے گا اور نہریں جاری کردے گا۔''

⑤ استغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنا عذاب روک لیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾[4]

''اور جب تک وہ مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے، اللہ انھیں عذاب نہیں دے گا۔''

⑥ توبہ واستغفار کرنے والوں کیلئے فرشتے بھی دعائے مغفرت کرتے ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ

---

① الفرقان 25: 70 ② البقرة 2: 222 ③ نوح 71: 10-12 ④ الأنفال 8: 33

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ ①

''جن فرشتوں نے عرش کو اٹھا رکھا ہے اور جو اس کے اردگرد ہیں یہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں، اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے دعائے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو محیط ہے، لہٰذا تُو توبہ کرنے والوں کو معاف کر دے اور انھیں عذاب جہنم سے بچا۔''

⑦ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيْفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا» ②

''خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جو اپنے نامۂ اعمال میں بہت زیادہ استغفار پائے۔''

لہٰذا ہمیں اپنے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار لکھوانا چاہیے.

اور استغفار کے سب سے بہتر الفاظ وہ ہیں جنھیں نبی کریم ﷺ نے سید الاستغفار قرار دیا ہے اور وہ یہ ہیں:

« اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِيْ، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ، وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ» ③

''اے اللہ! تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں، میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف اور اپنے گناہ گار ہونے کا اعتراف کرتا ہوں، لہٰذا تو مجھے معاف کردے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔''

ارشاد نبوی ہے: ''جو شخص اسے شام کے وقت یقین کے ساتھ پڑھ لے اور اسی رات میں اس کی موت آجائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا اور اسی طرح جو اسے صبح کے وقت یقین کے ساتھ پڑھ لے اور اسی دن اس کی موت آجائے تو وہ بھی سیدھا جنت میں جائے گا۔''

اس کے علاوہ یہ الفاظ بھی بہت مفید ہیں:

---

① المؤمن 7:40
② صحيح الجامع:3930
③ صحيح البخاري:6306، 6323

(أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِی لَا إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ قَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِی لَا إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ، غُفِرَ لَہُ وَإِنْ کَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ» ①

''جو شخص یہ دعا پڑھے (میں اُس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے اور میں اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں) تو اسے معاف کردیا جاتا ہے اگرچہ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر کیوں نہ آیا ہو۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کے گناہوں کو معاف کرے اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔ آمین

① سنن أبی داؤد: 1517۔وصححہ الألبانی

رمضان المبارک کا آخری عشرہ

اہم عناصر خطبہ:

① آخری عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت، ② اعتکاف
③ قیام اللیل ④ لیلۃ القدر
⑤ صدقۃ الفطر ⑥ آدابِ عید

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام! رمضان المبارک کا آخری عشرہ نہایت اہم ہے کیونکہ اسی عشرہ میں وہ رات آتی ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس لئے اِس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ دعا کرنی چاہئے اور اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے بار بار معافی مانگتے ہوئے سچے دل سے توبہ کرنی چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

(أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ أَحْيَا لَيْلَهُ ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ ، وَشَدَّ مِئْزَرَهُ)[1]

''جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ رات بھر جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے کمر بستہ ہو کر خوب عبادت کرتے۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا)[2]

''رسول اللہ ﷺ عبادات میں جتنی محنت آخری عشرے میں کرتے تھے اتنی کبھی نہیں کرتے تھے۔''

لہذا ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کے اس طرزِ عمل کو سامنے رکھتے ہوئے اِس عشرہ میں کمر بستہ ہو کر خوب عبادت کرنی چاہئے اور اِن مبارک ایام کا کوئی لمحہ ضائع کئے بغیر ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔

اِعتکاف

آخری عشرہ میں کثرتِ عبادت کی سب سے افضل شکل یہ ہے کہ یہ عشرہ اعتکاف میں گذارا جائے۔ کیونکہ

① صحیح البخاری:2024، صحیح مسلم:1174 ② صحیح مسلم:1175

اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ انسان دنیاوی کاموں سے بالکل منقطع ہو کر صرف باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنے کیلئے مکمل طور پر یکسو ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ بھی یہ عشرہ اعتکاف میں گذارتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ)[1]

''نبی کریم ﷺ رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں گذارتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوت کردیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی بیویاں اعتکاف بیٹھنے لگیں۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

(كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا)[2]

نبی کریم ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف بیٹھتے تھے۔ پھر جب وہ سال آیا جس میں آپ فوت ہوئے تو اُس میں آپ بیس دن اعتکاف بیٹھے۔''

لہٰذا نبی کریم ﷺ کی اِس سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے مسلمان کو آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جس میں وہ دنیاوی کاموں سے بالکل بے نیاز ہو کر بس اللہ تعالیٰ کی طرف ہی متوجہ رہے۔ اُس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھے۔ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرے، نہ صرف تلاوت بلکہ اس میں غور وفکر اور تدبر کرے تاکہ اس سے اسے نصیحت حاصل ہو۔ اپنے تمام گناہوں پر سچے دل سے توبہ کرے۔ بار بار اللہ تعالیٰ کے سامنے آنسو بہائے اور دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی کا سوال کرے۔

معتکف دورانِ اعتکاف مسجد سے باہر دنیاوی کاموں کیلئے تو کیا دینی کاموں کیلئے بھی مت نکلے۔ سوائے ان ضروری کاموں کے جن کیلئے اس کا نکلنا ناگزیر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَّا يَعُودَ مَرِيضًا، وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً، وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً، وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ)[3]

''معتکف کیلئے سنت یہ ہے کہ وہ دورانِ اعتکاف مریض کی عیادت کیلئے نہ جائے، جنازہ کیلئے حاضر نہ ہو،

---

① صحیح البخاري:2026، صحیح مسلم:1172
② صحیح البخاري: 2044
③ سنن أبي داؤد:2473 وصححه الألباني

بیوی کو مت چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے اور کسی کام کیلئے مت نکلے سوائے اُس کے جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔''

اعتکاف کے دوران فرائض پر مداومت کے ساتھ ساتھ نفلی عبادت بھی کثرت سے کرنی چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَ مَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ» [1]

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ سب سے زیادہ میرا تقرب اس چیز کے ساتھ حاصل کرسکتا ہے جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے (یعنی فرائض کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرنا ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کر لیتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کر لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ (یعنی اس کے ان تمام اعضاء کو اپنی اطاعت میں لگا دیتا ہوں) اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں یقیناً اسے پناہ دیتا ہوں۔''

لہٰذا اعتکاف کے دوران فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خاص طور پر نفل نماز کا اہتمام بھی ضرور کرنا چاہیئے۔ اسی طرح وہ شخص جو اعتکاف نہ بیٹھے وہ بھی اِس عشرہ میں کثرت سے نوافل ادا کرے۔ تاہم اِس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ نوافل وہی پڑھے جائیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں۔ مثلاً فرض نمازوں سے پہلے اور ان کے بعد کی سنتیں، نماز چاشت اور قیام اللیل وغیرہ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَوْ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»

---

[1] صحيح البخاري: 6502

"جو مسلمان بندہ ہر دن اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے بارہ رکعات نفل (جو کہ فرض نہیں) ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔یا اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔"

یہ حدیث بیان کرکے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

(مَاتَرَكْتُهُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)[1]

یعنی "میں نے جب سے ان بارہ رکعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے تب سے انہیں کبھی نہیں چھوڑا۔"

ان بارہ رکعات کی تفصیل سنن الترمذی میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ:أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ»[2]

"جو شخص دن اور رات میں بارہ رکعات پڑھتا ہے،اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے: ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو۔مغرب کے بعد دو،عشاء کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو رکعات۔"

نیز حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَافَظَ عَلٰى أَرْبَعِ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ ، وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ»[3]

"جو آدمی ظہر سے پہلے چار رکعات اور اس کے بعد بھی چار رکعات پر ہمیشگی کرتا رہے اسے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔"

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا»[4]

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعات ادا کرتا رہے۔"

---

① صحیح مسلم:728

② سنن الترمذی:415۔ وصححه الألبانی

③ أحمد فی المسند:326/6، سنن أبی داؤد:1269، سنن الترمذی:427وقال:حدیث حسن، سنن النسائی:1814، سنن ابن ماجه:1160، وصححه الألبانی

④ سنن أبی داؤد:1271، سنن الترمذی:430۔ وصححه الألبانی

فرائض سے پہلے اور ان کے بعد کی سنتوں کے علاوہ نماز چاشت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے جس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ صَلّٰی الْفَجْرَ فِیْ جَمَاعَةٍ، ثُمَّ قَعَدَ یَذْکُرُ اللّٰهَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، کَانَتْ لَهُ کَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ»①

''جو شخص نمازِ فجر با جماعت ادا کرے، پھر طلوعِ آفتاب تک بیٹھا اللہ کا ذکر کرتا رہے، پھر دو رکعتیں پڑھے تو اسے یقینی طور پر مکمل حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔''

اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ أَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ، فَکُلُّ تَسْبِیْحَةٍ صَدَقَةٌ، وَکُلُّ تَحْمِیْدَةٍ صَدَقَةٌ، وَکُلُّ تَهْلِیْلَةٍ صَدَقَةٌ، وَکُلُّ تَکْبِیْرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَةٌ، وَیُجْزِیءُ مِنْ ذٰلِكَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰی»②

''تم میں سے ہر شخص کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ کرنا ضروری ہے۔ پس ہر (سبحان اللہ) صدقہ ہے، ہر (الحمد للہ) صدقہ ہے، ہر (لا إله إلا الله) صدقہ ہے اور ہر (الله أکبر) صدقہ ہے اور نیکی کا ہر حکم صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب سے چاشت کی دو رکعات ہی کافی ہو جاتی ہیں۔''

جبکہ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«فِیْ الْإِنْسَانِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مِفْصَلًا، فَعَلَیْهِ أَنْ یَّتَصَدَّقَ عَنْ کُلِّ مِفْصَلٍ بِصَدَقَةٍ»

''ہر انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور اس پر لازم ہے کہ وہ ہر جوڑ کی جانب سے ایک صدقہ کرے۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے نبی! کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: «اَلنَّخَاعَةُ فِیْ الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا، وَالشَّیْءُ تُنَحِّیْهِ عَنِ الطَّرِیْقِ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَکْعَتَا الضُّحٰی تُجْزِئُكَ»③

''مسجد میں پڑی تھوک کو دفن کردو اور راستے پر پڑی چیز کو ہٹا دو۔ اگر تم یہ نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعتیں کافی ہو جائیں گی۔''

---

① سنن الترمذی:586۔وصححه الألبانی
② صحیح مسلم:720
③ سنن أبي داؤد:5242 وصححه الألبانی

قیام اللیل

فرائض سے پہلے اور ان کے بعد کی سنتوں اور اسی طرح نماز چاشت کے علاوہ قیام اللیل کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے۔ آپ ﷺ نے اس دوران ہمیں قیام نہیں کرایا یہاں تک کہ صرف سات روزے باقی رہ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ۲۳ کی رات کو ہمارے ساتھ قیام کیا اور اتنی لمبی قراءت کی کہ ایک تہائی رات گزر گئی۔ پھر چوبیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام نہیں کرایا۔ پھر پچیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام کرایا یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش آج آپ ساری رات ہی ہمیں قیام کراتے!

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

«إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ»

''جو شخص امام کے ساتھ قیام کرے یہاں تک کہ امام قیام ختم کردے تو اس کیلئے پوری رات کے قیام کا اجر لکھا جاتا ہے۔''

پھر چھبیسویں رات گذر گئی اور آپ ﷺ نے قیام نہیں کرایا۔ پھر ستائیسویں رات کو آپ ﷺ نے قیام کرایا اور اپنے گھر والوں اور اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنهن کو بھی بلا لیا اور اتنا لمبا قیام کرایا کہ ہمیں سحری کے فوت ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ ①

اسی طرح حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیئیسویں رات کو تہائی رات تک قیام کیا، پھر پچیسویں رات کو آدھی رات تک کیا اور ستائیسویں رات کو اتنا لمبا قیام کیا کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ شاید آج ہم سحری نہیں کرسکیں گے۔ ②

واضح رہے کہ قیام اللیل کوئی الگ نماز نہیں، نمازِ تراویح بھی قیام اللیل ہی ہے۔ اِس لئے خصوصا آخری عشرہ میں نماز تراویح لمبی پڑھنی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ۲۳، ۲۵ اور ۲۷ کی راتوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لمبی نماز پڑھائی۔

---

① سنن الترمذي:806:حسن صحيح ، سنن أبي داود:1375 ، سنن النسائي:1605 ، سنن ابن ماجه: 1327- وصححه الألباني

② سنن النسائي:1606- وصححه الألباني

قرآن وحدیث میں قیام اللیل کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ متقین کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۞ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ [1]

''وہ رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے۔''

اسی طرح اس کا فرمان ہے:﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۞ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [2]

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ پس کوئی نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے کیا چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ یہ ان کاموں کا بدلہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں نے آپ سے سب سے پہلے جو حدیث سنی وہ یہ تھی:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوْا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ» [3]

''اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو اس وقت نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (اگر یہ کام کرو گے تو) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

اور حضرت ابو مالک الأشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا، وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا، أَعَدَّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ، وَأَلَانَ الْكَلَامَ، وَتَابَعَ الصِّيَامَ، وَأَفْشَى السَّلَامَ، وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ» [4]

''بے شک جنت میں ایسے بالا خانے ہیں کہ جن کا بیرونی منظر اندر سے اور اندرونی منظر باہر سے دیکھا جا

---

[1] الذاریات 51:17-18 [2] السجدة 32:16-17

[3] سنن ابن ماجہ:1334، 3251، سنن الترمذی:2485، 1984 وصححه الألبانی فی الصحیحة:569

[4] مسند أحمد:343/5، ابن حبان(موارد الظمآن):641، سنن الترمذی(عن علی): 2527، وحسنه الألبانی فی صحیح سنن الترمذی وصحیح الجامع:2119

سکتا ہے۔انھیں اللہ تعالیٰ نے اس شخص کیلئے تیار کیا ہے جو کھانا کھلاتا ہو، بات نرمی سے کرتا ہو، مسلسل روزے رکھتا ہو اور رات کو اس وقت نماز پڑھتا ہو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔''

ان آیات اور احادیث کے پیش نظر خصوصا آخری عشرہ میں قیام ضرور کرنا چاہئے اور خصوصا رات کے آخری تہائی حصہ میں دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ، فَيَقُوْلُ:مَنْ يَّدْعُوْنِي فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟مَنْ يَّسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ؟مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ»وفي رواية لمسلم:«فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُضِيْءَ الْفَجْرُ»①

''ہمارا رب' جو بابرکت اور بلند وبالا ہے' جب ہر رات کا آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو وہ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے۔پھر کہتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اسے معاف کردوں؟'' مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ''پھر وہ بدستور اسی طرح رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جائے۔''

لیلۃ القدر

برادرانِ اسلام! رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی اہمیت اِس لیے بھی زیادہ ہے کہ اسی عشرہ میں وہ رات آتی ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۝وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۝لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۝تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ۝سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾②

''بے شک ہم نے یہ (قرآن) لیلۃ القدر یعنی باعزت اور خیر وبرکت والی رات میں اتارا اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے! لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔وہ رات سلامتی والی ہوتی ہے طلوعِ فجر تک۔''

---

① صحیح البخاری:1145، 6321، 7494، صحیح مسلم:758

② القدر97:1-5

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر کی عبادت ہزار مہینوں یعنی تراسی سال چار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے اور یہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ ایک رات کی عبادت پر اللہ تعالیٰ تراسی سال چار مہینوں کی عبادت کا اجر وثواب دیتا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[1]

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلبِ اجر وثواب کی خاطر لیلۃ القدر کا قیام کرے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

یہ رات کب آتی ہے؟ اس کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں جو اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے درمیانے عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے تھے۔ چنانچہ جب اکیسویں رات آتی تو آپ اور آپ کے ساتھ اعتکاف بیٹھنے والے دیگر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ پھر ایک مرتبہ جب اسی طرح اکیسویں رات آئی تو آپ اعتکاف میں ہی رہے اور آپ نے لوگوں سے خطاب کیا اور انھیں' جو کچھ اللہ نے چاہا' احکامات دیئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

«كُنْتُ أُجَاوِرُ هٰذِهِ الْعَشْرَ، ثُمَّ قَدْ بَدَا لِي أَنْ أُجَاوِرَ هٰذِهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَثْبُتْ فِي مُعْتَكَفِهِ، وَقَدْ أُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا، فَابْتَغُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، وَابْتَغُوْهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ »

''میں یہ درمیانہ عشرہ اعتکاف میں گذارتا تھا، پھر مجھے یہ مناسب لگا کہ میں یہ آخری عشرہ اعتکاف میں بیٹھوں۔ لہٰذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف میں تھا وہ اپنی جائے اعتکاف میں ہی رہے اور مجھے یہ رات (لیلۃ القدر) خواب میں دکھلائی گئی تھی پھر وہ مجھے بھلا دی گئی۔ لہٰذا اب تم اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو اور اس کی طاق راتوں میں اسے پانے کی کوشش کرو اور میں نے اپنے آپ کو (خواب میں) دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔''

چنانچہ اُس (اکیسویں) رات میں تیز بارش ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی جائے نماز پر بھی چھت سے پانی کے قطرے گرے اور آپ ﷺ جب صبح کے وقت نماز سے فارغ ہوئے تو میری آنکھوں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کے آثار نمایاں تھے۔[2]

① صحیح البخاری:2014، صحیح مسلم:760 ② صحیح البخاری:2016، صحیح مسلم:1167

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کیلئے اِس مبارک رات کی تعیین کر دی گئی تھی لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ بھلا دی گئی۔ اِس کا سبب ایک اور حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اِس کے بارے میں آگاہ کرنے کیلئے آئے تو آپ نے دیکھا کہ دو مسلمان آپس میں (کسی بات پر) جھگڑا کر رہے ہیں۔ اسی دوران آپ ﷺ کے ذہن سے اُس رات کی تعیین کا علم بھلا دیا گیا۔ ①

شاید اِس رات کے بھلائے جانے میں حکمت یہ ہو کہ اللہ کے بندے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کیلئے اور اس رات کو پانے کیلئے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں۔ واللہ اعلم

اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات میں آتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس سال جب آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ لیلۃ القدر کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا جائے' یہ مبارک رات اکیسویں رات میں آئی تھی۔ اسی طرح اِس حدیث سے لیلۃ القدر کی ایک نشانی بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے بارش کا نازل ہونا۔ یہ نشانی ایک اور حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا ، وَأُرَانِي صُبْحَهَا أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ»

''مجھے لیلۃ القدر دکھلائی گئی پھر مجھے بھلا دی گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس کی صبح کو پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔''

حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تیئیسویں رات میں ہم پر بارش نازل ہوئی اور جب رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور مٹی کے آثار نمایاں تھے۔ ②

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات راتوں میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ ، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ» ③

''میں سمجھتا ہوں کہ تمھارے خواب متفق ہیں اس بات پر کہ یہ رات آخری سات راتوں میں ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اِس رات کو پانا چاہے تو وہ اسے آخری سات راتوں میں پانے کی کوشش کرے۔''

① صحیح البخاری:2023
② صحیح مسلم:1168
③ صحیح البخاری:2015، صحیح مسلم:1165

یہ دونوں احادیث اور ان کے علاوہ دیگر کئی احادیث اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے ۔ تاہم بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان طاق راتوں میں سے ستائیسویں رات میں اِس رات کے آنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے ۔

چنانچہ زر بن حبیش بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص سال بھر قیام کرے وہی لیلۃ القدر کو پا سکتا ہے ! تو انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے ، شاید ان کا مقصد یہ ہوگا کہ لوگ کسی ایک رات پر ہی بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائیں ۔ ورنہ انھیں یقیناً معلوم ہے کہ یہ رات رمضان میں آتی ہے اور آخری عشرہ میں آتی ہے اور ستائیسویں رات کو آتی ہے ۔ پھر انھوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ یہ ستائیسویں رات کو ہی آتی ہے ۔

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کس طرح یہ بات یقین سے کر رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: میں یہ بات اُس نشانی کی بناء پر کہہ رہا ہوں جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کیا تھا کہ اس رات کے گذرنے کے بعد سورج بغیر شعاع کے طلوع ہوتا ہے ۔[1]

جبکہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: «لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ» ''لیلۃ القدر ستائیسویں رات کو ہوتی ہے۔''[2]

بہر حال اگر اِس موضوع پر تمام احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کو پانے کی کوشش آخری عشرہ کی تمام طاق راتوں میں کرنی چاہئے ، خاص طور پر ستائیسویں رات میں اور ان راتوں میں یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہئے :

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»

''اے اللہ ! بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے، تو بہت سخی ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے ۔ لہٰذا مجھے بھی معاف کر دے ۔''

کیونکہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو میں اُس میں کیا پڑھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہی دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی ۔[3]

---

(1) صحیح مسلم: الصیام باب فضل لیلة القدر

(2) سنن أبي داؤد: 1386- وصححه الألباني

(3) سنن الترمذی: 3513 وابن ماجه: 3850- وصححه الألباني

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو آخری عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے اور لیلۃ القدر کو پانے کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

برادران اسلام ! اِس ماہِ مبارک کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ اِس کے اختتام پر صدقۃ الفطر ادا کیا جائے جو نبی کریم ﷺ نے ہر شخص پر فرض قرار دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ)①

''رسول اللہ ﷺ نے فطرانہ فرض کیا، کھجور یا جو کا ایک صاع، غلام پر بھی اور آزاد پر بھی، مرد پر بھی اور عورت پر بھی، اور مسلمانوں میں سے ہر چھوٹے بڑے پر اِس کو فرض قرار دیا اور آپ نے حکم دیا کہ یہ نمازِ عید کیلئے لوگوں کے نکلنے سے پہلے ادا کیا جائے۔''

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے جو فطرانہ فرض کیا وہ کھانے کی اجناس میں سے ایک صاع ہے جس کا وزن تقریبا اڑھائی کلوگرام ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی جنسِ طعام سے ہی فطرانہ ادا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ)②

''ہم فطرانہ ادا کرتے تھے، اناج کا ایک صاع، یا جو کا ایک صاع، یا کھجور کا ایک صاع، یا پنیر کا ایک صاع یا منقی کا ایک صاع۔''

دوسری روایت میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

(كُنَّا نُخْرِجُ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، وَكَانَ طَعَامَنَا

① صحیح البخاری:1503، صحیح مسلم:984

② صحیح البخاری:1506، صحیح مسلم:985

الشَّعِيْرُ وَالزَّبِيْبُ وَالْأَقِطُ وَالتَّمْرُ)①

"ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عید الفطر کے دن جنسِ طعام سے ایک صاع بطور فطرانہ نکالتے تھے اور اُس وقت ہمارا کھانا جو، منقی، پنیر اور کھجور سے تھا۔"

لہٰذا فطرانہ جنسِ طعام سے ہی ادا کرنا چاہئے مثلاً گندم اور چاول وغیرہ۔

صدقۃ الفطر میں حکمت یہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے ایک تو غریب لوگوں کو کھانے کیلئے کچھ مل جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ روزہ کے دوران روزہ دار سے جو لغو اور بے ہودہ اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں ان کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ ، وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ)②

"رسول اللہ ﷺ نے فطرانہ فرض قرار دیا۔ اس سے روزہ دار اُن لغویات اور بے حیائی والے اقوال وافعال کے گناہ سے پاک ہو جاتا ہے جو اس سے دورانِ روزہ صادر ہوتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا بھی مل جاتا ہے۔"

یاد رہے کہ فطرانہ نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی بات کا حکم دیا تھا جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جسے ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ)③

"جو شخص اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کرے تو وہ مقبول زکاۃ ہے اور جو شخص اسے نمازِ عید کے بعد ادا کرے تو وہ عام صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے۔"

آدابِ عید

اس مبارک ماہ کے اختتام پر صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے علاوہ چند دیگر آداب کا بھی مسلمان کو خیال رکھنا چاہئے۔

① ان میں سے پہلا یہ کہ شوال کا چاند دیکھتے ہی عید رات اور یومِ عید کی صبح کو تکبیرات کے بار بار پڑھنے کا

① صحيح البخاري:1510 ② سنن أبي داؤد:1609 وحسنه الألباني ③ أيضا

اہتمام کرنا چاہئے ۔ان تکبیرات کے ذریعے دراصل اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے کہ اس کی توفیق سے ہی اِس ماہِ مبارک کے روزے رکھے، قرآن مجید کی تلاوت کی ، دعائیں کیں ، سچی توبہ کی اور دیگر کئی عبادات سرانجام دیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ①

’’اللہ تعالیٰ تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمھارے لئے تنگی کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور اس نے جو تمھیں ہدایت دی اس پر تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ شکر ادا کرو۔‘‘

② نمازِ عید کیلئے نکلنے سے پہلے غسل کرنا چاہئے اور عمدہ لباس زیبِ تن کر کے خوشبو لگا کر گھر سے نکلنا چاہئے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عید گاہ کو جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔②

③ گھر سے روانگی سے قبل طاق عدد میں کھجوریں کھانا مسنون ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ ۔ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا)③

’’رسول اکرم ﷺ عید الفطر کے دن نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کچھ کھجوریں تناول فرما لیتے اور طاق عدد میں تناول فرماتے۔‘‘

④ عید گاہ کو پیدل جانا اور وہاں سے پیدل واپس آنا مسنون ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيْدِ مَاشِيًا وَيَرْجِعُ مَاشِيًا)④

’’رسول اللہ ﷺ عید کیلئے پیدل جاتے اور پیدل ہی واپس آتے تھے۔‘‘

⑤ نمازِ عید کیلئے گھر والوں کو بھی ساتھ لے جانا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو بھی عید گاہ میں جانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ حتی کہ حیض والی خواتین کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے یہی حکم دیا کہ وہ گھر سے ضرور نکلیں ، تاہم وہ عید گاہ سے باہر بیٹھیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔⑤

---

① البقرۃ2:185 ② الموطأ:باب العمل فی غسل العیدین

③ صحیح البخاری:953 ④ سنن ابن ماجه:1294، 1295 وحسنهما الألبانی

⑤ صحیح البخاری:974، صحیح مسلم:890

⑥ نمازِ عید' عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کو عید گاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے نمازِ عید پڑھاتے پھر لوگوں کے سامنے آتے جو اپنی صفوں میں ہی بیٹھے ہوتے۔ آپ انھیں نصیحت کرتے، انھیں وصیت فرماتے اور احکامات دیتے۔ پھر اگر کوئی وفد روانہ کرنا ہوتا تو اس کے بارے میں فیصلہ کرتے اور اگر کوئی اور حکم جاری کرنا ہوتا تو جاری فرما کر واپس لوٹ جاتے۔ ①

⑦ عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے یہ تکبیرات بار بار پڑھتے رہنا چاہئے:

(اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

نبی کریم ﷺ جب عید الفطر کے دن عید گاہ کو جاتے تھے تو تکبیرات پڑھتے ہوئے جاتے تھے اور نمازِ عید سے فارغ ہونے کے بعد تکبیرات نہیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب گھر سے عید گاہ کی طرف جاتے تھے تو تکبیرات پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ ②

اور عید گاہ میں پہنچ کر جب تک امام نمازِ عید کیلئے صفیں سیدھی کرنے کا حکم نہ دے اس وقت تک یہ تکبیرات بدستور پڑھتے رہنا چاہئے۔

⑧ نمازِ عید سے پہلے اور اس کے بعد کوئی نفل نماز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا) ③

"بے شک نبی کریم ﷺ عید الفطر کے موقعہ پر نکلے تو آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں اور نمازِ عید سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی کوئی نماز نہیں پڑھی۔"

⑨ نمازِ عید سے پہلے اذان اور اس کی اقامت مشروع نہیں ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئی مرتبہ عیدین کی نماز بغیر اذان واقامت کے پڑھی۔ ④

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مبارک ماہ کے روزے مکمل کرنے کی توفیق دے اور انھیں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

---

① صحيح البخاری:956، صحيح مسلم:889
② السلسلة الصحيحة:171
③ صحيح البخاری:989، صحيح مسلم:884
④ صحيح مسلم:887

خطبۂ عید الفطر

اہم عناصر خطبہ:

① عید کس کیلئے؟ ② اتمامِ گنتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر

③ قبولیت کی دعا ④ اعمال صالحہ پر ثبات اور نافرمانیوں سے اجتناب

⑤ ایام عید میں جائز تفریح ⑥ ایامِ عید میں بعض منکرات کا ارتکاب

برادرانِ اسلام! آج عید الفطر کا دن ہے۔ نہایت خوشی اور مسرت کا دن۔

☆ اُس شخص کیلئے خوشی اور مسرت کا دن جس نے رمضان المبارک کے مکمل روزے رکھے اور بغیر شرعی عذر کے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔ کیونکہ اسی شخص کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»①

"جس نے حالت ایمان میں اور اللہ سے حصولِ ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے اس کے سابقہ گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔"

☆ آج کا دن اُس آدمی کیلئے یقیناً خوشی کا دن ہے جو ماہِ رمضان المبارک میں روزے رکھنے کے علاوہ نماز تراویح بھی پابندی سے پڑھتا رہا۔ کیونکہ اسی آدمی کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه»②

"جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور اللہ کی رضا کو طلب کرتے ہوئے رمضان کا قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔"

صیامِ رمضان اور قیامِ رمضان کا اہتمام کرنے والے خوش نصیب بھائیو! پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے آپ کو مغفرت کی خوشخبری سنائی ہے۔ آج کا دن یقیناً آپ کیلئے خوشی کا دن ہے کہ آپ نے روزے بھی رکھے اور تراویح بھی پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے۔

☆ آج اُس شخص کو یقیناً شاداں وفرحاں ہونا چاہئے جس نے لیلۃ القدر کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں جد وجہد کی اور خصوصی طور پر ان راتوں کا قیام کیا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا تھا کہ

① متفق عليه ② صحيح البخاري:37، 2008، صحيح مسلم:759

«مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[1]

''جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلبِ اجر وثواب کی خاطر لیلۃ القدر کا قیام کرے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

☆ یہ دن اُس شخص کیلئے عید کا دن ہے جس نے رمضان المبارک میں سچی توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا۔

☆ آج کا دن مسرت وشادمانی کا دن ہے اُس شخص کیلئے جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر اپنے تمام گناہ معاف کروا لئے۔

اور وہ شخص یقیناً بدنصیب اور بڑا ہی محروم ہے جس نے رمضان المبارک جیسا عظیم مہینہ پایا اور وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی حاصل نہ کر سکا۔

ایک شخص عید کے روز امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ خشک روٹی اور زیتون کھا رہے ہیں۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین اور عید کے روز یہ خشک روٹی؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(يَا هٰذَا لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدَ وَأَكَلَ الثَّرِيْدَ، وَلٰكِنِ الْعِيْدُ لِمَنْ قُبِلَ مِنْهُ بِالْأَمْسِ صِيَامُهُ وَقُبِلَ مِنْهُ قِيَامُهُ وَغُفِرَ لَهُ ذَنْبُهُ، وَشُكِرَ لَهُ سَعْيُهُ، فَهٰذَا هُوَ الْعِيْدُ، وَالْيَوْمَ لَنَا عِيْدٌ وَغَدًا لَنَا عِيْدٌ، وَكُلُّ يَوْمٍ لَا نَعْصِي اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيْهِ فَهُوَ عِيْدٌ)

''اے شخص! عید اس کی نہیں جس نے نیا لباس پہنا اور ثرید (عمدہ کھانا) کھایا، بلکہ عید تو اس کی ہے جس کے روزے قبول ہو گئے، جس کا قیامِ لیل قبول ہو گیا، جس کے گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس کی جدوجہد کی قدر کی گئی اور یہی اصل عید ہے اور ہمارے لئے آج کا دن بھی عید ہے، کل کا دن بھی عید ہے اور ہر ایسا دن جس میں ہم اللہ کی نافرمانی نہ کریں وہ ہمارے لئے عید ہے۔''

اسی طرح عمر بن عبد العزیزؒ کہتے تھے:

لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدَ وَلٰكِنِ الْعِيْدُ لِمَنْ خَافَ يَوْمَ الْوَعِيْدَ

''عید اس کی نہیں جو عمدہ لباس پہن لے بلکہ عید تو اس کی ہے جو قیامت کے دن سے ڈرتا رہے۔''

برادرانِ اسلام! جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے روزے رکھنے، اس کا قیام کرنے اور اس میں تلاوتِ قرآن، دعا اور صدقہ وخیرات وغیرہ کرنے کی توفیق دی انھیں آج اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے

[1] صحیح البخاری:2014، صحیح مسلم:760

کیونکہ وہ یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہی کر سکے۔ اگر اس کی توفیق نہ ہوتی تو یقیناً وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ①

''اللہ تعالیٰ تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمھارے لئے تنگی کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور اس نے جو تمھیں ہدایت دی اس پر تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

اِس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے روزے، ہمارا قیام اور ہماری دیگر عبادات قبول کر لے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ چھ ماہ تک یہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ نصیب فرما۔ پھر جب رمضان المبارک کا مہینہ گذر جاتا تو وہ اس بات کی دعا کرتے کہ اے اللہ! ہم نے اس مہینے میں جو عبادات کیں تو انھیں قبول فرما۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نیک بندوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ ذکر کی ہے کہ وہ عبادت سرانجام دینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی عبادت رد نہ کر دی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۞ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۞ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۞ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۞ أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ ②

''بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے لرزنے والے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اُپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے ہیں اور جو (اللہ کیلئے) جو کچھ دیتے ہیں اسے دیتے ہوئے ان کے دل خائف ہوتے ہیں کہ یقیناً انھیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

اِن آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جو صفات ذکر کی ہیں تمام مومنوں کو چاہئے کہ وہ یہ صفات اختیار کریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عبادت کرتے ہوئے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں کہ وہ اِس عبادت کو رد نہ کر دے اور اسی خوف کی بناء پر وہ اُس سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اِس کو قبول کر لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس آیت ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ کے بارے میں پوچھا کہ کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شراب نوشی اور چوری کرتے

① البقرۃ2:185 ② المؤمنون23:57-61

ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ ، وَهُمْ يَخَافُوْنَ أَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ »[1]

''صدیق کی بیٹی! نہیں اِس سے مراد وہ نہیں بلکہ اِس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ عبادات رد نہ کردی جائیں۔''

عزیزانِ گرامی! بعض لوگ رمضان المبارک میں تو عبادت کرتے ہیں۔ پانچ وقت نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، ذکر اللہ سے اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں اور صدقات وخیرات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ...... لیکن جونہی رمضان المبارک کا مہینہ گذرتا ہے تو وہ اِن میں سے کئی عبادات کو ترک کردیتے ہیں حتی کہ پانچ فرض نمازوں میں بھی غفلت اور سستی برتتے ہیں اور یہ طرزِ عمل بالکل غلط ہے کیونکہ جو اللہ ماہِ رمضان کا رب ہے وہی اللہ شوال اور سال کے دیگر مہینوں کا رب بھی ہے اور ہم جس اللہ تعالیٰ کی رمضان المبارک میں عبادت کرتے ہیں اُسی اللہ تعالیٰ کا ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم موت آنے تک اُس کی عبادت کرتے رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾[2]

''پس اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے اور اس کے حضور سجدہ کرتے رہئے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔''

ان آیات مبارکہ میں اگرچہ خطاب حضرت محمد ﷺ کو ہے لیکن یہ حکم جہاں آپ ﷺ کیلئے ہے وہاں آپ کی امت کیلئے بھی ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ثابت قدم رہے اور رمضان المبارک کا مہینہ گذرنے کے بعد اُس سے انحراف نہ کرے۔

اور نبی کریم ﷺ کو وہی عمل سب سے محبوب تھا جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے اور اس میں انقطاع نہ آنے دے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

(كَانَ أَحَبَّ الدِّيْنِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ)[3]

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سنن الترمذی:3175، سنن ابن ماجہ:4198 وصححہ الألبانی [2] الحجر15:98-99

[3] صحیح البخاری:43، صحیح مسلم:785

«اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا، وَاعْلَمُوْا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ» ①

''تم استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز اس کی طاقت نہیں رکھو گے اور اس بات پر یقین کر لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز پڑھنا ہے اور ایک سچا مومن ہی ہمیشہ وضو کی حالت میں رہتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ عقیدۂ توحید اور عمل صالح پر استقامت اختیار کرنے والے لوگوں کو یوں خوشخبری سناتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ۞نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ۞نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾ ②

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے، پھر اس (عقیدۂ توحید اور عمل صالح) پر جمے رہے ان پر فرشتے (دنیا میں یا موت کے وقت یا قبر میں) اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم (آنے والے مراحل سے) نہ ڈرو اور نہ ہی (اہل وعیال کو چھوڑنے کا) غم کرو اور تم اُس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں تمھارے دوست اور مددگار رہے اور آخرت میں بھی رہیں گے اور وہاں تمھیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی تمھارا نفس خواہش کرے گا اور وہ چیز جس کی تم تمنا کرو گے۔ یہ اُس کی طرف سے تمھاری میزبانی ہوگی جو نہایت معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

لہٰذا عقیدۂ توحید اور عمل صالح پر ثبات کا مظاہرہ کرنا چاہیۓ۔

اور اسکے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیۓ کہ

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ ③

''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد کج روی میں مبتلا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔''

اسی طرح یہ دعا بھی بار بار کرنی چاہیۓ:

(يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ)

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔''

کیونکہ رسول اکرم ﷺ بھی یہ دعا اکثر وبیشتر پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

① سنن ابن ماجہ:277 وصححہ الألبانی ② فصلت 41:30-32 ③ آل عمران 3:8

آپ ﷺ جب میرے پاس ہوتے تو یہ دعا بکثرت پڑھتے ۔ میں نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھ ہی لیا کہ اے اللہ کے رسول ! آپ یہ دعا بہت پڑھتے ہیں ، کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:«يَا أُمَّ سَلَمَة ، إِنَّهُ لَيْسَ آدَمِيٌّ إِلَّا وَقَلْبُهُ بَيْنَ أُصْبُعَيْهِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ ، فَمَنْ شَاءَ أَقَامَ وَمَنْ شَاءَ أَزَاغَ»①

''اے ام سلمہ! ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، پس وہ جس کو چاہے سیدھا رکھے اور جس کو چاہے کج روی میں مبتلا کر دے۔''

عزیزان گرامی ! عمل صالح پر ثبات سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح آپ رمضان المبارک میں فرائض پر پابندی سے عمل کرتے رہے اور نوافل میں بھی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے اسی طرح اب بھی یہی طرزِ عمل جاری رکھیں اور اسے مت چھوڑیں ۔ چنانچہ فرائض میں سب سے پہلے دن اور رات کی پانچ نمازیں ہیں ۔ ان میں کوئی سستی نہ کریں اور پانچوں نمازیں پابندی سے مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرتے رہیں ۔ کیونکہ قیامت کے روز عبادات میں سے سب سے پہلے اسی عبادت کا حساب لیا جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«...... أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ:الصَّلَاةُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهِ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ»

''قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔''

دوسری روایت میں فرمایا:

(يُنْظَرُ فِيْ صَلَاتِهِ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ)

''اس کی نماز میں دیکھا جائے گا، اگر وہ ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائے گا اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو وہ ذلیل وخوار اور خسارے والا ہوگا۔''②

فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نفل نماز کا اہتمام بھی اسی طرح کرتے رہیں جس طرح ماہِ رمضان میں کرتے رہے ۔ خصوصاً فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کی سنت نماز ۔ چاشت کی نماز ۔ اور اسی طرح رات کی نفل نماز جو آپ رمضان المبارک میں تراویح کی شکل میں پڑھتے رہے اسے بھی جاری رکھیں ۔ نبی کریم ﷺ اِس نماز کے

---

① سنن الترمذی:3522 وصححه الألبانی

② رواه الطبرانی فی الأوسط ۔ السلسلة الصحيحة :1358

فوائد ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

«عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ، وَهُوَ قُرْبَةٌ إِلى رَبِّكُمْ، وَمُكَفِّرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَمَنْهَاةٌ لِلْآثَامِ، وَمَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الْجَسَدِ» ①

''تم رات کا قیام ضرور کیا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صلحاء کی عادت تھی اور رات کا قیام اللہ کے قریب کرتا ہے ، گناہوں کو مٹاتا ہے، برائیوں سے روکتا ہے اور جسمانی بیماری کو دور کرتا ہے۔''

اور جیسا کہ آپ رمضان المبارک میں فرض روزے رکھتے رہے اسی طرح اب رمضان المبارک کے بعد نفلی روزے بھی رکھتے رہیں۔ کیونکہ فرض عبادات میں جو کمی کوتاہی رہ جاتی ہے اسے قیامت کے روز نفلی عبادات کے ذریعے پورا کیا جائے گا اور نفلی روزوں میں خاص طور پر شوال کے چھ روزے ہیں جن کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ» ②

''جو شخص رمضان المبارک کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال میں چھ روزے بھی رکھے تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔''

رمضان اور اس کے بعد شوال کے چھ روزوں کو پورے سال کے روزوں کے برابر اِس لئے قرار دیا کہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے ہاں دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ اِس طرح پورے رمضان کے روزے دس ماہ کے روزوں کے برابر ہوئے اور شوال کے چھ روزے ساٹھ دن یعنی دو مہینے کے روزوں کے برابر ہوئے۔

اسی طرح ہر ہفتہ میں جمعرات اور سوموار کے روزے رکھنا بھی مسنون ہے اور اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ اِس کے علاوہ ہر مہینہ میں ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزے رکھنا بھی مستحب ہے۔ ان دنوں کے روزوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر وصیت کی تھی۔

اور جیسا کہ آپ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت پورے اہتمام کے ساتھ کرتے رہے اسی طرح اب رمضان المبارک کے بعد بھی اہتمام سے کرتے رہیں اور مت چھوڑیں۔ ورنہ یہ بات یاد رکھیں کہ قرآن مجید کی تلاوت ، اس میں تدبر اور اس کی تعلیمات پر عمل درآمد کو چھوڑنے والوں کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ قیامت کے روز شکایت کرتے ہوئے فرمائیں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ ③

---

① أحمد والترمذي، صحيح الجامع للألباني: 4079 ② صحيح مسلم: 1164

③ الفرقان 25: 30

''اور رسول ﷺ کہیں گے: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اِس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

لہٰذا اُس دن کی ندامت سے بچنے کیلئے قرآن مجید کو اپنی زندگی کا دستور بنائیں اور اس کی تلاوت کا، اس کو سمجھنے کا اور اس پر عمل کرنے کا پورا اہتمام کریں۔

برادرانِ اسلام! بعض لوگ نہ صرف یہ کہ رمضان المبارک کے بعد عبادات کو ترک کر دیتے ہیں بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ وہ اُن برائیوں کی طرف واپس پلٹ جاتے ہیں جن پر وہ رمضان المبارک سے پہلے قائم تھے اور یہ طرزِ عمل بھی نہایت خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ①

''پس آپ راہِ حق پر قائم رہئے جیسا کہ حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا ہے اور تم لوگ سرکشی نہ کرو۔ بے شک وہ (اللہ) تمھارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھ توبہ کرنے والے تمام مومنوں کو حکم دیا ہے کہ تم سب اسی طرح اللہ کے دین پر قائم رہو جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ پھر اُن لوگوں کو سرکشی سے منع فرمایا ہے جو دینِ الٰہی پر قائم رہنے کی بجائے اس سے انحراف کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے سرکش ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے غافل ہے، بلکہ وہ ان کی ہر ہر حرکت اور تمام افعال کو دیکھ رہا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! رمضان المبارک کے بعد برائیوں کی طرف واپس لوٹ جانا اُس عہد کی خلاف ورزی ہے جو آپ نے اِس مبارک مہینہ کے دوران کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کیا اور بار بار توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کرتے رہے کہ ہم ان گناہوں کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے، ہم ان برائیوں کا ارتکاب دوبارہ نہیں کریں گے اور تیرے احکامات پر عمل اور تیری نافرمانی سے اجتناب کرتے رہیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیجئے اور راہِ راست پر قائم رہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ ②

''اور جب اللہ سے عہد و پیمان کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم نے اس پر اللہ کو گواہ بنایا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے افعال کو خوب جانتا ہے۔''

① هود 112:11
② النحل 91:16

یادرکھو! نیکیوں کے بعد برائیوں کا ارتکاب کرنا اور پھر سچے دل سے توبہ نہ کرنا اپنی نیکیوں کو خود اپنے ہاتھوں ضائع کرنے کے مترادف ہے اور ظاہر ہے کہ وہ شخص عقلمند نہیں جو اپنی محنت پر خود ہی پانی پھیر دے اور جو اپنی جدو جہد کو خود ہی خاک میں ملا دے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا﴾ ①

''اورتم لوگ اُس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا دھاگہ مضبوط کاتنے کے بعد ریزہ ریزہ کر ڈالا۔''

یعنی ایک عورت دن رات محنت کر کے دھاگہ تیار کرے، پھر خود ہی اسے اپنے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ضائع کر دے تو اسے کون عقلمند کہے گا ؟ سب لوگ اسے بے وقوف ہی قرار دیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اُس عورت کی طرح بننے اور اپنی نیکیوں کو برائیوں کا ارتکاب کر کے خود اپنے ہاتھوں ضائع کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں تمام برائیوں سے بچنے کی توفیق دے۔

ایامِ عید میں تفریح

عید کے موقعہ پر تفریح جائز ہے بشرطیکہ دورانِ تفریح کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو۔لہٰذا مسلمانوں کو اِس موقعہ پر اپنے اہل وعیال، اقرباء اور دوست احباب کے ساتھ مل کر خوشی کا اظہار شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس اُس وقت انصار کی نوخیز لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں تھیں جو ان اشعار کے ساتھ گا رہی تھیں جو 'بعاث' کے دن انصار نے پڑھے تھے اور حقیقت میں وہ گانے والی نہ تھیں۔ یہ عید کا دن تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

(أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟)

''کیا رسول اکرم ﷺ کے گھر میں شیطان کی آواز گونج رہی ہے؟''

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:(يَا أَبَا بَكْر ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا)

''ابو بکر! ہر قوم کا ایک تہوار ہوتا ہے اور یہ ہمارا تہوار ہے۔''②

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جن دنوں رسول اکرم ﷺ منیٰ میں

---

① النحل 92:16 ② صحیح البخاری:454، صحیح مسلم:892

ٹھہرے ہوئے تھے اُسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور اُس وقت دونو خیز لڑکیاں دف بجاتے ہوئے گا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے ۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی ۔ تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور فرمایا:

«دَعْهُمَا یَا أَبَا بَکْرٍ فَإِنَّهَا أَیَّامُ عِیْدٍ»

''ابو بکر! انھیں چھوڑ دو (اور مت روکو) کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں ۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عید کے دن کچھ حبشی لوگ مسجد میں آئے اور بعض حربی آلات کے ساتھ کھیل پیش کرنے لگے ۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر تشریف لائے اور خود بھی ان کے کھیل کا مشاہدہ کیا اور مجھے بھی آپ نے بلا لیا ۔ میں آئی تو آپ نے مجھے اپنی چادر کی اوٹ میں کر دیا تاکہ میں پردے میں کھڑی ہو کر ان کے کھیل کا مشاہدہ کر سکوں ۔ لہٰذا میں نے آپ کے کندھوں پر اپنا سر رکھا اور ان کے کھیل کو دیکھنے لگی ۔ پھر جب میں خود کھیل دیکھتے دیکھتے اکتا گئی تو آپ نے پوچھا: کافی ہے؟ میں نے کہا: ہاں ۔ تو آپ نے فرمایا: اب تم چلی جاؤ ۔[1]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ایامِ عید میں اس طرح کی تفریح جائز ہے تاہم تفریح اور خوشی کے نام پر یہ قطعا درست نہیں کہ موسیقی اور گانے وغیرہ سنے جائیں اور ٹی وی کی سکرین پر یا سینما گھروں میں جا کر فلمیں اور ڈرامے وغیرہ دیکھے جائیں ۔ کیونکہ گانے اور آلاتِ موسیقی سب حرام ہیں اور فارغ اوقات کو ان چیزوں میں گذارنا بہت بڑا گناہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن یَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَن سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَیَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۝ وَإِذَا تُتْلَى عَلَیْهِ آیَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ یَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِیْ أُذُنَیْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِیْمٍ﴾[2]

''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی بات خرید لیتا ہے تاکہ بغیر سمجھے بوجھے اللہ کے بندوں کو اس کی راہ سے بھٹکائے اور اس راہ کا مذاق اڑائے ۔ ایسے لوگوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو مارے تکبر کے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں ، گویا کہ اس کے دونوں کان بہرے ہیں ۔ لہٰذا آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ۔''

---

[1] صحیح البخاری:454، صحیح مسلم:892 [2] لقمان31:6-7

اس آیت کریمہ میں ﴿لهو الحديث﴾ سے مراد گانا اور موسیقی ہے جیسا کہ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو قسم کھا کر کہا کہ ﴿لهو الحديث﴾ سے مراد گانا ہی ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی گانے سنتا اور سناتا ہو یا رقص وسرور کی محفلوں میں شرکت کرتا ہو یا گھر میں بیٹھ کر ایسی محفلوں کا نظارہ کرتا ہو اس کیلئے اِس آیت کے مطابق رسوا کن عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ

اسی طرح حضرت ابو مالک الأ شعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ وَيُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، يُعْزَفُ عَلٰى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ »[1]

’’میری امت کے کچھ لوگ ضرور بالضرور شراب نوشی کریں گے اور شراب کا نام کوئی اور رکھ لیں گے۔ ان کے سروں کے پاس آلاتِ موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور انہی میں سے کئی لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔‘‘

اِس حدیث میں نہایت سخت وعید ہے ان لوگوں کیلئے جو رقص وسرور کی محفلوں میں شریک ہوتے یا ایسی محفلوں کو ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرین پر دیکھتے ہیں۔

اور حضرت ابو عامر یا ابو مالک ۔ الأ شعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيْرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ»[2]

’’میری امت میں ایسے لوگ یقیناً آئیں گے جو زنا، ریشم کا لباس، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔‘‘

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کئی لوگ ان چار چیزوں کو حلال تصور کر لیں گے حالانکہ یہ دینِ اسلام میں حرام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں اور جہاں تک گانوں کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے نہ صرف گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ کئی ’’روشن خیال‘‘ لوگوں نے اس کے جواز کے فتوے بھی جاری کر دیئے ہیں اور ایسا انھوں نے کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ عام لوگوں کا رجحان دیکھ کر اور اپنی خواہشِ نفس کو پورا کرنے کیلئے کیا ہے اور اس کیلئے انھوں نے بعض اہل علم کے کمزور اقوال کا سہارا لینے کی کوشش اور ابن حزم کی تقلید کرتے ہوئے صحیح بخاری کی اِس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی نا مشکور کی ہے۔ جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ گانا اور موسیقی حرام ہے۔ اِس کی

[1] سنن ابن ماجه:4020۔ وصححه الألباني

[2] صحيح البخاري:5590

حرمت کے جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں وہ یقینی طور پر ہر سمجھدار آدمی کیلئے کافی ہیں، ان کے علاوہ ایک اور دلیل بھی پیشِ خدمت ہے جس میں پوری صراحت کے ساتھ ڈھول وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»①

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جوا اور ڈھول کو حرام کر دیا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

ان واضح ترین دلائل کے بعد اب کسی کے ذہن میں شک نہیں رہنا چاہئے اور اِس بات پر یقین کر لینا چاہئے کہ گانا اور موسیقی حرام ہے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ''روشن خیال'' لوگوں کے اسی فتوی کی بناء پر اب بہت سارے لوگ موسیقی کو دل بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے ایک اور پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے عام ہو جائیں گے اور شراب نوشی کو حلال تصور کر لیا جائے گا تو اُس وقت اللہ کا سخت عذاب نازل ہوگا۔ جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَيَكُوْنُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ، قِيْلَ: وَمَتٰى ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ»②

''آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسایا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔''

اسلامی بھائیو! گانا بجانا کیسے جائز اور مباح ہو سکتا ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ نے گانے بجانے کی آواز کو ملعون قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيْبَةٍ»③

''دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں: خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز اور مصیبت کے وقت رونے

① سنن أبی داؤد:3696 وصححه الألبانی ② صحیح الجامع للألبانی:3665

③ صحیح الجامع للألبانی:3695

کی آواز۔''

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول گانا نفاق پیدا کرتا ہے:

(اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ)①

''گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ ایام عید میں خوشی کا اظہار ضرور کریں مگر جو دلائل ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں ان کے پیشِ نظر گانا اور موسیقی وغیرہ سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

ایامِ عید میں بعض منکرات کا ارتکاب

برادران اسلام! خاص طور پر ایامِ عید کے دوران بعض منکرات دیکھنے میں آتے ہیں جن پر تنبیہ کرنا ضروری ہے۔ان منکرات میں سے چند ایک یہ ہیں:

① کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اور تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا

بہت سارے لوگ ایام عید میں جو لباس پہنتے ہیں وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہوتا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

« ثَلاثَةٌ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یَنْظُرُ إِلَیْهِمْ ، وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ »

''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین بار کہے۔تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ یقیناً ذلیل وخوار ہونگے اور خسارہ پائیں گے۔یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ ، وَالْمَنَّانُ ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْکَاذِبِ »②

''اپنے تہ بند کو نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« مَا أَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِی النَّارِ »③

---

① قال الألبانی فی تحریم آلات الطرب، ص 13: إسناده جید
② صحیح مسلم:106
③ صحیح البخاری:5787

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہے۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا جو کپڑا بھی نیچے پہنا ہوا ہو، شلوار ہو یا چادر، پائجامہ ہو یا پینٹ، اسے ٹخنوں سے اوپر ہی رکھنا چاہئے نیچے نہیں لٹکانا چاہئے خواہ تکبر نہ بھی ہو اور اگر اس کے ساتھ ساتھ تکبر بھی ہو تو یہ اور زیادہ سنگین گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »[۱]

''ایک آدمی اپنے تہ بند کو گھسیٹ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دھنسا دیا۔ پس وہ قیامت تک زمین کی گہرائی میں نیچے جاتا رہے گا۔''

ایک اور روایت میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ، إِذَا خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ »[۲]

''ایک آدمی اپنے لمبے لمبے بالوں کو کنگھی کئے ہوئے خوبصورت لباس میں چل رہا تھا اور خود پسندی میں مبتلا تھا، اسی دوران اچانک اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ پس وہ قیامت تک زمین کی گہرائی میں جاتا رہے گا۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾[۳]

''اور لوگوں (کو حقیر سمجھتے ہوئے اور اپنے آپ کو بڑا تصور کرتے ہوئے) ان سے منہ نہ موڑنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

تکبر اس قدر بڑا گناہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر پایا جاتا ہو اور وہ اُس سے توبہ کئے بغیر مر جائے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ »

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر تھا۔''

ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! بے شک ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کا جوتا

---

[۱] صحیح البخاری:5790 [۲] صحیح البخاری:5789، صحیح مسلم:2088

[۳] لقمان18:31

خوبصورت ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»[1]

’’بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔‘‘

لہٰذا ایامِ عید کی خوشی میں بڑائی اور فخر وغرور کی ملاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ لوگوں سے خندہ پیشانی اور عاجزی وانکساری کے ساتھ میل ملاقات رکھنی چاہئے اور اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور دوست احباب کے ساتھ اظہارِ محبت کرنا چاہئے۔

② داڑھی منڈوانا یا اسے چھوٹا کرانا

بہت سارے لوگ عام طور پر بھی داڑھی منڈواتے یا اسے چھوٹا کراتے ہیں اور عید کے موقعہ پر تو اِس کا اور زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ ، وَفِّرُوا اللِّحٰى ، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»[2]

’’تم مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو چھوٹا کرو۔‘‘

دوسری روایت میں فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ ، وَأَرْخُوا اللِّحٰى ، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ»[3]

’’تم مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ۔ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔‘‘

جبکہ آج کل بہت سارے مسلمان رسول اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے بالکل برعکس مونچھیں بڑی بڑی رکھ لیتے ہیں اور داڑھی یا منڈوا دیتے ہیں یا اسے چھوٹا کرا دیتے ہیں اور یوں وہ مشرکین اور مجوس کی موافقت کرتے ہیں جن کی مخالفت کرنے کا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔

③ غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا

بہت سارے لوگ خصوصا ایام عید میں جب ایک دوسرے کے گھر میں جاتے ہیں تو غیر محرم عورتوں سے

---

① صحیح مسلم: 91 ② صحیح البخاری: 5892، 5893، صحیح مسلم: 259

③ صحیح مسلم: 260

مصافحہ کرتے اور مبارکباد کا تبادلہ کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دین اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَأَنْ يُّطْعَنَ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّمَسَّ امْرَأَةً لاَ تَحِلُّ لَهُ» ①

''تم میں سے کسی ایک کے سر میں لوہے کی سوئی کو چبھویا جائے تو یہ اُس کیلئے اِس سے بہتر ہے کہ وہ اُس عورت کو ہاتھ لگائے جو اُس کیلئے حلال نہیں۔''

اسی لئے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورتوں سے بیعت لی تو وہ زبانی بیعت تھی، اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا تھا۔ ②

④ غیر محرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات کرنا

خصوصا ایامِ عید میں کئی لوگ غیر محرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات کرتے ہیں جبکہ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سے منع کیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ »

''تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کیا کرو۔''

تو ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اَلْحَمْو یعنی خاوند کے بھائی (دیور) کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: « اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ » ''دیور موت ہے۔'' ③

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ» ④

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ ہرگز خلوت میں نہ جائے، ہاں اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو ٹھیک ہے اور اسی طرح کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

---

① السلسلة الصحيحة للألباني:226 ② صحيح مسلم:1866

③ صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة:5232، صحيح مسلم، الأدب:2083

④ صحيح البخاري، الحج، باب حج النساء:2862، صحيح مسلم، الحج:1341

⑤ عورتوں کا بے پردہ ہو کر گھومنا

خصوصاً ایامِ عید میں بہت ساری خواتین گھروں سے بے پردہ ہو کر نکلتی ہیں۔ خوب سج دھج کے ساتھ بازاروں، مارکیٹوں اور سیاحت گاہوں میں آتی جاتی ہیں اور بہت سارے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اور اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے اِس سے منع کیا ہے اور خواتین اسلام کو بغیر پردہ کے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ....﴾①

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار مت کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهَا وَهِيَ فِي قَعْرِ بَيْتِهَا»②

''خاتون ستر (چھپانے کی چیز) ہے۔ اس لئے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔''

بے پردہ ہو کر اور نیم برہنہ لباس پہنے ہوئے گھروں سے نکلنے والی خواتین کو رسول اکرم ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ، وَرُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا»③

''دو قسم کے جہنمیوں کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس گائے کی دموں کی مانند کوڑے ہونگے جن سے وہ لوگوں کو ہانکیں گے اور دوسری وہ خواتین ہیں جو ایسا لباس پہنیں گی کہ گویا برہنہ معلوم

① الأحزاب 33:33

② ابن حبان:5599:413/12 وصحح إسناده الأرناؤط، وأخرج الجزء الأول منه الترمذي:1773 وصحح إسناده الشيخ الألباني في المشكاة: 3109

③ صحيح مسلم، الجنة باب النار يدخلها الجبارون:2128

ہونگی۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف لبھانے والی اور خود ان کی طرف مائل اور فریفتہ ہونے والی ہونگی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی مانند ایک طرف جھکے ہونگے۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہونگی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو تو بہت دور سے محسوس کی جائے گی۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ اِسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْقَوْمِ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ»①

''جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گذرے تاکہ وہ اس کی خوشبو کو محسوس کر سکیں تو وہ بدکار عورت ہے۔''

⑥ اقرباء اور فقراء ومساکین کے حقوق کا خیال نہ رکھنا

بہت سارے لوگ ایام عید کے دوران خوب کھاتے پیتے، زرق برق لباس پہنتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے رشتہ داروں اور فقراء ومساکین کو بھول جاتے ہیں۔ جبکہ اسلام ہمیں اِس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ ہم ان خوشیوں میں اقرباء اور فقراء ومساکین کو بھی شامل کریں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»②

''تم میں سے کوئی شخص (کامل) ایمان والا نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

اور صلہ رحمی کی فضیلت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»③

''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں فراوانی اور اس کے اجل (موت) میں دیر ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

---

① سنن أبي داؤد، الترجل، باب في طيب المرأة:4167، سنن الترمذي، الإستئذان، باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة:2937، سنن النسائي، الزينة، باب ما يكره للنساء من الطيب:5126- وحسنه الألباني

② صحيح البخاري:13، صحيح مسلم:45

③ صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم:5986، صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم:2557

صلہ رحمی کے بارے میں بہت سارے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ان کے رشتہ داران سے صلہ رحمی کریں تو ان کو بھی اُن سے کرنی چاہیئے حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط ہے اور صلہ رحمی کا درست مفہوم یہ ہے کہ اگر رشتہ دار قطع رحمی کریں تو ان سے صلہ رحمی کی جائے، اگر وہ بدسلوکی کریں تو ان سے اچھا سلوک کیا جائے اور اگر وہ نہ دیں تو تب بھی انہیں دیا جائے۔ الغرض یہ کہ رشتہ دار صلہ رحمی کریں، یا نہ کریں دونوں صورتوں میں اپنی طاقت کے مطابق انسان اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا رہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»

’’صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جس سے قطع رحمی کی جائے تو پھر بھی وہ صلہ رحمی کرے۔‘‘[1]

لہذا عید کی خوشیوں میں اقرباء اور فقراء ومساکین کو بھی شریک کرنا چاہیئے۔

برادران اسلام!

آخر میں آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت مبارکہ کی یاددہانی کرا دیں اور وہ ہے عید کی نماز کے بعد راستہ تبدیل کرکے واپس جانا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِي طَرِيْقٍ رَجَعَ فِي طَرِيْقٍ آخَرَ)[2]

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن نکلتے تھے تو ایک راستے سے جاتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس لوٹتے تھے۔‘‘

لہذا جس راستہ سے آئے تھے اُس سے نہیں بلکہ دوسرے راستہ سے واپس جائیں اور عید کی خوشیوں میں ایک دوسرے کو شریک کریں۔ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دیں اور (تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ) کے الفاظ کے ساتھ عبادات کی قبولیت کی دعاؤں کا تبادلہ کریں جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے۔

حضرت جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ

(كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا الْتَقَوْا يَوْمَ الْعِيْدِ يَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ)[3]

---

① صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافئ: 5991

② سنن الترمذي: 541 وصححه الألباني ③ ذكره الحافظ في فتح الباري: 446/2

''رسول اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب عید کے روز ملتے تھے تو وہ ایک دوسرے کو یوں کہا کرتے تھے: (تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ) اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے قبول کرے۔''

اللہ تعالیٰ سب کی عبادات قبول فرمائے اور انھیں ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

ماہِ ذوالقعدہ کے خطبات

❶ فضائل حرمین شریفین

❷ احکام وآدابِ حج (۱)

❸ احکام وآدابِ حج (۲)

فضائلِ حرمین شریفین

اہم عناصرِ خطبہ:

☆ مکہ مکرمہ کے فضائل ☆ مدینہ منورہ کے فضائل

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام! ان دنوں کئی خوش نصیب لوگ حج بیت اللہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ان حضرات کو اور ہم سب کو حج مبرور نصیب فرمائے اور ہمیں بار بار حرمین شریفین کی زیارت کا موقع عطا کرے۔ آمین

آج کے خطبۂ جمعہ میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کے بعض فضائل ذکر کریں گے۔ جبکہ آئندہ خطبۂ جمعہ میں حج کی فرضیت اور اس کے فضائل ومسائل کا تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔

سب سے پہلے ہم فضائلِ مکہ مکرمہ ذکر کرتے ہیں کیونکہ حج کے تمام مناسک مکہ مکرمہ میں ہی ادا کئے جاتے ہیں اور مکہ مکرمہ ہی روئے زمین پر سب سے افضل شہر ہے اور یہی شہر اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہے۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے افضل رسول حضرت محمد ﷺ کو اسی شہر میں پیدا فرمایا اور اسی میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی اہمیت وفضیلت کے پیشِ نظر اس کی قسم اٹھائی:

﴿وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ ①

اور فرمایا: ﴿ لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴾ ②

اور حضرت عبد اللہ بن عدی بن حمراء الزہری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ (الحَزْوَرَة) مقام پر کھڑے ہوکر (مکہ مکرمہ کو مخاطب کر کے) یہ فرما رہے تھے: «وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْ لَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ» ③

''اللہ کی قسم! تم اللہ کی بہترین اور اس کو سب سے محبوب زمین ہو اور اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔''

جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو مخاطب ہو کر یوں فرمایا: «مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ، وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَلَوْ لَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ» ④

''تو کتنا اچھا شہر ہے اور مجھے کتنا محبوب ہے! اور اگر میری قوم مجھے تجھ کو چھوڑنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تیرے علاوہ کسی اور زمین پر سکونت اختیار نہ کرتا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے متعلق دعا کی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان کیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۞ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ ⑤

---

① التين 95:4 ② البلد 90:1 ③ سنن الترمذي: 3925 وصححه الألباني

④ سنن الترمذي: 3926 وصححه الألباني ⑤ إبراهيم 14:35-37

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دعا کی تھی: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو پرامن بنا دے اور مجھے بھی اور میری اولاد کو بھی (اس بات سے) بچائے رکھنا کہ ہم بتوں کی پوجا کریں۔ میرے رب! ان بتوں نے تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، لہٰذا جس نے میری پیروی کی وہ یقیناً میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی سو تو معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے قابلِ احترام گھر کے پاس ایسی وادی میں لا بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں کھانے کو پھل مہیا فرما تاکہ وہ شکر ادا کریں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کو پرامن شہر بنانے کی دعا فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امن موجود ہو تو اللہ تعالیٰ کی عبادت انتہائی اطمینان کے ساتھ ہو سکتی ہے اور اگر امن موجود نہ ہو تو ہر وقت اضطراب اور خوف کی کیفیت طاری رہتی ہے جس سے عبادات میں یکسوئی نصیب نہیں ہوتی ...اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنی کچھ اولاد کو اس بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ لہٰذا اے اللہ! تو بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔ شاید اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ تقریباً ہر مسلمان کے دل میں اس شہر کی محبت ہے اور ہر مسلمان بار بار اس کی زیارت کا خواہشمند ہے .... یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث ذکر کی جائے جس میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کچھ اولاد کو مکہ مکرمہ میں کیسے لا بسایا؟ تو لیجئے وہ حدیث سماعت فرمائیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ نے کمر پٹہ باندھا تاکہ حضرت سارہ ان کا سراغ تک نہ پائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے (اسماعیل علیہ السلام) کو وہاں سے نکال لائے۔ اُس وقت حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں بیت اللہ کے پاس مسجد الحرام کی بلند جانب 'جہاں آبِ زمزم ہے' ایک بڑے درخت تلے بٹھا دیا۔ اُس وقت نہ وہاں کوئی آدمی آباد تھا اور نہ ہی پانی تھا۔ آپ انھیں ایک تھیلہ کھجور کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دے کر چلے آئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے آئیں اور پوچھا: ابراہیم! ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ پانی ہے؟ حضرت ہاجرہ نے کئی بار یہ بات پوچھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پھر کہنے لگیں:

(آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ تو وہ

کہنے لگیں: (إِذَنْ لَا يُضَيِّعَنَا) اچھا، پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔پھر وہ واپس آ گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے چل کر جب ایک ٹیلے پر پہنچے جہاں سے انھیں دیکھ نہ سکتے تھے۔انھوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی

﴿رَبَّنَا إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ....﴾

حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو اپنا دودھ اور یہ پانی پلاتی رہیں حتی کہ پانی ختم ہو گیا۔ تو وہ خود بھی پیاسی اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا۔ بچے کو دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے۔آپ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور آپ چل دیں۔ دیکھا کہ صفا پہاڑی ہی آپ کے قریب ہے۔اس پر چڑھیں، پھر وادی کی طرف آ گئیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ کوئی آدمی نظر آئے مگر کوئی نظر نہ آیا۔آپ صفا سے اتر آئیں حتی کہ وادی میں پہنچ گئیں۔اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور ایک مصیبت زدہ آدمی کی طرح دوڑنے لگیں۔ یہاں تک کہ وادی طے کر لی اور مروہ پہاڑی پر آ گئیں اور مروہ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے؟ مگر انھیں کوئی نظر نہ آیا۔اسی کیفیت میں انھوں نے سات چکر لگائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «فَذَلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا»

''لوگ صفا و مروہ کے درمیان جو سعی کرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے۔''

اور جب وہ ساتویں چکر میں مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی۔انھوں نے اپنے آپ سے کہا: خاموش رہو (بات سنو) پھر کان لگایا تو وہی آواز سنی۔کہنے لگیں: میں نے تیری آواز سنی، کیا تو کچھ ہماری مدد کر سکتا ہے؟ آپ نے اسی وقت زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی یا اپنا پر زمین پر مار کر اسے کھود ڈالا تو پانی نکل آیا۔حضرت ہاجرہ اسے حوض کی طرح بنانے لگیں اور اپنے ہاتھ سے منڈیر باندھنے لگیں اور چلوؤں سے پانی اپنے مشکیزہ میں بھرنے لگیں۔جب وہ چلو سے پانی لیتیں تو اس کے بعد جوش سے پانی نکل آتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ ـ أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا»

''اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے! اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں (یا فرمایا) اس سے چلو چلو پانی نہ لیتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔''

چنانچہ حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔فرشتے نے ان سے کہا: تم جان کی فکر نہ کرو، یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ بچہ اور اس کا باپ اسے تعمیر کریں گے۔اُس وقت کعبہ گر کر زمین سے اونچا ٹیلہ بن چکا تھا

اور برسات کا پانی اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد وہاں جرہم قبیلہ کے لوگ یا ان کے گھر والے (کداء) کے راستے سے آرہے تھے، وہ ادھر سے گزرے اور مکہ کے نشیب میں اترے۔ انھوں نے وہاں ایک پرندہ گھومتا دیکھا تو کہنے لگے: یہ پرندہ ضرور پانی پر گردش کر رہا ہے، ہم اس میدان سے واقف ہیں، یہاں کبھی پانی نہیں دیکھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک دو آدمی بھیجے، انھوں نے پانی موجود پایا تو واپس جا کر انھیں پانی کی خبر دی تو وہ بھی آ گئے۔ حضرت ہاجرہ وہیں پانی کے پاس بیٹھی تھیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا ہمیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دیں گی؟ حضرت ہاجرہ نے کہا: ہاں لیکن پانی میں تمھارا حق نہیں ہوگا۔ وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام اسماعیل خود بھی یہ چاہتی تھیں کہ انسان وہاں آباد ہوں۔''

چنانچہ وہ وہاں اتر پڑے اور اپنے گھر والوں کو بھی بلا بھیجا۔ جب وہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور انہی لوگوں سے عربی سیکھی تو ان کی نگاہ میں وہ بڑے اچھے جوان نکلے۔ وہ ان سے محبت کرتے تھے اور اپنے خاندان کی ایک عورت ان کو بیاہ دی۔ پھر ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیوی بچے کو دیکھنے آئے، اس وقت اسماعیل علیہ السلام خود گھر پر نہ تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے ان کے متعلق پوچھا، وہ کہنے لگیں: روزی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے گذر بسر کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگیں: بڑی تنگی سے زندگی بسر ہو رہی ہے اور سختی کی آپ سے خوب شکایت کی۔ آپ علیہ السلام نے کہا: جب تیرا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو انھوں نے محسوس کیا جیسے کوئی مہمان آیا ہو۔ بیوی سے پوچھا: کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں اس طرح کا ایک بوڑھا آیا تھا، تمھارے متعلق پوچھتا تھا۔ تو میں نے اسے بتا دیا۔ پھر پوچھا کہ تمھاری گذران کیسے ہوتی ہے؟ تو میں نے کہا: بڑی تنگی ترشی سے دن کاٹ رہے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کچھ اور بھی کہا تھا؟ کہنے لگی: ہاں، تمھیں سلام کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ گھر کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے: وہ میرے والد تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں چھوڑ دوں۔ لہٰذا اب تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے طلاق دے دی اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام جتنی مدت اللہ نے چاہا اپنے ملک میں قیام پذیر رہے۔ پھر یہاں آئے تو بھی اسماعیل علیہ السلام نہ ملے۔ آپ نے ان کی بیوی سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگی: روزی کمانے گئے ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے پوچھا: تمھارا کیا حال ہے اور گذر بسر کیسی ہوتی ہے؟ وہ کہنے لگی: اللہ کا شکر

ہے، بڑی اچھی گذر بسر ہو رہی ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا: کیا کھاتے ہو؟ کہنے لگی: گوشت۔ پوچھا: کیا پیتے ہو؟ کہنے لگی: پانی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: یا اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دنوں مکہ میں اناج نام کو نہ تھا ورنہ ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔ اور اگر مکہ کے علاوہ دوسرے لوگ صرف ان دو چیزوں پر گذران کریں تو انھیں موافق نہ آئیں۔''

خیر ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی بہو سے) کہا: جب تمھارا خاوند آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ یہ چوکھٹ اچھی ہے، اس کی حفاظت کرو۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو بیوی سے پوچھا: آج کوئی آیا تھا؟ کہنے لگی: ہاں ایک خوش شکل بزرگ آئے تھے، بہت اچھے آدمی تھے، آپ کا پوچھتے تھے تو میں نے بتا دیا۔ نیز پوچھا کہ تمھاری گذران کیسی ہے؟ میں نے کہا: بہت اچھی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کچھ اور بھی کہا تھا؟ کہنے لگی: ہاں، آپ کو سلام کہا تھا اور یہ بھی کہ تمھارے دروازے کی چوکھٹ عمدہ ہے، اس کی حفاظت کرنا۔ اسماعیل علیہ السلام نے اسے بتایا کہ وہ میرے والد تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔

پھر کچھ مدت بعد جتنی اللہ کو منظور تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے پاس ایک درخت تلے بیٹھے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ والد کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باپ بیٹا گرمجوشی سے ملے۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اسماعیل! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، کیا تم اس کام میں میری مدد کرو گے؟ انھوں نے کہا: ضرور کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس مقام پر ایک گھر بناؤں اور ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے اس گھر کی بنیاد اٹھائی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے۔ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر (مقام ابراہیم) لے کر آئے اور اسے وہاں رکھ دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر چنائی کرتے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر دیتے جاتے اور دونوں یہ دعا پڑھتے: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ الغرض وہ چاروں طرف سے بیت اللہ کی تعمیر کرتے جاتے اور یہی دعا پڑھتے جاتے۔''[1]

اس طویل حدیث میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی کچھ اولاد کو مکہ مکرمہ میں لا بسایا وہاں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ انھوں نے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾[2]

---

① صحیح البخاري: 3364 حدیث کا یہ ترجمہ 'تفسیر تیسیر القرآن' مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ ② البقرۃ 2: 127

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم سے یہ (خدمت) قبول فرمالے۔ بے شک تو ہی سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ خانہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ جبکہ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اسے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اسے سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس پر ایک قبہ نصب کیا تھا اور اس وقت فرشتوں نے ان سے کہا تھا: ہم آپ سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں...اور بعض نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کشتیٔ نوح علیہ السلام نے بھی چالیس دن اس گھر کا طواف کیا تھا لیکن حافظ ابن کثیرؒ کا کہنا ہے کہ یہ ساری باتیں بنی اسرائیل سے مروی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ ①

خانہ کعبہ اللہ کا پہلا گھر

اللہ رب العزت کا فرمان ہے :﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ☆ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ ②

''بلا شبہ سب سے پہلا گھر (عبادت گاہ) جو لوگوں کیلئے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، یہ گھر بابرکت ہے اور تمام جہان والوں کیلئے مرکزِ ہدایت ہے۔ اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں (جن میں سے ایک) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا مقامِ عبادت ہے۔ جو شخص اس گھر میں داخل ہوا وہ مامون ومحفوظ ہو گیا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو شخص اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جو شخص اس حکم کا انکار کرے وہ (خوب سمجھ لے کہ) اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کے پانچ فضائل ذکر فرمائے ہیں:

① ایک یہ کہ خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد

① قصص الأنبياء للحافظ ابن كثير: ص157

② آل عمران4: 96-97

بنائی گئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجدِ حرام'' انھوں نے کہا: پھر کونسی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ'' انھوں نے کہا: ان کے درمیان کتنی مدت تھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چالیس سال۔''[1]

② دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ گھر بابرکت ہے۔

③ تیسری یہ ہے کہ یہ تمام جہان والوں کیلئے مرکزِ ہدایت ہے۔

④ چوتھی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی کئی کھلی نشانیاں ہیں (مثلا زمزم وغیرہ۔) ان میں سے ایک نشانی مقامِ ابراہیم ہیاور یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں۔

⑤ پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جو شخص اس گھر میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

خانہ کعبہ عظیم عبادت گاہ ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾[2]

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ قرار دیا (تو حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید کی کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھیں۔''

(مَثَابَةً لِّلنَّاسِ) سے مراد یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے بار بار آنے جانے کی جگہ ہے۔ چنانچہ لوگ حج وعمرہ کی غرض سے متعدد مرتبہ بیت اللہ میں آتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ .....﴾[3]

''اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو قابل احترام گھر ہے لوگوں کیلئے (امن وجمعیت) کے قیام کا ذریعہ بنا دیا ہے۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (قِيَامًا لِّلنَّاسِ) کے تین الگ الگ مطلب لئے جا سکتے ہیں اور وہ تینوں ہی درست ہیں:

① الناس سے مراد اس دور کے اور اس سے پہلے اور پچھلے قیامت تک کے سب لوگ مراد لئے جائیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کعبہ کا وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے اور دنیا کا وجود اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا کہ یہ کارخانۂ عالم

① صحیح البخاری:3366 و3425، صحیح مسلم:520 ② البقرة2:125 ③ المائدة5:97

ختم کر دیا جائے تو اس وقت بیت اللہ کو اٹھا لیا جائے گا جیسا کہ سب سے پہلے اس زمین پر یہ مکان بنایا گیا تھا۔
امام بخاری نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور اسی آیت کے تحت درج ذیل حدیث لائے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوْ السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبْشَةِ» ①

"(قیامت کے قریب) چھوٹی پنڈلیوں والا ایک (حقیر) حبشی کعبہ کو ویران کرے گا۔"

اس حدیث سے ضمناً دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس حبشی سے پہلے کوئی مضبوط سے مضبوط اور طاقتور دشمن بھی کعبہ کو منہدم کرنے کے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح اصحاب الفیل (ابرھہ اور اس کے لشکر) کو ذلیل اور ناکام بنا دیا تھا ایسے ہی ہر اس شخص کو یا قوم یا حکومت کو ہلاک کر دے گا جو کعبہ کی تخریب کی مذموم حرکت کرے گی۔

② الناس سے مراد صرف عرب لوگ لئے جائیں جو حرمت والے مہینوں میں بڑی آزادی سے سفر کرتے تھے بالخصوص جب وہ قربانی کے پٹہ والے جانور بھی بغرض قربانی ساتھ لے جا رہے ہوں کیونکہ سب قبائلِ عرب ایسے جانوروں کا احترام کرتے تھے اور یہ سب کچھ کعبہ کے تقدس کی بنا پر ہوتا تھا، حج وعمرہ کرنے والے اور تجارتی قافلے تہائی سال نہایت اطمینان سے سفر کرتے تھے۔ اس طرح کعبہ پورے ملک کی تمدنی اور معاشی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا۔

③ الناس سے مراد مکہ اور اس کے ارد گرد کے لوگ لئے جائیں، اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ بے آب وگیاہ وادی میں کعبہ کا وجود مکہ اور آس پاس کے تمام لوگوں کی معاش کا ذریعہ ہے۔ اقصائے عالم سے حج وعمرہ کیلئے آنے والے لوگوں کو قیام وطعام اور نقل وحرکت کی خدمات مہیا کرنے کے عوض ان لوگوں کو اتنی آمدنی حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ سال بھر گذارا کر سکیں بلکہ اس سے بہت زیادہ بھی۔ نیز انھیں دوسرے بھی بہت سے معاشرتی اور سیاسی فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ ②

حرم مکہ میں کجروی اختیار کرنے کا ارادہ کرنے پر شدید وعید

حرم مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر مقدس ومحترم ہے کہ اس میں کجروی، برائی یا شرارت کا ارادہ کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

---

① صحيح البخاري: 1591 و 1596، صحيح مسلم: 2909
② تيسير القرآن: 565/1

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ①

''بلا شبہ جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں' وہ (مسجد حرام) جس میں ہم نے وہاں کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر رکھے ہیں اور جو کوئی ازراہِ ظلم مسجد حرام میں کجروی اختیار کرنے کا ارادہ کرے گا اسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔''

اَصحاب الفیل اور خانہ کعبہ کی حفاظت

ملکِ یمن کا گورنر (ابرھہ) جب ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس گھر کی حفاظت فرمائی اور حملہ آور فوج کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ یہ بھی اس گھر کی فضیلت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۞ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۞ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۞ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾ ②

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کی تدابیر کو بے کار نہیں بنا دیا تھا؟ اور ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے جو ان پر کنکروں کے پتھر پھینکتے تھے، پھر انھیں یوں بنا دیا جیسے کھایا ہوا بھوسا ہو۔''

یہ واقعہ مختصراً یوں ہے کہ یمن میں اہلِ حبشہ کی عیسائی حکومت قائم تھی اور (ابرھہ نامی ایک شخص اس کا گورنر تھا۔ وہ بیت اللہ کی عزت وعظمت سے بہت حسد کرتا تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ عرب بھر میں صنعاء کو وہی حیثیت حاصل ہو جائے جو مکہ کو حاصل ہے اور خانہ کعبہ کی وجہ سے جو سیاسی، تمدنی، تجارتی اور معاشی فوائد قریشِ مکہ حاصل کر رہے ہیں وہ ہماری حکومت کو حاصل ہوں۔ اسی غرض سے اس نے صنعاء میں ایک عالیشان کلیسا تعمیر کرایا کلیسا کی عمارت خانہ کعبہ کے مقابلہ میں بڑی پر شکوہ تھی لیکن اس کے باوجود لوگ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے، بلکہ ہوا یوں کہ ایک دن کسی نے خفیہ طور پر اس میں پاخانہ کر دیا جس سے اَبرھہ کو کعبہ پر چڑھائی کرنے اور اسے تباہ وبرباد کرنے کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس نے ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کیا، اس لشکر میں تیرہ ہاتھی بھی تھے۔ یہ لشکر یمن سے روانہ ہوا۔ راستے میں جس نے بھی مزاحمت کی اسے شکست کا مزہ چکھنا

---

① الحج 25:22　② الفیل 105:1-5

پڑا۔ بالآخر وہ منی اور مزدلفہ کے درمیان ایک مقام 'وادی مُحسر' میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے ڈیرے ڈال دیئے اور کچھ لوٹ مار بھی کی۔ عبد المطلب جو ان دنوں کعبہ کے متولی اعظم تھے ان کے دوسو اونٹ بھی اس نے اپنے قبضے میں کر لئے۔ اَبرھہ نے اہلِ مکہ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ لوگوں سے لڑنے نہیں صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں اور میں گفت وشنید کیلئے بھی تیار ہوں۔

اس پیغام پر عبد المطلب اس سے گفتگو کرنے کیلئے اس کے ہاں چلے گئے، پھر ان دونوں کے درمیان ایک مکالمہ ہوا۔

ابرھہ نے پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟

عبد المطلب نے کہا: میں اپنے اونٹوں کی واپسی چاہتا ہوں۔

ابرھہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ انھوں نے کعبہ کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ اس نے کہا: میرا خیال تو یہ تھا کہ آپ خانہ کعبہ کے متعلق بات کریں گے!

عبد المطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اور ظاہر ہے کہ میں انہی کے متعلق ہی بات کر سکتا ہوں اور جہاں تک خانہ کعبہ کا تعلق ہے تو اس کا بھی ایک مالک ہے جو خود اس کی حفاظت کرے گا۔

ابرھہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور عبد المطلب واپس چلے آئے۔

اُدھر ابرھہ نے پیش قدمی کا ارادہ کر لیا لیکن سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ خود ابرھہ کے ہاتھی نے خانہ کعبہ کی طرف جانے سے انکار کر دیا۔ اسے بہتیرے تیر لگائے گئے لیکن وہ کسی اور جانب تو چل پڑتا، خانہ کعبہ کی جانب آگے بڑھنے کا نام ہی نہ لیتا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے، ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں اور اسی طرح دو پنجوں میں ایک ایک کنکر تھا، پرندوں نے وہی کنکر ابرھہ کے لشکر پر پھینک کر اسے تباہ وبرباد کر دیا۔[1]

مکہ مکرمہ کی حرمت

مکہ مکرمہ حرمت والا شہر ہے، اس لئے اس کے تقدس کا لحاظ رکھنا فرض ہے۔ اس کی حرمت کی بناء پر رسول اکرم ﷺ نے اس کے بعض خاص احکامات فتح مکہ کے موقع پر یوں بیان فرمائے: ((إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ

① تفسیر تیسیر القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی ؒ

الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يُلْتَقَطُ لُقْطَتُهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا) فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ، فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ» ①

"بے شک اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے حرمت والا قرار دیا جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کے ساتھ حرمت والا ہی رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی شخص کیلئے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں تھا اور مجھے بھی محض دن کی ایک گھڑی اس میں جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ۔اس کے بعد وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کے ساتھ حرمت والا ہی رہے گا۔لہٰذا اس کا کانٹا (تک) نہ کاٹا جائے، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، اس میں گری ہوئی چیز کو صرف وہ شخص اٹھائے جو اس کا لوگوں میں اعلان کرے اور اس کا گھاس بھی نہ کاٹا جائے۔"

چنانچہ حضرت العباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! صرف اذخر گھاس کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اس سے سنار اور لوہار فائدہ اٹھاتے ہیں اور مکہ والے اسے اپنے گھروں کی چھتوں میں استعمال کرتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے، اذخر کو کاٹنے کی اجازت ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

۱۔ مکہ مکرمہ میں جنگ وجدال حرام ہے حتی کہ بلا ضرورت کوئی ہتھیار اٹھانا بھی ممنوع ہے۔

۲۔ مکہ مکرمہ میں کسی درخت، پودے اور گھاس کا کاٹنا بھی حرام ہے۔ ہاں بعض ضروریات کے پیشِ نظر صرف اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں کسی جانور/ پرندے کو شکار کرنا بلکہ اسے ہانکنا بھی حرام ہے۔

۴ اور مکہ مکرمہ میں گری ہوئی چیز کو اٹھانا بھی جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ اٹھانے والا اس کا اعلان کرے۔

بیت اللہ کے طواف کی فضیلت

روئے زمین پر صرف خانہ کعبہ ہے جس کا طواف مشروع ہے، اس کے علاوہ کسی گھر (یا کسی قبر وغیرہ) کا طواف کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے طواف بیت اللہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا رَفَعَ رَجُلٌ قَدَمًا وَلَا وَضَعَهَا إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ، وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ» ②

① صحيح البخاري:1834، صحيح مسلم:1353 ② أحمد، صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1139

''(دوران طواف) ہر ہر قدم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور دس درجات بلند کردیے جاتے ہیں۔''

مسجد الحرام ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا مشروع ہے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰی ، وَمَسْجِدِیْ هٰذَا» [1]

''ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں: مسجد حرام، مسجد اقصی اور میری یہ مسجد۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انہی تین مساجد کی طرف ہی ثواب کی نیت سے سفر کیا جا سکتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور مسجد یا مزار کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا مشروع نہیں۔

مسجد الحرام میں نماز کی فضیلت

مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«...وَصَلَاةٌ فِیْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِیْمَا سِوَاهُ» [2]

''اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بار بار زیارتِ خانہ کعبہ کی توفیق دے۔ آمین

دوسرا خطبہ

پہلے خطبہ میں ہم نے فضائلِ مکہ مکرمہ بیان کیے۔ آیئے اب فضائلِ مدینہ منورہ بھی سماعت فرمائیے۔

مدینہ منورہ وہ شہر ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں گذارے، اس دوران آپ ﷺ نے پہلی اسلامی حکومت تشکیل دی جس کے سربراہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور کبار صحابہ کرام مثلا حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت

---

[1] صحيح البخاري:1188 ، صحيح مسلم:1397

[2] سنن ابن ماجه:1406 ، وأحمد:14735و15306 ، وصححه الألباني في صحيح ابن ماجه

علی وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے مشیر تھے اور مدینہ منورہ ہی سے اسلامی فوجیں روانہ ہوتیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے کفار سے قتال کرتیں اور بیشتر شرعی احکام آپ ﷺ کی مدنی زندگی میں ہی نازل ہوئے اور پھر آپ ﷺ کا انتقال بھی اسی شہر میں ہوا اور آپ ﷺ اسی میں ہی مدفون ہوئے۔

فضائل مدینہ منورہ

❶ مدینہ منورہ کے نام

جاہلیت کے دور میں اِس شہر کو 'یثرب' کہا جاتا تھا، تاہم قرآن وحدیث میں اِس عظیم شہر کے کچھ اور نام بھی ذکر کئے گئے ہیں:

۱۔ **المدینة**: اللہ تعالیٰ نے اس مبارک شہر کا یہ نام خود قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے:

﴿مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ......﴾ ①

۲۔ **طابة**: مدینہ منورہ کا یہ نام بھی خود اللہ تعالیٰ نے رکھا۔ جیسا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ» ②

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابة رکھا ہے۔''

۳۔ **طيبة**: مدینہ منورہ کا یہ نام خود رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔ جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهَا طَيِّبَةُ (يَعْنِيْ الْمَدِيْنَةَ) وَإِنَّهَا تَنْفِيْ الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ»

''بے شک وہ (یعنی مدینہ منورہ) طیبہ (یعنی پاک) ہے اور وہ ناپاک کو اس طرح چھانٹ دیتا ہے جیسا کہ بھٹی چاندی کے زنگ کو چھانٹ دیتی ہے۔'' ③

۴۔ **الدار**: مدینہ منورہ کو اس نام سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

① التوبة9:120 ② صحیح مسلم:1385

③ صحیح البخاری:1884، صحیح مسلم:1384

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

''اور وہ لوگ جو (مہاجرین سے) پہلے الدار (مدینہ منورہ) میں مقیم تھے اور ان کے آنے سے پہلے ایمان لا چکے تھے، ان کے پاس جو لوگ ہجرت کر کے آئے وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں (مالِ فئے سے) دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت نہیں پاتے اور ان (مہاجرین) کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود فاقہ سے ہوں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں مدینہ منورہ کو (الدار) کہا گیا ہے اور اس میں مدینہ والوں کے فضائل بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جنھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے مدینہ منورہ پہنچنے پر خوشی کا اظہار کیا اور انھیں اپنے گلے سے لگا لیا اور ان کی آباد کاری کے لئے ان سے اتنا تعاون کیا کہ انھیں اپنی جائیداد، گھر بار اور نخلستانوں میں شریک کر لیا اور انھوں نے ایثار وقربانی کی یادگار مثالیں قائم کیں۔ ہم ان کے ایثار کے دو منفرد واقعات ذکر کرتے ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں بہت بھوکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ہاں سے پتہ کرایا لیکن ان کے پاس کچھ نہ ملا [مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کے ہاں پیغام بھیجا تو انھوں نے کہا: (وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِيْ إِلَّا مَاءٌ) یعنی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میرے پاس سوائے پانی کے اور کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیوی کے ہاں پیغام بھیجا تو ان کی طرف سے بھی یہی جواب ملا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس پیغام بھیجا تو سب کی طرف سے یہی جواب ملا کہ ہمارے پاس سوائے پانی کے اور کچھ بھی نہیں]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (أَلَا رَجُلٌ يُضِيفُهُ اللَّيْلَةَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ؟)

''کیا کوئی ایسا آدمی ہے جو آج رات اس کی مہمان نوازی کرے! اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔''

یہ سن کر ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ پھر وہ اس آدمی کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے، لہٰذا جو چیز بھی موجود ہو اسے کھلاؤ۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! آج تو میرے پاس صرف اپنے بچوں کا کھانا ہی ہے!

---

[1] الحشر 9:59

انصاری صحابی نے کہا: [بچوں کو کسی طرح سے بہلانا اور] ایسا کرنا کہ بچے جب کھانا مانگیں تو انھیں سلا دینا اور جب ہم دونوں (میں اور میرا مہمان) کھانا کھانے لگیں تو تم ہمارے پاس آجانا[اور مہمان کو یہ ظاہر کرنا کہ جیسے ہم اس کے ساتھ کھا رہے ہیں۔] اور پھر کسی طرح سے چراغ بجھا دینا، اس طرح آج رات ہم کچھ نہیں کھائیں گے.

اس کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔[وہ دونوں ایسے ہی بیٹھے رہے اور مہمان نے کھانا کھالیا۔]

پھر جب صبح کے وقت انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:
(لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ۔ أَوْ ضَحِكَ ۔ مِنْ فُلَانَ وَفُلَانَةِ)

''فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا۔ یا فرمایا: اللہ تعالیٰ کو ان سے بہت ہنسی آئی۔''

مسلم کی روایت میں اس کے الفاظ یوں ہیں:

(قَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيْعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ)

''آج رات تم دونوں نے اپنے مہمان کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ①

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (ہجرت کرکے) ہمارے پاس (مدینہ منورہ میں) آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی قرار دے دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے۔ چنانچہ وہ (اپنے مہاجر بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے) کہنے لگے: انصارِ مدینہ کو یہ بات معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا سارا مال اپنے اور تمھارے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردوں۔ اس کے علاوہ میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمھیں زیادہ بھلی معلوم ہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں اور جب وہ عدت پوری کرلے گی تو تم اس سے شادی کرلینا۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمھارے گھر والوں میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ سب سے قیمتی مال گھی اور پنیر کے مالک بن گئے اور کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ انھوں نے شادی بھی کرلی۔ ②

یہ دونوں واقعات انصار مدینہ کے ایثار وقربانی کی بہترین مثالیں ہیں۔

(۵) مضبوط زرہ

① صحیح البخاری:4889، صحیح مسلم:2054
② صحیح البخاری:3781

مدینہ منورہ کو مضبوط زرہ بھی کہا گیا ہے۔

جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي فِي دِرْعٍ حَصِيْنَةٍ ...... فَأَوَّلْتُ أَنَّ الدِّرْعَ الْمَدِيْنَةَ ......»①

''میں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں...تو میں نے زرہ کی تعبیر مدینہ سے کی۔''

❷ مدینہ منورہ کے فضائل

۱۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ سے محبت

پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اپنے شہر (مدینہ منورہ) سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں آئے تو اس میں دبا پھیلی ہوئی تھی جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے ۔ جب رسول اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی بیماری کو دیکھا تو دعا کرتے ہوئے فرمایا:

(اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا، وَانْقُلْ حُمَاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ)②

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ڈال دے جیسا کہ ہم مکہ سے محبت کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس (مدینہ منورہ) کو ہمارے لئے صحت افزا مقام بنا اور اس کی بیماریوں کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس لوٹتے اور مدینہ منورہ کی دیواریں نظر آتیں تو اس سے محبت کی وجہ سے آپ ﷺ اپنی سواری کو تیز کر دیتے۔③

☆ انصارِ مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک انصاری خاتون اپنا ایک بچہ لئے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

« وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ»④

---

① مسند أحمد:2445 عن ابن عباس، و14787عن جابر بإسناد حسن

② صحيح البخاري:1889، صحيح مسلم:1376

③ صحيح البخاري:1802 و 1886

④ صحيح البخاري:3786

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔''

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خندق کے دن انصارِ مدینہ یوں کہتے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيِيْنَا أَبَدًا

ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ہم جب تک زندہ رہیں گے اسی عہد پر قائم رہیں گے۔

تو رسول اللہ ﷺ انھیں جواب دیتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةْ فَأَكْرِمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

''اے اللہ! کوئی زندگی نہیں سوائے آخرت کی زندگی کے، لہٰذا تو انصار اور مہاجرین کی عزت افزائی فرما۔''

اور بعض روایات میں (فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ)'' انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔'' جبکہ بعض میں (فَأَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ)''انصار اور مہاجرین کو سنوار دے۔'' کے الفاظ بھی ہیں۔[1]

۳۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز جب رسول اللہ ﷺ نے غنیمت کا مال تقسیم کیا اور اس پر انصار مدینہ نے ناراضگی کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَوَ لَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَّرْجِعَ النَّاسُ بِالْغَنَائِمِ إِلٰى بُيُوْتِهِمْ، وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى بُيُوْتِكُمْ؟ لَوْ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَهُمْ»[2]

''کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں غنیمت کا مال لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں رسول اللہ ﷺ کو لے جاؤ۔ (یاد رکھو) اگر تمام لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں جائیں اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں جاؤں گا۔''

۴۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ»[3]

---

① صحيح البخاري:3795، 3796، صحيح مسلم:1805

② صحيح البخاري:3778، صحيح مسلم:1059

③ صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب حب الأنصار من الإيمان:3783، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل أنّ حبّ الأنصار وعلى من الإيمان... 75

''انصار سے محبت صرف مومن ہی کرسکتا ہے اور ان سے بغض رکھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے اور جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے بغض رکھے گا۔''

۲۔ مدینہ منورہ کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو حرمت والا اور قابلِ احترام شہر قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا، وَإِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ، وَإِنِّيْ دَعَوْتُ فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيْمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ»①

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا اور مکہ والوں کے حق میں دعا کی اور میں مدینہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا اور میں نے اہلِ مدینہ کے ناپ تول کے پیمانوں (صاع اور مد) میں اُس برکت سے دوگنا زیادہ برکت کی دعا کی ہے جس کی دعا ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ مکہ کیلئے کی تھی۔''

اس حدیث سے جہاں مدینہ منورہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنا زیادہ برکت ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا، لَا يُقْطَعُ عِضَاهَا وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا»②

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا اور میں مدینہ منورہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں اور اس کے حرم کی حدود سیاہ پتھروں والے دو میدانوں کے درمیان ہے، لہٰذا اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور نہ ہی اس میں شکار کیا جائے۔''

۳۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ کیلئے دعائے برکت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ»③

''اے اللہ! مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ کی بہ نسبت دوگنی برکت دے۔''

---

① صحيح البخاری:2129، صحيح مسلم:1360
② صحيح مسلم:1362
③ صحيح البخاری:1885، صحيح مسلم:1369

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب پہلا پھل لایا جاتا تو آپ فرماتے:

«اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِیْنَتِنَا وَفِیْ ثِمَارِنَا، وَفِیْ مُدِّنَا وَفِیْ صَاعِنَا، بَرَكَةً مَعَ بَرَكَةٍ»[1]

''اے اللہ! ہمارے مدینہ میں برکت دے اور ہمارے پھلوں، ہمارے صاع اور مد میں برکت دے۔ ایک برکت کے ساتھ دوسری برکت (دوگنی برکت) دے۔''

۴۔ مدینہ منورہ میں رہائش رکھنے کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ، لَا یَدَعُھَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْھَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰہُ فِیْھَا مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِنْہُ، وَلَا یَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰی لَأْوَائِھَا وَجَھْدِھَا إِلَّا كُنْتُ لَہُ شَفِیْعًا أَوْ شَھِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ»[2]

''مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔ جو شخص اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر اس سے بہتر شخص لے آتا ہے اور جو شخص تنگ حالی کے باوجود اس میں ٹکا رہتا ہے میں روزِ قیامت اس کیلئے شفاعت کرونگا'' یا فرمایا: ''اس کے حق میں گواہی دونگا۔''

۵۔ مدینہ منورہ میں موت آنے کی فضیلت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَةِ فَلْیَفْعَلْ، فَإِنِّیْ أَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِھَا»

''جو آدمی اس بات کی استطاعت رکھتا ہو کہ اس کی موت مدینہ منورہ میں آئے تو وہ ایسا ضرور کرے، کیونکہ میں مدینہ منورہ میں مرنے والے انسان کیلئے شفاعت کروں گا۔''[3]

یعنی اگر کوئی شخص اس بات کی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ اپنی موت آنے تک مدینہ منورہ میں ہی رہے تو وہ ایسا ضرور کرے کیونکہ مدینہ منورہ میں موت آنے کی وجہ سے روزِ قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفاعت نصیب ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ، وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ صلی اللہ علیہ وسلم»

---

① صحيح مسلم:1373 ② صحيح مسلم:1363

③ أحمد، الترمذی: ٣٩١٧، سنن ابن ماجه، صحيح الجامع الصغير للألباني:6015

''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرمانا اور مجھے اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت دینا۔''①

۶۔ مدینہ منورہ میں ایمان کا سکڑنا

قیامت کے قریب ایمان سکڑ کر مدینہ منورہ میں ہی رہ جائے گا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا»②

''بے شک ایمان مدینہ کی طرف سکڑ جائے گا جیسا کہ ایک سانپ اپنی بل کی طرف سکڑ جاتا ہے۔''

۷۔ مدینہ منورہ لوگوں کی چھانٹی کرے گا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُوْلُوْنَ: يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ»③

''مجھے ایک بستی (کی طرف ہجرت کرنے) کا حکم دیا گیا ہے جو دیگر بستیوں کو کھا جائے گی۔ (یعنی اس بستی سے جو فوج جائے گی وہ دوسری بستیوں کو فتح کرے گی۔) لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے اور وہ لوگوں کی اس طرح چھانٹی کرے گا جیسا کہ ایک بھٹی لوہے کا زنگ چھانٹ کر الگ کر دیتی ہے۔''

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام پر آپ ﷺ کی بیعت کی، پھر دوسرے دن آیا تو اسے بخار ہو چکا تھا۔ اس نے کہا: میری بیعت مجھے واپس کر دیں۔ تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ اس نے تین مرتبہ یہی مطالبہ کیا لیکن آپ ﷺ ہر مرتبہ انکار کرتے رہے چنانچہ وہ مدینہ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا»④

''مدینہ بھٹی کی مانند ہے، یہ ناپاک کو الگ کر کے پاکیزہ کو چھانٹ دیتا ہے۔''

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ مدینہ میں صرف وہی لوگ رہیں گے جو خالص ایمان والے ہونگے اور وہ لوگ جن کے ایمان خالص نہیں ہونگے وہ مدینہ سے نکل جائیں گے۔⑤

---

① صحیح البخاري:1890
② صحیح البخاري:1876، صحیح مسلم:147
③ صحیح البخاري:1871، صحیح مسلم:1382
④ صحیح البخاري:1883، صحیح مسلم:1383
⑤ شرح مسلم للنووي

اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے اہلِ مدینہ! تم یوم الخلاص کو یاد کرو۔'' انھوں نے کہا: یوم الخلاص کیا ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يُقْبِلُ الدَّجَّالُ حَتّٰى يَنْزِلَ بِذُبَابٍ، فَلَا يَبْقٰى بِالْمَدِيْنَةِ مُشْرِكٌ وَلَا مُشْرِكَةٌ، وَلَا كَافِرٌ وَلَا كَافِرَةٌ، وَلَا مُنَافِقٌ وَلَا مُنَافِقَةٌ، وَلَا فَاسِقٌ وَلَا فَاسِقَةٌ إِلَّا خَرَجَ إِلَيْهِ، وَيَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ، فَذٰلِكَ يَوْمُ الْخَلَاصِ»[1]

''دجال آئے گا یہاں تک کہ وہ ذباب میں اترے گا، پھر مدینہ منورہ کا ہر مشرک مرد اور ہر مشرک عورت، ہر کافر مرد اور ہر کافر عورت، ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت اور ہر فاسق مرد اور ہر فاسق عورت، سب کے سب اس سے جا ملیں گے اور صرف مومن بچ جائیں گے۔ تو وہی دن یوم الخلاص ہوگا۔''

۸۔ اہلِ مدینہ سے برائی کا ارادہ کرنے والوں کیلئے شدید وعید

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَرَادَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ بِسُوْءٍ أَذَابَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ»[2]

''جو شخص اہلِ مدینہ کے بارے میں برا ارادہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس طرح پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔''

۹۔ مدینہ منورہ کی کھجور کی فضیلت

اس سے پہلے ہم ایک حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے پھلوں میں برکت کی دعا فرمائی اور اس کے پھلوں میں کھجور بھی شامل ہے۔ مزید برآں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمْرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ يَضُرَّهُ سُمٌّ حَتّٰى يُمْسِيَ»[3]

''جو آدمی صبح کے وقت (مدینہ منورہ) میں دو سیاہ پتھروں والے میدانوں کے درمیان والی کھجوروں سے سات عدد کھجوریں کھائے، اسے شام ہونے تک کوئی زہر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

خاص طور پر مدینہ کی عجوہ کھجور کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] الطبراني في الأوسط برقم:2186بسند لا بأس به

[2] صحيح البخاري:1877، صحيح مسلم:1387واللفظ لمسلم [3] صحيح مسلم:2047

«مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمْرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ»①

''جو شخص صبح کے وقت سات عدد عجوہ کھجوریں کھائے اسے اس دن زہر اور جادو کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔''

۱۰۔ مدینہ منورہ میں شرارت آمیز حرکت پر شدید وعید

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

«مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا»②

''جو آدمی اس میں (یعنی مدینہ منورہ میں) شرارت کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے نہ کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ (اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے نہ توبہ قبول کرے گا اور نہ فدیہ۔)''

۱۱۔ طاعون اور دجال سے مدینہ منورہ کی حفاظت

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ»③

''مسیح دجال کا رعب و دبدبہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا، اس دن اس کے سات دروازے ہونگے اور ہر دروازے پر دو فرشتے نگرانی کر رہے ہونگے۔''

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ»④

''مدینہ منورہ کے دروازوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون کی بیماری نہیں آسکتی اور دجال داخل نہیں ہو سکے گا۔''

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

① صحیح البخاری:5445، صحیح مسلم: 2047

② صحیح البخاری :1867، صحیح مسلم:1366

③ صحیح البخاری:1879

④ صحیح البخاری:1880

«لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ، لَيْسَ لَهُ مِنْ نِقَابِهَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا، ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِأَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجْفَاتٍ فَيُخْرِجُ اللّٰهُ كُلَّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ» ①

''دجال ہر شہر میں جائے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے، ان دونوں شہروں کے ہر دروازے پر فرشتے صفیں بنائے ہوئے ان کی نگرانی کر رہے ہونگے، پھر مدینہ اپنے رہنے والوں کے ساتھ تین مرتبہ کانپے گا جس سے اللہ تعالیٰ ہر کافر و منافق کو اس سے نکال دے گا۔''

مدینہ منورہ میں سب سے اہم جگہ مسجد نبوی ہے اور یہ وہ مسجد ہے جس کی زمین خود رسول اللہ ﷺ نے خریدی اور اس کی بنیاد بھی خود آپ ہی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی اور یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ﴾ ②

''جس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔''

اگرچہ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس مسجد سے مراد کون سی مسجد ہے، بعض نے اس سے مسجد نبوی اور بعض نے مسجد قباء مراد لی ہے لیکن صحیح مسلم کی ایک حدیث، جسے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہی ہے۔ ③

مسجد نبوی ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا مشروع ہے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا» ④

''ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں: مسجد حرام، مسجد اقصی اور میری یہ مسجد۔''

① صحیح البخاری:1881　② التوبة9:108

③ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان أن المسجد الذی أسس علی التقوی هو مسجد النبیﷺ بالمدینة:1398

④ صحیح البخاری:1188، صحیح مسلم:1397

مسجد نبوی میں ایک نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ »①

''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

یاد رہے کہ وہ احادیث جن میں مسجد نبوی میں ایک نماز کی فضیلت اس سے زیادہ بیان کی گئی ہے، یا ان میں چالیس نمازوں کی فضیلت ذکر کی گئی ہے وہ سنداً ضعیف ہیں۔

روضة من رياض الجنة

حضرت عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ »②

''جو قطعۂ زمین میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

مسجد قباء کی فضیلت

مسجد قباء وہ مسجد ہے جس کی بنیاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے موقعہ پر رکھی تھی اور اس میں نماز بھی پڑھی تھی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کو اس مسجد میں آتے، پیدل چل کر یا سواری پر اور اس میں دو رکعات ادا فرماتے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔③

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھنے کی فضیلت یوں بیان فرمائی:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ »④

''جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر مسجد قباء میں آیا اور اس میں نماز پڑھی تو اسے عمرہ کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو بار بار زیارتِ حرمین شریفین کی توفیق دے۔ آمین

---

① صحیح البخاری:1190، صحیح مسلم:1394

② صحیح البخاری:1195، صحیح مسلم:1190

③ صحیح البخاری:1191 و1194، صحیح مسلم :1399

④ سنن ابن ماجه :1412۔ وصححه الألبانی

حج کے فضائل، احکام اور آداب (۱)

اہم عناصرِ خطبہ:

① حج کی فرضیت واہمیت ② حج کے فضائل ③ عمرہ کے احکام

پہلا خطبہ

گذشتہ خطبۂ جمعہ میں ہم نے فضائلِ حرمین شریفین قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کئے تھے اور موسمِ حج کی مناسبت سے آج ہم حج کی فرضیت واہمیت، اس کے فضائل اور احکام وآداب پر روشنی ڈالیں گے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو بار بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے. آمین

حج کی فرضیت واہمیت

حج اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ:شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِیْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ بَیْتِ اللّٰهِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ» ①

’’دینِ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج بیت اللہ کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔‘‘

اور حج زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ہر اس مرد وعورت پر فرض ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «أَیُّهَا النَّاسُ، قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا»

’’اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہٰذا تم حج کرو۔‘‘

یہ سن کر ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال حج فرض ہے؟

آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی حتی کہ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

① متفق علیہ

«لَوْ قُلْتُ نَعَمْ، لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ»[1]

''اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا، اور ایسا ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔''

فرضیتِ حج کی شروط

فرضیتِ حج کی پانچ شرطیں ہیں:

① اسلام۔ یعنی حج صرف مسلمان پر فرض ہوتا ہے، کافر پر فرض نہیں ہوتا اور اگر کافر حالتِ کفر میں حج کر لے تو وہ کافی نہیں ہوگا کیونکہ حج سے پہلے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اسلام قبول کرنے کے بعد اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو دوسرا حج فرض ہوگا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو فرمایا:

«إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ..... الخ»[2]

''تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لئے تم انہیں (سب سے پہلے) اس بات کی طرف دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں تو انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں...''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنا ضروری ہے اور دوسرے واجباتِ دین کا رتبہ اس کے بعد ہے۔

② عقل۔ یعنی حج عاقل اور باشعور مسلمان پر ہی فرض ہوتا ہے، مجنون پر نہیں۔ کیونکہ مجنون کو رسول اللہ ﷺ نے مرفوع القلم (غیر مکلّف) قرار دیا ہے۔

③ بلوغت۔ فرضیتِ حج کیلئے بلوغت شرط ہے کیونکہ نابالغ بچہ مکلّف نہیں ہوتا، البتہ نابالغ بچہ حج کر سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنا ایک بچہ بلند کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حج کر سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ» ''ہاں اور تمہیں بھی اجر ملے گا۔''[3]

---

① صحیح مسلم:1337
② صحیح البخاری:1496، صحیح مسلم:19
③ صحیح مسلم:1336

لیکن اس کا یہ حج فرض حج سے کفایت نہیں کرے گا۔ بالغ ہونے کے بعد اگر وہ مستطیع ہو تو اسے فرض حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

④ آزادی۔ یعنی حج آزاد مسلمان پر ہی فرض ہوتا ہے، غلام پر نہیں۔ البتہ غلام حج کر سکتا ہے لیکن یہ حج فرض حج سے کفایت نہیں کرے گا اور اسے آزاد ہونے کے بعد بحالتِ استطاعت فرض حج دوبارہ کرنا پڑے گا۔

⑤ استطاعت۔ یعنی وہ حج کرنے کی قدرت رکھتا ہو، مالی طور پر حج کے اخراجات اٹھا سکتا ہو اور جسمانی طور پر سفرِ حج کے قابل ہو۔ راستہ پر امن ہو اور قدرت حاصل کرنے کے بعد حج کے ایام تک مکہ مکرمہ میں پہنچنا اس کیلئے ممکن ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [①]

''حج بیت اللہ کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اسکی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

اور جب رسول اللہ ﷺ سے استطاعت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: (اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ) یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس زادِ راہ اور سواری موجود ہو (یا سواری کا کرایہ ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔) [②]

اگر کوئی شخص مالی طاقت تو رکھتا ہو لیکن جسمانی طور پر سفرِ حج کے قابل نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانب سے کسی ایسے شخص کو حج کرائے جو پہلے اپنی طرف سے فریضۂ حج ادا کر چکا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں خثعم قبیلے کی ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے باپ پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن وہ بہت بوڑھا ہے اور سواری پر بیٹھنے کے قابل نہیں۔ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (نَعَمْ، حُجِّيْ عَنْهُ) ''ہاں، تم اس کی طرف سے حج کر لو۔'' [③]

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو سنا جو کہہ رہا تھا: (لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ) تو آپ ﷺ نے پوچھا: شبرمۃ کون ہے؟ اس نے کہا: میرا بھائی ہے (یا میرا رشتہ دار ہے۔) تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے خود حج کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① آل عمران4:97

② سنن ابن ماجه، صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1131

③ صحيح البخاري: 1513، صحيح مسلم:1334

«حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ، ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»①

’’پہلے اپنی طرف سے حج کرو، پھر شبرمۃ کی طرف سے کرنا۔‘‘

یاد رہے کہ عورت کیلئے ان شرائط کے علاوہ ایک اور شرط یہ ہے کہ سفرِ حج کیلئے اسے محرم یا خاوند کا ساتھ میسر ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتو اس پر حج فرض نہیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ أَنْ تُسَافِرَ ثَلَاثًا إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا»②

’’کسی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن کی مسافت کا سفر اپنے محرم کے بغیر کرے۔‘‘

یاد رہے کہ جب کوئی شخص ان شرائط کے مطابق حج کی قدرت رکھتا ہو تو اسے پہلی فرصت میں حج کر لینا چاہئے اور اگلے سال تک اسے مؤخر نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ ، فَإِنَّهُ قَدْ يَمْرُضُ الْمَرِيْضُ ، وَتَضِلُّ الضَّالَّةُ ، وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ»③

’’جس آدمی کا حج کرنے کا ارادہ ہوتو (فرضیت کے بعد) وہ جلدی کر لے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے یا اس کی کوئی چیز گم ہو جائے یا اسے کوئی ضرورت پیش آ جائے۔‘‘

جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اِن شہروں میں کچھ لوگوں کو بھیج کر معلوم کروں کہ کس کے پاس مال موجود ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو اس پر میں جزیہ لگا دوں کیونکہ وہ یقیناً مسلمان نہیں ہیں۔④

حج کے فضائل

رسول اکرم ﷺ نے حج کے متعدد فضائل ذکر فرمائے ، لیجئے آپ بھی ان فضائل کو سماعت فرما کر اپنا ایمان تازہ کیجئے۔

❶ حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

① سنن أبی داؤد:1811 ، سنن ابن ماجه :2903۔ وصححه الألبانی

② صحیح البخاری:1086 ، صحیح مسلم:1338

③ أحمد وابن ماجه۔ وصحیح الجامع الصغیر للألبانی:6004 ، والإرواء:990

④ صححه ابن حجر فی الکبائر

«اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»[1]

''حجِ مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے۔''

حجِ مبرور سے مراد وہ حج ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی گئی ہو اور اس کی نشانی یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی نیکی کے کام زیادہ کرنے لگ جائے اور دوبارہ گناہوں کی طرف نہ لوٹے۔

❷ حج گناہوں کو مٹا دیتا ہے

☆ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی تو میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟

میں نے کہا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے پوچھا: کون سی شرط؟

میں نے کہا: میری شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ»[2]

''کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت سابقہ خطاؤں کو ختم کر دیتی ہے اور حج پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

☆ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدِيْمُوْا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا تَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ»[3]

''حج اور عمرہ ہمیشہ کرتے رہا کرو کیونکہ یہ دونوں غربت اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جس طرح

---

① صحیح البخاری: 1773، صحیح مسلم: 1349　② صحیح مسلم: 121

③ الطبرانی و الدارقطنی وصححه الألبانی فی الصحیحة: 1185

بھٹی لوہے کے زنگ کو ختم کر دیتی ہے۔''

❸ ایمان اور جہاد کے بعد سب سے افضل عمل حج ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟

آپ نے فرمایا:((إِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ)) ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔''

پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:((جِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''

پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:((حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) ''حج مبرور''[①]

❹ حج سب سے افضل جہاد ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم یہ سمجھتی ہیں کہ جہاد کرنا سب سے افضل عمل ہے تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:((لٰكِنْ أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ)) ''سب سے افضل جہاد حج مبرور ہے۔''[②]

❺ عمر رسیدہ، کمزور اور عورت کا جہاد حج وعمرہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((جِهَادُ الْكَبِيْرِ وَالضَّعِيْفِ وَالْمَرْأَةِ : اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ))[③]

''عمر رسیدہ، کمزور اور عورت کا جہاد حج وعمرہ ہے۔''

❻ حجاج کرام اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللّٰهِ، دَعَاهُمْ فَأَجَابُوْهُ، وَسَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ))[④]

---

① صحیح البخاری:1519، صحیح مسلم:83　② صحیح البخاری:1520

③ سنن النسائی وصححه الألبانی

④ سنن ابن ماجه، ابن حبان، صحیح الترغیب والترهیب:1108

’’اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا‘ حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا یہ سب اللہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ نے انھیں بلایا تو یہ چلے آئے۔اس لئے اب یہ جو کچھ اللہ سے مانگیں گے وہ انھیں عطا کرے گا۔‘‘

❼ سفرِ حج کے دوران موت آجائے تو انسان سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ حَاجًّا فَمَاتَ، كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ خَرَجَ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ، كُتِبَ لَهُ أَجْرُ الْمُعْتَمِرِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ . . » ①

’’جو شخص حج کیلئے نکلے، پھر اسی دوران اس کی موت آجائے تو یومِ قیامت تک اس کیلئے حاجی کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور جو شخص عمرہ کیلئے نکلے، پھر اسی دوران اس کی موت آجائے تو یومِ قیامت تک اس کیلئے عمرہ کرنے والے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی‘ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں وقوف کیا اسے اچانک اس کی اونٹنی نے نیچے گرا دیا جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوت ہوگیا۔تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ، وَكَفِّنُوْهُ بِثَوْبَيْهِ، وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ، وَلَا تُحَنِّطُوْهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا» ②

’’اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کی دو چادروں میں ہی اسے کفن پہنا دو۔اس کا سر مت ڈھانپو اور اسے خوشبو بھی مت لگاؤ کیونکہ قیامت کے روز اسے اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ یہ تلبیہ پڑھ رہا ہو گا۔‘‘

❽ مناسک حج کی فضیلت میں ایک عظیم حدیث

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جب تم بیت اللہ کا قصد کرکے گھر سے روانہ ہوتے ہو تو تمھاری سواری کے ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک

---

① رواہ أبو یعلی، صحیح الترغیب والترھیب:4 11

② صحیح البخاری:1849و 1850، صحیح مسلم :1206

ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک ایک گناہ معاف کر دیتا ہے. اور جب تم وقوفِ عرفہ کر رہے ہوتے ہو تو اللہ عز وجل آسمانِ دنیا پر آ کر فرشتوں کے سامنے حجاج کرام پر فخر کرتے ہوئے فرماتا ہے: دیکھو یہ میرے بندے ہیں جو دور دراز سے پراگندہ حالت میں اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ یہ میری رحمت کے امید وار ہیں اور میرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ (حالانکہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا) اور اگر یہ مجھے دیکھ لیتے تو پھر ان کی حالت کیا ہوتی! پھر اگر تمھارے اوپر تہہ در تہہ ریت کے ذرات کے برابر، یا دنیا کے ایام کے برابر، یا بارش کے قطروں کے برابر گناہ ہوں تو اللہ تعالیٰ ان تمام گناہوں کو تم سے دھو دیتا ہے اور جب تم جمرات کو کنکریاں مارتے ہو تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ تمھارے لئے ذخیرہ کر دیتا ہے اور جب تم سر منڈواتے ہو تو ہر بال کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھارے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ پھر جب تم طواف کرتے ہو تو اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتے ہو جیسا کہ تم اپنی ماں کے پیٹ سے گناہوں سے بالکل پاک پیدا ہوئے تھے۔''[1]

اسی حدیث کی ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کا قصد کر کے نکلتے ہو تو تمھاری اونٹنی کے ایک ایک قدم پر اللہ تعالیٰ تمھارے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور تمھارا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور طواف کے بعد تمھاری دو رکعات حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوتی ہیں اور صفا اور مروہ کے درمیان تمھاری سعی ستر غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہوتی ہے، اور یوم عرفہ کی شام کو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر آ کر تم پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے: دیکھو یہ میرے بندے ہیں جو دور دراز سے پراگندہ حالت میں اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے ہیں، یہ میری رحمت کے امید وار ہیں۔ اگر تمھارے گناہ ریت کے ذرات کے برابر، یا بارش کے قطروں کے برابر، یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تو میں نے ان تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور ((أَفِيْضُوْا عِبَادِيْ مَغْفُوْرًا لَّكُمْ وَلِمَنْ شَفَعْتُمْ لَهُ)) ''سن لو میرے بندو! اب تم مزدلفہ کی طرف لوٹ جاؤ، میں نے تمھاری اور جن کیلئے تم نے دعا کی ہے سب کی مغفرت کر دی ہے۔'' اور جب تم جمرات کو کنکریاں مارتے ہو تو ہر کنکری کے بدلے میں ایک کبیرہ گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور جب تم قربانی کرتے ہو تو اس کا اجر تمھارے رب کے ہاں تمھارے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔ اور جب تم سر منڈواتے ہو تو ہر بال کے بدلے اللہ تعالیٰ تمھارے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔ پھر جب تم طواف کرتے ہو تو اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتے ہو جیسا کہ تم اپنی ماں کے پیٹ سے گناہوں سے بالکل پاک پیدا ہوئے تھے اور ایک فرشتہ آتا ہے اور

---

[1] الطبراني- وحسنه الألباني فی صحیح الجامع الصغیر:1360

تمھارے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے: جاؤ اب مستقبل کیلئے عمل کرو کیونکہ تمھارے پچھلے تمام گناہ مٹا دیئے گئے ہیں۔'' ①

سفرِ حج سے پہلے چند آداب

① عازمِ حج پر لازم ہے کہ وہ حج وعمرہ کے ذریعے صرف اللہ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرے کیونکہ ہر عملِ صالح کی قبولیت کیلئے اخلاص شرط ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلاَّ لِيَعْبُدُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوْا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ ②

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کیلئے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اور یکسو ہو کر۔ اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیتے رہیں اور یہی نہایت درست دین ہے۔''

② وہ حج کے اخراجات رزقِ حلال سے کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا» ③

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز کو قبول کرتا ہے۔''

پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے پراگندہ اور غبار آلود حالت میں (حج کرنے جاتا ہے) اور آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کرتا ہے: اے میرے رب، اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کمائی سے تھا اور اس کے جسم کی پرورش حرام رزق سے ہوئی تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے!''

اس حدیث میں ذرا غور فرمائیں کہ اس شخص نے قبولیتِ دعا کے کئی اسباب اختیار کئے۔ سفر، پراگندہ اور غبار آلود حالت اور اللہ کے سامنے ہاتھوں کا اٹھانا وغیرہ... لیکن اس کے باوجود اس کی دعا اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغیرہ حرام کمائی سے تھا۔ اس لئے تمام مسلمانوں پر عموما اور حجاج کرام پر خصوصا لازم ہے کہ وہ حرام کمائی سے بچیں اور سفرِ حج کے اخراجات حلال کمائی سے کریں۔

③ تمام گناہوں سے سچی توبہ کر لے اور اگر اس پر لوگوں کا کوئی حق (قرضہ وغیرہ) ہو تو اسے ادا کر دے۔

---

① الطبرانی۔صحیح الترغیب والترهیب للألبانی :1112 ② البینة98 :5

③ صحیح مسلم: 1014

اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کرے اور اگر کچھ حقوق وہ ادا نہ کر سکا ہو تو انھیں ان کے متعلق وصیت کرے۔

④ قرآن وسنت کی روشنی میں حج وعمرہ کے احکامات کو سیکھ لے اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا:

«لِتَأْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ ، فَإِنِّي لَا أَدْرِيْ لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِه» ①

''تم حج کے احکام سیکھ لو کیونکہ مجھے معلوم نہیں، شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کر سکوں۔''

لہٰذا جس طرح باقی تمام عبادات کیلئے رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے مطابقت ضروری ہے، اسی طرح حج کے احکام بھی آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہی ادا ہونے چاہئیں۔

دورانِ سفر اور دورانِ ادائیگیٔ حج چند ضروری آداب

① احرام کی نیت کرنے کے بعد زبان کی خصوصی طور پر حفاظت کریں اور فضول گفتگو سے پرہیز کریں، اپنے ساتھیوں کو ایذاء نہ دیں اور ان سے برادرانہ سلوک رکھیں۔ اور اپنے تمام فارغ اوقات اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گذاریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ②

''حج کے مہینے مقرر ہیں، اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے سے بچتا رہے۔ تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو اور سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔ لہٰذا اے عقلمندو! تم مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔''

اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» ③

''جس نے حج کیا اور اس دوران بے ہودگی اور اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا وہ اس طرح واپس لوٹے گا جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔''

---

① صحیح مسلم: 1297 ② البقرۃ 2: 197

③ صحیح البخاری: 1819، صحیح مسلم: 1350

② حجاج کے رش میں خصوصاً حالتِ طواف وسعی میں اور کنکریاں مارتے ہوئے کوشش کریں کہ کسی کو آپ کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے اچھا مومن کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ» ①

''سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اسکے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

اگر کسی کی وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچے تو اسے درگزر کر دیں اور جھگڑا نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ ②

''اور وہ (مومن) کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت معاف کر دیتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ﴾ ③

''برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔''

③ باجماعت نماز پڑھنے کی پابندی کریں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی سستی نہ برتیں۔

④ خواتین غیر محرم مردوں کے سامنے بے پردہ نہ ہوں اور ان کے سامنے دوپٹے یا چادر وغیرہ سے پردہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ ④

''اے نبی! اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور تمام مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اِس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی، پھر انھیں ستایا نہیں جائے گا۔''

حج کے فضائل اور سفرِ حج کے ضروری آداب ذکر کرنے کے بعد اب ہم حج تمتع کے احکام ذکر کرتے ہیں

① صحيح البخاري:11، صحيح مسلم:42
② الشورى 37:42
③ الشورى 40:42
④ الأحزاب 33: 59

کیونکہ پاک وہند سے جو حضرات حج کی سعادت حاصل کرنے کیلئے جاتے ہیں وہ عموما حج تمتع ہی کرتے ہیں اور حج تمتع یہ ہے کہ حاجی اپنے ملک سے جاتے ہوئے جب میقات پر پہنچے تو احرام کا لباس پہن کر وہاں سے صرف عمرہ کی نیت کرے اور مکہ مکرمہ میں پہنچ کر عمرہ کرلے۔ اس کے بعد احرام اتار کر اس کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔ پھر آٹھ ذوالحج کو اپنی رہائش گاہ سے دوبارہ احرام پہن کر حج کی نیت کرے اور منٰی کی طرف روانہ ہو جائے اور پھر مناسک حج مکمل کرے۔ تو آیئے سب سے پہلے عمرہ کے احکام تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

عمرہ کے تفصیلی احکام

❶ احرام:

① احرام حج وعمرہ کا پہلا رکن ہے۔ اور اس سے مراد ہے احرام کا لباس پہن کر تلبیہ کہتے ہوئے مناسکِ حج وعمرہ کو شروع کرنے کی نیت کر لینا اور ایسا کرنے سے اس پر چند امور کی پابندی کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

عمرے کا احرام میقات سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لباسِ احرام پہلے پہن لیا جائے اور نیت میقات سے کی جائے۔ میقات سے احرام باندھے بغیر گذرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اسے میقات کو واپس آنا یا مکہ جا کر دم دینا پڑے گا۔

مواقیت

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کیلئے ذو الحلیفة (ابیار علی)، اہلِ شام کیلئے الجحفة، اہلِ نجد کیلئے قرن المنازل اور اہلِ یمن کیلئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔ یہ مواقیت اِن ملکوں کیلئے ہیں اور اُن لوگوں کیلئے بھی ہیں جو حج وعمرہ کی نیت سے ان مقامات سے گذریں اور جو لوگ ان مواقیت کے اندر (مکہ مکرمہ کی جانب) مقیم ہوں وہ اپنے گھروں سے ہی احرام کی نیت کریں حتی کہ اہلِ مکہ مکہ ہی سے احرام کی نیت کریں۔''[۱]

② اِحرام باندھتے وقت غسل کرنا، صفائی کے امور کا خیال کرنا اور بدن پر خوشبو لگانا سنت ہے۔

حضرت عائشة رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ (كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ حِيْنَ يُحْرِمُ ، وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ)[۲]

① صحيح البخاري:1524، صحيح مسلم:1181 ② صحيح البخاري:1539، صحيح مسلم :1189

یعنی ''میں رسول اللہ ﷺ کو احرام کیلئے احرام باندھتے وقت خوشبو لگاتی تھی۔ اسی طرح جب آپ حلال ہوتے تو بیت اللہ کے طواف (طواف افاضہ) سے پہلے بھی آپ کو خوشبو لگاتی تھی۔''

③ مرد دو سفید اور صاف ستھری چادروں میں احرام باندھیں جبکہ خواتین اپنے عام لباس میں ہی احرام کی نیت کریں۔ اگر میقات پر عورت مخصوص ایام میں ہو تو وہ غسل کر کے احرام کی نیت کر لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ) نے ذو الحلیفة میں بیداء کے مقام پر (محمد بن ابی بکر) کو جنم دیا، جس کے بعد انہیں نفاس آ گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی اہلیہ کو حکم دیں کہ وہ غسل کر لیں اور احرام کی نیت کر لیں۔[1]

④ احرام کی نیت ان الفاظ سے کریں: ''لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ عُمْرَةً'' اگر راستے میں کسی رکاوٹ کے پیش آنے کا خطرہ ہو تو یہ الفاظ بھی پڑھنے چاہئیں:

''اَللّٰهُمَّ إِنْ حَبَسَنِي حَابِسٌ فَمَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي''

پھر تلبیہ پڑھنا شروع کر دیں اور طواف شروع کرنے تک اسے پڑھتے رہیں۔

تلبیہ یہ ہے: (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لاَ شَرِيْكَ لَكَ)[2]

''میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں، نعمتیں اور بادشاہت تیرے لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

⑤ مردوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم دیا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ

«أَتَانِي جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي وَمَنْ مَّعِي أَنْ يَّرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلاَلِ»[3]

''میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور میرے ساتھ جو بھی ہے سب کو تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دوں۔''

---

① صحیح مسلم:1209، 1210 ② صحیح البخاری:1549، صحیح مسلم:1184

③ سنن الترمذی:829، سنن أبی داؤد:1814 وصححه الألبانی

رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ پڑھنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُلَبِّيْ إِلَّا لَبیّٰ مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ»①

''کوئی مسلمان جب تلبیہ پڑھتا ہے تو اس کے دائیں بائیں ہر پتھر، ہر درخت اور ریت کے تمام ذرات بھی تلبیہ پڑھتے ہیں۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَهَلَّ مُهِلٌّ قَطُّ إِلَّا بُشِّرَ، وَلَا كَبَّرَ مُكَبِّرٌ قَطُّ إِلَّا بُشِّرَ۔ قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! بِالْجَنَّةِ؟ قَالَ: نَعَمْ»②

''کوئی تلبیہ پڑھنے والا جب بھی تلبیہ پڑھتا ہے تو اسے بشارت دی جاتی ہے اور کوئی تکبیر کہنے والا جب بھی تکبیر کہتا ہے تو اسے بھی بشارت دی جاتی ہے۔'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول! جنت کی بشارت دی جاتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔''

⑥ **بعض غلطیاں:** بغیر احرام باندھے میقات کو عبور کر جانا۔ احرام باندھتے ہی دایاں کندھا ننگا کر لینا حالانکہ ایسا صرف طوافِ قدوم میں کرنا چاہیے۔ خاص ڈھب سے بنے ہوئے جوتے کی پابندی کرنا (حالانکہ ٹخنوں کو ننگا رکھتے ہوئے ہر قسم کا جوتا پہنا جا سکتا ہے۔) احرام باندھ کر کثرت سے ذکر واستغفار اور تلبیہ کے بجائے لہو ولعب میں مشغول رہنا۔ باجماعت نماز ادا کرنے میں سستی کرنا۔ خواتین کا بغیر محرم یا بغیر خاوند کے سفر کرنا۔ غیر محرم مردوں کے سامنے عورتوں کا پردہ نہ کرنا۔ احرام باندھ لینے کے بعد کئی لوگوں کا فوٹو کھنچوانا۔

⑦ محظوراتِ احرام:

احرام کی نیت کرنے کے بعد کچھ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جو یہ ہیں: جسم کے کسی حصے سے بال اکھیڑنا یا کاٹنا، ناخن کاٹنا، خوشبو استعمال کرنا، بیوی سے صحبت یا بوس وکنار کرنا، دستانے پہننا اور شکار کرنا ... یہ سب امور مرد وعورت دونوں پر حرام ہو جاتے ہیں اور مرد پر سلا ہوا کپڑا پہننا اور سر کو ڈھانپنا حرام ہو جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! احرام والا شخص کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

① سنن الترمذی:828۔ وصححه الألبانی

② الطبرانی فی الأوسط۔ صحیح الترغیب والترهیب للألبانی:1137

«لَا يَلْبَسُ الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ ، وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ ، إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ ، وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ»①

''وہ قمیص، پگڑی، شلوار (یا پاجامہ) اور باران کوٹ نہ پہنے اور اسی طرح موزے بھی نہ پہنے۔ ہاں اگر کسی کو جوتے نہ ملیں تو وہ موزے پہن سکتا ہے بشرطیکہ وہ انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ دے اور تم ایسا لباس مت پہنو جس پر زعفران یا ورس کی خوشبو یا ان کا رنگ لگا ہوا ہو۔''

جبکہ عورت پر نقاب باندھنا حرام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی ایک اور روایت کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ »②

''احرام والی عورت نہ نقاب باندھے اور نہ ہی وہ دستانے پہنے۔''

البتہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے چہرے کا پردہ کرنے کی پابند ہوگی خواہ کپڑا اس کے چہرے کو لگ جائے۔

حضرت فاطمۃ بنت المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

«كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ»

''ہم احرام کی حالت میں حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق کے ساتھ اپنے چہروں کا پردہ کیا کرتی تھیں۔''

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

«كُنَّا نُغَطِّي وُجُوهَنَا مِنَ الرِّجَالِ وَكُنَّا نَمْشِطُ قَبْلَ ذٰلِكَ فِي الْإِحْرَامِ»③

''ہم احرام میں اپنے چہرے مردوں سے چھپایا کرتی تھیں اور اس سے پہلے ہم کنگھی کر لیا کرتی تھیں۔''

جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ

(كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا ، فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ)④

---

① صحيح البخاری1542 ، صحيح مسلم :1177 ② صحيح البخاری :1838

③ رواهما الحاكم وصححهما الألبانی فی إرواء الغليل:212/4

④ سنن أبي داؤد:833 ، سنن ابن ماجه:2935-ضعفه الألبانی ولكن له شاهد من حديث أسماء وفاطمة المذكورين

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں تھیں، جب لوگ ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر سر سے چہرے پر لٹکا لیتی اور جب وہ آگے چلے جاتے تو ہم اپنے چہروں سے پردہ ہٹا لیتیں"

⑧ حالتِ احرام میں غسل کرنا، سر میں خارش کرنا، چھتری وغیرہ کے ذریعے سایہ کرنا اور بیلٹ باندھنا جائز ہے۔

سایہ کرنے کے بارے میں حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا اور انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک نے آپ ﷺ کی اونٹنی کی لگام کو پکڑا ہوا تھا اور دوسرے نے آپ ﷺ پر کپڑا بلند کیا ہوا تھا تاکہ آپ دھوپ سے بچ سکیں۔ ①

❷ طواف:

① مسجد حرام میں پہنچ کر تلبیہ بند کر دیں، پھر حجر اسود کے سامنے آئیں اور اپنا دایاں کندھا ننگا کر لیں۔ اسے اضطباع کہتے ہیں۔ ②

اگر بآسانی حجر اسود کو بوسہ دے سکتے ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ ہاتھ لگا کر اسے چوم لیں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دائیں ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے زبان سے "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کہیں اور طواف شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«يَا عُمَرُ، إِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ، لَا تُزَاحِمْ عَلَى الْحَجَرِ فَتُؤْذِيَ الضَّعِيفَ، إِنْ وَجَدْتَ خَلْوَةً فَاسْتَلِمْهُ وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ، فَهَلِّلْ وَكَبِّرْ» ③

"اے عمر! تم طاقتور ہو، لہٰذا حجر اسود پر مزاحمت نہ کرو اور کمزور کو ایذا نہ دو اور جب حجر اسود کا استلام کرنا چاہو تو دیکھ لو اگر بآسانی کر سکو تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے سامنے آ کر طواف کی نیت کر کے تکبیر کہہ لو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ» ④

"حجر اسود جب جنت سے نازل ہوا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا، پھر بنی آدم کی غلطیوں نے اسے سیاہ کر دیا"

---

① صحيح مسلم: 1298 ② سنن أبي داؤد: 1883، 1884۔ وصححه الألباني

③ مسند أحمد: 321/1 برقم: 190 وهو حديث حسن كما قال محقق المسند

④ سنن الترمذي: 877۔ وصححه الألباني

جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا:

«وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا ، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ ، يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ»①

''اللہ کی قسم! اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہونگی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور ہر ایسے شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اس کا حق کے ساتھ استلام کیا تھا۔''

نیز یہ بات ہر حاجی کو ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ حجر اسود نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر فرمایا:

«إِنِّيْ أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ، وَلَوْ لَا أَنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ»②

''مجھے معلوم ہے کہ تم ایک پتھر ہو اور نہ تم نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ نفع۔ اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

② طواف کے پہلے تین چکروں میں کندھے ہلاتے ہوئے، چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز تیز چلیں۔ اسے رمل کہتے ہیں۔ ہاں اگر رش ہو تو صرف کندھے ہلانا ہی کافی ہے۔ اس حکم سے خواتین مستثنیٰ ہیں اسی طرح ان کے محرم بھی۔ تاہم محرم مردوں کو رمل جیسی کیفیت اختیار کرنی چاہیئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج میں یا عمرہ میں طواف کرتے تو سب سے پہلے تین چکر تیز تیز قدموں کے ساتھ لگاتے، پھر چار چکر عام رفتار میں مکمل کرتے۔ اسکے بعد دو رکعات ادا فرماتے اور پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے۔③

③ دورانِ طواف ذکر، دعا اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں، ہر چکر کی کوئی خاص دعا نہیں ہے۔ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) کا پڑھنا مسنون ہے۔④

---

① سنن الترمذی وابن حبان۔ صحیح الترغیب والترھیب: 1144

② صحیح البخاری:1597، صحیح مسلم:1270

③ صحیح البخاری:1616، صحیح مسلم:1261 ④ سنن أبی داؤد:1892 وحسنه الألبانی

ذکر اور دعا میں آواز بلند کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ﴾ ①

''اور اپنے رب کا ذکر کریں اپنے دل میں، عاجزی اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ، صبح اور شام اور اہلِ غفلت میں سے مت ہوں۔''

اور فرمایا: ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ ②

''تم اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑ گڑا کر بھی اور چپکے چپکے بھی۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے تجاوز کریں۔''

④ ''بسم الله ، الله أكبر'' کہہ کر رکن یمانی کا استلام کرنا بھی مسنون ہے۔ لہٰذا اگر بآسانی اسے ہاتھ لگا سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ بغیر اشارہ کئے اور بوسہ دیئے وہاں سے گذر جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ ، طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا ، وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَأَضَاءَ تَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ» ③

''بے شک رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیم) جنت کے قیمتی پتھروں میں سے دو پتھر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے نور کر دیا ہے۔ اگر وہ انہیں بے نور نہ کرتا تو وہ مشرق و مغرب کے درمیان پوری دنیا کو روشن کر دیتے۔''

⑤ سات چکر مکمل کر کے مقامِ ابراہیم کے پیچھے اگر جگہ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ مسجد حرام کے کسی حصے میں دو رکعات ادا کریں۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ''الکافرون'' اور دوسری میں ''الاخلاص'' پڑھیں۔ ④

پھر زمزم کا پانی پییں اور اپنے سر پر بہائیں، اس کے بعد اگر ہو سکے تو حجر اسود کا استلام کریں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ورنہ سیدھے صفا کی طرف چلے جائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے، پھر آپ نے حجر اسود کا استلام کیا، پھر اپنی دائیں سمت چل پڑے، پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا اور باقی چار چکر آپ نے عام رفتار میں پورے کئے۔ پھر آپ ﷺ مقام ابراہیم پر آئے اور آپ نے یہ آیت

---

① الأعراف 7:205 ② الأعراف 7:55

③ سنن الترمذي: 878 وصححه الألباني ④ صحيح مسلم: 1218

پڑھی : ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ اور مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھ کر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر دوبارہ حجر اسود پر آئے اور استلام کیا، پھر صفا کی طرف چلے گئے۔ ①

طواف میں بعض غلطیاں : حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے مزاحمت کرنا اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا۔ دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے حجر اسود کی طرف اشارہ کرنا۔ حطیم کے درمیان سے گذرتے ہوئے طواف کرنا۔ رکن یمانی کو بوسہ دینا اور اسی طرح اس کا استلام نہ کر سکنے کی صورت میں اس کی طرف اشارہ کرنا۔ ہر چکر کیلئے ایک دعا خاص کرنا۔ کعبہ کی دیواروں پر بنیتِ تبرک ہاتھ پھیرنا۔ طواف قدوم کے بعد بھی دایاں کندھا ننگا رکھنا۔ دورانِ طواف دعائیں پڑھتے ہوئے آواز بلند کرنا۔

زمزم کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيْهِ طَعَامُ الطَّعْمِ وَشِفَاءُ السَّقْمِ»

’’روئے زمین پر سب سے افضل پانی زمزم کا پانی ہے، وہ ایک کھانے کا کھانا ہے اور مزید برآں اس میں بیماری سے شفا بھی ہے۔‘‘ ②

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ» ③

’’زمزم کا پانی پینے سے ہر وہ مقصد پورا ہوتا ہے جس کیلئے اسے پیا جائے۔‘‘

⑥ طواف، دو رکعات اور استلامِ حجر اسود کے بعد اگر ملتزم پر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے پہلے طواف کیا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، پھر استلام کیا، پھر حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہو کر اپنا سینہ، اپنے ہاتھ اور اپنے رخسار بیت اللہ سے چمٹائے۔ پھر کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ④

---

① صحيح مسلم:1218

② رواه الطبراني وابن حبان۔ صحيح الترغيب والترهيب :1161

③ رواه الدار قطني والحاكم۔ صحيح الترغيب والترهيب : 1164

④ سنن الترمذي۔ 2962۔ الصحيحة للألباني:2138

۳ سعی:

صفا کے قریب جا کر ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ پڑھیں، پھر صفا پہ چڑھ جائیں اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھیں:

(لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ)

پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں، تین مرتبہ اسی طرح کر کے مروہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ راستے میں دو سبز نشانوں کے درمیان دوڑیں۔ البتہ عورتیں اور ان کے ساتھ جانے والے مرد نہیں دوڑیں گے۔ پھر عام رفتار میں چلتے ہوئے مروہ پر پہنچیں، یہاں پہنچ کر ایک چکر پورا ہو جائے گا۔ اب یہاں بھی وہی کریں جو آپ نے صفا پر کیا تھا۔ پھر واپس صفا کی طرف آئیں، راستے میں دو سبز نشانوں کے درمیان دوڑیں، صفا پہ پہنچ کر دوسرا چکر مکمل ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح سات چکر پورے کریں، آخری چکر مروہ پر پورا ہوگا۔ دورانِ سعی ذکر، دعا اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں۔

بعض غلطیاں: صفا اور مروہ پر قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنا۔ اقامتِ نماز ہو جانے کے بعد بھی سعی جاری رکھنا۔ سعی کے سات چکروں کی بجائے چودہ چکر لگانا۔

۴ سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا:

صفا اور مروہ کے درمیان سعی مکمل کر کے سر منڈوا لیں یا پورے سر کے بال چھوٹے کروا لیں۔ تاہم سر کے بال منڈوانا افضل ہے۔ عورت اپنی ہر چوٹی سے انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کٹوائے۔ مردوں کا سر کے کچھ حصے سے بال کٹوا کر حلال ہو جانا خلافِ سنت ہے۔

اس طرح آپ کا عمرہ مکمل ہو جائے گا اور احرام کی وجہ سے جو پابندیاں لگی تھیں وہ ختم ہو جائیں گی۔ اب آپ احرام کھول سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں اور حجاج کرام کو عمرۂ مقبولہ نصیب فرمائے۔ آمین

دوسرا خطبہ

پہلے خطبۂ جمعہ میں ہم نے حج کی اہمیت وفرضیت، حج کے فضائل، سفرِ حج کے بعض آداب اور عمرہ کے تفصیلی

احکام بیان کیے۔ اب سوال یہ ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد آٹھ ذوالحج (یوم الترویۃ) تک حجاج کرام کو کیا کرنا چاہیے؟

① بعض لوگ عمرے سے فارغ ہو کر مختلف مساجد اور پہاڑوں کی زیارت کیلئے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا محض ضیاع وقت ہے۔ اسی طرح مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا سے احرام باندھ کر بار بار عمرے کرنا بھی رسول اللہ ﷺ سے اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں صرف حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ ثابت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں پہنچی تھیں تو اس وقت آپ مخصوص ایام میں تھیں، اسی لئے آپ ﷺ نے انہیں عمرہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ حج ادا کیا اور جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کو واپس لوٹنے لگے تو حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: میرے دل میں یہ بات رہے گی کہ لوگوں نے حج وعمرہ دونوں کیے ہیں جبکہ میں نے صرف حج کیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ انہیں تنعیم میں لے جائیں جہاں سے وہ احرام کی نیت کر کے عمرہ کر لیں۔ چنانچہ انھوں نے عمرہ ادا کیا۔ [۱]

یہ ایک مخصوص معاملہ تھا جسے لوگوں نے اتنا عام کر لیا ہے کہ وہ عمرہ اور حج کے درمیان بار بار تنعیم میں جاتے ہیں اور وہاں سے احرام باندھ کر متعدد عمرے کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تنعیم سے بار بار عمرہ کرنے کی بجائے اگر مسجد حرام میں باجماعت نماز ادا کی جائے اور خانہ کعبہ کے نفلی طواف بار بار کیے جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

② مسجد حرام میں نماز باجماعت پڑھنے کی پابندی کریں اور اس کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ اس میں ایک نماز دیگر مساجد میں ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ خطبۂ جمعہ میں بیان کر چکے ہیں۔

③ خانہ کعبہ کا نفلی طواف کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ» [۲]

”جس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کیلئے ایک گردن کو آزاد کرنے کا ثواب ہے۔“

ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا رَفَعَ رَجُلٌ قَدَمًا وَلَا وَضَعَهَا إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ

---

① صحيح البخاري: 1556، صحيح مسلم: 1211

② سنن ابن ماجه: 2956 وصححه الألباني

وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ»[1]

''(دوران طواف) ہر ہر قدم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں اور دس درجات بلند کردیے جاتے ہیں۔''

④ اگر آپ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرنا چاہیں تو حطیم میں پڑھ لیں کیونکہ حطیم خانہ کعبہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ میں چاہتی تھی کہ خانہ کعبہ کے اندر جاؤں اور اس میں نماز پڑھوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے الحِجر (حطیم) میں داخل کردیا اور ارشاد فرمایا:

« صَلِّيْ فِيْ الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُوْلَ الْبَيْتِ، فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ، وَلٰكِنْ قَوْمُكِ اِسْتَقْصَرُوْهُ حِيْنَ بَنَوْا الْكَعْبَةَ، فَأَخْرَجُوْهُ مِنَ الْبَيْتِ»[2]

''اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہو تو حطیم میں ہی نماز پڑھ لو کیونکہ وہ بیت اللہ کا ہی ایک ٹکڑا ہے، لیکن تمہاری قوم نے جب کعبہ کو تعمیر کیا تو اسے چھوٹا کرنا چاہا، اس لئے انھوں نے اسے (یعنی حطیم کو) بیت اللہ سے الگ کردیا۔''

حج کے باقی احکام ان شاء اللہ آئندہ خطبۂ جمعہ میں ذکر کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حجاج کرام اور ہم سب کی تمام عبادات قبول فرمائے۔ آمین

---

① أحمد۔ صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1139

② سنن الترمذي:876۔ وصححه الألباني

حج کے فضائل، احکام اور آداب (۲)

اہم عناصرِ خطبہ:

❶ حج کے تفصیلی احکام

❷ رسول اللہ ﷺ کے حج مبارک کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث

❸ آدابِ زیارتِ مدینہ

پہلا خطبہ

گذشتہ خطبۂ جمعہ میں ہم نے قرآن وحدیث کی روشنی میں حج کی اہمیت وفرضیت ، حج کے فضائل ،سفرِ حج کے بعض آداب اور عمرہ کے تفصیلی احکام بیان کئے تھے۔ جبکہ آج کے خطبۂ جمعہ میں حج کے احکام اور اسی طرح آدابِ زیارتِ مدینہ منورہ کو تفصیل سے بیان کرنا مقصود ہے

حج کے تفصیلی احکام

۸/ ذوالحج (یوم الترویہ)

مکہ مکرمہ میں جہاں آپ رہائش پذیر ہیں وہیں سے حج کا احرام باندھ لیں ۔ احرامِ حج کا طریقہ بھی وہی ہے جو احرامِ عمرہ کا ہے۔ لہٰذا صفائی اور غسل کرکے اور بدن پر خوشبو لگا کر احرام کا لباس پہن لیں۔ پھر "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ حَجًّا" کہتے ہوئے حج کی نیت کر لیں اور تلبیہ شروع کر دیں اور دس ذوالحج کو کنکریاں مارنے تک تلبیہ پڑھتے رہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے رمی کرنے تک تلبیہ جاری رکھا۔ [۱]

احرام باندھ کر ظہر سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نو ذوالحج کی فجر کی نمازیں قصر کر کے اپنے اپنے وقت پر پڑھیں اور رات کو وہیں قیام کریں۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ [۲]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ہمیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء

---

① صحیح البخاری:1685 و1670 ، صحیح مسلم 1281

② صحیح البخاری:1653 ، 1655 ، صحیح مسلم:1309 ، 694

اور فجر کی نمازیں پڑھائیں اور اس کے بعد آپ ﷺ عرفات کو روانہ ہوئے۔ ①

یہی بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی طویل حدیث میں روایت کی ہے۔ ②

۹/ ذوالحج (یومِ عرفہ)

یومِ عرفہ انتہائی عظیم دن ہے، اس دن عرفات کا وقوف حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے وقوفِ عرفہ کو حج قرار دیا۔ ③

اس دن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَّوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ :مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ ؟» ④

''اللہ تعالیٰ عرفات کے دن سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہے اور وہ قریب آ کر ان پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: یہ کیا چاہتے ہیں؟''

جبکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عرفات میں وقوف فرمایا اور جب سورج غروب ہونے والا تھا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بلال! ذرا لوگوں کو خاموش کر کے میری طرف متوجہ کرو۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کو خاموش کرایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَعَاشِرَ النَّاسِ، أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ آنِفًا، فَأَقْرَأَنِيْ مِنْ رَبِّيْ السَّلَامَ، وَقَالَ:إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ غَفَرَ لِأَهْلِ عَرَفَاتَ، وَأَهْلِ الْمَشْعَرِ، وَضَمِنَ عَنْهُمُ التَّبِعَاتِ»

''اے لوگوں کی جماعت! میرے پاس ابھی جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے مجھے میرے رب کا سلام پہنچایا اور کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرفات اور اہلِ مشعر کی مغفرت کر دی ہے اور ان کے حقوق کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارے لئے خاص ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰذَا لَكُمْ وَلِمَنْ أَتٰى مِنْ بَعْدِكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» ⑤

---

① سنن الترمذی:879- وصححہ الألبانی ② صحیح مسلم:1218

③ سنن الترمذی:889، سنن ابن ماجہ:3015- وصححہ الألبانی

④ صحیح مسلم:1348 ⑤ صحیح الترغیب والترہیب للألبانی:1151

''یہ تمھارے لئے اور تمھارے بعد قیامت تک آنے والے ہر شخص کیلئے ہے۔''

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عرفہ کو فجر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی، پھر (طلوع شمس کے بعد) آپ ﷺ عرفات کو روانہ ہو گئے۔ عرفات میں پہنچ کر آپ ﷺ نمرۃ میں اترے اور یہ وہ مقام ہے جہاں عرفات میں امام اترتا ہے یہاں تک کہ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے اول وقت میں ظہر اور عصر کو جمع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطاب فرمایا: اس کے بعد آپ ﷺ نے عرفات میں وقوف فرمایا۔[1]

① نو ذوالحج کو طلوع شمس کے بعد تکبیر اور تلبیہ کہتے ہوئے عرفات کی طرف روانہ ہو جائیں۔

محمد بن ابی بکر الثقفی بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ منیٰ سے عرفات کو جا رہے تھے۔ راستے میں انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دن میں کیا کہتے تھے ؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

(كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ ، فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ ، وَيُكَبِّرُ مِنَّا الْمُكَبِّرُ ، فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ)[2]

''ہم میں سے کوئی شخص تلبیہ پڑھتا تو اس پر انکار نہ کیا جاتا اور کوئی شخص تکبیر کہتا تو اس پر بھی انکار نہ کیا جاتا۔''

عرفات میں پہنچ کر اس بات کا یقین کر لیں کہ آپ حدودِ عرفہ کے اندر ہیں، پھر (زوالِ شمس کے بعد) اگر ہو سکے تو امام کا خطبۂ حج سنیں اور اس کے ساتھ ظہر وعصر کی نمازیں جمع وقصر کر کے پڑھیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اپنے خیمے میں ہی دونوں نمازیں جمع وقصر کرتے ہوئے باجماعت ادا کر لیں۔

② پھر غروبِ شمس تک ذکر، دعا، تلبیہ اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی وانکساری ظاہر کریں، اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں اور ہاتھ اٹھا کر دنیا وآخرت میں خیر وبھلائی کی دعا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ ، وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ...»

''سب سے بہتر دعا یومِ عرفہ کی دعا ہے اور سب سے بہتر دعا جو میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کی وہ یہ ہے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ''[3]

---

① سنن أبی داؤد:1913 وحسنه الألبانی ② صحيح البخاری:1659، صحيح مسلم:1285

③ سنن الترمذی:3585 وحسنه الألبانی۔ الصحيحة:1503

③ وقوفِ عرفہ کا وقت زوالِ شمس سے لے کر دس ذوالحج کی رات کو طلوعِ فجر تک رہتا ہے۔ اس دوران حاجی ایک گھڑی کیلئے بھی عرفات میں چلا جائے تو حج کا یہ رکن پورا ہو جاتا ہے۔

حضرت عروۃ بن مضرّس بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آیا جب آپ مزدلفہ میں تھے اور صبح کی نماز کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں (طی) کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں، میں نے اپنی سواری کو مشقت میں ڈالا اور اپنے آپ کو بہت تھکایا، اللہ کی قسم! میں نے (عرفات میں) کوئی ریتلا مقام نہیں چھوڑا جہاں میں نے وقوف نہ کیا ہو۔ تو کیا میرا حج درست ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نَدْفَعَ، وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ أَتَمَّ حَجَّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ»①

''جو شخص ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا یہاں تک کہ ہم یہاں سے (منیٰ) کو چلے جائیں اور وہ اس سے پہلے رات کو یا دن کو کسی وقت عرفات میں وقوف کر چکا تھا تو اس کا حج مکمل ہو گیا اور اس نے اپنے مناسک پورے کر لئے۔''

نیز عرفات کی حدود میں جہاں بھی وقوف کر لیں کافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَقَفْتُ هٰهُنَا، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»②

''میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور پورا میدانِ عرفات وقوف کی جگہ ہے۔''

④ غروبِ شمس کے بعد عرفات سے انتہائی سکون کے ساتھ مزدلفہ کو روانہ ہو جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ یومِ عرفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفہ سے واپس لوٹے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سے سواریوں کو مارنے اور شدید ڈانٹنے کی آوازیں سنیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کوڑے کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

« أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيْضَاعِ»③

''اے لوگو! انتہائی سکون واطمینان کے ساتھ جاؤ کیونکہ نیکی جلدی کرنے میں نہیں ہے۔''

⑤ یومِ عرفہ کو مغرب کی نماز عرفات میں نہیں بلکہ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں عرفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے

---

① سنن الترمذی:891، سنن ابن ماجه:3026- وصححه الألبانی

② صحیح مسلم:1218 ③ صحیح البخاری:1671

پیچھے بیٹھا تھا، جب آپ ﷺ بائیں طرف ایک وادی میں جو کہ مزدلفہ سے پہلے ہے اس میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری کو بٹھایا، پھر آپ نے قضائے حاجت کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس آئے تو میں نے آپ پر پانی ڈالا اور آپ نے ہلکا سا وضو کیا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! نماز پڑھنی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اَلصَّلاۃُ أَمَامَكَ) ''نماز ابھی اور آگے جا کر پڑھیں گے'' پھر آپ ﷺ سواری پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ میں پہنچے، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ ①

⑥ مزدلفہ میں سب سے پہلے مغرب وعشاء کی نمازیں جمع وقصر کر کے باجماعت ادا کریں، پھر اپنی ضرورتیں پوری کر کے سو جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں جمع فرمائیں۔ ہر نماز کیلئے الگ الگ اقامت کہی گئی اور ان دونوں کے درمیان اور اسی طرح ان کے بعد آپ ﷺ نے کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ ②

⑦ عورتوں کیلئے اور ان کے ساتھ جانے والے مردوں اور بچوں کیلئے اور اسی طرح کمزوروں کیلئے جائز ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کو چلے جائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے گھر والوں میں سے کمزور لوگ مزدلفہ میں المشعر الحرام کے پاس رات کے وقت وقوف کرتے تھے اور وہ جتنا چاہتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ امام کے وقوف اور اس کے منیٰ کو لوٹنے سے پہلے ہی ان کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے جلدی روانہ کر دیتے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی نماز فجر کے وقت منیٰ میں پہنچتا اور کوئی اس کے بعد۔ اور وہ جیسے ہی منیٰ میں پہنچتے جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے (مزدلفہ سے منیٰ کو جلدی جانے کی) رخصت دی تھی۔ ③

اور حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے مزدلفہ میں پڑاؤ ڈالا تو حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کے ازدحام سے پہلے وہاں سے منیٰ کو چلی جائیں؟ وہ بھاری جسم کی مالک تھیں اور بہت آہستہ آہستہ چلتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، اس لئے وہ لوگوں کے رش سے پہلے ہی روانہ ہو گئیں اور ہم صبح ہونے تک آپ ﷺ کے ساتھ ہی ٹھہرے رہے، پھر آپ ﷺ کے ساتھ ہی منیٰ کو واپس لوٹیا ور اگر میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کر لی ہوتی جیسا کہ سودۃ رضی اللہ عنہا نے

---

① صحیح البخاری:1669، صحیح مسلم:1280
② صحیح البخاری:1673
③ صحیح البخاری:1676، صحیح مسلم:1295

طلب کی تھی تو یہ میرے لئے اِس بات سے بہتر ہوتا جس پر میں خوش ہو رہی تھی (آپ کے ﷺ کے ساتھ رہنے پر۔)[1]

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں میں سے کمزور افراد کے ساتھ مزدلفہ سے (منیٰ کو) جلدی روانہ کر دیا تھا۔[2]

بعض غلطیاں: ① حدودِ عرفہ سے باہر وقوف کرنا ② یہ عقیدہ رکھنا کہ جبلِ رحمت پر چڑھے بغیر وقوفِ عرفہ مکمل نہیں ہوتا حالانکہ جبلِ رحمت پر چڑھنے کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کارِ ثواب ہے ③ غروب شمس سے پہلے عرفات سے روانہ ہو جانا۔ ④ مزدلفہ میں پہنچ کر سب سے پہلے مغرب وعشاء کی نمازوں کی ادائیگی کی بجائے کنکریاں چننے میں لگ جانا ⑤ مزدلفہ کی رات میں نوافل پڑھنا۔

۱۰/ ذوالحج (یومِ عید)

① فجر کی نماز مزدلفہ میں ادا کریں، پھر صبح کی روشنی پھیلنے تک قبلہ رخ ہو کر ذکر، دعا اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں۔

② بڑے جمرۃ کو کنکریاں مارنے کیلئے مزدلفہ سے موٹے چنے کے برابر کنکریاں اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ یہ لازم نہیں کہ مزدلفہ ہی سے اٹھائی جائیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مزدلفہ سے منیٰ کو واپس لوٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ جب محسر میں پہنچے جو کہ منیٰ میں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِيْ يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ»[3]

''تم کنکریاں لے لو جن کے ساتھ جمرۃ کو رمی کی جائے گی۔''

ایامِ تشریق میں جمرات کو کنکریاں مارنے کیلئے مزدلفہ سے کنکریاں اٹھانا ضروری نہیں، وہ منیٰ سے بھی اٹھائی جا سکتی ہیں۔

③ پھر طلوعِ شمس سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جائیں، راستے میں وادیٔ محسر کو عبور کرتے ہوئے تیز تیز چلیں۔

④ منیٰ میں بڑے جمرہ کے پاس پہنچ کر تلبیہ بند کر دیں اور بڑے جمرۃ کو جو کہ مکہ مکرمہ کی طرف ہے سات کنکریاں ایک ایک کر کے ماریں، ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہیں۔ کمزور یا بیمار مرد، بچے اور اسی طرح کمزور یا عمر

---

① صحیح البخاری :1681 ، صحیح مسلم :1290

② صحیح البخاری :1678 ، صحیح مسلم :1293

③ صحیح مسلم :1282

رسیدہ خواتین کنکریاں مارنے کیلئے کسی دوسرے شخص کو وکیل بنا سکتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر کو چاشت کے وقت کنکریاں مارتے اور اس کے بعد دیگر ایام میں زوالِ شمس کے بعد رمی کرتے۔ ①

اور جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الجمرۃ الکبری تک پہنچے تو انھوں نے بیت اللہ کو اپنی بائیں جانب اور منیٰ کو دائیں جانب کر لیا اور بڑے جمرہ کو سات کنکریاں ماریں اور پھر فرمایا: اسی طرح اس شخصیت نے کنکریاں ماریں جن پر سورۃ البقرۃ نازل ہوئی۔ ②

⑤ پھر قربانی کا جانور ذبح کریں جو بے عیب ہو اور مطلوبہ عمر کے مطابق ہو۔ قربانی کیلئے جانور کی عمر کا لحاظ نہ کرنا اور عیب دار جانور قربان کر دینا ناجائز ہے۔ یاد رہے کہ آپ قربانی ۱۱ یا ۱۲ یا ۱۳ ذوالحج کو بھی کر سکتے ہیں۔

قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت اپنے لئے بھی لے آئیں اور فقراء میں بھی تقسیم کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴾ ③

”اور چند متعین دنوں میں ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں جو اللہ نے بطور روزی انہیں دیئے ہیں، پھر تم خود بھی اس کا گوشت کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔“

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کسی با اعتماد شرکہ (کمپنی) میں پیسے جمع کروا دیں جو آپ کی طرف سے قربانی کرنے کی پابند ہو گی اور اگر آپ (حج تمتع کر رہے ہوں اور) مالی مجبوری کے سبب قربانی نہ کر سکیں تو آپ کو دس روزے رکھنا ہونگے۔ تین ایامِ حج میں اور سات وطن لوٹ کر۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ ④

”پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو شخص عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کرے (یعنی عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے، پھر حج کیلئے احرام باندھے) تو اسے قربانی کا جو جانور میسر ہو ذبح کرے۔ اگر اسے

---

① صحیح مسلم:1299
② صحیح البخاری:1748، صحیح مسلم:1296
③ الحج28:22
④ البقرۃ196:2

جانور نہ ملے تو وہ تین دن کے روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات دن کے روزے گھر واپس جانے کے بعد، یہ مکمل دس روزے ہیں اور یہ حکم ان کیلئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے (اہلِ حرم) نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔''

⑥ پھر سر کے بال منڈوا دیں یا پورے سر کے بال چھوٹے کروا دیں، البتہ بال منڈوانا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بال منڈوانے والوں کیلئے مغفرت (اور ایک روایت میں رحمت) کی دعا تین مرتبہ فرمائی جبکہ بال چھوٹے کروانے والوں کیلئے آپ ﷺ نے یہ دعا ایک ہی بار فرمائی۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ» ''اے اللہ! حلق کروانے والوں کی مغفرت فرما'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال چھوٹے کروانے والوں کیلئے بھی (دعا فرمایئے) آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا: «اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ» ''اے اللہ! حلق کروانے والوں کی بخشش فرما'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال چھوٹے کروانے والوں کیلئے بھی (دعا فرمایئے) آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا: «اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ» ''اے اللہ! حلق کروانے والوں کے گناہ معاف فرما'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بال چھوٹے کروانے والوں کیلئے بھی (دعا فرمایئے) تو چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلِلْمُقَصِّرِیْنَ» ''اور بال چھوٹے کروانے والوں کی بھی مغفرت فرما۔''[①]

جبکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (تین مرتبہ) یوں دعا فرمائی: «رَحِمَ اللّٰہُ الْمُحَلِّقِیْنَ» ''اللہ تعالیٰ حلق کروانے والوں پر رحم فرمائے'' پھر چوتھی مرتبہ فرمایا: «وَالْمُقَصِّرِیْنَ» ''بال چھوٹے کروانے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔''[②]

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبۃ کو کنکریاں ماریں، پھر آپ ﷺ اپنے اونٹوں کی طرف گئے اور انہیں قربان کیا۔ اُدھر حجام بیٹھا ہوا تھا، اسے آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آؤ اور حلق کرو۔ چنانچہ اس نے پہلے دائیں جانب سے حلق کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس جانب کے بال اپنے ارد گرد موجود لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب بائیں جانب سے حلق کرو'' اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس جانب کے بال انہیں عطا کئے۔[③]

خواتین اپنی ہر چوٹی سے انگلی کے ایک پورے کے برابر بال کٹوائیں۔

---

① صحیح البخاری: 1728، صحیح مسلم: 1302

② صحیح البخاری: 1727، صحیح مسلم: 1301

③ صحیح مسلم: 1305

اس کے ساتھ ہی آپ کو تحلل اصغر حاصل ہو جائے گا۔ یعنی جو کام بسببِ احرام ممنوع ہوئے تھے وہ سب حلال ہو جائیں گے سوائے بیوی کے قرب کے جو طواف افاضہ کے بعد جائز ہوگا۔ اس لئے آپ احرام اتار کر صفائی اور غسل وغیرہ کر کے اپنا عام لباس پہن لیں اور طوافِ افاضہ کیلئے خانہ کعبہ چلے جائیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴾[1]

''پھر انہیں چاہئے کہ اپنے جسم کا میل صاف کریں اور اپنی نذر پوری کریں اور بیت عتیق (خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔''

⑦ طواف افاضہ حج کا رکن ہے۔ اگر کسی وجہ سے آپ دس ذوالحج کو طواف افاضہ نہ کر سکیں تو اسے بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔ اگر خواتین مخصوص ایام میں ہوں تو وہ طہارت کے بعد طواف کریں۔ اگر وہ ایامِ تشریق کی کنکریاں مارنے کے بعد پاک ہوں اور انھیں اپنے وطن کو روانہ ہونا ہو تو طواف افاضہ کرتے ہوئے طواف وداع کی نیت بھی کر لیں تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ اور اگر وہ قافلے کی روانگی تک پاک نہیں ہوتیں اور قافلہ والے بھی ان کا انتظار نہیں کر سکتے تو وہ غسل کر کے لنگوٹ کس لیں اور طواف کر لیں۔

⑧ طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعات ادا کریں، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں اور منیٰ کو واپس چلے جائیں جہاں گیارہ کی رات گذارنا واجب ہے۔

⑨ دس ذوالحج کے چار کام (کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، حلق یا تقصیر، طواف وسعی) جس ترتیب سے ذکر کئے گئے ہیں انھیں اسی ترتیب کے ساتھ کرنا مسنون ہے۔ تاہم ان میں تقدیم وتاخیر بھی جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ ﷺ سے سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ نہیں چلا اور میں نے حلق قربانی کرنے سے پہلے کر لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ قربانی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں'' پھر ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی پتہ نہیں چلا اور میں نے قربانی رمی کرنے سے پہلے کر لی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِرْمِ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ رمی کر لو اور اس میں کوئی حرج نہیں'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے ان امور کی تقدیم وتاخیر کے بارے میں جو سوال کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ)) ''جاؤ کرو اور کوئی حرج نہیں''[2]

① الحج 22:29
② صحیح البخاری:1736، صحیح مسلم:1306

ایامِ تشریق

① ۱۱ اور ۱۲ ذوالحج کی راتیں منیٰ میں گذارنا واجب ہے۔ ۱۲ کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے جا سکتے ہیں تاہم ۱۳ کی رات وہیں گذارنا اور ۱۳ کے دن کنکریاں مار کے وہاں سے جانا افضل ہے۔ ان ایام میں تینوں جمرات کو کنکریاں مارنی ہیں جس کا وقت زوالِ شمس سے لیکر آدھی رات تک ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَمَّا أَتَى إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ الْمَنَاسِكَ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الثَّانِيَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الثَّالِثَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ»

''جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مناسک ادا کرنے آئے تو شیطان جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپ کے سامنے آیا۔ تو آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ دوسرے جمرہ کے پاس آپ کے سامنے آیا تو آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ تیسرے جمرہ کے پاس آپ کے سامنے آیا تو آپ نے پھر اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔''

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تم شیطان کو رجم کرتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے ہو۔[1]

② سب سے پہلے چھوٹے جمرۃ کو سات کنکریاں ایک ایک کرکے ماریں، ہر کنکری کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہیں، پھر اسی طرح درمیانے جمرۃ کو کنکریاں ماریں۔ اگر آپ کو کسی دوسرے کی طرف سے بھی کنکریاں مارنی ہوں تو پہلے اپنی کنکریاں مار کر پھر اس کی کنکریاں ماریں۔ چھوٹے اور درمیانے جمرۃ کو کنکریاں مارنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔

③ پھر بڑے جمرۃ کو بھی اسی طرح کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد دعا کرنا مسنون نہیں۔

سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چھوٹے جمرہ کو سات کنکریاں مارتے، ہر

---

① رواہ ابن خزیمۃ والحاکم۔ صحیح الترغیب والترهيب :1156

کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے، پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ ہموار زمین پر پہنچ جاتے۔ اس کے بعد قبلہ رخ ہو کر لمبی دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے۔ پھر درمیانے جمرہ کو کنکریاں مارتے، پھر بائیں جانب چلے جاتے اور ہموار زمین پر پہنچ کر قبلہ کی طرف رخ کر لیتے اور کافی دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے۔ پھر جمرہ عقبہ کو وادی کے بطن سے کنکریاں مارتے اور اس کے بعد کھڑے نہ ہوتے اور چلے جاتے۔ اس کے بعد فرماتے: (هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ) یعنی میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔[1]

④ تینوں جمرات کو کنکریاں مارنے کیلئے کنکریاں منیٰ میں کسی بھی جگہ سے اٹھا سکتے ہیں۔

⑤ کنکریاں جمرات کا نشانہ لیکر اور حسبِ استطاعت قریب جا کر ماریں۔

⑥ جمرات کو شیطان تصور کر کے انھیں گالیاں دینا یا جوتے رسید کرنا جہالت ہے۔

⑦ ایامِ تشریق کے فارغ اوقات اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گذاریں اور زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کریں اور باجماعت نمازوں کی پابندی کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ﴾[2]

''پھر جب تم ارکان حج ادا کر لو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء واجداد کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

نیز فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ﴾[3]

''اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کی یاد میں مشغول رہو، پھر جو شخص دو دن میں جلدی چلا گیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو پیچھے رہ گیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اُس کیلئے جو متقی ہے۔''

اِس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اگر آپ ۱۲ ذوالحج کو ہی منیٰ سے جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں بشرطیکہ غروبِ آفتاب سے پہلے کنکریاں مار کر منیٰ کی حدود سے نکل جائیں۔ تاہم ۱۳ کی رات بھی وہیں گذار کر اور پھر تیرہ کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے جانا افضل ہے۔

---

① صحیح البخاری: 1751، 1752، 1753 ② البقرة 2: 200 ③ البقرة 2: 203

بعض غلطیاں:

① کنکریاں دھونا۔
② سات کنکریاں بجائے ایک ایک کر کے مارنے کے ایک ہی بار دے مارنا۔
③ کنکریاں مارنے کے مشروع وقت کا لحاظ نہ کرنا۔
④ پہلے چھوٹے، پھر درمیانے اور پھر بڑے جمرۃ کو کنکریاں مارنے کی بجائے ترتیب الٹ دینا۔
⑤ چھوٹے اور درمیانے جمرۃ کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا نہ کرنا۔
⑥ بڑے سائز کے کنکر یا پتھر مارنا جبکہ رسول اللہ ﷺ چھوٹے سائز کی کنکریاں مارتے تھے۔[1]
⑦ ایامِ تشریق کی راتیں منیٰ میں نہ گذارنا۔

طواف الوداع

مکہ مکرمہ سے روانگی سے پہلے طواف الوداع کرنا واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرَ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ»[2]

''کوئی شخص اس وقت تک نہ جائے جب تک وہ سب سے آخر میں بیت اللہ کا طواف نہ کرلے۔''

ہاں اگر خواتین مخصوص ایام میں ہوں تو ان پر طواف وداع واجب نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ مناسک حج میں ان کا سب سے آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو، ہاں البتہ حائضہ عورت کو اس کی اجازت دے دی گئی۔[3]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مناسک حج میں سب سے آخری کام بیت اللہ کا طواف ہے۔ لہٰذا ۱۲ اور ۱۳ ذوالحج کو کنکریاں مارنے سے پہلے طواف وداع کرنا درست نہیں ہے۔

یاد رہے کہ طواف وداع کے بعد مسجد حرام سے الٹے پاؤں باہر آنا درست نہیں ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حج مبرور نصیب فرمائے۔ آمین

---

① صحیح مسلم:1299 ② صحیح مسلم:1327
③ صحیح البخاری:1755، صحیح مسلم:1328

رسول اللہ ﷺ کے حج مبارک کے متعلق حضرت جابرؓ کی مشہور حدیث

اب ہم رسول اللہ ﷺ کے حج مبارک کی کیفیت کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس کا مقصد ایک تو یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے حج کی کیا کیفیت تھی؟ دوسرا یہ ہے کہ اب تک ہم نے جو احکامِ حج ذکر کئے ہیں ان کے بارے میں ہمیں دوبارہ یاددہانی ہو جائے اور احکامِ حج اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جائیں۔

محمد بن علی بن حسینؒ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے حج کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا:

''رسول اللہ ﷺ نو سال (مدینہ منورہ میں) ٹھہرے رہے، اِس دوران آپ نے حج نہیں کیا۔ پھر دسویں سال آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ وہ امسال حج کرنے والے ہیں۔ یہ سن کر مدینہ منورہ میں بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرے اور اسی طرح حج ادا کرے جس طرح آپ ﷺ کریں۔ چنانچہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم جب ذو الحلیفہ پہنچے تو وہاں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابی بکرؓ کو جنم دیا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

«اِغْتَسِلِیْ ، وَاسْتَثْفِرِیْ بِثَوْبٍ ، وَأَحْرِمِیْ»

''تم غسل کر کے لنگوٹ کس لو اور احرام کی نیت کر لو۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے مسجد میں نماز پڑھی، پھر آپ (القصواء) اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ جب آپ کی سواری (البیداء) میں سیدھی کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے سامنے، آپ کی دائیں جانب، بائیں جانب اور آپ کے پیچھے (چاروں طرف) حدِ نگاہ تک انسان ہی انسان تھے۔ کوئی سوار تھا اور کوئی پاپیادہ اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تھے اور اس وقت قرآن مجید کا نزول جاری تھا اور آپ ﷺ اس کی تفسیر سے واقف تھے اور آپ ﷺ نے جو عمل کیا ہم نے بھی وہی عمل کیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے توحید کے ساتھ احرام کی نیت کی اور یہ تلبیہ پڑھا: «لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ، لَا شَرِیْكَ لَكَ»

''میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام

تعریفیں، نعمتیں اور بادشاہت تیرے لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

لوگوں نے بھی یہی تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے ان پر اس تلبیہ کا کوئی لفظ رد نہیں کیا۔ آپ ﷺ مسلسل یہ تلبیہ پڑھتے رہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے حج ہی کی نیت کی کیونکہ ہم عمرہ کو تو جانتے ہی نہ تھے یہاں تک کہ جب ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ تک پہنچے تو آپ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا، پھر (پہلے) تین چکروں میں آپ نے رمل کیا اور باقی چار چکر آپ نے عام رفتار میں چلتے ہوئے پورے کئے۔ پھر آپ ﷺ مقام ابراہیم پر آئے اور آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ اور آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھ کر دو رکعت نماز ادا فرمائی جس میں آپ ﷺ نے سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھیں۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، اس کے بعد آپ ﷺ صفا کی طرف چلے گئے اور جب صفا کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ اور فرمایا: «أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ» ''میں بھی وہیں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔''

چنانچہ آپ ﷺ نے صفا سے آغاز کیا اور اس کے اوپر چڑھ گئے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھ لیا تو اس کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور بڑائی بیان کی اور آپ نے فرمایا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

پھر آپ ﷺ نے اس دوران دعا مانگی۔ آپ نے تین مرتبہ اسی طرح کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ مروہ کی طرف چل دئے یہاں تک کہ جب وادی کے درمیان آپ کے قدم ٹک گئے تو آپ ﷺ دوڑ پڑے حتی کہ جب چڑھائی شروع ہوئی تو آپ ﷺ عام رفتار میں چلنے لگے یہاں تک کہ آپ مروہ پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے وہی کیا جو آپ نے صفا پر کیا تھا اور جب آپ کا آخری چکر مروہ پر پورا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ، لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ، وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً»

''مجھے اب جو بات معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی کا جانور نہ لے کر آتا اور اسے عمرہ بنا لیتا۔ لہٰذا تم میں سے جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو وہ حلال ہو جائے اور اسے عمرہ سمجھ لے۔''

یہ سن کر حضرت سراقۃ بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم صرف اس

سال کیلئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں باہم ملا کر دو مرتبہ فرمایا:
«دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ» ''عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔'' اور یہ ہمیشہ کیلئے ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے نبی کریم ﷺ کے اونٹ لے کر آئے، انھوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا حلال ہو چکی ہیں اور انھوں نے رنگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ لگایا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے حضرت فاطمۃ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم نے ایسا نہیں کرنا تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے میرے باپ (حضرت محمد ﷺ) نے اس کا حکم دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں بیان کیا کرتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کیا تھا اس کی شکایت لے کر پہنچا اور میں یہ چاہتا تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے بارے میں جو بتلایا کہ آپ ﷺ نے ان کو اس کا حکم دیا تھا اس کے بارے میں آپ کی رائے معلوم کر لوں۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی بتلایا کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کہا ہے کہ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَتْ، صَدَقَتْ، مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ؟» ''اس نے سچ کہا ہے، اس نے سچ کہا ہے اور بتاؤ تم نے جب اپنے اوپر حج فرض کر لیا تھا تو کیا نیت کی تھی؟''

میں نے گذارش کی: میں نے یوں کہا تھا کہ اے اللہ! میں اس چیز کے ساتھ احرام کی نیت کرتا ہوں جس کے ساتھ تیرے رسول نے کی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے ساتھ تو قربانی بھی ہے (اور جس طرح میں حلال نہیں ہوا) تم بھی حلال نہیں ہو سکتے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو قربانی کے جانور یمن سے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ پھر تمام لوگ حلال ہو گئے اور انھوں نے بال چھوٹے کروا لئے سوائے نبی کریم ﷺ کے اور سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ قربانیاں تھیں۔

پھر جب یوم الترویۃ (آٹھ ذوالحج کا دن) آیا تو تمام لوگ حج کی نیت کر کے منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی سواری پر سوار ہو کر منیٰ میں پہنچے اور آپ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور (نو ذوالحج کو) فجر کی نمازیں پڑھیں۔ فجر کی نماز کے بعد آپ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہو گیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (عرفات میں پہنچ کر) نمرۃ میں ان کیلئے ایک خیمہ لگا دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ روانہ ہو گئے۔ قریش کو اس بارے میں یقین تھا کہ آپ ضرور المشعر الحرام میں وقوف فرمائیں گے جیسا کہ قریش

جاہلیت کے دور میں کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ اسے عبور کر کے عرفات میں پہنچ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کیلئے ایک خیمہ نمرۃ میں لگا دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اسی میں اتر گئے یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے القصواء کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا حسبِ حکم اس پر کجاوا رکھ دیا گیا اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی کے درمیان پہنچے جہاں آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا......

[عید الاضحیٰ کے بعد اس خطبہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ]

اس کے بعد (مؤذن نے) اذان اور پھر اقامت کہی، آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر دوسری اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ ﷺ نے کوئی اور نماز (نفل وغیرہ) نہیں پڑھی۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور (عرفات میں) جائے وقوف تک پہنچے۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی (القصواء) کا پیٹ پتھروں کی طرف اور پا پیادہ چلنے والوں کو اپنے سامنے کر لیا اور قبلہ رخ ہو کر آپ ﷺ نے غروبِ آفتاب تک وقوف فرمایا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھالیا اور مزدلفہ کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ آپ نے اپنی اونٹنی (القصواء) کی نکیل کو شدت سے کھینچا ہوا تھا حتی کہ اس کا سر کجاوے کے اس حصہ تک جا پہنچا جہاں ایک سوار تھک کر اپنے پاؤں رکھ لیتا ہے۔ اور آپ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے:

«أَيُّهَا النَّاسُ، اَلسَّكِيْنَةَ السَّكِيْنَةَ» "اے لوگو! سکون واطمینان کے ساتھ چلو۔"

نبی کریم ﷺ جب کسی ہموار زمین پر پہنچتے تو اپنی سواری کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ (کسی پہاڑ وغیرہ پر) چڑھائی شروع کرتی۔

آپ ﷺ جب مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیں اور ان کے درمیان کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھی۔ بعد ازاں آپ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی اور جب واضح طور پر فجر کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے اذان اور اقامت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ القصواء پر سوار ہوئے اور المشعر الحرام میں آ گئے جہاں آپ نے قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کی بڑائی اور توحید بیان کی اور صبح کی روشنی پھیلنے تک آپ ﷺ بدستور اسی حالت میں رہے۔ اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ منیٰ کو روانہ ہو گئے یہاں سے آپ ﷺ نے حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا جو کہ بہت ہی حسین وجمیل اور خوبصورت بالوں والے تھے۔ جب آپ ﷺ

کے پاس سے خواتین گذرنے لگیں تو حضرت الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا لیکن حضرت الفضل رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا اور دوبارہ خواتین کی طرف دیکھنے لگے۔ تو آپ ﷺ نے دوسری جانب سے بھی ان کے چہرے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تاکہ وہ خواتین کی طرف مت دیکھیں یہاں تک کہ آپ وادی محسر کے درمیان میں پہنچ گئے۔ یہاں آپ ﷺ نے اپنی سواری کو تیز کر دیا اور آپ اس راستے کی طرف مڑ گئے جو جمرۂ عقبۃ کو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ جب بڑے جمرۃ تک پہنچے جو کہ درخت کے قریب ہے تو آپ ﷺ نے وادی کے درمیان سے اسے سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ آپ ﷺ تکبیر کہتے۔ کنکریاں چھوٹے سائز کی تھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ قربان گاہ کی طرف گئے جہاں آپ ﷺ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کئے اور باقی جانور آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیئے جنہوں نے ان کو ذبح کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی قربانیوں میں شریک کیا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہر قربانی سے کچھ گوشت لیا جائے۔ چنانچہ حسبِ حکم ہر قربانی سے گوشت لیکر اسے ہانڈی میں ڈال دیا گیا اور جب گوشت پک گیا تو دونوں نے گوشت تناول کیا اور اس کا شوربہ نوش کیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور طوافِ افاضہ کیلئے بیت اللہ کو روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ بنی عبد المطلب کے پاس گئے جو کہ (حجاج کو) زمزم کا پانی پلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنْزَعُوْا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَلَوْ لَا أَنْ یَّغْلِبَکُمُ النَّاسُ عَلٰی سِقَایَتِکُمْ لَنَزَعْتُ مَعَکُمْ »

'' اے بنی عبد المطلب ! تم ڈول کے ذریعے پانی نکالو اور اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالتا اور (حجاج کو پلاتا۔) '' پھر انھوں نے آپ ﷺ کو ڈول دیا جس سے آپ ﷺ نے زمزم کا پانی نوش فرمایا۔''[1]

یہ تھا نبی کریم ﷺ کا طریقۂ حج۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی اتباع کرنے کی توفیق دے۔

دوسرا خطبہ

حضرات ! حج تو مکہ مکرمہ میں ہی مکمل ہو جاتا ہے، البتہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنے کی

---

[1] صحیح مسلم :1218

نیت سے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»[①]

''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔''

آدابِ زیارتِ مسجد نبوی

① مسجد نبوی میں پہنچ کر تحیۃ المسجد پڑھیں۔ اگر ہو سکے تو روضة من رياض الجنة میں جا کر پڑھیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے جنت کا باغیچہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

«مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ»[②]

''میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانہ حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔''

پھر اگر فرض نماز کا وقت ہو تو پہلے فرض نماز با جماعت ادا کریں۔

② پھر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے آئیں، درود وسلام پڑھیں اور بہتر ہے کہ درود ابراہیمی جسے نماز میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھیں۔ پھر آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی سلام کہیں۔

③ اگر دعا کرنا چاہیں تو مسجد نبوی میں جہاں چاہیں قبلہ رخ ہو کر کریں۔

④ روضہ مبارکہ پر بنیت تبرک ہاتھ پھیرنا یا اس کا طواف کرنا قطعا درست نہیں ہے۔

⑤ مردوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ بقیع الغرقد میں مدفون حضرات اور اسی طرح شہداء احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پہ جا کر انھیں سلام کہیں اور ان کیلئے دعا کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ دعا سکھلائی ہے:

«السَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَمِنْكُمْ وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»[③]

''ان گھروں میں رہنے والے مومنوں اور مسلمانوں پر سلامتی ہو اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں،

---

① صحیح البخاری:1190، صحیح مسلم:1394

② صحیح البخاری:1195، صحیح مسلم:1390

③ صحیح مسلم:974، سنن النسائی:2037 و2040، سنن ابن ماجه:1547

اللہ کی رحمت ہو ہم میں اور تم میں پہلے جانے والوں پر اور پیچھے رہ جانے والوں پر۔ ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمھارے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔''

⑥ مسجد نبوی کے علاوہ مدینہ طیبہ کی مساجد میں سے صرف مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی خاص فضیلت ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ مسجد قباء میں جایا کرتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلّٰى فِيْهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ»[①]

''جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر مسجد قبا میں آیا اور اس میں نماز پڑھی تو اسے عمرہ کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔''

باقی مساجد میں نماز پڑھنے کی کوئی خاص فضیلت ثابت نہیں ہے، اس لئے ثواب کی نیت سے ان کا قصد کرنا درست نہیں ہے۔

بعض غلطیاں:

① نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نیت کرکے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا۔

② حجاج کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو سلام بھیجنا۔

③ ہر نماز کے بعد روضۂ رسول ﷺ کی طرف چلے جانا یا اس کی طرف رخ کرکے انتہائی اَدب سے کھڑے ہو جانا۔

④ دعا میں آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا۔

⑤ مدینہ طیبہ میں چالیس نمازوں کی پابندی کرنا حالانکہ اس کے متعلق جو حدیث عموماً ذکر کی جاتی ہے وہ ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے۔

خطبہ کے اختتام پر ہم سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حج مبرور نصیب فرمائے۔

① سنن الترمذي، سنن النسائي، سنن ابن ماجه، ابن حبان۔ وصححه الألباني

ماہِ ذوالحجہ کے خطبات

❶ فضائل عشرۂ ذوالحجہ اور قربانی کے مسائل

❷ خطبۂ عید الاضحیٰ

❸ خطبۂ حجۃ الوداع (۱)

❹ خطبۂ حجۃ الوداع (۲)

عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل واعمال

اہم عناصر خطبہ:

① عشرۂ ذوالحجہ کی اہمیت ② عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل

③ عشرۂ ذوالحجہ میں مستحب اعمال ④ قربانی کی اہمیت

برادرانِ اسلام!

اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر انسان کو اپنی عبادت کیلئے ہی پیدا کیا ہے اس لئے اسے چاہئے کہ وہ ہر لمحہ اس کی منشا کے مطابق گذارے اور اس کی عبادت کے ذریعے اس کے تقرب کیلئے کوشاں رہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے بعض حسین مواقع ایسے بھی عطا کئے ہیں کہ جن میں انسانوں کو اس کی عبادت کیلئے کمر بستہ ہو جانا چاہئے اور مختلف ومتنوع اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ان مبارک مواقع میں سے ایک موقعہ عشرۂ ذوالحجہ کا ہے۔ یہ وہ ایام ہیں جن کے افضل الایام ہونے کی شہادت رسولِ پاک ﷺ نے دی ہے اور ان میں نیک عمل کی بڑی تاکید فرمائی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید

میں ایک مقام پر ان ایام کی قسم بھی کھائی ہے۔

فرمایا: ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ ①

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''

جمہور مفسرین کے نزدیک دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی رائے کو صحیح کہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ان ایام کی قسم کھانا ہی انکی عظمت اور فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ عظیم باری تعالیٰ کسی عظمت والی شئے کی قسم ہی کھاتا ہے۔

لہٰذا اللہ کے بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ ان ایام میں اعمال صالحہ کے لئے خوب محنت کریں اور ان کی آمد کو اپنے لئے باعثِ شرف اور نیکی سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ②

''اور جو لوگ ہمارے دین کی خاطر کوشش کرتے ہیں ہم ان کو ضرور بالضرور اپنے راستے دکھا دیں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔''

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان ایام میں زیادہ سے زیادہ عبادت کا اہتمام کرنے اور ان سے خوب مستفید ہونے کی توفیق دے۔

عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل

(۱) دنیا کے تمام ایام میں یہ ایام افضل ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَفْضَلُ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَيَّامُ الْعَشْرِ يَعْنِيْ عَشْرَ ذِي الْحِجَّةِ، قِيْلَ: وَلَا مِثْلُهُنَّ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ وَلَا مِثْلُهُنَّ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ عَفَّرَ وَجْهَهُ فِي التُّرَابِ» ③

① الفجر 89: 1-2 ② العنكبوت 29: 69

③ رواه البزار وابن حبان وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب: 1150

" دنیا کے سارے ایام کے مقابلے میں دس ایام (یعنی عشرۂ ذوالحجہ) سب سے زیادہ افضل ہیں۔آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر اتنے ہی دن جہاد فی سبیل اللہ میں گذارے جائیں تو وہ بھی ان کے برابر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ میں گذارے ہوئے دن بھی ان جیسے نہیں سوائے اس شخص کے کہ جو شہید ہو جائے۔"

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ أَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الأَيَّامِ يَعْنِيْ أَيَّامَ الْعَشْرِ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ:وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ»①

"عمل صالح کے لئے یہ ایام (یعنی ماہِ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی (اتنا محبوب) نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں' سوائے اس کے کہ انسان اپنی جان و مال کے ساتھ نکلے اور پھر کسی بھی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔" یعنی مال بھی اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالے اور خود بھی شہید ہو جائے، تو یقیناً اِس کا عمل زیادہ محبوب ہو گا ورنہ اِس کو چھوڑ کر باقی تمام اعمال اللہ تعالیٰ کو اِن ایام میں زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ہے:

«مَا مِنْ عَمَلٍ أَزْكىٰ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ خَيْرٍ يَعْمَلُهُ فِي عَشْرِ الْأَضْحىٰ»

" وہ خیر کا عمل جو قربانی کے عشرہ میں کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس سے زیادہ پاکیزہ اور اُس سے زیادہ اجر والا عمل کوئی نہیں۔"

پوچھا گیا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، سوائے اُس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلے، پھر مال بھی قربان کر دے اور اپنی جان بھی۔"

راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ اِس حدیث کی بناء پر سعید بن جبیرؒ جب عشرۂ ذوالحجہ شروع ہوتا تو عبادات میں اتنی محنت کرتے کہ اُن جیسی عبادت کرنا دوسروں کیلئے مشکل ہو جاتا۔②

---

① رواہ أحمد۔ واللفظ لہ۔ والبخاری بمعناہ :969

② صحیح الترغیب والترھیب للألبانی:1148

لہذا ہمیں بھی سلف صالحینؒ کے اسی طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہوئے اِس عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ کسی عمل خیر پر اُس کے کرنے والے کو جو اجر وثواب اللہ تعالیٰ اِس عشرہ میں عطا کرتا ہے وہ اِس حدیث کے مطابق کسی اور عشرہ میں عطا نہیں کرتا۔

(۲) انہی ایام میں یومِ عرفہ بھی ہے

جی ہاں، یومِ عرفہ جو حج کا اصل دن ہے اور اسی میں حج کا سب سے بڑا رکن (وقوفِ عرفہ) ادا کیا جاتا ہے وہ بھی انہی دنوں میں آتا ہے۔ وہ عظیم دن کہ جس میں اللہ تعالیٰ اہلِ عرفات کیلئے عام مغفرت کا اعلان کرتا ہے اور اس میں سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی عطا کرتا ہے۔ اِس بناء پر اگر ایامِ عشرۂ ذوالحجہ میں سے کسی دن کو کوئی فضیلت نہ ہوتی تو صرف یومِ عرفہ ہی ان سارے ایام کی فضیلت کے لئے کافی ہوتا۔

(۳) انہی ایام میں یومِ نحر بھی ہے

بعض علماء کے نزدیک یومِ نحر (قربانی کا دن) سال کے تمام دنوں سے افضل ہے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَعْظَمُ الأَيَّامِ عِنْدَ ا يَوْمُ النَّحْرِ وَ يَوْمُ القَرِّ»①

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باوقار اور عظمت والا دن یومِ نحر (یعنی دس ذوالحجہ کا دن) ہے۔ پھر اس کے بعد (منیٰ میں) ٹھہرنے کا دن (یعنی گیارہ ذوالحجہ) ہے۔''

(۴) ان ایام میں متعدد اہم ترین عبادتیں جمع ہوتی ہیں

علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ

(وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ السَّبَبَ فِي امْتِيَازِ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ لِمَكَانِ اجْتِمَاعِ أُمَّهَاتِ الْعِبَادَةِ فِيْهِ وَهِيَ الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَالْحَجُّ، وَلَا يَتَأَتَّى ذَلِكَ فِي غَيْرِه) ②

''عشرۂ ذوالحجہ کی امتیازی فضیلت کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساری اہم ترین عبادتیں اس عشرہ میں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ ہیں: نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ اِس کے علاوہ دیگر مناسبتوں میں یہ ساری عبادتیں اس طرح جمع نہیں ہوتی ہیں۔''

---

① سنن أبي داؤد والنسائي۔وصححه الألباني

② فتح الباری:460/2

عشرۂ ذوالحجہ کے مستحب اعمال

عزیزان گرامی! جب آپ یہ سمجھ گئے کہ عام ایام کی بہ نسبت عشرۂ ذوالحجہ میں عمل صالح کی بڑی فضیلت ہے تو اللہ تعالیٰ نے جو سنہری موقع عطا کیا ہے اس کو غنیمت جانیں اور عشرۂ ذوالحجہ کا خصوصی اہتمام کریں۔ یہ حسین فرصتیں اور سازگار مواقع بار بار نہیں آیا کرتے۔ اس لئے ان ایام میں عبادت کی خوب کوشش کیجئے جیسا کہ ہمارے اسلاف ان مواقع کو بالکل نہ گنواتے اور اعمال صالحہ میں اپنی بے انتہا دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے۔

ابوعثمان النہدیؒ کہتے ہیں:

''اسلافِ کرام تین عشروں کی بڑی قدر کیا کرتے تھے' رمضان کا آخری عشرہ اور ذوالحجہ اور محرم کا پہلا عشرہ۔''

ان ایام میں جو جو اعمال مستحب ہیں اور جن کا تمام مسلمانوں کو خصوصی اہتمام کرنا چاہئے وہ یہ ہیں:

(۱) مناسکِ حج اور عمرہ کی ادائیگی:

عشرۂ ذوالحجہ میں کئے جانے والے اعمال میں سب سے افضل عمل حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق حجِ بیت اللہ اور ادائے عمرہ کی توفیق دیتا ہے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت ہی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا ، وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ» [1]

''ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ اپنے درمیان کے (گناہوں) کے لئے کفارہ ہے۔ اور حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ نہیں۔''

حج مبرور وہ حج ہے جو طریقۂ نبوی کے مطابق کیا جائے اور جو تمام قسم کے گناہوں مثلاً ریا، جماع اور فسق وفجور والی باتوں سے بالکل پاک ہو اور سراپا نیک اعمال وکردار سے معمور ہو۔

(۲) روزہ رکھنا:

روزہ بھی عملِ صالح کی جنس سے ہے بلکہ اللہ کے نزدیک سب سے افضل اور محبوب اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

---

① متفق علیہ

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَصُومُ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا بَاعَدَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا»①

"جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔"

یہ روزہ کی عمومی فضیلت ہے اور جہاں تک عشرۂ ذوالحجہ میں روزے رکھنے کا تعلق ہے تو رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن میں سے کسی سے مروی ہے کہ

(كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ تِسْعَ ذِي الْحِجَّةِ، وَيَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ)②

"رسول اکرم ﷺ ذوالحجہ کے پہلے نو دن روزہ رکھتے تھے، اسی طرح یوم عاشوراء کا اور ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔"

اِس بناء پر عشرۂ ذوالحجہ یعنی اِس ماہ کے پہلے نو دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔

اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ

(مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ)③

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشرۂ ذوالحجہ میں کبھی روزے کی حالت میں نہیں دیکھا۔"

تو اِس کے بارے میں امام نووی کہتے ہیں:

"اِس حدیث سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ عشرۂ ذوالحجہ یعنی ذوالحجہ کے پہلے نو دن روزہ رکھنا مکروہ ہے! جبکہ علماء اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ ان نو ایام کا روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے بلکہ یہ تو نہایت درجہ مستحب ہے خاص طور پر نو ذوالحجہ کا روزہ جس کی فضیلت میں کئی احادیث وارد ہیں۔ اِس کے علاوہ صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "ان ایام میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کو باقی تمام ایام کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے۔" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ ان ایام میں آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا، اِس کا یہ معنی ہے کہ کسی

---

① صحيح البخاری:2840، صحيح مسلم:1153

② سنن أبی داؤد:الصيام باب فی صوم العشر:2437 وصححه الألبانی

③ صحيح مسلم:1176

بیماری کے عارضہ یا سفر وغیرہ کی بناء پر روزہ نہیں رکھا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ انھوں نے آپ ﷺ کو ان ایام میں روزہ کی حالت میں نہیں دیکھا تو ان کے نہ دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہی نہیں۔ پھر امام نوویؒ نے ابوداؤد کی وہی حدیث بطور دلیل ذکر کی ہے جس کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں۔'' ①

جبکہ حافظ ابن حجرؒ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اِس قول کے بارے میں کہنا ہے کہ شاید یہ اِس لئے کہ آپ ﷺ بعض اوقات کسی عمل کو پسند تو کرتے تھے لیکن اُس کی فرضیت کے خوف کی وجہ سے اسے ترک کر دیتے تھے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اِسے بھی فرضیت کے اندیشہ کی بناء پر چھوڑ دیا ہو۔ ②

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی جو بھی تاویل ہو نبی کریم ﷺ کا جو عمومی ارشاد ہے کہ اِن ایام میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے تو اُس میں روزہ بھی آتا ہے اور روزہ کے فضائل متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔

واضح رہے کہ ایامِ عشرۂ ذوالحجہ میں سے یومِ عرفہ کے روزے کو آپ ﷺ نے خصوصی اہمیت دی ہے اور اس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ وَالَّتِي بَعْدَهُ» ③

''یومِ عرفہ کے روزہ کے متعلق مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ پچھلے ایک سال اور آنے والے ایک سال کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جائے گا۔''

لہٰذا نو ذوالحجہ (یعنی یومِ عرفہ) کا روزہ رکھنا سنت ہے۔

(۳) نماز پڑھنا:

نماز سب سے زیادہ عظمت اور فضیلت والا عمل ہے' اس لئے اسے پورا سال وقت کی پابندی اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ خصوصاً ان ایام میں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کثرت سے نوافل پڑھنا اور انکا اہتمام بھی کرنا چاہئے کیونکہ نوافل اللہ سے قریب کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ قَالَ: مَنْ عَادىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ

---

① شرح النووی لصحیح مسلم:58/4 ② فتح الباری:460/2

③ صحیح مسلم:1162

بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ»①

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے دوست سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میرا بندہ سب سے زیادہ میرا تقرب اس چیز کے ساتھ حاصل کرسکتا ہے جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے (یعنی فرائض کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرنا ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرلیتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرلیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ (یعنی اس کے ان تمام اعضاء کو اپنی اطاعت میں لگا دیتا ہوں) اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا کرتا ہوں۔ اور اگر وہ میری پناہ طلب کرتا ہے تو میں یقیناً اسے پناہ دیتا ہوں۔''

(۴) اللہ کا ذکر کرنا:

اِن مبارک ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعَمَلُ فِيْهِنَّ مِنْ هَذِهِ الأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ»②

''اللہ کے نزدیک نہایت عظمت والے اور محبوب دن ایامِ عشرۂ ذی الحجہ کے مقابلے میں کوئی دن نہیں ہیں' اس لئے ان ایام میں لا إله إلّا الله ' الله أكبر اور الحمد لله جیسے اذکار کثرت سے کیا کرو۔''

اور ذکر اللہ کا اِس سے بڑا فائدہ کیا ہوگا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِيْ، فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهِ

① صحيح البخاري:6502 ② رواه أحمد:323/9و296/10وقال الأرناؤط : صحيح

ذَكَرْتُهُ فِيْ نَفْسِيْ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَأٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً»①

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں۔ اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک کلا (دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے) اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ چلتا ہوا میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔''

یہ حدیث تو عام ذکر کے بارے میں ہے اور جہاں تک اِن کلمات کا تعلق ہے جن کے بار بار پڑھنے کا آنحضور ﷺ نے حکم دیا تو ان کے بڑے فوائد ہیں۔

حضرت ابو مالک الأشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ (أَوْ تَمْلَأُ) مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ......»②

''پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ ''الحمد للہ'' ترازو کو (اجر وثواب سے) بھر دے گا۔ اور ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' یہ دونوں کلمات زمین وآسمان کے درمیانے خلاء کو (اجر وثواب سے) بھر دیتے ہیں........''

اس کے علاوہ ان کلمات مبارکہ کے مزید فوائد یہ ہیں:

① یہ تسبیحات اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب کلام ہیں

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى أَرْبَعٌ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ»③

---

① صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ﴾:7405، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ:2675

② صحیح مسلم:223 ③ صحیح مسلم:2137

''چار کلمات اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہیں۔ آپ پر کوئی حرج نہیں کہ ان میں سے جس سے چاہیں ابتداء کریں اور وہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ''

② یہ تسبیحات رسول اللہ ﷺ کو بھی سب سے زیادہ محبوب تھیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَأَنْ أَقُولَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ» ①

''اگر میں سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہوں تو یہ مجھے ہر اس چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوا۔'' (یعنی دنیا کی ہر چیز سے)

③ جنت میں شجر کاری

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ، عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ، غِرَاسُهَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ» ②

''اسراء ومعراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے کہا: اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پہنچا دینا اور انہیں آگاہ کرنا کہ جنت کی مٹی بہت اچھی ہے، اس کا پانی انتہائی میٹھا اور اس کی زمین بالکل ہموار اور زرخیز ہے اور (سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) کے ساتھ اس میں شجر کاری کی جا سکتی ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شجر کاری کر رہے تھے کہ ان کے پاس سے رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا میں تمھیں اس سے بہتر شجر کاری نہ بتاؤں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم (سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ) کہا کرو، ہر ایک کے بدلے میں تمھارے لئے جنت میں ایک درخت

① صحیح مسلم:2695

② سنن الترمذی:3462۔ وصححه الألبانی

لگا دیا جائے گا۔''①

④ حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
«مَا عَلَى الْأَرْضِ رَجُلٌ يَقُوْلُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، إِلَّا كَفَّرَتْ عَنْهُ ذُنُوبَهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ»②

''خطۂ زمین پر جو شخص بھی یہ کلمات کہے: لا إله إلا الله والله أكبر، وسبحان الله والحمد لله، ولا حول ولا قوة إلا بالله تو اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔''

⑤ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے پاس سے گذرے جس کے پتے خشک ہو چکے تھے، آپ نے اپنا عصا اس کو مارا تو اس کے خشک پتے جھڑ گئے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:
«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ لَتُسَاقِطُ مِنْ ذُنُوبِ الْعَبْدِ كَمَا تَسَاقَطَ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ» ③

''بے شک یہ کلمات (الحمد لله وسبحان الله، ولا إله إلا الله والله أكبر) بندے کے گناہوں کو ایسے جھاڑتے ہیں جیسا کہ اس درخت کے پتے جھڑ گئے ہیں۔''

⑥ اللہ تعالیٰ نے ان تسبیحات کو اپنے بندوں کیلئے چن لیا ہے اور ان پر بہت بڑا اجر وثواب مرتب کیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وابو سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
« إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنَ الْكَلَامِ أَرْبَعًا : سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، فَمَنْ قَالَ:سُبْحَانَ اللّٰهِ كُتِبَ لَهُ عِشْرُونَ حَسَنَةً ، وَحُطَّتْ عَنْهُ عِشْرُونَ سَيِّئَةً ، وَمَنْ قَالَ : اَللّٰهُ أَكْبَرُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ ، وَمَنْ قَالَ:لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ ، وَمَنْ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ كُتِبَتْ لَهُ ثَلَاثُونَ حَسَنَةً وَحُطَّ عَنْهُ ثَلَاثُونَ خَطِيْئَةً »④

'' بے شک اللہ تعالیٰ نے کلام میں سے چار (کلمات کو) چن لیا ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ لہٰذا جو شخص سبحان الله کہے اس کیلئے بیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور

① سنن ابن ماجه:3807 وصححه الألبانی
② سنن الترمذی:3460 وحسنه الألبانی
③ سنن الترمذی:3533 وحسنه الألبانی
④ مسند أحمد و مستدرك حاكم۔ وصححه الألبانی فی صحيح الجامع:1718

اس کے بیس گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور جو شخص الله أكبر کہے اس کیلئے بھی اسی طرح اور جو شخص لا إله إلا الله کہے اس کیلئے بھی اسی طرح اور جو شخص اپنی طرف سے الحمد لله رب العالمين کہے تو اس کیلئے تیس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے تیس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔''

اپنی طرف سے الحمد لله رب العالمين کہنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ کسی سبب کے بغیر الحمد لله رب العالمين کہے تو اس پر اسے زیادہ اجر وثواب ملے گا بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے مثلا کھانے پینے یا سونے سے بیدار ہونے کے بعد۔

⑦ یہ تسبیحات ڈھال ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خُذُوْا جُنَّتَكُمْ» ''اپنی ڈھال لے لو۔''

ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! دشمن سے بچاؤ کیلئے ڈھال جو ہمارے سروں پر آ پہنچا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جہنم سے بچاؤ کیلئے ڈھال۔''

پھر آنحضور ﷺ نے فرمایا: « قُوْلُوْا:سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، فَإِنَّهُنَّ يَأْتِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنْجِيَاتٍ وَمُقَدِّمَاتٍ، وَهُنَّ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ»①

''تم یہ کلمات پڑھا کرو: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، کیونکہ یہ قیامت کے دن (جہنم سے) نجات دہندہ اور (جنت کی طرف) آگے بڑھانے والے ہونگے اور یہی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔''

⑧ یہ تسبیحات عرش کے اردگرد اپنے پڑھنے والے کا ذکر کرتی ہیں

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا تَذْكُرُوْنَ مِنْ جَلَالِ اللّٰهِ: اَلتَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَالتَّهْلِيْلُ وَالتَّحْمِيْدُ، يَنْعَطِفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ لَهُنَّ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ، تَذْكُرُ بِصَاحِبِهَا، أَمَا يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ، أَوْ لَا يَزَالُ لَهُ مَنْ يَذْكُرُ بِهِ»②

''اللہ تعالیٰ کی بزرگی سے جو تم یاد کرتے ہو، یہ تسبیحات بھی ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا

① الحاكم-وصححه الألباني في صحيح الجامع:3214

② سنن ابن ماجه:3809 وصححه الألباني

إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ یہ عرش باری تعالیٰ کے اردگرد گھومتی ہیں اور ان سے شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح ایک آواز آتی ہے جس میں وہ اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ تو کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کا تذکرہ کرنے والا بنے؟''

⑨ تسبیحات میں سے ہر ایک صدقہ ہے

جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! «ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ»

یعنی ''مال والے لوگ اجر وثواب لے گئے، وہ ہماری طرح نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، اور اپنے بچے ہوئے مالوں کے ساتھ صدقہ بھی کرتے ہیں''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُونَ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ ......»①

''کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بھی صدقہ کرنے کا ذریعہ نہیں بنا دیا؟ بے شک ہر (سبحان الله) صدقہ ہے۔ ہر (الله أكبر) صدقہ ہے اور ہر (الحمد لله) صدقہ ہے۔ اور ہر (لا إله إلا الله) صدقہ ہے۔ نیکی کا ہر حکم صدقہ ہے اور ہر برائی سے روکنا صدقہ ہے.....''

اِن کلماتِ مبارکہ کے اِن عظیم فوائد کے پیش نظر ہمیں عام طور پر بھی اور خاص طور پر اِن ایام میں بھی ان کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے۔

خاص طور تکبیرات کا تو اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: (وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُوهُرَيْرَةَ يَخْرُجَانِ إِلَى السُّوقِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ، يُكَبِّرَانِ وَيُكَبِّرُ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِمَا)②

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ماہِ ذوالحجہ کے) ان دس دنوں میں بازار کو نکل جاتے اور تکبیر کہتے رہتے۔ پھر دوسرے لوگ بھی انکی تکبیر سن کر تکبیرات پڑھتے۔''

ان ایام میں عموماً جہری تکبیریں کہنا اور آواز زیادہ سے زیادہ بلند کرنا مستحب ہے۔ خصوصاً یومِ عرفہ کی نمازِ فجر

---

① صحیح مسلم:1006 ② صحیح البخاری:العیدین باب فضل العمل فی أیام التشریق

سے لیکر ۱۳ ذوالحجہ کی عصر کی نماز تک اِس دوران ہر فرض نماز کے بعد جہراً تکبیرات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ان پانچ ایام میں فرائض کے بعد تکبیرات کا پڑھنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ ①

تکبیرات کے الفاظ یہ ہیں:

(اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہی الفاظ کے ساتھ تکبیرات پڑھتے تھے۔ ان کی ابتداء میں 'اللہ اکبر' دو مرتبہ ہے۔ جبکہ ایک روایت میں ان سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ابتداء میں 'اللہ اکبر' تین مرتبہ پڑھتے تھے۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یوں کہتے تھے: (اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا) ②

یہ تکبیرات اجتماعی طور پر نہ پڑھی جائیں۔ اس لئے کہ یہ نہ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ سلف صالحین کے عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ اس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر تکبیرات پڑھے۔

(۵) صدقہ کرنا: صدقہ کرنا بھی ان اعمالِ صالحہ میں سے ایک ہے جو ان دنوں میں مسلمانوں کے لئے مستحب ہیں۔ اللہ نے صدقہ کا تاکیدی حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ③

''اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور نہ شفاعت۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ» ④

''کسی مال کا صدقہ نکالنا اس مال کو گھٹاتا نہیں۔''

لہٰذا ہمیں خصوصاً ان ایام میں زیادہ سے زیادہ صدقہ کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام اعمال کی توفیق دے۔ آمین

① إرواء الغليل:125/3 ② أيضا ③ البقرة2:254 ④ رواه مسلم

دوسرا خطبہ

برادرانِ اسلام! عشرۂ ذوالحجہ میں مستحب اعمال کے بارے میں ہم نے تفصیلی گفتگو کی۔ اب انہی اعمال میں سے ایک اور عمل جس کی شریعت میں تاکید کی گئی ہے اور اسے بھی اِسی عشرہ کے اختتام پر انجام دینا ہوتا ہے اور وہ ہے:

(٦) قربانی

قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے جس پر آپ نے ہر سال عمل فرمایا۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب الأضاحی کے تحت ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: باب سنة الأضحية پھر انھوں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هَذَا نُصَلِّي ، ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ ، مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْئٍ»①

''آج کے دن ہم سب سے پہلے نماز عید پڑھیں گے ، پھر واپس لوٹ کر قربانی کریں گے۔ جو شخص اسی طرح کرے گا وہ ہماری سنت کو پالے گا۔ اور جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا تو وہ بس گوشت ہی اپنے گھر والوں کو پیش کرے گا، قربانی نہیں ہوگی۔''

یہ حدیث اِس بات کی دلیل ہے کہ قربانی سنت ہے، واجب نہیں۔

اس کے علاوہ سنن ترمذی میں مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا:

(ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ)

''رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی تھی۔''

سائل نے پھر یہی سوال کیا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

(أَتَعْقِلُ؟ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ) ''کیا تمھیں کچھ عقل ہے؟ (میں کہہ رہا ہوں کہ) رسول اللہ ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی تھی۔''②

---

① صحیح البخاری:5545　② سنن الترمذی:1506 وقال : حدیث حسن صحیح

امام ترمذی یہ حدیث روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں:

(وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْأُضْحِيَةَ لَيْسَتْ وَاجِبَةً، وَلٰكِنَّهَا سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُعْمَلَ بِهَا)

''اسی حدیث کی بناء پر اہلِ علم کے نزدیک قربانی واجب نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے جس پر عمل کرنا مستحب ہے۔''

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّي كُلَّ سَنَةٍ)①

''رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے۔ اِس دوران آپ ہر سال قربانی کرتے رہے۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ قربانی واجب نہیں، تاہم جو شخص اس کی استطاعت رکھتا ہو وہ قربانی ضرور کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِأَنْ يُضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا»②

''جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے عرفات میں ارشاد فرمایا تھا:

« يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَةً...... »③

''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ضروری ہے۔''

لہٰذا اگر استطاعت ہو تو قربانی نہیں چھوڑنی چاہئے۔

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ قربانی صرف حجاج کیلئے ہے باقی لوگوں کیلئے نہیں ہے۔ جبکہ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول ابھی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ قربانی صرف حجاج کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ہے۔ حجاج تو حج کے واجبات ادا کرنے کیلئے قربانی کرتے ہیں اور سنتِ ابراہیمی کو زندہ کرتے ہیں۔ جبکہ دیگر مسلمان پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

---

① سنن الترمذی:1507وقال: حدیث حسن

② رواہ الحاکم وحسنہ الألبانی فی صحیح الترغیب، والترهیب:1087

③ سنن أبی داؤد:2788، سنن الترمذی:1518، سنن ابن ماجہ:3125وصححہ الألبانی

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ وَأَنَا أُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ» یعنی نبی کریم ﷺ دو مینڈھوں کے ساتھ قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی اسی طرح دو مینڈھے ہی قربان کرتا ہوں۔[1]

ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا جو عمل روایت کر رہے ہیں کہ آپ دو مینڈھوں کے ساتھ قربانی کرتے تھے تو یہ عمل مدینہ منورہ میں تھا کیونکہ حج تو آپ ﷺ نے ایک ہی مرتبہ کیا تھا اور اس میں آپ نے سو اونٹ قربان کئے تھے۔ بلکہ سنن ابوداؤد میں اسی حدیث کے الفاظ میں (بالمدینة) کی صراحت موجود ہے جو اِس بات کا ثبوت ہے کہ نبی ﷺ حج کے علاوہ بھی قربانی کرتے تھے۔[2]

اس کے علاوہ جو حدیث ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے ذکر کی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آج کے دن ہم سب سے پہلے نماز عید پڑھیں گے، پھر واپس لوٹ کر قربانی کریں گے۔'' تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قربانی تمام مسلمانوں کیلئے مسنون ہے صرف حاجیوں کیلئے نہیں، کیونکہ اگر قربانی صرف حاجیوں کیلئے ہی ہوتی تو آپ ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ آج کے دن ہم پہلے نماز عید پڑھیں گے اور پھر قربانی کریں گے! جبکہ حجاج تو دس ذوالحجہ کو نماز عید نہیں پڑھتے اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں نماز عید پڑھی تھی۔

لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں کو اِس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

عزیزان گرامی! قربانی کے اہم مسائل تو ہم خطبۂ عید الاضحیٰ میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ البتہ کچھ مسائل ایسے ہیں جنھیں عید سے پہلے بیان کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

مسئلہ نمبر **1** : جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ وہ ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد حجامت نہ بنوائے اور ناخن وغیرہ نہ تراشے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ رَأَیٰ هِلَالَ ذِی الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ یُضَحِّیَ فَلَا یَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهِ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهِ»[3]

''جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد حجامت نہ بنوائے اور نہ ہی اپنے ناخن تراشے۔''

---

① صحیح البخاری:5553

② سنن أبی داؤد:2793۔وصححه الألبانی

③ صحیح مسلم:1977

مسئلہ نمبر 2: قربانی کیلئے جس جانور کا انتخاب کیا جائے وہ گائے ،اونٹ ، بھیڑ، بکری کی جنس سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ ①

''اور ہرامت کیلئے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر کئے ہیں تاکہ وہ اُن چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں (یعنی ذبح کریں) جو اللہ نے انھیں دے رکھے ہیں۔''

آیتِ کریمہ میں ﴿بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ سے مراد اونٹ ، گائے اور بھیڑ بکری ہی ہیں۔

اسی لئے امام نووی ؒ نے تمام مسلمانوں کا اِس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قربانی میں صرف یہی جانور ہی کفایت کر سکتے ہیں۔ ②

مسئلہ نمبر 3: قربانی کے جانور کا عیبوں سے پاک ہونا ضروری ہے مثلا لنگڑا پن ، بھینگا پن ، انتہائی لاغر وکمزور یا بیمار ہونا۔ لہٰذا اُس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں جس میں ان عیبوں میں سے کوئی عیب پایا جاتا ہو۔ تو ان میں سے کوئی عیب بھی جانور میں نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح نہ کان کٹا ہوا ور نہ ہی سینگ ٹوٹا ہو۔ تاہم جانور کا خصی ہونا عیب نہیں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيْ: اَلْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيْضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيْرُ الَّتِي لَا تُنْقِيْ» ③

''قربانیوں میں چار قسم کے جانور جائز نہیں: وہ جانور جو بھینگا ہو اور اس کا بھینگا پن بالکل واضح ہو۔ وہ جانور جو مریض ہو اور اس کی بیماری بالکل عیاں ہو۔ وہ جانور جو لنگڑا ہو اور اس کا لنگڑا پن بالکل نمایاں ہو۔ اور وہ انتہائی کمزور ولاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔''

مسئلہ نمبر 4: جانور کی عمر: قربانی کا جانور موٹا تازہ ہونے کے ساتھ دو دانتا ہونا ضروری ہے۔ صرف بھیڑ یا دنبے میں گنجائش ہے کہ اگر دو دانتا نہ مل سکے تو ایک سال کا بھی کفایت کر جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً ، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ ، فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِنَ الضَّأْنِ»

---

① الحج22 :34 ② شرح مسلم للنووی:125/13

③ سنن أبی داؤد:2802، سنن الترمذی:1497وصححه الألبانی

''تم دو دانتا جانور ہی ذبح کرو، ہاں اگر تم تنگدست ہو تو ایک سال کی بھیڑ (یا دنبہ) ذبح کرلو۔''①

تاہم کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تنگدستی نہ بھی ہو تو بھی ایک سال کی بھیڑ یا دنبہ کے ساتھ قربانی کرنا جائز ہے۔ اسی بات کو صاحبِ تحفۃ الأحوذی نے بھی راجح قرار دیا ہے۔②

مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْجَذْعَ يُوْفِي مِمَّا يُوْفِي مِنْهُ الثَّنِيُّ» ''بے شک ایک سال کا دنبہ اُس چیز سے کفایت کر جاتا ہے جس سے دو دانتا کفایت کرتا ہے۔''③

اِس حدیث میں اگرچہ (الجذع) کا لفظ مطلق ہے اور اس میں دنبہ اور بکرا دونوں شامل ہیں، لیکن ایک اور حدیث کی بناء پر اسے دنبہ کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے۔ اور وہ ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کے خالو نے نمازِ عید سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ) ''وہ تو صرف گوشت کی خاطر (ذبح شدہ) بکری ہے۔'' (یعنی قربانی نہیں ہے) تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک سال کا بکرا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ضَحِّ بِهَا وَلَا تَصْلُحُ لِغَيْرِكَ» ''تم اسی کو قربان کردو اور یہ آپ کے علاوہ کسی اور کیلئے جائز نہیں۔''④

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک سال کا بکرا قربانی میں کفایت نہیں کرتا۔

مسئلہ نمبر 5: قربانی کا وقت: قربانی کا وقت عید الأضحیٰ کی نماز کے بعد ہے۔ لہٰذا نمازِ عید پڑھنے سے پہلے قربانی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں قربانی کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، ابھی آپ نمازِ عید سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے ان جانوروں کا گوشت دیکھا جنھیں آپ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربان کر دیا گیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ ذَبَحَ أُضْحِيَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ۔ أَوْ نُصَلِّيَ۔ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ»⑤

''جس شخص نے قربانی کا جانور نمازِ عید سے پہلے ہی ذبح کر دیا تھا وہ اُس کی جگہ اور جانور ذبح کرے۔ اور

---

① صحيح مسلم:1963
② تحفة الأحوذي:440/4
③ سنن أبي داؤد:2799۔ وصححه الألباني
④ صحيح البخاري:5556، صحيح مسلم:1961
⑤ صحيح البخاري:985، صحيح مسلم:1960

جس نے ذبح نہیں کیا تھا وہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر ذبح کردے۔''

اور حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خالو نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ» ''وہ تو صرف گوشت کی خاطر (ذبح شدہ) بکری ہے۔'' (یعنی قربانی نہیں ہے) تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک سال کا بکرا ہے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ضَحِّ بِهَا وَلاَ تَصْلُحُ لِغَيْرِكَ» ''تم اسی کو قربان کردو اور یہ آپ کے علاوہ کسی اور کیلئے جائز نہیں۔''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

«مَنْ ضَحّٰى قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ »①

''جو شخص نمازِ عید سے پہلے قربانی کرتا ہے تو وہ اپنے لئے جانور ذبح کرتا ہے۔ اور جو شخص نمازِ عید کے بعد قربانی کرتا ہے تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔''

مسئلہ نمبر 6: ایک بکرا یا بکری، یا ایک بھیڑ یا دنبہ تمام گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتا ہے۔ اس لئے گھر کے ہر فرد کی جانب سے الگ الگ جانور ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اگر نیت صرف یہ ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں نے اپنی طرف سے الگ قربانی کی ہے، یا صرف اس لئے کہ میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے اپنی طرف سے الگ قربانی کی ہے تو یہ ریا کاری ہے جو حرام ہے۔

عطاء بن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ایوب الأنصاری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

(كَانَ الرَّجُلُ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ فَيَأْكُلُونَ وَيُطْعِمُونَ حَتّٰى تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَتْ كَمَا تَرَى)②

''ایک آدمی اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک ہی بکری قربان کرتا تھا، پھر وہ خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ (پھر اسی طرح بدستور ہوتا رہا) یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے اور اب جو لوگوں کی حالت ہے وہ آپ خود دیکھ رہے ہیں۔''

لہٰذا ایک دوسرے پر فخر کرنے کیلئے نہیں بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے قربانی کرنی چاہئے۔

---

① صحيح البخاري:5556، صحيح مسلم:1961

② سنن الترمذي:1505- وصححه الألباني

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۝لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ①

"کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہو۔"

مسئلہ نمبر 7: گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں سات یا دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

«كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْبَعِيرِ عَشْرَةً» ②

"ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ عید الاضحیٰ آ گئی۔ چنانچہ ہم نے گائے میں سات افراد اور اونٹ میں دس افراد شریک ہو کر قربانی کی۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ» ③

"گائے سات افراد سے اور اونٹ بھی سات افراد سے کفایت کر سکتا ہے۔"

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گائے میں سات افراد اور اونٹ میں سات یا دس افراد شریک ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8 : نمازِ عید کیلئے گھر سے کچھ کھائے پیئے بغیر تکبیریں پڑھتے ہوئے عید گاہ کی طرف جایئے۔

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ، وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ» ④

"نبی کریم ﷺ عید الفطر کے روز نہیں نکلتے تھے یہاں تک کہ کچھ کھا لیتے۔ اور عید الاضحیٰ کے روز نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ نمازِ عید پڑھ لیتے تھے۔"

---

① الأنعام 6: 162-163 ② سنن الترمذی:1501- وصححه الألبانی

③ سنن أبی داؤد :2808- وصححه الألبانی

④ سنن الترمذی:542-وصححه الألبانی

مسئلہ نمبر9 : خواتین کو بھی ہر حال میں عید گاہ کو لے کر جائیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو بھی عید گاہ میں جانے کا حکم دیا تھا جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ حتی کہ حیض والی خواتین کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے یہی حکم دیا کہ وہ گھر سے ضرور نکلیں، تاہم وہ عید گاہ سے باہر بیٹھیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔ [1]

مسئلہ نمبر10:

عید گاہ میں پہنچ کر امام کی اقتداء میں نمازِ عید ادا کریں جس کی پہلی رکعت میں امام قراءت سے پہلے سات اور دوسری رکعت میں پانچ زائد تکبیریں کہے گا۔ مقتدی حضرات بھی امام کے ساتھ یہ تکبیرات کہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر امام خطبہ دے گا۔

برادرانِ اسلام ! قربانی کے دیگر اہم مسائل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ خطبۂ عید الاضحیٰ میں ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو ذوالحجہ کے اِس پہلے عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی توفیق دے۔ آمین

---

[1] صحیح البخاری:974، صحیح مسلم :890

خطبۂ عید الاضحیٰ

اہم عناصر خطبہ:

① قربانی: ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف قرآن مجید میں

③ قربانی: امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ

④ قربانی کے بعض اہم مسائل وآداب

⑤ ایامِ عید میں بعض منکرات کا ارتکاب!

برادران اسلام! آج عید الاضحیٰ یعنی قربانی کی عید کا دن ہے۔ وہ عظیم دن کہ جس میں مسلمانانِ عالم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اور اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں جانور صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنایا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ ①

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بلند مقام عطا کیا کہ آپ کے بعد جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ سب کے سب آپ کی نسل سے تھے اور آپ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جتنی کتب نازل کیں وہ آپ ہی کی اولاد میں سے انبیاء علیہم السلام پر نازل کیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس پیارے نبی کا ۶۹ مرتبہ ذکر کیا ہے اور ان کے مختلف واقعات کو بار بار ذکر کرکے ان کی تعریف کی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۝ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ②

”بے شک ابراہیم (علیہ السلام) پیشوا اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ نے انھیں چن لیا تھا اور راہِ راست کی

---

① النساء4:125 ② النحل16:120-123

طرف ان کی راہنمائی کردی تھی ۔ اور ہم نے انھیں دنیا میں اچھائی دی تھی اور یقیناً وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہونگے ۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ بھی ملتِ ابراہیمی کی پیروی کیجئے جو سب سے کٹ کر اللہ کے ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۝إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ①

''اور ملتِ ابراہیمی سے سوائے اُس شخص کے جس نے اپنے آپ کو احمق بنالیا کون اعراض کرسکتا ہے؟ ہم نے یقینی طور پر انھیں دنیا میں چن لیا تھا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہونگے ۔ (یاد کرو) جب ابراہیم سے اس کے رب نے کہا: تُو اپنے رب کا اطاعت گذار بندہ بن جا تو اس نے کہا: میں رب العالمین کا اطاعت گذار بندہ بن گیا ۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ②

''ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی ۔ بلکہ وہ موحد مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کئی طرح سے آزمایا اور ہر آزمائش میں آپ پورے اترے ۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ ③

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعے آزمایا تو انھوں نے ان سب کو پورا کر دکھلایا ۔ اللہ نے کہا: میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ۔ ابراہیم نے کہا: میری اولاد میں سے بھی ؟ اللہ نے کہا: ظالم لوگ میرے اس عہد میں داخل نہیں ہونگے ۔''

﴿بِكَلِمَاتٍ﴾ سے مراد تمام اوامر ونواہی ہیں ۔ خاص طور پر ہجرت کرنے اور بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی وفاداری کی اللہ تعالیٰ یوں تعریف کرتے ہیں : ﴿وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ﴾ ④

''اور وہ ابراہیم جنھوں نے (اپنے رب کے ساتھ) وفا کی ۔''

① البقرة 2: 130-131 ② آل عمران 3: 67 ③ البقرة 2: 124 ④ النجم 53: 37

اُن آزمائشوں میں سے ایک آزمائش ان کے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تعلق سے تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾[1]

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اپنے آبائی وطن کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ''اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی۔ اُس وقت آپ کی عمر اسی سال سے زیادہ تھی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا عطا کیا اور انھوں نے اس کا نام 'اسماعیل' رکھا۔ اِس بیٹے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی آزمائش یہ کی کہ انھیں حکم دیا کہ اسے اور اس کی والدہ کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئیں جہاں نہ کوئی انسان آباد تھا اور نہ کوئی پھل دار درخت اگتا تھا اور نہ وہاں پانی کا وجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس آزمائش میں پورے اترے اور محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے اِس چھوٹے سے خاندان کو اللہ کے حکم کے مطابق مکہ مکرمہ میں چھوڑ کر چلے گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے اِس خاندان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت ہاجرہ نے کمر پٹہ باندھا تاکہ حضرت سارہ ان کا سراغ تک نہ پائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے (اسماعیل علیہ السلام) کو وہاں سے نکال لائے۔ اُس وقت حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں بیت اللہ کے پاس مسجد الحرام کی بلند جانب، جہاں آبِ زمزم ہے، ایک بڑے درخت تلے بٹھا دیا۔ اُس وقت نہ وہاں کوئی آدمی آباد تھا اور نہ ہی پانی تھا۔ آپ انھیں ایک تھیلہ کھجور کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دے کر چلے آئے۔ حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے آئیں اور پوچھا: ابراہیم! ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو جہاں نہ کوئی آدمی ہے اور نہ پانی ہے؟ حضرت ہاجرہ نے کئی بار یہ بات پوچھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ

[1] الصافات 37: 99-107

کر بھی نہ دیکھا۔ پھر کہنے لگیں: (آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ تو وہ کہنے لگیں: (إِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا) اچھا، پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ پھر وہ واپس آ گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے چل کر جب ایک ٹیلے پر پہنچے جہاں سے انھیں دیکھ نہ سکتے تھے۔ انھوں نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے، اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کلمات کے ساتھ دعا کی:

﴿رَّبَّنَا إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ....﴾

حضرت ہاجرہ حضرت اسماعیل کو اپنا دودھ اور یہ پانی پلاتی رہیں حتی کہ پانی ختم ہو گیا۔ تو وہ خود بھی پیاسی اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا۔ بچے کو دیکھا کہ وہ پیاس کے مارے، تڑپ رہا ہے، آپ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور آپ چل دیں۔ دیکھا کہ صفا پہاڑی ہی آپ کے قریب ہے، اس پر چڑھیں، پھر وادی کی طرف آ گئیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ کوئی آدمی نظر آئے مگر کوئی نظر نہ آیا۔ آپ صفا سے اتر آئیں حتی کہ وادی میں پہنچ گئیں۔ اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور ایک مصیبت زدہ آدمی کی طرح دوڑنے لگیں یہاں تک کہ وادی طے کر لی اور مروہ پہاڑی پر آ گئیں اور مروہ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ کوئی آدمی نظر آتا ہے؟ مگر انھیں کوئی نظر نہ آیا۔ اسی کیفیت میں انھوں نے سات چکر لگائے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «فَذَلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا»

''لوگ صفا و مروہ کے درمیان جو طواف کرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے۔''

اور جب وہ ساتویں چکر میں مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی۔ انھوں نے اپنے آپ سے کہا: خاموش رہو (بات سنو۔) پھر کان لگایا تو وہی آواز سنی۔ کہنے لگیں: میں نے تیری آواز سنی، کیا تو کچھ ہماری مدد کر سکتا ہے؟ آپ نے اسی وقت زمزم کے مقام پر ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنی ایڑی یا اپنا پر زمین پر مار کر اسے کھود ڈالا تو پانی نکل آیا۔ حضرت ہاجرہ اسے حوض کی طرح بنانے لگیں اور اپنے ہاتھ سے منڈیر باندھنے لگیں اور چلوؤں سے پانی اپنے مشکیزہ میں بھرنے لگیں۔ جب وہ چلو سے پانی لیتیں تو اس کے بعد جوش سے پانی نکل آتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا» ''اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے! اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں (یا فرمایا) اس سے چلو چلو پانی نہ لیتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا۔''

چنانچہ حضرت ہاجرہ نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: تم جان کی فکر نہ کرو، یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ بچہ اور اس کا باپ اسے تعمیر کریں گے۔ اُس وقت کعبہ گر کر زمین سے اونچا ٹیلہ بن چکا تھا

اور برسات کا پانی اس کے دائیں بائیں سے گزر جاتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد وہاں جرہم قبیلہ کے لوگ یا ان کے گھر والے (کداء) کے راستے سے آرہے تھے، وہ ادھر سے گزرے اور مکہ کے نشیب میں اترے۔ انھوں نے وہاں ایک پرندہ گھومتا دیکھا تو کہنے لگے: یہ پرندہ ضرور پانی پر گردش کر رہا ہے، ہم اس میدان سے واقف ہیں، یہاں کبھی پانی نہیں دیکھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک دو آدمی بھیجے، انھوں نے پانی موجود پایا تو واپس جا کر انھیں پانی کی خبر دی تو وہ بھی آ گئے۔ حضرت ہاجرہ وہیں پانی کے پاس بیٹھی تھیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا ہمیں یہاں قیام کرنے کی اجازت دیں گی؟ حضرت ہاجرہ نے کہا: ہاں لیکن پانی میں تمھارا حق نہیں ہوگا۔ وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام اسماعیل خود بھی یہ چاہتی تھیں کہ انسان وہاں آباد ہوں۔''

چنانچہ وہ وہاں اتر پڑے اور اپنے گھر والوں کو بھی بلا بھیجا۔ جب وہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور انہی لوگوں سے عربی سیکھی تو ان کی نگاہ میں وہ بڑے اچھے جوان نکلے، وہ ان سے محبت کرتے تھے اور اپنے خاندان کی ایک عورت ان کو بیاہ دی۔ پھر ان کی والدہ فوت ہو گئیں۔[1]

برادران اسلام! ہم نے جو آیات اِس آزمائش کے تعلق سے ذکر کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے اِس جگر گوشے کو ذبح کر رہے ہیں اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں اس لئے انھوں نے اپنے اِس اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا عزم کر لیا۔ تاہم انھوں نے اسے عملی جامہ پہنانے سے پہلے یہ معاملہ اپنے بیٹے پر پیش کیا اور اس سے اس کی رائے طلب کی۔ نیک اور بردبار بیٹے نے فوراً کہا: ﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾

''اے ابا جان! آپ وہ کام کر گذریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔''

صرف یہی نہیں بلکہ بوڑھے باپ کو اپنے صبر وثبات کا یقین دلاتے ہوئے کہا:

﴿سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾

''اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

کیا جذبہ تھا باپ بیٹے کا کہ دونوں اللہ کے حکم پر عمل کرنے کیلئے ہمہ تن تیار اور مستعد۔ باپ اپنے جگر گوشے کو قربان کرنے کیلئے اور بیٹا قربان ہونے کیلئے بے تاب۔ اللہ اکبر! یقیناً یہ بہت بڑی آزمائش تھی جس میں یہ دونوں حضرات کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری:3364

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کو چلے گئے جہاں جمرات کے قریب انھوں نے اپنے اِس فرمانبردار بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تب چشمِ فلک نے دیکھا کہ ایک بوڑھا باپ اپنے جواں سال بیٹے کی گردن پر چھری رکھ رہا ہے! عین اُسی گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار آئی: ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ۝قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾

''اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔''

مالکِ کائنات نے اپنے اِس پیغمبر کے سچے جذبۂ اطاعت وفرمانبرداری کی تصدیق کر دی اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے بدلے میں اس نے ایک مینڈھا بھیج دیا ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربان کیا۔

یہ وہ عظیم قربانی ہے جس پر ہر سال لاکھوں مسلمان عمل کر کے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور ہم پچھلے خطبۂ جمعہ میں ذکر کر چکے ہیں کہ قربانی کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ بھی ہے جس پر آپ نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ہر سال عمل فرمایا۔ بلکہ آپ ﷺ نے طاقت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے شخص کو تنبیہ بھی فرمائی کہ «مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِأَن يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرْ مُصَلَّانَا» [1]

''جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہیں کرتا وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

لہٰذا جو شخص قربانی کی طاقت رکھتا ہو اسے قربانی ضرور کرنی چاہئے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے عرفات میں ارشاد فرمایا تھا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَةً ......» [2]

''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ضروری ہے۔''

لہٰذا اگر استطاعت ہو تو قربانی نہیں چھوڑنی چاہئے۔

تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ تمام عبادات کی طرح قربانی میں بھی اخلاصِ نیت از حد ضروری ہے۔ لہٰذا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جانور قربان کریں۔ ریا کاری ہو یا تعریف سننے کی خواہش ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں نے بھی قربانی کی ہے تو یہ دونوں چیزیں قربانی کے ثواب کو ضائع وبرباد کر دیتی ہیں۔

---

[1] رواه الحاكم وحسنه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:1087

[2] سنن أبي داؤد :2788، سنن الترمذي:1518، سنن ابن ماجه:3125-وصححه الألباني

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ①

''اپنے رب کیلئے ہی نماز پڑھ اور (اسی کیلئے) قربانی کر۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۝لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ②

''کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

اِس کے ساتھ ساتھ ہم آپ کو یہ بھی یاد دلا دیں کہ جانور چاہے قربانی کا ہو یا کوئی اور، ہر جانور کو صرف اللہ کے نام پر ہی ذبح کرنا لازم ہے۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور حلال نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ ③

''بے شک اُس (اللہ) نے تم پر حرام کر دیا ہے مردہ جانور، (بہا ہوا) خون، سور کا گوشت اور ہر وہ جانور جس پر اللہ کے سوا دوسروں کا نام پکارا گیا ہو۔''

اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق وہ شخص ملعون ہے جو غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کرے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ» ④

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اُس شخص پر جس نے غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کیا۔''

لہٰذا قربانی کا جانور ذبح کرتے ہوئے ان دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ ایک تو یہ کہ نیت میں اخلاص ہو اور اِس قربانی کے ذریعے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا مقصود ہو۔ دوسری یہ کہ جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح کیا جائے، غیر اللہ کے نام پر نہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قربانی کا وقت عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ہے۔ لہٰذا آج اگر کسی شخص نے نمازِ عید پڑھنے سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے تو اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اُس کی جگہ پر دوسری قربانی کرے۔

---

① الکوثر 2:108 ② الأنعام 6:162-163

③ البقرة 2:173 ④ صحیح مسلم: 1978

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں قربانی کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ابھی آپ نمازِ عید سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے ان جانوروں کا گوشت دیکھا جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربان کر دیا گیا تھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«مَنْ كَانَ ذَبَحَ أُضْحِيَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ ـ أَوْ نُصَلِّيَ ـ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى ، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ»①

''جس شخص نے قربانی کا جانور نمازِ عید سے پہلے ہی ذبح کر دیا تھا وہ اُس کی جگہ اور جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا تھا وہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر ذبح کر دے۔''

اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ قربانی کیلئے جو جانور آپ نے خاص کر رکھا ہے یا جو جانور آپ آج ہی خرید کر قربان کریں گے وہ موٹا تازہ ہو اور بے عیب ہو۔

ابو امامہ بن سہل بیان کرتے ہیں کہ

(كُنَّا نُسَمِّنُ الْأُضْحِيَةَ بِالْمَدِيْنَةِ ، وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يُسَمِّنُوْنَ)②

''ہم مدینہ میں قربانی کے جانور کو (خوب کھلا پلا کر) موٹا کرتے تھے اور اسی طرح عام مسلمان بھی قربانی کے جانوروں کو موٹا کرتے تھے۔''

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرْبَعٌ لَا تَجُوْزُ فِي الْأَضَاحِيْ:اَلْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا ، وَالْمَرِيْضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا ، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا ، وَالْكَسِيْرُ الَّتِي لَا تُنْقِيْ»③

''قربانیوں میں چار قسم کے جانور جائز نہیں : وہ جانور جو بھینگا ہو اور اس کا بھینگا پن بالکل واضح ہو۔ وہ جانور جو مریض ہو اور اس کی بیماری بالکل عیاں ہو۔ وہ جانور جو لنگڑا ہو اور اس کا لنگڑا پن بالکل نمایاں ہو۔ اور وہ انتہائی کمزور ولاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔''

لہٰذا اُس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں جس میں ان عیبوں میں سے کوئی عیب پایا جاتا ہو۔اسی طرح نہ کان کٹا ہو اور نہ ہی سینگ ٹوٹا ہو۔تاہم جانور کا خصّی ہونا عیب نہیں ہے۔

عزیزانِ گرامی ! اِن بنیادی باتوں کے بعد اب قربانی کے چند آداب بھی جان لیجئے جن کا قربانی میں لحاظ

---

① صحيح البخاري 985، صحيح مسلم :1960

② صحيح البخاري : كتاب الأضاحي باب أضحية النبي ﷺ بكبشين أقرنين

③ سنن أبي داؤد:2802، سنن الترمذي:1497 وصححه الألباني

کرنا ضروری ہے۔

❶ قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری کو اچھی طرح تیز کر لیں۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو فرض کیا ہے۔ لہٰذا جب تم (قصاص میں) قتل کرو تو اچھی طرح سے قتل کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو اور تم میں سے ہر شخص اپنی چھری کو تیز کر لے اور ذبح کئے جانے والے جانور کو سکون پہنچائے۔''

لیکن چھری وغیرہ کو جانور کے سامنے تیز نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گذرے جس نے ایک بکری کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا اور چھری بھی تیز کر رہا تھا جبکہ بکری اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفَلَا قَبْلَ هٰذَا؟أَوَ تُرِيْدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ» ''تم نے اِس سے پہلے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیا تم اسے کئی مرتبہ مارنا چاہتے ہو؟''[2]

❷ بہتر ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرے۔ اگر وہ خود نہ کر سکے تو کوئی دوسرا بھی ذبح کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی ذبح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

جانور ذبح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسے بائیں کروٹ لٹائیں، اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھیں اور ''بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَر'' کہہ کر دائیں ہاتھ سے ذبح کر دیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ، فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا، يُسَمِّيْ وَيُكَبِّرُ، فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ)[3]

''نبی کریم ﷺ نے دو سفید سیاہی مائل مینڈھوں کو قربان کیا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپ نے ان کی

---

[1] صحيح مسلم :1955

[2] رواه الطبراني وغيره وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب:1090

[3] صحيح البخاري:5558 ، صحيح مسلم:1966

گردنوں پر پاؤں رکھا اور 'بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ أَکْبَرُ' پڑھ کر انھیں اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کی ٹانگیں سیاہ ہوں، پیٹ بھی سیاہ رنگ کا ہو اور آنکھوں کا اردگرد بھی سیاہ ہو۔ چنانچہ اسے لایا گیا تا کہ آپ اسے قربان کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: « ھَلُمِّی الْمِدْیَۃَ » ''چھری لے آؤ۔'' پھر آپ نے فرمایا: « اشْحَذِیْھَا بِحَجَرٍ » ''اس کو کسی پتھر کے ساتھ تیز کر دو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب چھری تیز کر دی تو آپ نے اسے ہاتھ میں لیا، مینڈھے کو پکڑا اور اسے ذبح کرتے ہوئے فرمایا:

« بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّۃِ مُحَمَّدٍ » ①

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرما۔''

اِس کے بعد آپ نے اسے قربان کر دیا۔

③ قربانی کے جانور کا گوشت خود بھی کھائیں، اپنے رشتہ داروں اور گھر میں آنے جانے والوں کو اور اسی طرح فقراء و مساکین کو بھی کھلائیں۔

ارشاد باری ہے: ﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴾ ②

''پھر تم خود بھی ان (قربانیوں کے گوشت سے) کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔''

اسی طرح فرمایا: ﴿ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ ③

''اس سے خود بھی کھاؤ اور سوال نہ کرنے والوں اور سوال کرنے والے مساکین کو بھی کھلاؤ۔''

ان آیاتِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے علمائے کرام قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا رشتہ داروں اور ملاقاتیوں کیلئے اور تیسرا فقراء و مساکین کیلئے۔

یاد رہے کہ اپنے حصے کا گوشت ذخیرہ کرنا بھی درست ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اِس سے منع کیا تھا پھر اِس کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کر دیا تھا۔

پھر آپ نے فرمایا: « کُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا وَادَّخِرُوْا » ④

① صحیح مسلم:1967 ② الحج22:28 ③ الحج22:36 ④ صحیح مسلم:1972

''اب تم کھا سکتے ہو، (دورانِ سفر کھانے کیلئے) زادِ راہ بھی لے سکتے ہو اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔''

اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

«مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ فِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْئٌ»

''تم میں سے جو شخص قربانی کرے اس کے گھر میں تین دن کے بعد گوشت نہیں رہنا چاہئے۔''

اِس کے بعد جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اِس سال بھی اُسی طرح کریں جیسا کہ گذشتہ سال کیا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ، فَأَرَدتُّ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهَا»[۱]

''اب تم خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو۔ کیونکہ گذشتہ سال لوگ تنگ حال تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم (باقی ماندہ گوشت کے ساتھ) ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

❹ قربانی کی کھالیں:

جس طرح قربانی کا گوشت فروخت کرنا درست نہیں ہے اسی طرح قربانی کی کھالیں فروخت کر کے ان کی قیمت اپنے مصرف میں لانا بھی جائز نہیں۔ یا تو انھیں اپنے استعمال میں لایا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے پاس رہ کر نگرانی کروں اور ان کے گوشت، ان کی کھالیں اور ان کی جھولیں صدقہ کر دوں اور ان میں سے کوئی چیز قصاب کو بطور مزدوری نہ دوں۔''[۲]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَتِهِ فَلَا أُضْحِيَةَ لَهُ»[۳]

''جو شخص اپنی قربانی کی کھال کو بیچے تو اس کی قربانی نہیں۔''

❺ قربانی کے ایام: قربانی کے چار ایام ہیں۔ عید کا دن اور اس کے بعد مزید تین دن (۱۱،۱۲،۱۳) جنھیں ایامِ تشریق کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ان چار ایام میں سے کسی بھی روز قربانی کر سکتے ہیں۔[۴]

---

① صحیح البخاری:5569، صحیح مسلم:1974

② صحیح البخاری:1717، صحیح مسلم:1317

③ رواہ الحاکم ۔وحسنہ الألبانی فی صحیح الترغیب والترھیب:1088

④ زاد المعاد:319/2 وفتاوی اللجنۃ الدائمۃ:406/8

ایامِ عید میں تفریح

عید کے موقعہ پر تفریح جائز ہے بشرطیکہ دورانِ تفریح کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو۔لہٰذا مسلمانوں کو اِس موقعہ پر اپنے اہل وعیال، اقرباء اور دوست احباب کے ساتھ مل کر خوشی کا اظہار شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس اُس وقت انصار کی نوخیز لڑکیوں میں سے دو لڑکیاں تھیں جو ان اشعار کے ساتھ گا رہی تھیں جو 'بعاث' کے دن انصار نے پڑھے تھے اور حقیقت میں وہ گانے والی نہ تھیں ۔ یہ عید کا دن تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

(أَمَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟)

''کیا رسول اکرم ﷺ کے گھر میں شیطان کی آواز گونج رہی ہے؟''

تو رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:(يَا أَبَا بَكْر ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا)

''ابو بکر! ہر قوم کا ایک تہوار ہوتا ہے اور یہ ہمارا تہوار ہے۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جن دنوں رسول اکرم ﷺ منیٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُسی دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور اُس وقت دو نوخیز لڑکیاں دف بجاتے ہوئے گا رہی تھیں اور رسول اکرم ﷺ چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے ۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی۔تو رسول اکرم ﷺ نے اپنے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا اور فرمایا:

«دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيْدٍ»

''ابو بکر! انھیں چھوڑ دو (اور مت روکو) کیونکہ یہ عید کے ایام ہیں۔''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عید کے دن کچھ حبشی لوگ مسجد میں آئے اور بعض حربی آلات کے ساتھ کھیل پیش کرنے لگے ۔ چنانچہ آنحضور ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر تشریف لائے اور خود بھی ان کے کھیل کا مشاہدہ کیا اور مجھے بھی آپ نے بلا لیا۔ میں آئی تو آپ نے مجھے اپنی چادر کی اوٹ میں کر دیا تاکہ میں پردے میں کھڑی ہو کر ان کے کھیل کا مشاہدہ کرسکوں۔لہٰذا میں نے آپ کے کندھوں پر اپنا سر رکھا اور ان کے کھیل کو دیکھنے لگی۔ پھر جب میں خود کھیل

---

[1] صحیح البخاری:454، صحیح مسلم :892

دیکھتے دیکھتے اکتا گئی تو آپ نے پوچھا: کافی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: اب تم چلی جاؤ۔ [1]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ایامِ عید میں اِس طرح کی تفریح جائز ہے تاہم تفریح اور خوشی کے نام پر یہ قطعا درست نہیں کہ موسیقی اور گانے وغیرہ سنے جائیں اور ٹی وی کی سکرین پر یا سینما گھروں میں جا کر فلمیں اور ڈرامے وغیرہ دیکھے جائیں۔ کیونکہ گانے اور آلاتِ موسیقی سب حرام ہیں اور فارغ اوقات کو ان چیزوں میں گذارنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ۝وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [2]

''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ سے، غافل کرنے والی بات خرید لیتا ہے تاکہ بغیر سمجھے بوجھے اللہ کے بندوں کو اس کی راہ سے بھٹکائے اور اس راہ کا مذاق اڑائے۔ ایسے لوگوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو مارے تکبر کے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ لہٰذا آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے۔''

اس آیت کریمہ میں ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانا اور موسیقی ہے جیسا کہ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو قسم کھا کر کہا کہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے مراد گانا ہی ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی گانے سنتا اور سناتا ہو یا رقص وسرور کی محفلوں میں شرکت کرتا ہو یا گھر میں بیٹھ کر ایسی محفلوں کا نظارہ کرتا ہو اس کیلئے اِس آیت کے مطابق رسوا کن عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ

اسی طرح حضرت ابو مالک الأشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ وَيُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، يُعْزَفُ عَلَى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ» [3]

''میری امت کے کچھ لوگ ضرور بالضرور شراب نوشی کریں گے اور شراب کا نام کوئی اور رکھ لیں گے۔ ان کے سروں کے پاس آلاتِ موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا

---

① صحیح البخاری:454، صحیح مسلم :892 ② لقمان 31:6-7

③ سنن ابن ماجه:4020- وصححه الألباني

دے گا اور انہی میں سے کئی لوگوں کو بندر اور سور بنا دے گا۔''

اِس حدیث میں نہایت سخت وعید ہے ان لوگوں کیلئے جو رقص وسرور کی محفلوں میں شریک ہوتے یا ایسی محفلوں کو ٹی وی یا کمپیوٹر کی سکرین پر دیکھتے ہیں۔

اورحضرت ابو عامر۔ یا ابو مالک ۔ الأشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ ، وَالْحَرِيْرَ ، وَالْخَمْرَ ، وَالْمَعَازِفَ»①

''میری امت میں ایسے لوگ یقیناً آئیں گے جو زنا، ریشم کا لباس، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال تصور کر لیں گے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کئی لوگ ان چار چیزوں کو حلال تصور کرلیں گے حالانکہ یہ دینِ اسلام میں حرام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور جہاں تک گانوں کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے نہ صرف گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ کئی ''روشن خیال'' لوگوں نے اس کے جواز کے فتوے بھی جاری کردیئے ہیں اور ایسا انھوں نے کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں بلکہ عام لوگوں کا رجحان دیکھ کر اور اپنی خواہشِ نفس کو پورا کرنے کیلئے کیا ہے اور اس کیلئے انھوں نے بعض اہل علم کے کمزور اقوال کا سہارا لینے کی کوشش اور ابن حزم کی تقلید کرتے ہوئے صحیح بخاری کی اِس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ گانا اور موسیقی حرام ہے۔ اِس کی حرمت کے جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں وہ یقینی طور پر ہر سمجھ دار آدمی کیلئے کافی ہیں، ان کے علاوہ ایک اور دلیل بھی پیشِ خدمت ہے جس میں پوری صراحت کے ساتھ ڈھول وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ:كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»②

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب، جوا اور ڈھول کو حرام کردیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

ان واضح ترین دلائل کے بعد اب کسی کے ذہن میں شک نہیں رہنا چاہئے اور اِس بات پر یقین کرلینا چاہئے کہ گانا اور موسیقی حرام ہے۔

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ''روشن خیال'' لوگوں کے اسی فتوی کی بناء پر اب بہت سارے لوگ موسیقی کو

---

① صحيح البخاري 5590
② سنن أبي داؤد:3696۔ وصححه الألباني

دل بہلانے اور فارغ اوقات کو مشغول کرنے کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہیں حالانکہ رسول اکرم ﷺ نے ایک اور پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے عام ہو جائیں گے اور شراب نوشی کو حلال تصور کر لیا جائے گا تو اُس وقت اللہ کا سخت عذاب نازل ہو گا۔ جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سَیَکُوْنُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ، قِیْلَ: وَمَتٰی ذٰلِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَیْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ»[1]

'' آخری زمانے میں لوگوں کو زمین میں دھنسایا جائے گا، ان پر پتھروں کی بارش کی جائے گی اور ان کی شکلیں مسخ کی جائیں گی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب آلاتِ موسیقی پھیل جائیں گے، گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔''

اسلامی بھائیو! گانا بجانا کیسے جائز اور مباح ہو سکتا ہے جبکہ رسول اکرم ﷺ نے گانے بجانے کی آواز کو ملعون قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ: مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِیْبَةٍ»[2]

'' دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں: خوشی کے وقت گانے بجانے کی آواز اور مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔''

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول گانا نفاق پیدا کرتا ہے:

(اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ)[3]

'' گانا دل میں یوں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ ایام عید میں خوشی کا اظہار ضرور کریں مگر جو دلائل ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں ان کے پیشِ نظر گانا اور موسیقی وغیرہ سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

ایام عید میں بعض منکرات کا ارتکاب

برادران اسلام! خاص طور پر ایامِ عید کے دوران بعض منکرات دیکھنے میں آتے ہیں جن پر تنبیہ کرنا ضروری

---

① صحيح الجامع للألباني:3665 ② صحيح الجامع للألباني:3695

③ قال الألباني في تحريم آلات الطرب، ص13: إسناده جيد

ہے۔ ان منکرات میں سے چند ایک یہ ہیں:

① **کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اور تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا**

بہت سارے لوگ ایام عید میں جو لباس پہنتے ہیں وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہوتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ»

''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ بات چیت کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔''

آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے۔ تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ یقیناً ذلیل وخوار ہونگے اور خسارہ پائیں گے۔ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ ، وَالْمَنَّانُ ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»①

''اپنے تہ بند کو نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ»②

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہے۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا جو کپڑا بھی نیچے پہنا ہوا ہو، شلوار ہو یا چادر، پائجامہ ہو یا پینٹ، اسے ٹخنوں سے اوپر ہی رکھنا چاہئے نیچے نہیں لٹکانا چاہئے خواہ تکبر نہ بھی ہو اور اگر اس کے ساتھ ساتھ تکبر بھی ہو تو یہ اور زیادہ سنگین گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»③

''ایک آدمی اپنے تہ بند کو گھسیٹ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دھنسا دیا۔ پس وہ قیامت تک زمین کی گہرائی میں نیچے جاتا رہے گا۔''

ایک اور روایت میں اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ ، إِذَا خَسَفَ اللّٰهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»④

---

① صحيح مسلم :106
② صحيح البخاري:5787
③ صحيح البخاري:5790
④ صحيح البخاري:5789، صحيح مسلم :2088

''ایک آدمی اپنے لمبے لمبے بالوں کو کنگھی کیے ہوئے خوبصورت لباس میں چل رہا تھا اور خود پسندی میں مبتلا تھا، اسی دوران اچانک اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ پس وہ قیامت تک زمین کی گہرائی میں جاتا رہے گا۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ ①

''اور لوگوں (کو حقیر سمجھتے ہوئے اور اپنے آپ کو بڑا تصور کرتے ہوئے) ان سے منہ نہ موڑنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

تکبر اِس قدر بڑا گناہ ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر پایا جاتا ہو اور وہ اُس سے توبہ کیے بغیر مر جائے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ »

''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر تھا۔''

ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! بے شک ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کا جوتا خوبصورت ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ، اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ » ②

''بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر یہ ہے کہ حق بات کو ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

لہٰذا ایامِ عید کی خوشی میں بڑائی اور فخر وغرور کی ملاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ لوگوں سے خندہ پیشانی اور عاجزی وانکساری کے ساتھ سے میل ملاقات رکھنی چاہئے اور اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور دوست احباب کے ساتھ اظہارِ محبت کرنا چاہئے۔

④ داڑھی منڈوانا یا اسے چھوٹا کرانا

بہت سارے لوگ عام طور پر بھی داڑھی منڈواتے یا اسے چھوٹا کراتے ہیں اور عید کے موقعہ پر تو اِس کا اور زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

« خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ ، وَفِّرُوا اللِّحٰى ، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ » ③

---

① لقمان 18:31 ② صحیح مسلم: 91 ③ صحیح البخاری: 5892، 5893، صحیح مسلم 259

''تم مشرکین کی مخالفت کرتے ہوئے داڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھوں کو چھوٹا کرو۔''

دوسری روایت میں فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ ، وَأَرْخُوا اللِّحٰى ، خَالِفُوا الْمَجُوْسَ » ①

''تم موچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ۔ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

جبکہ آج کل بہت سارے مسلمان رسول اکرم ﷺ کے ان ارشادات کے بالکل برعکس موچھیں بڑی بڑی رکھ لیتے ہیں اور داڑھی یا منڈوا دیتے ہیں یا اسے چھوٹا کرا دیتے ہیں اور یوں وہ مشرکین اور مجوس کی موافقت کرتے ہیں جن کی مخالفت کرنے کا رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔

③ غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا

بہت سارے لوگ خصوصا ایام عید میں جب ایک دوسرے کے گھر میں جاتے ہیں تو غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرتے اور مبارکباد کا تبادلہ کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا دین اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَأَنْ يُّطْعَنَ فِي رَأْسِ أَحَدِكُمْ بِمِخْيَطٍ مِنْ حَدِيْدٍ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّمَسَّ امْرَأَةً لَا تَحِلُّ لَهُ » ②

''تم میں سے کسی ایک کے سر میں لوہے کی سوئی کو چبھویا جائے تو یہ اُس کیلئے اِس سے بہتر ہے کہ وہ اُس عورت کو ہاتھ لگائے جو اُس کیلئے حلال نہیں۔''

اسی لئے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے جب عورتوں سے بیعت لی تو وہ زبانی بیعت تھی ، اُس میں آپ ﷺ نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا تھا۔ ③

④ غیر محرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات کرنا

خصوصا ایامِ عید میں کئی لوگ غیر محرم عورتوں سے خلوت میں ملاقات کرتے ہیں جبکہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ نے اِس سے منع کیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ »

''تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کیا کرو۔''

---

① صحیح مسلم :260

② السلسلة الصحيحة للألباني :226

③ صحیح مسلم:1866

تو ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اَلْحَمْو یعنی خاوند کے بھائی (دیور) کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ »① ''دیور موت ہے۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ، وَلَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ»②

''کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ ہرگز خلوت میں نہ جائے، ہاں اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو ٹھیک ہے اور اسی طرح کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔''

⑤ عورتوں کا بے پردہ ہو کر گھومنا

خصوصا ایام عید میں بہت ساری خواتین گھروں سے بے پردہ ہو کر نکلتی ہیں۔ خوب سج دھج کے ساتھ بازاروں، مارکیٹوں اور سیاحت گاہوں میں آتی جاتی ہیں اور بہت سارے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرتی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اور اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے اِس سے منع کیا ہے اور خواتین اسلام کو بغیر پردہ کے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلىٰ﴾③

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔ اور قدیم زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار مت کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ، فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ، وَأَقْرَبُ مَا تَكُوْنُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهَا وَهِيَ فِيْ قَعْرِ بَيْتِهَا»④

''خاتون ستر (چھپانے کی چیز) ہے۔ اس لئے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں رہتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔''

بے پردہ ہو کر اور نیم برہنہ لباس پہنے ہوئے گھروں سے نکلنے والی خواتین کو رسول اکرم ﷺ نے سخت وعید

---

① صحیح البخاری، النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة:5232، مسلم، الأدب :2083

② صحیح البخاری، الحج، باب حج النساء:2862، صحیح مسلم، الحج:1341

③ الأحزاب33:33

④ ابن حبان:5599:413/12وصحح إسناده الأرناؤط، وأخرج الجزء الأول منه الترمذی:1773 وصحح إسناده الشیخ الألبانی فی المشکاة :3109

سنائی ہے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہونگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا:قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلاَتٌ مَائِلاَتٌ، رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَإِنَّ رِيْحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا»①

"دو قسم کے جہنمیوں کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس گائے کی دموں کی مانند کوڑے ہونگے جن سے وہ لوگوں کو ہانکیں گے۔ اور دوسری وہ خواتین ہیں جو ایسا لباس پہنیں گی کہ گویا برہنہ معلوم ہونگی۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف لبھانے والی اور خود ان پر فریفتہ ہونے والی ہونگی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی مانند ایک طرف جھکے ہونگے۔ ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہونگی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو تو بہت دور سے محسوس کی جائے گی۔"

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ اِسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْقَوْمِ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ زَانِيَةٌ» ②

"جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گذرے تاکہ وہ اس کی خوشبو کو محسوس کر سکیں تو وہ بدکار عورت ہے۔"

⑥ اقرباء اور فقراء ومساکین کے حقوق کا خیال نہ رکھنا

بہت سارے لوگ ایام عید کے دوران خوب کھاتے پیتے، زرق برق لباس پہنتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے رشتہ داروں اور فقراء ومساکین کو بھول جاتے ہیں۔ جبکہ اسلام ہمیں اِس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ ہم ان خوشیوں میں اقرباء اور فقراء ومساکین کو بھی شامل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ»③

---

① صحیح مسلم، الجنة، باب النار یدخلها الجبارون:2128

② سنن أبی داؤد، الترجل، باب فی طیب المرأة :4167، الترمذی، الإستئذان، باب ما جاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة:2937، سنن النسائی، الزینة، باب ما یکره للنساء من الطیب :5126- وحسنه الألبانی

③ صحیح البخاری:13، صحیح مسلم:45

”تم میں سے کوئی شخص (کامل) ایمان والا نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔“

اور صلہ رحمی کی فضیلت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَه»①

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں فراوانی اور اس کے اجل (موت) میں دیر ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔“

صلہ رحمی کے بارے میں بہت سارے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ان کے رشتہ داران سے صلہ رحمی کریں تو ان کو بھی اُن سے کرنی چاہیۓ حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط ہے اور صلہ رحمی کا درست مفہوم یہ ہے کہ اگر رشتہ دار قطع رحمی کریں تو ان سے صلہ رحمی کی جائے، اگر وہ بدسلوکی کریں تو ان سے اچھا سلوک کیا جائے اور اگر وہ نہ دیں تو تب بھی انہیں دیا جائے۔ الغرض یہ کہ رشتہ دار صلہ رحمی کریں یا نہ کریں دونوں صورتوں میں اپنی طاقت کے مطابق انسان اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا رہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»②

”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جس سے قطع رحمی کی جائے تو پھر بھی وہ صلہ رحمی کرے۔“

لہٰذا عید کی خوشیوں میں اقرباء اور فقراء ومساکین کو بھی شریک کرنا چاہیۓ۔

برادران اسلام! ہم نے اِس خطبہ کے آغاز میں ذکر کیا تھا کہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اور امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کی جاتی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیۓ کہ ہمارا دین ہم سے بس اسی قربانی کا نہیں بلکہ اور بھی کئی قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ سب سے اہم قربانی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی تمام خواہشات کو قربان کردیں اور اس کے احکامات پر عمل درآمد کے سلسلہ میں خواہشات کو آڑے نہ آنے دیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے

---

① صحیح البخاری، الأدب باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم:5986، صحیح مسلم۔ البر والصلة باب صلة الرحم:2557

② صحیح البخاری، الأدب، باب لیس الواصل بالمکافئ:5991

کہ جب اللہ کے احکامات اور ہماری خواہشات کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو ہم احکاماتِ الٰہی کو قربان کر دیتے ہیں، خواہشات کو قربان نہیں کرتے۔ دوسرے لفظوں میں ہم خواہشات کی تکمیل میں اللہ کے دین کی پرواہ نہیں کرتے اور یہ چیز یقیناً ہمارے لئے مہلک اور خطرناک ہے۔ لہٰذا اِس سے بچنا چاہئے اور اُسی جذبۂ اطاعت وفرمانبرداری کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس کا مظاہرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

آخر میں آپ کو نبی کریم ﷺ کی ایک سنت مبارکہ کی یاد دہانی کرا دیں اور وہ ہے نمازِ عید کے بعد راستہ تبدیل کر کے واپس جانا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِي طَرِيْقٍ رَجَعَ فِي طَرِيْقٍ آخَرَ)[1]

''نبی کریم ﷺ جب عید کے دن نکلتے تھے تو ایک راستے سے جاتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس لوٹتے تھے۔''

لہٰذا جس راستہ سے آئے تھے اُس سے نہیں بلکہ دوسرے راستہ سے واپس جائیں اور قربانی کا جانور ذبح کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کی قربانیاں قبول فرمائے اور ہمارے لئے انھیں ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

[1] سنن الترمذی: 541۔ وصححه الألبانی

خطبۂ حجۃ الوداع (۱)

اہم عناصرِ خطبہ:

① خطبۂ حجۃ الوداع کی اہمیت

② عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع کے اہم نکات

③ منیٰ میں خطبۂ یوم النحر

پہلا خطبہ

موسمِ حج کی مناسبت سے ہم پچھلے تین خطبوں میں حج کی فرضیت واہمیت، اس کے فضائل اور احکام وآداب کے علاوہ فضائل حرمین شریفین پر روشنی ڈال چکے ہیں اور احکام وآداب کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران کئی مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب فرمایا تھا۔ سب سے اہم خطبہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے میدانِ عرفات میں ارشاد فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے منیٰ میں بھی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آج کے خطبۂ جمعہ میں انہی خطبات کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق بات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ عرفات میں پہنچے، یہاں آپ کیلئے نمرۃ میں ایک خیمہ لگایا گیا تھا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی (قصواء) پر کجاوہ رکھنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ وادی کے درمیان آئے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا ، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ ، فَاتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْ النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ

فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ؟ قَالُوْا : نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِأُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ :اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ......»[1]

''بے شک تمھارے خون اور تمھارے مال ایسے ہی قابل احترام ہیں جس طرح تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں محترم ہے۔ خبردار! جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں تلے دفن ہو گئے اور جاہلیت کے خون ختم ہو گئے ۔سب سے پہلے میں اپنے (خاندان کے) خونوں میں سے ابن ربیعۃ بن الحارث کا خون ختم کرتا ہوں جو بنوسعد میں دودھ پیتا تھا اور اسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا اور جاہلیت کا سود ختم ہو گیا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ ہے عباس بن عبدالمطلب کا سود، چنانچہ وہ پورے کا پورا ختم کر دیا گیا ہے اور تم عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔تمھارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں اتنا مار سکتے ہو جس سے چوٹ نہ آئے اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انھیں دستور کے مطابق رزق اور لباس مہیا کرو اور (جان لو) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے کتاب اللہ اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے یقیناً دین پہنچا دیا۔(ذمہ داری) ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت فضا میں بلند کی اور اسے لوگوں کی طرف ہلاتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ تو بھی گواہ رہ، اے اللہ تو بھی گواہ رہ...''

اس خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتیں ارشاد فرمائیں جو یہ ہیں:

(۱) خونِ مسلم کی حرمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت والے شہر، حرمت والے ماہ اور حرمت والے دن کی طرح خونِ مسلم کو حرمت والا قرار دیا، یعنی اسے ناحق طور پر بہانا حرام فرما دیا۔ اس لئے مسلمان کے خون کی حفاظت کرنا ضروری امر ہے۔

---

[1] صحیح مسلم:1218

جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرتا ہے اس کیلئے سخت وعید ہے ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾[1]

''اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس نے اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے شخص کو پانچ وعیدیں سنائی ہیں، پہلی یہ کہ اس کی سزا جہنم ہے، دوسری یہ کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، تیسری یہ کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے ،چوتھی یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت (پھٹکار) کا مستحق ہے اور پانچویں یہ کہ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے ایک اور حدیث میں خونِ مسلم کی حرمت کو یوں بیان فرمایا:

«لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ:اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»[2]

''کوئی مسلمان جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کا خون حلال نہیں ۔ ہاں تین میں سے ایک شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں : شادی شدہ زانی، قاتل اور دین (اسلام) کو چھوڑنے اور جماعت سے الگ ہونے والا ۔''

کسی مومن کو ناجائز قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے کر سکتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ»[3]

''دنیا کا خاتمہ کسی مومن کے ناجائز قتل سے اللہ تعالیٰ پر زیادہ ہلکا ہے ۔''

اور حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوْا فِيْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ » [4]

''اگر آسمان والے اور زمین والے (تمام کے تمام) ایک مومن کے خون میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان

---

① النساء4:93 ② متفق علیه

③ سنن ابن ماجه:2619 ، سنن الترمذی عن عبد الله بن عمرو:1395-وصححه الألبانی

④ سنن الترمذی:1398-وصححه الألبانی

سب کو جہنم میں ڈال دیتا۔“

یہی وجہ ہے کہ روزِ قیامت سب سے پہلے خونوں کا حساب لیا جائے گا۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ»①

”قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔“

اس لئے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنا دامن مسلمان کے خون سے محفوظ رکھے اور کسی کو ناجائز قتل نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا ، لَمْ يَتَنَدَّ بِدَمٍ حَرَامٍ ، دَخَلَ الْجَنَّةَ»②

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا تھا اور اس نے حرمت والا خون نہیں بہایا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ایک مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا، پھر اس نے توبہ کر لی، ایمان لے آیا اور عمل صالح کرکے ہدایت کے راستے پر گامزن ہوگیا۔تو انھوں نے کہا: وہ ہلاک ہو جائے، اس کیلئے ہدایت کیسے ممکن ہے جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ نے فرمایا:« يَجِيْءُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُتَعَلِّقٌ بِرَأْسِ صَاحِبِهٖ ، يَقُوْلُ : رَبِّ ، سَلْ هٰذَا لِمَ قَتَلَنِيْ »

”قیامت کے روز قاتل ومقتول دونوں آئیں گے، مقتول اپنے قاتل کے سر کے ساتھ چمٹا ہوگا اور کہے گا: اے میرے رب! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟“

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وہ آیت ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ...﴾ نازل فرمائی اور اسے منسوخ نہیں کیا۔③

(۲) مالِ مسلم کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے خونِ مسلم کی طرح مالِ مسلم کو بھی حرمت والا قرار دیا۔لہٰذا کسی مسلمان کے مال پر ناجائز

---

① متفق علیه ② سنن ابن ماجه:2618۔ وصححه الألباني

③ سنن ابن ماجه:2621۔ وصححه الألباني

طور پر قبضہ کرنا حرام ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾[1]

''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ہاں تمھاری آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو (تو ٹھیک ہے۔)''

نیز فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[2]

''اور ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھایا کرو اور نہ ہی حاکموں (یا قاضیوں) کو رشوت دے کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔''

ان دونوں آیات میں (بِالْبَاطِلِ) یعنی ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا گیا ہے اور اس میں ہر ناجائز اور ناحق طریقہ شامل ہے مثلا چوری کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، خرید وفروخت میں دھوکہ اور فریب کرنا، ڈاکہ زنی کرنا، سود کھانا، امانت میں خیانت کرنا، جوے بازی کرنا اور حرام چیزوں کی تجارت کرنا وغیرہ۔

دوسری آیت میں خاص طور پر حاکموں کو رشوت دے کر کسی کا مال ناجائز طور پر کھانے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ اس دور میں یہ چیز عام ہے۔ چنانچہ تھانوں میں پولیس کو رشوت دے کر جھوٹے کیس درج کروا لئے جاتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کو نہ صرف پریشان کیا جاتا بلکہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے اور گواہوں، وکیلوں اور ججوں کو رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروا لیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ کسی شریف آدمی کا مال ہتھیانے یا اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کیلئے ہی کیا جاتا ہے۔ فإلى الله المشتكى ولا حول ولا قوة إلا بالله

اور مال کی حرمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مال چرانے والے شخص کیلئے بہت سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[3]

''اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا اور عذاب ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

[1] النساء4: 29 [2] البقرة 188:2 [3] المائدة 5: 38

«مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ لِیَقْتَطِعَ بِھَا مَالَ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ»①

''جو آدمی جھوٹی قسم اٹھائے تا کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت ناراض ہوگا۔''

اور جوے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾②

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، وہ پتھر جن پر بتوں کے نام سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور فال نکالنے کے تیر (یہ سب) ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچو تا کہ کامیابی حاصل کر سکو۔''

(۳) امورِ جاہلیت کا خاتمہ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''خبردار! جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں تلے دفن ہوگئے''

یوں آپ ﷺ نے ان تمام امور کے خاتمہ کا اعلان فرمایا جو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں میں رائج تھے۔ آپ ﷺ نے دیگر کئی احادیث میں ان میں سے بعض امور کی نشاندہی فرمائی۔ مثلا آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَرْبَعٌ فِیْ أُمَّتِیْ مِنْ أَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ، لَا یَتْرُکُوْنَھُنَّ: اَلْفَخْرُ فِی الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِی الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ، وَالنِّیَاحَۃُ»③

''میری امت میں چار کام امورِ جاہلیت میں سے ہیں جنھیں وہ چھوڑنے پر تیار نہ ہونگے: حسب ونسب کی بنیاد پر دوسروں پر فخر کرنا، کسی کے نسب میں طعن اندازی کرنا، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور میت پر ماتم کرنا۔''

(۴) جاہلیت کے خون ختم

خطبۂ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں تمام امورِ جاہلیت کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا وہاں خاص طور

① متفق علیہ ② المائدۃ5: 90 ③ صحیح مسلم:934

پر آپ ﷺ نے جاہلیت کے خون ختم فرمائے، یعنی اگر جاہلیت میں کسی نے کسی کو قتل کیا تھا تو اب اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

جاہلیت کے دور میں لوگوں میں پشت در پشت، نسل در نسل اور سالہا سال خون کا بدلہ لینے کیلئے جنگیں چلتی رہتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے ان خونوں کو ختم فرمادیا اور سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے قبیلے کا خون معاف کیا جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا تھا۔

جبکہ اللہ تعالیٰ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾ ①

''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پھر تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا۔''

(۵) سود ختم

رسول اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں جاہلیت کے سود کو بھی ختم فرمادیا۔ جاہلیت میں جب ایک مالدار کسی کو قرضہ دیتا تو سود کے ساتھ دیتا، پھر جب قرضہ لینے والا مقررہ مدت میں قرضہ واپس نہ کرتا تو قرضہ دینے والا مدت بڑھا دیتا اور اس کے ساتھ سود کی مقدار میں بھی اضافہ کردیتا۔ یوں کرتے کرتے سود اصل قرضہ سے زیادہ ہو جاتا۔ یہ بدترین ظلم ہے اور اسے اسلام نے قطعی طور پر حرام کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم کامیابی پاسکو۔''

نیز فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ ③

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم سچے مومن ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر توبہ کرلو تو تمھارا

① آل عمران 3: 103 ② آل عمران 3: 130 ③ البقرۃ 2: 278-279

اصل مال تمھارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

لہٰذا سودی لین دین سے سچی توبہ کرتے ہوئے اسے فورا چھوڑ دیں اور نہ کسی شخص یا کسی بنک سے سود پر قرضہ لیں، خواہ اپنی ضروریات کیلئے ہو یا تجارتی مقاصد کیلئے ہو، اور نہ کسی کو سود پر قرضہ دیں اور نہ ہی کسی بنک میں فکس منافع پر رقم جمع کرائیں کیونکہ یہ بھی سود ہی کی ایک شکل ہے۔

سود کتنا بڑا گناہ ہے! اس کا اندازہ آپ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے کر سکتے ہیں:

« اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حَوْبًا ، أَيْسَرُهُمَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ »[①]

''سود میں ستر گناہ ہیں اور اس کا سب سے ہلکا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی آدمی اپنی ماں سے نکاح کرلے۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

«اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا أَدْنَاهَا مِثْلُ إِتْيَانِ الرَّجُلِ أُمَّهُ ......»[②]

'' سود کے بہتر دروازے ہیں اور اس کا سب سے ہلکا گناہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔''

اور حضرت عبد اللہ بن حنظلۃ الراہب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دِرْهَمُ رِبًا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَشَدُّ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً»[③]

''سود کی حرمت کو جانتے ہوئے اس کا ایک درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ برا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا۔ اس میں ہے کہ:

''......جبریل علیہ السلام نے کہا: آگے چلو تو ہم آگے چلے گئے حتی کہ ہم خون کی ایک نہر پر پہنچ گئے۔ ایک آدمی اس کے اندر کھڑا ہوا تھا اور دوسرا اس کے کنارے پر۔ کنارے پر کھڑے ہوئے آدمی کے سامنے ایک پتھر پڑا ہوا تھا، اندر کھڑا ہوا آدمی جب باہر نکلنے کی کوشش کرتا تو کنارے پر کھڑا ہوا آدمی وہ پتھر اس کے منہ پر دے مارتا اور اسے اس کی جگہ پر واپس لوٹا دیتا۔ وہ بار بار ایسا کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلو تو ہم آگے چلے گئے...... پھر حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ ...... جسے آپ نے خون کی نہر میں دیکھا تھا وہ سود خور تھا......''[④]

① سنن ابن ماجه:2274وصححه الألباني

② الطبراني عن البراء صحيح الجامع للألباني:3537

③ سلسلة الأحاديث الصحيحة :1033

④ صحيح البخاري

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَمُوْكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ» ①

رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، اس کے لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

برادران اسلام! لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سود سے مال بڑھتا اور اس میں اضافہ ہوتا ہے حالانکہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللّٰهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ ②

''اور تم لوگ جو سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور تم لوگ جو زکاۃ دیتے ہو اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے، ایسے ہی لوگ اسے کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔''

نیز فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ ③

''اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔''

ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ سود سے مال میں اضافہ نہیں بلکہ کمی واقع ہوتی ہے، ہاں جو چیز مال میں بڑھوتری کا سبب بنتی ہے وہ ہے صدقہ وزکاۃ!

اور جو لوگ سودی لین دین کر کے ہمیشہ اپنا روپیہ پیسہ بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَحَدٌ أَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا إِلَّا كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهِ إِلٰى قِلَّةٍ» ④

''کوئی شخص چاہے کتنا سود لے لے، اس کا انجام آخر کار قلت اور خسارہ ہی ہوگا۔''

(۶) عملی نمونہ

رسول اللہ ﷺ نے جب جاہلیت کے خونوں کا بدلہ معاف فرمایا تو سب سے پہلے خود آپ ﷺ نے عملی نمونہ پیش فرمایا اور اپنے خاندان کا خون معاف کر دیا، اسی طرح جب آپ ﷺ نے جاہلیت کے سود کو باطل قرار دیا تو

---

① صحیح مسلم:1598 ② الروم30:39 ③ البقرة2:276

④ سنن ابن ماجه:2279 وصححه الألباني

سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا سود ختم کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر داعی کو اپنی دعوت پر سب سے پہلے خود عمل کر کے لوگوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے ، اس سے اس کی دعوت زیادہ مؤثر ہوگی اور دوسرے لوگ اسے جلدی قبول کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ①

''کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو؟ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں!''

نیز فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہیں کرتے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«......رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ رِجَالًا تُقْرَضُ أَلْسِنَتُهُمْ وَشِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ ، فَقُلْتُ : يَا جِبْرِيْلُ ، مَنْ هٰؤُلَاءِ ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ ، أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ» ③

''میں نے شبِ معراج میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ان کے ہونٹ آتشِ جہنم کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو بھلا دیتے ہیں حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ کیا انھیں عقل نہیں آتی؟''

(۷) عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے اپنے تاریخی خطبۂ حجۃ الوداع میں حقوقِ نسواں کے متعلق خاص طور پر تاکید فرمائی اور عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے خواتین کو ان کے

① البقرۃ 2:44 ② الصف 61:2-3 ③ أحمد:120/3و180 بإسناد حسن

بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا جیسا کہ آج کل اس سلسلے میں ہرزہ سرائی کی جاتی ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اسلام نے خواتین کے تحفظ کیلئے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں اور جس طرح اسلام نے خواتین کے حقوق کی پاسداری کی ہے، اس طرح کسی اور دین میں نہیں کیا گیا اور اگر دورِ جاہلیت کی عورت اور خاتونِ اسلام کے مابین مقارنہ کیا جائے تو یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ہم دور کیوں جائیں، آج بھی جن ملکوں میں حقوق نسواں کی بات کی جاتی ہے اور جہاں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے وہاں عورت کی حالت کو دیکھ لیا جائے کہ اس کی قدر ومنزلت کیا ہے! اس کی قیمت تو راستے پر گری ہوئی چیز سے بھی زیادہ نہیں۔ اور جو شخص جب چاہے، جہاں چاہے اسے اپنے دامِ فریب میں پھنسا لیتا ہے۔ جبکہ مسلم معاشرے میں بسنے والی باپردہ اور شریف خاتون کی زندگی کو سامنے رکھ لیا جائے تو دونوں کی زندگیوں میں نمایاں فرق معلوم ہو جائے گا۔ اُس کی زندگی ذلت وخواری کی زندگی اور اِس کی زندگی شریفانہ، باعزت اور پروقار زندگی!

رسول اللہ ﷺ نے دیگر کئی احادیث میں عورتوں کے حقوق کی تاکید فرمائی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ مَا فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ»[1]

’’تم عورتوں کے متعلق اچھے سلوک کی میری وصیت قبول کرو، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر والا حصہ ہوتا ہے، اگر آپ اسے سیدھا کرنا چاہیں گے تو اسے توڑ ڈالیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو اس کا ٹیڑھا پن بدستور باقی رہے گا، لہٰذا تم عورتوں سے اچھا برتاؤ ہی کیا کرو۔‘‘

(۸) خاوند بیوی کے بعض حقوق

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے عمومی حقوق کی تاکید کرنے کے بعد خاص طور پر خاوند بیوی کے بعض حقوق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ»

’’اور تمھارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرو۔ اگر وہ ایسا

---

① صحیح البخاری: 5185 و 5186، صحیح مسلم: 1468

کریں تو تم انھیں اتنا مار سکتے ہو جس سے چوٹ نہ آئے۔اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انھیں دستور کے مطابق رزق اور لباس مہیا کرو۔''

تو آپ ﷺ نے بیوی پر خاوند کے منجملہ حقوق میں سے ایک حق یہ بیان فرمایا کہ بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں کسی شخص کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے اور کسی ایسے شخص کو اس کے بستر پر آنے کی اجازت نہ دے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«......وَلَا تَأْذَنَّ فِيْ بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ»①

''اور وہ خاوند کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو داخل ہونے کی اجازت ہرگز نہ دے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرے تو خاوند اسے اس طرح مار سکتا ہے کہ اسے اس سے چوٹ نہ آئے اور نہ ہی اس کی ہڈی پسلی ٹوٹے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَجْلِدْ أَحَدُكُمْ اِمْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ، ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِيْ آخِرِ الْيَوْمِ»②

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو یوں نہ مارے جیسے اپنے غلام کو مارتا ہے، پھر دن کے آخر میں اس سے ہمبستری بھی کرے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خاوند پر بیوی کا حق بیان فرمایا کہ وہ اسے دستور کے مطابق اور اپنی مالی استطاعت کے بقدر خوراک اور لباس مہیا کرے۔

حضرت معاویہ القشیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ ، وَلَا تُقَبِّحْ ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»③

''اس کا حق یہ ہے کہ جب تم خود کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم خود پہنو تو اس کو بھی پہناؤ اور منہ پر نہ مارو اور گالی گلوچ نہ کرو اور اگر اسے چھوڑنا ہو تو گھر ہی میں چھوڑو۔''

---

① صحيح البخاري:5195، صحيح مسلم:1026

② صحيح البخاري، النكاح، باب ما يكره من ضرب النساء:5204، صحيح مسلم، الجنة، باب النار يدخلها الجبارون:2855

③ أحمد:447/4، سنن أبي داؤد، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها:2142، سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج:1850، صحيح الترغيب والترهيب للألباني:1929

(۹) کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم

عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع کی ایک اور اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تلقین فرمائی کہ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لے، اس طرح وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم قرآن مجید کو سیکھیں، پڑھیں، اس میں غور وفکر کریں اور اس پر عمل کریں۔

لیکن افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس تاکیدِ شدید کے باوجود آپ کی امت آج قرآن مجید سے دور ہو چکی ہے اور قرآن مجید محض الماریوں کی زینت بن کر رہ گیا ہے۔ بہت سارے مسلمان اسے پڑھنا تک نہیں جانتے اور جو پڑھنا جانتے ہیں ان میں سے اکثر کو پورا قرآن مجید تو کجا سورت فاتحہ تک کا معنی ومفہوم بھی معلوم نہیں۔ حفاظِ قرآن مجید تو ماشاء اللہ بہت ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والے اور اسے اپنی زندگی کا دستور بنانے والے بہت کم ہیں!

عزیزان گرامی! قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سب سے افضل کتاب ہے اور اپنی فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس میں بار بار یہ چیلنج فرمایا کہ تمام فصحاء وبلغاء اکٹھے مل کر اس جیسی ایک سورت بھی لا کے دکھائیں۔ پھر اس نے یہ کھلا اعلان کیا کہ تمام جن وانس مل کر بھی اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے۔

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ [1]

’’ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انس وجن مل کر اس قرآن جیسا لانا چاہیں تو اس جیسا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔‘‘

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنی عظیم الشان کتاب اللہ تعالیٰ نے کیوں نازل فرمائی ؟ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خود ارشاد فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ [2]

’’ یہ بابرکت کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کی کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور عقل وخرد والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔‘‘

---

① الإسراء 88:17 ② ص 29:38

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے خود بھی سیکھیں اور اپنی اولاد کو بھی سکھلائیں۔ خود بھی اس میں غور فکر کریں اور اولاد کو بھی حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ وتفسیر بھی پڑھائیں تا کہ اس سے نصیحت حاصل ہو سکے، کیونکہ قرآن مجید کا معنی ومفہوم معلوم کئے بغیر اس سے نصیحت حاصل کرنا ناممکن ہے۔

قرآن مجید دنیوی اور اخروی بھلائیوں کی طرف انسان کی راہنمائی کرتا ہے اور ایسا مضبوط راستہ دکھلاتا ہے جو انسان کو جنت تک پہنچا دیتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴾ ①

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کیلئے بہت بڑا اجر ہے۔''

یاد رہے کہ کتاب اللہ (قرآن مجید) میں دیگر احکامات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اس کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی بھی اطاعت کی جائے اور وہ جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کیا جائے اور جس سے منع کریں اس سے پرہیز کیا جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو''

اس آیت کریمہ سے اور اس کے علاوہ دیگر کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں کتاب اللہ (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھامنا اور اسے اپنا دستورِ حیات بنانا فرض ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ پر عمل کرنا بھی فرض ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا اور اسی لئے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا تھا:

« فَاعْقِلُوْا أَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِيْ ، فَإِنِّيْ قَدْ بَلَّغْتُ ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ : كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ ﷺ » ③

''اے لوگو! میری باتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لو، میں نے یقیناً اللہ کا دین آپ تک پہنچا دیا اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے: اللہ کی کتاب

① الإسراء17: 10 ② محمد47: 33

③ السنة للمروزي:68 من حديث ابن عباس رضي الله عنه

اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ ہی ہدایت کے چشمے ہیں اور انہی دو چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے سے ہی گمراہی سے بچا جا سکتا ہے۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت تک دین کامل پہنچایا

عرفات میں خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سب سے آخر میں لوگوں سے پوچھا کہ لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں کے جمِ غفیر نے بیک زباں ہو کر کہا کہ آپ نے ہمیں دینِ الٰہی پہنچا دیا، اللہ کی امانت ادا کر دی اور ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بھی تین مرتبہ گواہ بنایا..... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے پورا دینِ الٰہی مکمل طور پر امانت داری کے ساتھ اپنی امت تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے ہر اس بات کی طرف اپنی امت کی راہنمائی فرمائی جس میں اس کی خیر و بھلائی تھی۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللهِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ وَيُبْعِدُكُمْ عَنِ اللهِ إِلَّا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْهُ» [①]

"میں نے تمھیں ہر اس بات کا حکم دے دیا ہے جو تمھیں اللہ کے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی ہے اور تمھیں ہر اس بات سے روک دیا ہے جو تمھیں جہنم کے قریب اور اللہ سے دور کرنے والی ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیر و بھلائی کا کوئی کام نہیں چھوڑا جس کا آپ نے امت کو حکم نہ دیا ہو اور شر اور برائی کا کوئی عمل ایسا نہیں چھوڑا جس سے آپ نے امت کو روک نہ دیا ہو۔ تو اس حقیقت کو جاننے کے بعد اب اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ دین میں کسی قسم کی کمی بیشی، یا نئے نئے کام ایجاد کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، ورنہ نئے نئے کاموں کو ایجاد کر کے دین میں شامل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (معاذ اللہ) پورا دین لوگوں تک نہیں پہنچایا تھا اور بعض خیر کے کام ان سے اور ان کے اولیں ماننے والوں سے چھوٹ گئے تھے!

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مَنِ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً يَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ، اِقْرَؤُوا قَوْلَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

① حجة النبي ﷺ للألباني، ص 103

وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْنًا﴾ وَلاَ يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا ، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لاَ يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا "

''جس نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی ، پھر یہ خیال کیا کہ یہ اچھائی کا کام ہے تو اس نے گویا یہ دعوی کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت (اللہ کا دین پہنچانے) میں خیانت کی تھی (یعنی پورا دین نہیں پہنچایا تھا ۔) اللہ کا یہ فرمان پڑھ لو: '' آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا ، اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بحیثیت دین تمھارے لئے پسند کر لیا'' ......

پھر امام مالکؒ نے کہا: اس امت کے آخری لوگ بھی اسی چیز کے ساتھ درست ہو سکتے ہیں جس کے ساتھ اس امت کے پہلے لوگ درست ہوئے تھے اور جو عمل اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا ۔''

اور اسی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اور میدانِ عرفات ہی میں یوں کھول کر بیان فرمایا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفات میں اپنی اونٹنی پر سوار تھے ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«......أَلاَ وَإِنِّيْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ ، وَأُكَاثِرُ بِكُمُ الْأُمَمَ ، فَلاَ تُسَوِّدُوْا وَجْهِيْ ، أَلا وَإِنِّيْ مُسْتَنْقِذٌ أُنَاسًا ، وَمُسْتَنْقَذٌ مِنِّيْ أُنَاسٌ ، فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ ، أُصَيْحَابِيْ؟ فَيَقُوْلُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ» ①

'' خبردار ! میں حوضِ (کوثر) پر تمھارا استقبال کرونگا اور تمھارے ذریعے دوسری امتوں پر اپنی امت کی کثرت ثابت کرونگا ۔ لہذا تم مجھے رسوا نہ کرنا ۔ خبردار ! میں لوگوں کو بچاؤں گا اور کچھ لوگوں کو مجھ سے دور رکھا جائے گا ۔ میں کہونگا: اے میرے رب ! یہ تو میرے چند ساتھی ہیں ؟ تو وہ جواب دے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا ایجاد کیا تھا !''

لہذا دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا چاہئے ۔

رسول اللہ ﷺ اسی بات کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے اپنے ہر خطبۂ جمعہ میں فرمایا کرتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ» ②

''حمد وثناء کے بعد ! یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور امور

① سنن ابن ماجہ:3057۔وصححه الألباني ② صحيح مسلم:867

میں سب برا امر وہ ہے جسے ایجاد کیا گیا ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

نیز فرمایا:«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »①

''تم میری سنت کو لازم پکڑنا اور اسی طرح ہدایت یافتہ اور راہِ راست پر گامزن خلفاء کے طریقے پر ضرور عمل کرنا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے قطعا نہ چھوڑنا۔ اور تم دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »②

''جس شخص نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس سے نہیں تھا وہ مردود ہے۔''

جبکہ مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا دین نہیں وہ مردود ہے۔''

عزیزانِ گرامی! یہ تھا میدانِ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ حجۃ الوداع.....اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے. آمین

دوسرا خطبہ

پہلے خطبہ میں آپ نے عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع سماعت کیا۔ آیئے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور خطبہ بھی سماعت کر لیجئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ہی کے موقعہ پر یوم النحر (یومِ قربانی) کو منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔

خطبۂ یوم النحر

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ

---

① سنن أبي داؤد:4607 ـ وصححه الألباني　② متفق عليه

شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ : ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ، ذُوْ الْقَعْدَةِ وَذُوْ الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ، ثُمَّ قَالَ:أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ قُلْنَا:اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ، قَالَ: أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ؟قُلْنَا:بَلٰى، قَالَ:فَأَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قُلْنَا:اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ، قَالَ:أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟ قُلْنَا:بَلٰى، قَالَ : فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟قُلْنَا:اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهٖ، قَالَ:أَلَيْسَ يَوْمُ النَّحْرِ؟قُلْنَا:بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ:فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، فَلَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِيْ كُفَّارًا(أَوْ ضُلَّالًا) يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلِّغُهُ يَكُوْنُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ، ثُمَّ قَالَ:أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ »[1]

’’زمانہ گھوم کر اپنی اسی حالت پر آ گیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں اوران میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین لگا تار (ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) اور چوتھا رجبِ مضر ہے جو کہ جمادی (الثانیہ) اور رجب کے درمیان آتا ہے‘‘ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس مہینے کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس شہر کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ البلدۃ (مشہور شہر مکہ) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتے ہیں۔تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام ذکر فرمائیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

’’بے شک تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں حرمت والی ہیں جس طرح تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں حرمت والا ہے۔اور تم عنقریب اپنے رب سے ملنے والے ہو، پھر وہ تم سے

[1] صحیح البخاری:4406، صحیح مسلم:1679

تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر (یا گمراہ) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ خبردار! تم میں جو حاضر ہے وہ غیر حاضر تک پہنچائے، شاید وہ جسے پہنچائے' وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا: خبردار! کیا میں نے پہنچا دیا؟''

اس خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار ماہ کی حرمت بیان فرمائی اور حرمت والے مہینوں کے مخصوص احکام ہم ماہِ محرم کے پہلے خطبہ میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خون، مال اور عزت کی حرمت کو بیان فرمایا اور ہم آج کے خطبہ کے شروع میں خونِ مسلم اور مالِ مسلم کی حرمت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کر چکے ہیں۔ رہی مسلمان کی عزت تو وہ بھی اسی طرح حرمت والی ہے جس طرح مکہ مکرمہ حرمت والا شہر اور جس طرح ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والا مہینہ اور جس طرح یوم النحر حرمت والا دن ہے۔ یعنی جس طرح مکہ مکرمہ کی حرمت کو پامال نہیں کیا جا سکتا اسی طرح کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس طرح ماہِ ذوالحجہ اور یوم النحر کی حرمت اور اس کے تقدس کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی طرح مسلمان کی عزت وآبرو کا تحفظ بھی ضروری امر ہے۔

مسلمان کی عزت کے تقدس اور اس کی حرمت کی وجہ سے ہی رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو شہید قرار دیا جو اپنے گھر والوں کی عزت کا دفاع کرتے ہوئے مارا جائے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ((......وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ)) [1]

''اور جو آدمی اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا اور اسے لوگوں کے سامنے رسوا کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا، وَيُشِيْرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ)) [2]

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقوی یہاں ہے۔ پھر فرمایا: آدمی کی برائی کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر

---

[1] سنن الترمذي:1421، سنن أبي داؤد:4772، سنن النسائي:4094، صحيح الجامع للألباني:6445

[2] صحيح مسلم:2564

حرام ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ یوم النحر کی مزید خاص خاص باتوں کی تفصیل ہم اِن شاء اللہ آئندہ خطبہ میں عرض کریں گے۔ آج کا خطبہ ہم اس دعا کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرتے دم تک صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

خطبۂ حجۃ الوداع (۲)

اہم عناصرِ خطبہ:

① تکمیل خطبۂ یوم النحر اور اس کے اہم نکات

② خطبۂ یوم النحر کی مختلف روایات ③ منیٰ میں ایک اور خطبہ

④ خطبۂ حجۃ الوداع اور مسیح دجال

پہلا خطبہ

برادرانِ اسلام! گذشتہ خطبۂ جمعہ میں ہم نے عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کا تفصیل سے تذکرہ کیا تھا اور اسی طرح خطبۂ یوم النحر کا بھی اجمالا ذکر کیا تھا.....اور ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی تشریح ہم اگلے خطبہ میں عرض کریں گے۔تو لیجئے اس کی بعض تفصیلات سماعت کیجئے۔

اَعمال کے متعلق سوال

رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ یوم النحر میں ارشاد فرمایا کہ

«وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ»

''اور عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔''

لہٰذا ہم پر یہ بات لازم ہے کہ ہم عقائد کی اصلاح کے بعد اعمال کی اصلاح پر بھر پور توجہ دیں اور صرف وہ اعمال کریں جو ہمارے رب کو راضی کرنے والے ہوں اور ان اعمال سے پرہیز کریں جو اسے ناراض کرنے والے ہوں اور اللہ کو راضی کرنے والے اعمال وہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا یا ان کی طرف ترغیب دلائی ۔ جبکہ اللہ کو نارض کرنے والے اعمال وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے منع کیا یا ان سے ڈرایا.

یاد رہے کہ کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جاتی ہوں:

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عمل خالصتا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور اس میں غیر اللہ کو شریک نہ کیا گیا ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل نبی کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ کے مطابق ہو.

فرمان الٰہی ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ ①

''لہٰذا جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» ②

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری شکلوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں بلکہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

« تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَاثْنَيْنِ ، فَيَغْفِرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِكُلِّ امْرِئٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ، إِلَّا امْرَأً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ: أَرْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، أَرْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا» ③

''ہر جمعرات اور سوموار کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی مغفرت کر دیتا ہے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، سوائے اس آدمی کے کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان بغض اور کینہ پایا جاتا ہو تو کہا جاتا ہے: ان دونوں کو ڈھیل دے دو یہاں تک کہ صلح کر لیں، ان دونوں کو ڈھیل دے دو یہاں تک کہ صلح کر لیں۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ تصحیح عقائد کے بعد اصلاحِ اعمال ضروری امر ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی روشنی میں اپنے اعمال کی اصلاح کا اہتمام کرنا چاہئے.

تبلیغ دین کی اہمیت

خطبۂ یوم النحر کی تیسری اہم بات' جو خطبۂ عرفات میں نہیں تھی' وہ یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ» یعنی ''جو موجود ہے وہ غیر موجود تک اللہ کا دین پہنچائے۔'' اس سے معلوم

① الکھف 18:110 ② صحیح مسلم:2564 ③ صحیح مسلم:2565

ہوتا ہے کہ دین کی تبلیغ کرنا اور اسے لوگوں تک پہنچانا نہایت اہم امر ہے۔

اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے والا شخص اس لحاظ سے بڑا خوش نصیب ہوتا ہے کہ جب لوگ اس کی دعوت پر عمل کرتے ہیں تو اسے بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ دَعَا إِلَی هُدًی کَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَیْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئًا»①

''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے تو اسے بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو ملتا ہے اور پیروی کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی اور جو شخص کسی گناہ کی طرف بلاتا ہے تو اسے بھی اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا اس کے کرنے والوں کو ہوتا ہے اور کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔''

لیکن دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ وہ جس بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیں وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور انھیں اس کے بارے میں علم حاصل ہو۔ کیونکہ دعوت وتبلیغ کیلئے علم سب سے پہلی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴾②

''آپ کہہ دیجئے کہ یہی (دین اسلام) میری راہ ہے۔ میں اور میرے ماننے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دلیل وبرہان کی روشنی میں بلاتے ہیں اور اللہ کی ذات بے عیب ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے والوں کی ایک اور فضیلت جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ہی کے موقعہ پر منیٰ میں مقامِ خیف پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

«نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَیْرُ فَقِیْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا یَغِلُّ عَلَیْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِیْحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِیْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِیْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ»③

---

① صحیح مسلم:2674 ② یوسف12:108

③ سنن ابن ماجه:3056 وصححه الألباني

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوشی، بہجت وسرور اور آسودگی دے جس نے میری بات سنی ور اسے آگے پہنچا دیا، کیونکہ کئی علم لینے والے (فقیہ) سمجھ دار نہیں ہوتے اور کئی علم لینے والے اسے اپنے سے زیادہ سمجھ دار تک پہنچا دیتے ہیں اور تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی موجودگی میں مومن کے دل میں کینہ داخل نہیں ہوتا۔ اللہ کیلئے عمل خالص کرنا، مسلمانوں کے سربراہوں سے خیرخواہی کرنا اور ان کی جماعت میں بہر حال شامل رہنا۔ کیونکہ ان کی دعوت ان سب کو محیط ہوتی ہے (جیسے ایک دیوار ان کا احاطہ کرتی ہے اسی طرح ان کی دعوت' جو کہ دعوتِ اسلام ہے' بھی ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور انھیں فرقہ بندی سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس لئے ان کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا اشد ضروری ہے۔)''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر ان لوگوں کیلئے خوشی اور آسودگی کی دعا فرمائی جو آپ ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کو سنتے ہیں اور پھر انھیں آگے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے مزید تین باتوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی اور آپ نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں بغض اور کینے کے منافی ہیں، یعنی اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو مومن کے دل میں بغض اور کینہ نہیں آ سکتا اور وہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کیلئے عمل کو خالص کرنا

جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ہر عملِ صالح کی قبولیت کیلئے پہلی شرط یہ ہے وہ خالصتا اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور اس میں غیر اللہ کو شریک نہ کیا گیا ہو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ ①

''اور انھیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بس اللہ کی عبادت کریں، اس کیلئے عبادت کو خالص کر کے اور یکسو ہو کر اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔ یہی نہایت درست دین ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ ۝ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ ②

''بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے، لہٰذا آپ اللہ کی عبادت' اس کیلئے دین کو

① البینۃ 5:98 ② الزمر 39:2-3

خالص کرتے ہوئے کرتے رہیں ۔ خبردار! دینِ خالص اللہ کیلئے ہی ہے ۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۝لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ①

'' آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز ، میری قربانی ، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جوکہ تمام جہانوں کا رب ہے ، اس کا کوئی شریک نہیں ۔''

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کرنا ضروری ہے ، ورنہ اگر کوئی عمل غیر اللہ کیلئے کیا جائے ، یا کسی عمل میں غیر اللہ کو شریک کرلیا جائے ، یا اس میں ریا کاری یا لوگوں سے تعریف سننے کی نیت شامل ہو جائے تو ایسا عمل کسی کام کا نہیں رہتا ، بلکہ الٹا وبالِ جان بن جاتا ہے .

(۲) سربراہانِ مملکت سے خیر خواہی کرنا

سربراہانِ مملکت سے خیر خواہی کرنے سے مقصود یہ ہے کہ برحق کاموں میں ان کی اطاعت کی جائے اور ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے توفیقِ الٰہی کی دعا کی جائے ۔ انھیں امورِ مملکت کے سلسلے میں نیک مشورے دیئے جائیں ، مملکت میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے ان کی راہنمائی کی جائے ، معاشرے میں اسلامی اقدار کے فروغ اور منکرات کے خاتمے کیلئے انھیں اچھے انداز سے نصیحت کی جائے اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو ان کی غلطیوں کو لوگوں کے سامنے ذکر کرکے انھیں ان کے خلاف بغاوت پر نہ ابھارا جائے ، بلکہ خفیہ طور پر اور خیر خواہی کے انداز میں انھیں متنبہ کیا جائے .

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ، قُلْنَا:لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ:لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ» ②

'' دین خیر خواہی کا نام ہے ۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کس کیلئے اے اللہ کے رسول ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ کیلئے ، اس کی کتاب کیلئے ، اس کے رسول کیلئے ، عام مسلمانوں کیلئے اور ان کے حکمرانوں کیلئے ۔''

---

① الأنعام6:162-163 ② صحیح مسلم:55

(۳) مسلمانوں کی جماعت میں بہرحال شامل رہنا

جب تمام مسلمان یا ان کی اکثریت ایک خلیفہ کے تحت جمع ہو تو ان کی جماعت کو نہ چھوڑا جائے اور ان سے الگ ہو کر ان میں انتشار یا افتراق نہ ڈالا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ» ①

''جو شخص اپنے حکمران سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو آدمی جماعت سے بالشت بھر الگ ہو اور اسی حالت میں اس کی موت آجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

اور حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ لوگ عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس اندیشے کے پیشِ نظر شر کے متعلق سوال کرتا تھا کہ کہیں میں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر (اسلام) سے مشرف کیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد بھی کوئی خیر آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور اس میں کدورت ہوگی۔ میں نے کہا: کدورت سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي، وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ»

''ایسے لوگ آئیں گے جو میرے طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے پر چلیں گے اور میری سیرت کو چھوڑ کر کسی اور کی سیرت سے راہنمائی لیں گے۔ تمھیں ان کی بعض باتیں اچھی لگیں گی اور بعض بری لگیں گی۔''

میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں کچھ داعی ایسے آئیں گے کہ جو گویا جہنم کے دروازے پر کھڑے ہونگے، جو بھی ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اس کو اس میں گرا دیں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان کی صفات بیان فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ ہم میں سے ہی ہونگے اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر وہ زمانہ مجھ پر آگیا تو آپ مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ»

---

① صحیح مسلم :1849

”تم ہر حال میں مسلمانوں کی جماعت اور ان کے حکمران سے وابستہ رہنا۔“

میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا حکمران نہ ہو تو؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعُضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»①

”پھر تم ان تمام فرقوں کو چھوڑ دینا خواہ تمہیں درخت کی جڑیں کیوں نہ چبانا پڑیں، یہاں تک کہ تجھ پر اسی حالت میں موت آجائے۔“

نیز حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ، يُرِيْدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْيُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ»②

”جو شخص تمھارے پاس اس وقت آئے جب تم ایک حکمران پر متفق ہو تاکہ وہ تمھارے درمیان انتشار پیدا کرے اور تمھاری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے تو تم اسے قتل کر دینا۔“

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ تینوں امور (اللہ تعالیٰ کیلئے عمل کو خالص کرنا، سربراہِ مملکت سے خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا) یہ ایسے امور ہیں کہ جن کی وجہ سے بندۂ مومن کا دل مسلمانوں کے متعلق بغض اور کینہ جیسی امراض سے پاک رہتا ہے۔

خطبۂ یوم النحر......ایک اور روایت

سنن ابن ماجہ کی صحیح روایت میں خطبۂ یوم النحر کے حوالے سے کچھ مزید الفاظ بھی وارد ہیں جو سابقہ روایت میں نہیں تھے اور وہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے خون، مال اور اس کی عزت کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

«أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ، وَلَا يَجْنِيْ وَالِدٌ عَلٰى وَلَدِهٖ، وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ، أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يُّعْبَدَ فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَدًا، وَلٰكِنْ سَيَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْ بَعْضِ مَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَيَرْضٰى بِهَا..»③

① صحيح البخاري:3606، صحيح مسلم:1847 واللفظ له ② صحيح مسلم:1852

③ سنن ابن ماجه:3055- وصححه الألباني

''خبردار! ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی والد جرم کرے تو اس کا وبال اس کی اولاد پر نہیں پڑتا اور کوئی اولاد جرم کرے تو اس کی ذمہ واری اس کے والد پر نہیں پڑتی۔ خبردار! شیطان اس بات سے یقیناً مایوس ہو چکا ہے کہ تمھارے اس شہر میں اس کی کبھی پوجا کی جائے گی، ہاں بعض ان اعمال میں اس کی اطاعت ضرور کی جائے گی جنہیں تم معمولی سمجھو گے، تو وہ بس اسی پر ہی خوش ہو جائے گا۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

(۱) ہر شخص اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس کے جرم کا بدلہ کسی اور سے نہیں بلکہ اسی سے لیا جائے گا۔ اور یہی مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾ ①

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

نیز فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴾ ②

''ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے۔''

اور عربوں میں چونکہ یہ عام رواج تھا کہ ایک شخص کے جرم کی پاداش میں اس کے کسی قریبی رشتہ دار کو پکڑ لیتے تھے جو کہ سراسر ظلم تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے خطبہٴ حجۃ الوداع کے دوران اس سے منع کرتے ہوئے قانونِ جرم وسزا کی ایک اہم شق کو بیان فرما دیا کہ ''جو کرے گا وہی بھرے گا'' یہ نہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی!

(۲) پھر آپ ﷺ نے خاص طور پر والد اور اولاد دونوں کا تذکرہ کیا کہ ان میں سے کوئی جرم کرے تو اس کی پاداش میں دوسرے کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ یعنی والد کے جرم کی سزا اس کی اولاد کو یا اولاد کے جرم کی سزا اس کے والد کو دینا درست نہیں۔ جب والد اور اس کی اولاد کے مابین یہ معاملہ نہیں ہو سکتا تو کسی اور کے درمیان بالاولی نہیں ہو سکتا۔

(۳) اس روایت کی تیسری اہم بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے آگاہ فرمایا کہ اب جبکہ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کر رہے ہیں اور کل تک جو قبائل اسلام کے دشمن تھے وہ آج مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں تو شیطان اپنے طور پر اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت یعنی کفریہ کاموں میں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ ہاں بعض اعمال، جنھیں عام طور پر لوگ معمولی تصور کرتے ہیں مثلاً جھوٹ، خیانت، چغل

① الإسراء17: 15 ② المدثر74: 38

خوری، غیبت اور دھوکہ دہی وغیرہ' ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اسی پر خوش ہو جائے گا. اسی طرح جدید الیکٹرانک فتنے مثلا موبائل، ٹی وی، انٹرنیٹ اور کیمرہ وغیرہ کے ذریعے پھیلنے والی خرابیاں بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔

یوم النحر......ایک اور خطبہ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران اپنی اونٹنی (الجدعاء) پر بیٹھے ہوئے یوم النحر کو منیٰ میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ کجاوے کی رکاب میں اپنے پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بلند آواز سے فرمایا: «أَلَا تَسْمَعُوْنَ» کیا تم سنتے نہیں؟ پھر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا:

«أَلَا لَعَلَّكُمْ لَا تَرَوْنِيْ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا» ''شاید تم مجھے آئندہ سال نہ دیکھ سکو۔''

ایک آدمی جو سب سے پیچھے کھڑا تھا، کہنے لگا: تو آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوْا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيْعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ»وفي رواية لأحمد: «أعبدوا ربكم......» [1]

''تم اللہ سے ڈرتے رہو جو کہ تمھارا رب ہے اور پانچوں نمازیں ادا کرتے رہو اور اپنے مالوں کی زکاۃ دیتے رہو۔ نیز اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو۔ اس طرح تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

احمد کی روایت میں (اِتَّقُوْا اللّٰهَ رَبَّكُمْ) کی بجائے (اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ) کے الفاظ ہیں:

اس خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے پانچ باتوں کا حکم دیا اور ان پر عمل کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:

(۱) تقوی

تقوی سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف ہو جس کی بناء پر وہ اپنے دامن کو اس کی

---

[1] أحمد:22161:486/36 و22258و22260 (الأرناؤط) سنن الترمذي:616:حسن صحيح، أبوداؤد (مختصرا): 1955-وصححه الألباني في صحيح سنن الترمذي وسنن أبي داؤد والسلسلة الصحيحة برقم:867

نافرمانی سے بچائے رکھے اور جب اسکے دل میں برائی کا خیال پیدا ہو یا شیطان اس کیلئے کسی برائی کو مزین کر کے پیش کرے تو اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے اور اس برائی کے درمیان حائل ہو جائے اور وہ اس سے باز آجائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار تقوی کا حکم دیا ہے۔ یاددہانی کیلئے چند آیات آپ بھی سماعت فرمایئے:

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ①

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کیلئے کیا آگے بھیجا ہے! اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''

☆﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ ②

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمھاری موت اس حالت میں ہی آئے کہ تم مسلمان ہو۔''

☆﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۞يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ ③

''اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کیا کرو۔ وہ تمھارے کام سنوار دے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقوی کا حکم دیا جبکہ تقوی کے فوائد بیان کرتے ہوئے اس کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا۞وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ④

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے چھٹکارے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

نیز فرمایا: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا﴾ ⑤

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے ہر کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾ ⑥

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہ مٹا دیتا ہے اور اسے بہت بڑا اجر عطا کرتا ہے۔''

① الحشر 18:59 ② آل عمران 3: 102 ③ الأحزاب 33:70-71۔
④ الطلاق 65:2-3 ⑤ الطلاق 65:4 ⑥ الطلاق 65:5

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقوی کے فوائد بیان فرمائے کہ اس سے ڈرنے والے اور اس کی نافرمانیوں سے اپنے آپ کو بچانے والے مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ مشکلات اور پریشانیوں سے نکلنے کے راستے بنا دیتا ہے، ان کے کام آسان کر دیتا ہے، ان کے رزق میں فراوانی عطا کرتا ہے اور ان کے گناہوں کو مٹا کر انھیں اجرِ عظیم نصیب کرتا ہے۔

(۲) پانچ نمازیں

دن اور رات میں پانچ نمازیں ہر مکلّف مسلمان پر فرض ہیں اور توحید ورسالت کے اقرار کے بعد انھیں پابندی کے ساتھ ادا کرنا دینِ اسلام کا دوسرا بنیادی رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں دین کا ستون قرار دیا اور اس کی فرضیت وفضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ عَلَى الْعِبَادِ ، فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ وَلَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اِسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ لَّمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ» ①

''اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ لہٰذا جو شخص انھیں ادا کرے گا اور انھیں ہلکا سمجھتے ہوئے ان میں سے کسی نماز کو ضائع نہیں کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو شخص انھیں ادا نہیں کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں، اگر چاہے گا تو اسے عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو اسے جنت میں داخل کر دے گا۔''

عزیزانِ گرامی ! اللہ تعالیٰ نے اپنے سب سے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو اپنے ہاں بلایا، آسمانوں سے اوپر جہاں تک اس نے چاہا، آپ ﷺ کو معراج کرایا اور اس دوران آپ اور آپکی امت پر پانچ نمازیں فرض کیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ تمام فرائض میں فریضۂ نماز انتہائی اہم ہے ! اور اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کے پیشِ نظر ہی اللہ تعالیٰ روزِ قیامت سب سے پہلے اسی کا حساب لے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهِ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهِ» ②

---

① سنن أبي داؤد والنسائي ۔ صحيح الترغيب والترهيب:370

② الطبراني ۔ بحواله صحيح الترغيب والترهيب:376

"قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست نکلی تو باقی تمام اعمال بھی درست نکلیں گے اور اگر نماز فاسد نکلی تو باقی تمام اعمال بھی فاسد نکلیں گے۔"

اور دوسری روایت میں فرمایا:

«يُنْظَرُ فِي صَلَاتِهِ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ»①

"اس کی نماز میں دیکھا جائے گا، اگر وہ ٹھیک ہوئی تو وہ کامیاب ہو جائے گا اور اگر وہ درست نہ ہوئی تو وہ ذلیل وخوار اور خسارے والا ہوگا۔"

پانچ نمازوں کی فضیلت کے بارے میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ایک درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوشک ٹہنی کو پکڑا اور اسے اتنا ہلایا کہ اس کے تمام پتے جھڑ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! کیا تم مجھ سے پوچھتے نہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ يُصَلِّيْ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ ، تَحَاتَتْ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ هٰذَا الْوَرَقُ ۔ وَقَالَ:﴿ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ﴾②

"بے شک ایک مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر پانچ نمازیں (اپنے اپنے وقت پر) ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے: "آپ دن کے دونوں اطراف کے اوقات میں اور کچھ رات گئے نماز قائم کریں، بلا شبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ ایک یاد دہانی ہے ان لوگوں کیلئے جو اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوْا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ ، قَالَ: فَكَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ ، يَمْحُوْ اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا»③

"بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے، پر نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے

---

① السلسلة الصحيحة:1358

② أحمد والنسائي-صحيح الترغيب والترهيب:363

③ متفق عليه

تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ لوگوں نے کہا: نہیں، ذرا سا میل بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

(۳) ماہِ رمضان کے روزے

پانچ نمازوں کی طرح ماہِ رمضان کے روزے بھی ہر مکلّف مسلمان پر فرض ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ①

''اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقوی اختیار کرو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک کے روزوں کے کئی فضائل بیان فرمائے۔ ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ②

''جو شخص ایمان ویقین کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے اجر طلب کرتے ہوئے رمضان کے روزے رکھتا ہے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

اس کے علاوہ اور بہت سارے فضائل دیگر احادیث میں ثابت ہیں جن کا تذکرہ ہم تفصیل سے رمضان المبارک کے خطبات کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں لوگوں کے بہت بڑے مجمع کے سامنے جہاں دیگر اعمال صالحہ کی تاکید فرمائی وہاں ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کے متعلق بھی تاکید فرمادی تاکہ ان کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

(۴) مال کی زکاۃ

اس حدیث کی چوتھی بات اموال کی زکاۃ ادا کرنا ہے اور اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں جہاں نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے وہاں زکاۃ ادا کرنے کا حکم بھی دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ زکاۃ کی اہمیت بھی نماز سے کم نہیں۔ اس لئے اصحابِ اموال کو زکاۃ ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آغاز میں جن لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا آپ

---

① البقرۃ 2:183 ② متفق علیہ

نے ان کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عِقَالًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ »[1]

’’اللہ کی قسم ! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے‘ تو میں ان سے اس کے انکار پر بھی جنگ کرونگا۔‘‘

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ زکاۃ کی ادائیگی کس قدر اہم ہے ! خاص طور پر ایسا معاشرہ جس میں طبقاتی تقسیم پائی جاتی ہو، جہاں ایک گھر میں ہر قسم کی آسائش اور دنیا کی ہر نعمت موجود ہو اور اسی کے پڑوس میں کھانے پینے کو بھی کچھ نہ ہو اور جہاں ایک محلے میں کئی اغنیاء رہائش پذیر ہوں اور انہی کے پہلو میں کئی فقراء، مساکین اور محتاج بھی موجود ہوں، وہاں زکاۃ کی اہمیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تھا تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کو توحید و رسالت کی طرف دعوت دیں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: « فَإِذَا فَعَلُوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ ...... »[2]

’’اگر وہ ایسا کر لیں (یعنی نمازیں پڑھنا شروع کر دیں) تو انھیں خبردار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا...﴾[3]

’’اے نبی ﷺ ! آپ ان کے مالوں سے صدقہ (زکاۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعے ان (کے اموال) کو پاک اور ان (کے نفوس) کا تزکیہ کیجئے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ زکاۃ کی ادائیگی سے مال پاک ہوتا ہے اور حرص، بخل اور لالچ وغیرہ سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

---

① صحیح البخاری:1399، صحیح مسلم:20

② صحیح البخاری:1458، صحیح مسلم:19

③ التوبۃ9:103

(۵) حاکمِ وقت کی اطاعت

اس خطبۂ یوم النحر کی پانچویں بات ہے (أَطِيْعُوا ذَا أَمْرِكُمْ)
یعنی ''اپنے حکمرانوں اور ذمہ داران کی اطاعت کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد ولی الأمر (حاکم) کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾①

'' اے ایمان والو! تم اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اور ان کی جو تم میں اصحابِ اقتدار ہوں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب اقتدار کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا، لیکن اپنی اطاعت کا حکم دینے کے بعد رسول (ﷺ) کی اطاعت کیلئے (أطیعوا) کا لفظ دوبارہ استعمال کیا، جبکہ اصحابِ اقتدار کی فرمانبرداری کیلئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول (ﷺ) کی اطاعت مستقل ہے جبکہ اصحابِ اقتدار کی فرمانبرداری مستقل نہیں بلکہ مشروط ہے اور وہ شرط کیا ہے؟

اس کی وضاحت حدیثِ رسول ﷺ میں کی گئی ہے:

«عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا أَحَبَّ أَوْ كَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُّؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»②

'' سننا اور فرمانبرداری کرنا مسلمان پر ضروری ہے، خواہ اسے اس بات کا حکم دیا جائے جو اسے پسند ہو یا اس بات کا جو اسے ناپسند ہو۔ (یعنی ہر حال میں فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔) سوائے اس کے کہ اسے معصیت کا حکم دیا جائے۔ لہٰذا اگر اسے (اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی) نافرمانی کرنے کا حکم دیا جائے تو اس حکم کو نہ سنا جائے اور نہ اسے مانا جائے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم/ سربراہ/ صاحبِ اقتدار کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ چنانچہ اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی میں حاکم وقت اور اصحابِ اقتدار کی فرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔

برادرانِ اسلام! اس دور میں معمولی سی باتوں پر اصحابِ اقتدار کے خلاف آوازیں بلند کی جاتی ہیں، احتجاج اور مظاہروں کے ساتھ ملک میں شر انگیز فضا پیدا کر دی جاتی ہے، جلسوں اور جلوسوں میں حکمرانوں اور وزیروں کو

① النساء4:59
② صحیح البخاری :7144، صحیح مسلم :1839

گالیاں دی جاتی ہیں ! حالانکہ یہ انداز رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث کے منافی اوراہل السنۃ والجماعۃ کے منہج کے سراسر خلاف ہے ۔ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اصحابِ اقتدار کے متعلق متفقہ طور پر یہ منہج ہے کہ ان سے خیر خواہی کی جائے ،حق کے امور میں ان سے معاونت کی جائے اور اگر وہ رعایا پر ظلم کریں تو انھیں خفیہ طور پر نصیحت کی جائے ، صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا جائے اور ان کی بھلائی کیلئے دعا کی جائے .

اس بارے میں چند احادیث سماعت فرمایئے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیں حکام کی نافرمانی کرنے سے منع کیا اور انھوں نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیں سنایا کہ:

«لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَ كُمْ وَلَا تَغُشُّوْهُمْ ، وَلَا تُبْغِضُوْهُمْ ، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا ، فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيْبٌ» ①

’’ تم اپنے حکمرانوں کو گالیاں مت دو اور ان سے دھوکہ نہ کرو اور ان سے بغض نہ رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صبر کرو کیونکہ معاملہ قریب ہے ۔‘‘

اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا مَنْ وُلِّيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِيْ شَيْئًا مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهِ الَّذِيْ يَأْتِيْ مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزَعْ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ» ②

’’ خبردار! جس شخص پر کسی کو حکمران بنایا جائے ، پھر وہ اسے دیکھے کہ وہ کچھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے تو وہ اس کی نافرمانی کو تو پسند نہ کرے لیکن اس کی فرمانبرداری سے اپنا ہاتھ نہ کھینچے ۔‘‘

اور حضرت حذیفۃ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَكُوْنُ بَعْدِيْ أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِيْ ، وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ ، وَسَيَقُوْمُ فِيْكُمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِيْ جُثْمَانِ إِنْسٍ) قُلْتُ:كَيْفَ أَصْنَعُ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ؟ قَالَ:(تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ لِلْأَمِيْرِ ، وَإِنْ ضَرَبَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ» ③

’’ میرے بعد کچھ حکمران آئیں گے جو میری ہدایت سے راہنمائی نہیں لیں گے اور نہ ہی وہ میری سنت پر عمل کریں گے اور عنقریب تم میں سے کچھ ایسے لوگ کھڑے ہونگے جن کے دل شیطانوں کے اور جسم انسانوں کے

---

① رواه ابن أبي عاصم وصححه الألباني في ظلال الجنة:1015 ② صحيح مسلم :1855

③ صحيح مسلم :1847

ہونگے۔'' میں نے کہا: اگر میں ایسے دور کو پالوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم حکمران کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا اگرچہ وہ تمھاری پیٹھ پر مارے اور تمھارا مال ضبط کرلے۔''

اور حضرت عیاض بن غنیم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّنْصَحَ لِذِيْ سُلْطَانٍ فَلَا يُبْدِهِ عَلَانِيَةً، وَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ، فَإِنْ سَمِعَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ أَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ»①

''جو شخص صاحبِ اقتدار کو نصیحت کرنا چاہے وہ علی الاعلان نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر علیحدہ ہو جائے (اور پھر نصیحت کرے۔) اگر وہ مان لے تو ٹھیک ہے، ورنہ نصیحت کرنے والا اپنا فرض پورا کر چکا۔''

عزیزان گرامی! یہ اور ان کے علاوہ دیگر کئی احادیث اصحابِ اقتدار کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج وموقف کی وضاحت اور اس کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ لہٰذا اسی موقف کو اپنانا چاہئے اور اس سے انحراف کرکے ملک میں انارکی اور بغاوت کی فضا نہیں پیدا کرنی چاہئے کیونکہ اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے ملک میں بدنظمی، لاقانونیت اور انتشار پھیلتا ہے اور اگر حکام بغاوت کو کچلنے پر آمادہ ہو جائیں تو بے گناہ جانیں ضائع ہو جاتی ہیں ... ہاں اگر اصحابِ اقتدار واضح کفر کا' جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو' ارتکاب کریں اور اصحابِ علم وفضل کے سمجھانے کے باوجود وہ اس کفر کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خروج کرنے سے' کسی بڑے شر اور فساد کے پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو اور خروج کرنے والے بغیر خون خرابے کے اصحابِ اقتدار کو ہٹانے پر قادر ہوں اور اگر وہ انھیں ہٹانے پر قادر نہ ہوں یا خروج کرنے سے کسی بڑے شر کے آنے کا خطرہ ہو تو پھر صبر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم ہر حال میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے حتی کہ اگر ہماری حق تلفی کی گئی تو تب بھی ہم فرمانبرداری ہی کریں گے۔ اور یہ کہ ہم اصحابِ اقتدار سے اقتدار چھیننے کی کوشش نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے اس کے کہ تم واضح کفر دیکھو جس کے بارے میں تمھارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل موجود ہو۔''②

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں پانچ باتوں کا حکم دیا (تقوی، پانچ نمازیں، ماہِ رمضان کے روزے، اموال کی زکاۃ اور حاکم کی فرمانبرداری۔) اور آپ ﷺ نے ان پانچوں کا تذکرہ کرنے کے

---

① رواه ابن أبي عاصم وصححه الألباني في ظلال الجنة:1096

② صحيح البخاري:7055، صحيح مسلم، الإمارة باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية:1709

بعد فرمایا: (تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ) یعنی اگر تم ان پر عمل کروگے تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس لئے ہم سب کو ان پانچوں کی پابندی کرنی چاہیے۔

دوسرا خطبہ

رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ حجۃ الوداع کی مزید کچھ روایات پیش خدمت کی جاتی ہیں تاکہ اس موضوع کا مکمل احاطہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور خطبہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایامِ تشریق کے وسط میں ہمیں خطبۃ الوداع دیا اور اس میں ارشاد فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى، ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: فَيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»①

''اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ ہاں صرف تقوی اور پرہیز گاری سے ہی کوئی کسی پر فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز شخص وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔ خبردار! کیا میں نے پہنچا دیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو موجود ہے وہ غیر موجود کو پہنچا دے۔''

اس خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے دو اہم باتوں کی تاکید فرمائی۔ ایک وحدتِ امت یعنی آپ ﷺ کی امت' ایک امت ہے، اس کا رب ایک اور اس کا باپ ایک ہے۔ لہٰذا اس امت کے ایک ایک فرد پر لازم ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرے اور غیر اللہ کی عبادت کر کے اس میں انتشار اور فرقہ بندی پیدا نہ کرے۔ بالکل یہی بات اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمائی:

﴿إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾②

---

① أحمد في المسند:416/5- وهو في السلسلة الصحيحة للألباني:2700

② الأنبياء21:92

''بے شک تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں، لٰہذا تم میری ہی عبادت کرو۔''

اور فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ①

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔''

یہ اور ان کے علاوہ دیگر کئی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس امت کو اتفاق واتحاد کا درس دیتا ہے اور اختلاف اور گروہ بندی سے منع کرتا ہے اور اس وقت اس امت کی جو افسوسناک صورتحال ہے کہ یہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے جس کی وجہ سے اس کی ہوا اکھڑ چکی ہے اور دشمن اس پر غلبہ حاصل کر چکا ہے! اس سے نکلنے کا واحد راستہ وہی ہے جسے اس امت کے اولیں لوگوں نے اختیار کیا اور جسے اختیار کر کے انھوں نے ایک امت کا قابلِ رشک تصور پیش کیا اور آپس میں بے مثال اتفاق واتحاد پیدا کیا اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ۔ صرف اللہ کے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی پیروی ۔ بس ان دو کے علاوہ تیسرا کوئی نہ تھا جسے پیشوا سمجھا جاتا اور جس کی فرمانبرداری کی جاتی اور یہی دراصل وہ صراط مستقیم ہے جس پر چلنے کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ②

''اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لٰہذا تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا جدا کر دیں گے۔ یہ تمھارے لئے اللہ کا تاکیدی حکم ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

اس خطبۂ حجۃ الوداع میں دوسری بات جس کی رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی وہ ہے قومیت اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تفاضل کا خاتمہ۔ یعنی کسی قوم کو دوسری قوم پر اور کسی رنگ کو دوسرے رنگ پر کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں اگر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت ہے تو صرف تقوی کے اعتبار سے ہے۔ لٰہذا جو قوم یا جو شخص زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا اسے دوسری تمام اقوام اور تمام افراد پر فوقیت حاصل ہوگی چاہے اسکا تعلق عربوں سے ہو یا عجمیوں سے اور چاہے اسکا رنگ گورا ہو یا کالا ۔

① آل عمران 3: 103
② الأنعام 6: 153

خطبہ حجۃ الوداع.....اور دجال

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں حجۃ الوداع کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے حالانکہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ حجۃ الوداع کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے (حجۃ الوداع کے دوران) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، پھر آپ نے مسیح دجال کا تذکرہ کیا اور اس کے تذکرہ میں مبالغہ کیا اور فرمایا: ((مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَهُ أُمَّتَهُ، أَنْذَرَهُ نُوْحٌ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ بَعْدِهِ، وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيْكُمْ، فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأْنِهِ فَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْكُمْ: إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ عَلٰى مَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ - ثَلَاثًا - إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ))[1]

"اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے سب نے اپنی اپنی امت کو اس (دجال) سے ڈرایا۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام نے ڈرایا اور وہ یقیناً تم میں ظاہر ہوگا، اس کے بارے میں جو بات تم پر مخفی تھی وہ اب تم پر مخفی نہیں رہنی چاہیے۔ بے شک تمھارا رب تم پر مخفی نہیں۔ تین بار فرمایا۔ بے شک تمھارا رب کانا نہیں۔ اور وہ (دجال) یقیناً دائیں آنکھ سے کانا ہوگا گویا کہ اس کی آنکھ ابھرے ہوئے انگور کے دانے کی طرح ہوگی۔"

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس خطبہ حجۃ الوداع میں امت کو فتنۂ دجال سے ڈرایا اور اس کے فتنے کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے ہر دور میں ہر نبی نے ڈرایا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تم میں ظہور پذیر ہوگا۔ نیز آپ ﷺ نے اس سے ڈرانے کے ساتھ ساتھ اس کی ایک ایسی علامت بھی بتا دی جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں بتائی تھی اور جس سے اسے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی اور وہ ہے اس کا دائیں آنکھ سے کانا ہونا اور اس سے بھی زیادہ واضح علامت ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی اور وہ ہے اس کی پیشانی پر (ک ف ر) کا لکھا ہونا..... اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین
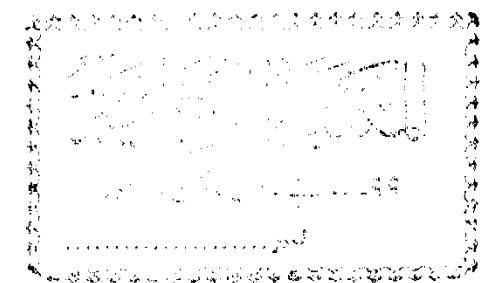
[1] صحیح البخاری: 4402

زادُالخطیب کے بارے میں علماء کرام کے تاثرات

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ

"ہمیں دورانِ مطالعہ ان خطبات میں درج ذیل خصوصیات دیکھنے کو ملی ہیں: ① ہر خطبے کے آغاز میں متعین موضوع کے متعلق تمہیدی کلمات اور اس کے اہم عناصر کا ذکر ہے، پھر ہر عنصر کے لیے کتاب وسنت سے مواد فراہم کیا گیا ہے۔ ② صرف صحیح احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے ③ ان خطبات میں دوسرے خطبے میں بھی اختصار اور جامعیت سے کام لیتے ہوئے وعظ و نصیحت کا اہتمام کیا گیا ہے جو کہ مسنون ہے۔ ④ ان خطبات میں علمی ثقاہت اور جلالت بیان کی جھلک نمایاں ہے، کیونکہ ہر بات حوالے سے مزین اور ہر دعویٰ دلیل سے مبرہن ہے۔ ⑤ شعر گوئی اور قافیہ بندی سے گریز کرتے ہوئے انداز بیان سادہ مگر انتہائی پر مغز، اسلوب تحریر میں پانی کی سی روانی، آسان محاورات اور سہل عبارات سے اپنا مدعا بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے تاکہ دل سے نکلنے والی بات دل میں جاگزیں ہو جائے۔ الغرض یہ "خطبات جمعہ" نہ صرف خطباء اور واعظین کے لیے مفید ہیں بلکہ ہمارے نزدیک ہر لائبریری اور ہر گھر کی بھی ضرورت ہیں، ان سے ہر شخص استفادہ کرنا چاہیے۔"

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

"عرصہ دراز سے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ: ① ایک تو خطباء حضرات کے لیے خطبات کا ایک ایسا مجموعہ مرتب ہو جس میں خالص اسلام کی صحیح تعبیر و تشریح ہو۔ ② دوسرے منبر پر ایسے بدعی اعمال پر تنبیہ ہو جنھوں نے دین اسلام کو مسخ کر دیا ہے۔ ③ تیسرے، ہر موضوع کی تفصیلات صرف صحیح روایات پر مشتمل ہوں، ضعیف اور بے سروپا روایات کا سہارا نہ لیا گیا ہو۔ یہ مجموعہ خطبات، علماء و خطباء کے لیے بلاشبہ ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک ارمغان علمی، علوم و معارف کا ایک گنجینہ اور آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا ایک خزینہ ہے۔"

پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ

"مجھے ان خطبات کو پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ائمہ کرام اور خطیبان عظام کو کتاب وسنت کی روشنی میں موضوعاتی خطبے ملیں۔ ان خطبات کی زبان سادہ و سلیس ہے، انداز نگارش شگفتہ اور متین ہے، حوالے مستند اور کامل ہیں۔ اپنے موضوع پر جو مواد اور معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ لائق داد ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف مذکور کی اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور اس سے خطباء کو استفادے کی توفیق بخشے۔" آمین یا رب العالمین۔

ناشر مرکز الفلاح الخیری - لاہور